جدید فقہی تحقیقات

۸

غیر سودی بینکاری

ضرورت اور طریقہ کار

[غیر سودی بینکاری کے سلسلہ میں علماء ہند کا فیصلہ، نیز تحقیقی مقالات و مناقشات کا مجموعہ، جو تیسرے فقہی سمینار منعقدہ بنگلور مورخہ ۸ تا ۱۱/ جون ۱۹۹۰ء میں پیش کیے گئے]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) محفوظ

نام کتاب : غیر سودی بینکاری-ضرورت اور طریقہ کار
صفحات : ۵۹۴
قیمت : ......
سن طباعت : مارچ ۲۰۰۸ء

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ

دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی)

مجلس ادارت

١- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

٢- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

٣- مولانا بدر الحسن قاسمی

٤- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

٦- مولانا عبید اللہ اسعدی

فہرست مضامین

پیش لفظ — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — ۹

پہلا باب: غیر سودی بینک کے قیام کا ابتدائی خاکہ

۱- مقدمہ — ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی — ۱۷

۲- قرض دینے والے مالیاتی ادارے — حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ — ۳۳

۳- ہندوستان میں غیر سودی بینک (ماہرین کی رپورٹ) — ادارہ — ۴۴

دوسرا باب: غیر سودی بینکاری پر تعارفی مقالات

۱- غیر سودی بینکاری — حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی — ۹۹

۲- ہندوستان میں غیر سودی بینکاری کی عملی صورت گری کے سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی خدمات — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — ۱۰۱

۳- ہندوستان میں اسلامی بنکاری - تصور، تنظیم اور عمل — ...... — ۱۱۹

۴- ہندوستان کے سیاق وسباق میں اسلامی بینکنگ کے عملی پہلو — ڈاکٹر کے جی منشی — ۱۷۰

۵- غیر سودی بینک - ایک عملی خاکہ — جناب سعید شنگیری — ۲۲۸

۶- غیر سودی اسلامی بینک بنانے کے لئے قانونی گنجائش اور دشواریاں — عبدالوہاب محمد دلوی — ۲۵۶

۷- بلاسودی بینک کے قیام کی طرف ایک تعارف — محمد منظور عالم — ۲۶۷

۸- پرائیویٹ بینکاری کی راہ میں حائل دشواریاں اور ان کے حل کے راہنما خطوط	مولانا نظام الدین رضوی	۲۷۹
۹- غیر سودی بینکاری - مسائل اور ان کا حل	مولانا انیس الرحمن قاسمی	۲۹۰
۱۰- غیر سودی بینکاری	مولانا شفیق احمد مظاہری	۳۰۶
۱۱- اسلامی بینکوں میں مالی وسائل کا استعمال	پروفیسر اوصاف احمد	۳۱۴
۱۲- غیر سودی بینکاری - چند تجاویز	مفتی جمیل احمد نذیری	۳۳۵
۱۳- اجارہ اور کرایہ داری	محمد حسین کھٹکھٹے	۳۴۰
۱۴- مضاربہ ڈپازٹس اور ہندوستان کے سیاق وسباق میں ان کے متبادلات	......	۳۶۴
۱۵- اسلامی بینکنگ کی راہ میں درپیش دشواریاں	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۳۷۴
۱۶- اسلامی مالیاتی ادارہ کے اخراجات	حکیم ظل الرحمن	۳۷۶

تیسرا باب: علماء کرام کی تحریریں اور تجاویز

۱- سوالنامہ		۳۸۳
۲- اکیڈمی کا فیصلہ		۳۹۴
۳- تلخیص مقالات	مفتی فہیم اختر ندوی	۴۰۰

الف- مختصر تحریریں متعلق غیر سودی بینکاری

۱- غیر سودی بینک - سوالوں کے جواب	حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ	۴۱۰
۲- بینکاری سے متعلق سوالنامہ کے جوابات	حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۴۱۲
۳- اسلامی مالیاتی ادارہ اور اس کا خاکہ	حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی	۴۱۵
۴- غیر سودی بینک سے متعلق سوالات کے جوابات	حضرت مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی	۴۱۹
۵- غیر سودی بینک سے متعلق سوالات کے جوابات	حضرت مفتی احمد خانپوری	۴۲۳
۶- اسلامی بینکاری سے متعلق سوالات کے جوابات	جناب مولانا خمس پیرزادہؒ	۴۲۷
۷- غیر سودی بینکنگ	حضرت مولانا افضال الحق قاسمی	۴۳۲
۸- اسلامی بینکاری	حضرت مولانا قاضی محمد مصلح صاحب	۴۳۵
۹- غیر سودی اسلامی بینک	حضرت مفتی عبدالرحمن قاسمی	۴۴۱

۱۰- بینکنگ کے متعلق سوالات کے مختصر جوابات	مولانا صدر الحسن ندوی	۴۴۳
۱۱- اسلامی بینکاری	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۴۴۵
۱۲- غیر سودی بینکاری	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۴۴۷
۱۳- اسلامی بینکاری	مولانا محمد ایوب ندوی	۴۵۰
۱۴- غیر سودی بینکنگ	مولانا عبدالقیوم پالنپوری	۴۵۲

ب-تفصیلی تحریریں متعلق غیر سودی بینکاری

۱- اسلامی بینکنگ اور مالیاتی اداروں کے بارے میں اٹھائے گئے سوالات کے جوابات	مولانا عتیق احمد قاسمی	۴۵۶
۲- سوالات متعلقہ اسلامی بنکاری کے جوابات	مولانا محمد عبید اللہ اسعدی	۴۶۵
۳- ہندوستان میں غیر سودی بینک کاری - رہنما خطوط	مولانا اختر امام عادل	۴۷۱
۴- بینکنگ سے متعلق سوالات کے جوابات	مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی	۴۹۸
۵- اسلامی بنکاری کے لئے رہنما خطوط	مفتی نسیم احمد قاسمی	۵۱۶
۶- اسلامی مالیاتی ادارہ	مولانا محمد رئیس ندوی	۵۳۲
۷- اسلامی ادارہ میں سرمایہ کاری کا طریقہ کار	قاضی عبدالجلیل قاسمی	۵۳۹
۸- اسلامی بینک سے متعلق سوالوں کے جوابات	مفتی جمیل احمد نذیری	۵۴۷
۹- اسلامی مالیاتی ادارے	مولانا قاری امداد اللہ انجم رشادی	۵۵۸
۱۰- غیر سرکاری بینکاری	مفتی محمد نور الہدی قاسمی	۵۶۵

چوتھا باب: اختتامیہ

۱- بحث و مناقشہ (۱)		۵۷۵
بحث و مناقشہ (۲)		۵۸۶

☆☆☆

پیش لفظ

شریعت اسلامی کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس کی ہدایات ایمانیات اور عبادات تک محدود نہیں ہیں، بلکہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کو راہ بتاتا ہے، اور اس کے بتائے ہوئے راستہ سے صرف آخرت ہی کی فلاح متعلق نہیں ہے، بلکہ دنیا کی کامیابی وسرفرازی بھی اس پر عمل کرنے میں مضمر ہے، اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ اقتصادی نظام سے متعلق ہے، اور کتب فقہ (جو احکام شریعت کی ترجمان اور شارح ہیں) میں معاملات سے متعلق احکام کی مقدار بہت نمایاں اور اچھی خاصی ہے، نیز عبادات میں زکوۃ وصدقات کا باب بھی اصل میں نظام معیشت ہی سے متعلق ہے، جس کا مقصد غریبوں کی مدد اور خالص مذہبی عقیدہ کے ساتھ تقسیم دولت کے نظام کو تقویت پہنچانا ہے، اسی طرح جو قوانین پرسنل لا یا احوال شخصیہ کہلاتے ہیں، ان میں بھی میراث، نفقہ اور وصیت وغیرہ کے ابواب اسلام کے معاشی تصورات سے جڑے ہوئے ہیں، غرض کہ نظام معیشت شریعت اسلامی کا ایک اہم ترین حصہ ہے قرآن مجید میں بھی اس سے متعلق بنیادی اصول ہمیں ملتے ہیں، اور احادیث میں تو معاشی نظام کے مختلف شعبوں - تجارت، اجارہ، ربوا القرض، ہبہ، شرکت ومضاربت وغیرہ - سے متعلق تعلیمات زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ملتی ہیں، یہ احکام چونکہ بنیادی طور پر قومی اور سماجی مصالح سے مربوط ہیں، اس لئے اس میں قیاس و اجتہاد کی گنجائش بھی زیادہ ہے، اسی لئے معاملات کے ابواب میں ایک قابل لحاظ تعداد ان احکام کی ہے جو فقہاء کے اجتہاد واستنباط کا نتیجہ ہیں۔

پھر اسلام میں معاشی قوانین کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ کے

ارشادات ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسب معاش میں احکام شریعت کا پاس ولحاظ نہیں رکھتا ہو اور اللہ تعالی کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑ کر دولت حاصل کرتا ہو تو اس کی عبادتیں بھی رد ہوجاتی ہیں، اور اس کی دعائیں بھی بارگاہ ربانی میں قبولیت حاصل کرنے سے محروم رہتی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ پورے الحاح سے دعا کرتا ہے، لیکن اس کی دعا مقبول نہیں ہوتی، کیسے اس کی دعا قبول ہو حالانکہ اس کے خون، اس کے گوشت و پوست کی پرورش مال حرام سے ہوئی ہے؟ اس لئے معاشی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر کے صرف عبادتیں انسان کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس سے عبادتیں اور دعائیں بھی بے تاثیر ہوجاتی ہیں۔

اسلامی نظام معیشت کا ایک حصہ ان احکام کا ہے، جو سرمایہ کاری سے متعلق ہیں، قدرت کا نظام یہ ہے کہ مختلف انسانوں کو مختلف نعمتوں سے نوازا گیا ہے، کسی کے پاس دولت ہے، کسی کو صحت وتندرستی دی گئی ہے، کسی کو حسن وجمال سے نوازا گیا ہے، کسی کی قوت گویائی اور اظہار وبیان کی صلاحیت اسے ممتاز کرتی ہے، یہ مختلف صلاحیتوں کا مختلف لوگوں میں پایا جانا اور ایک شخص میں تمام نعمتوں کا جمع نہ ہونا ایک دوسرے کی احتیاج پیدا کرتا ہے، دولت اور کسب دولت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، دولت میں اضافہ کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، پیسہ اور پیسے کو مشغول کرنے کی صلاحیت، اکثر یہ دونوں چیزیں ایک شخص میں جمع نہیں ہوتیں، ایک شخص کے پاس دولت ہوتی ہے، لیکن وہ اسے مشغول کر کے نفع کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اسی طرح بعض حضرات کے اندر تجارت اور سرمایہ کو نفع آور بنانے کی صلاحیت خوب ہوتی ہے، لیکن وہ سرمایہ سے محروم ہوتے ہیں، یہی احتیاج سرمایہ کاری کی ضرورت پیدا کرتی ہے، اور زمانہ قدیم سے انسانی معاشرہ میں سرمایہ کاری کا طریقہ مروج ہے۔

سرمایہ کاری کے دو طریقے مروج رہے ہیں، ایک ایسا طریقہ جس میں نفع ونقصان کے خطرہ کو سرمایہ دار بھی قبول کرتا ہے اور محنت کرنے والا فریق بھی، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ دار سرمایہ دے دے، اور اپنا نفع متعین کر لے، نقصان کا خطرہ بالکل مول نہ لے، یہ طریقہ بھی قدیم

دور سے مروج رہا ہے، جس میں دوسرا فریق اپنی مجبوری کی وجہ سے سرمایہ دار کی بات کو قبول کر لیتا ہے، ظاہر ہے کہ پہلا طریقہ منصفانہ ہے کیونکہ جہاں ایک فریق کا سرمایہ لگ رہا ہے، وہیں دوسرے فریق کی محنت صرف ہو رہی ہے، اس لئے جیسے نفع میں دونوں فریق شریک ہیں، نقصان میں بھی دونوں کو شریک ہونا چاہئے، دوسری صورت نا منصفانہ ہے، کیونکہ اس میں سرمایہ دار دوسرے فریق کی غربت اور سرمایہ سے محرومی کا استحصال کرتا ہے، اور پورا نقصان تنہا اس پر ڈال دیتا ہے۔

اسی لئے اسلام میں سرمایہ کاری سے متعلق بنیادی اصول یہ ہے کہ سرمایہ اور محنت کو ذمہ داری کے اعتبار سے مساوی درجہ دیا جائے، اور جیسے نفع میں دونوں فریق کی شرکت ہوتی ہے، نقصان میں بھی دونوں فریق کی شرکت ہو، مضاربت اور شرکت اسلام میں سرمایہ کاری کی دو اہم صورتیں ہیں اور دونوں اسی اصول پر مبنی ہیں، یہ نہ صرف سرمایہ کاری کا منصفانہ راستہ ہے، بلکہ یہ دولت کے ارتکاز کے بجائے اس کی زیادہ سے زیادہ تقسیم کا موقع فراہم کرتا ہے، اس میں اخلاقی فوائد کے پہلو بھی ہیں، نفع کے ساتھ نقصان کی ذمہ داری قبول کرنے کی وجہ سے انسان کے اندر ایثار، بے غرضی اور دوسرے فریق کی رعایت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور ایک ایسا معاشرہ پروان چڑھتا ہے جس میں حرص و ہوس اور خود غرضی کے بجائے ایثار اور قناعت کی روح کارفرما ہوتی ہے۔

سرمایہ کاری کا دوسرا طریقہ کار وہ ہے جسے قرآن نے ''ربا'' (سود) سے تعبیر کیا ہے، سود دراصل دوسرے فریق کے استحصال اور اس کے ساتھ ناانصافی پر مبنی ہے، اس سے انسان کے اندر حرص و ہوس اور خود غرضی کا عفریت جاگ اٹھتا ہے، وہ اپنے کسی بھائی کو قرض دینے پر بالکل آمادہ نہیں ہوتا، دولت کی خواہش ایک نشہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ ہر قیمت پر بغیر کسی محنت اور خطرہ کے اس کے سرمایہ میں اضافہ ہوتا جائے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سود خور آسیب زدہ شخص کی شکل میں اٹھے گا، یعنی جیسے دنیا میں دولت کی خواہش نے اسے بدمست اور بدحواس بنا رکھا ہے، آخرت میں بھی جب وہ اٹھے گا تو ایسی ہی بدحواسی کی کیفیت سے دوچار ہوگا۔

پہلے سرمایہ کاری افراد و اشخاص کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، لیکن بہت سے کاروبار ایسے ہیں کہ ان کے لئے بہت زیادہ سرمایہ مطلوب ہوتا ہے، اتنے سرمایہ کا ایک دو شخص سے حاصل ہونا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے سرمایہ کاری نے بھی اجتماعی صورت اختیار کی، اور ایسے ادارے وجود میں آئے جو بہت سارے لوگوں کا سرمایہ اکٹھا کریں اور انہیں مشغول کریں، مالیاتی کمپنیاں اسی ضرورت اور جذبہ کے تحت وجود میں آئی ہیں۔ اسی طرح سود پر مبنی سرمایہ کاری کے لئے بینک وجود میں آئے ہیں، جس میں بہت سے لوگ اپنی رقمیں جمع کرتے ہیں اور پھر یہ رقم سود پر دی جاتی ہے، اور اس سے حاصل ہونے والا نفع لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ بینک متعدد ضروری اور مفید خدمات بھی انجام دیتے ہیں، پہلے زمانہ میں سونے اور چاندی کے سکے ہوتے تھے اور لوگ انہیں دفینوں کی شکل میں محفوظ کر دیتے تھے، لیکن جب معدنی سکوں کی جگہ کاغذ کے کرنسی نوٹ نے لی، تو اب حفاظت کی یہ صورت ممکن نہیں تھی، بینک کے ذریعہ انسان اپنے نقد سرمایہ کو محفوظ کر سکتا ہے، اور بوقت ضرورت اسے نکال سکتا ہے، نیز آج کل بینک مختلف تجارتوں میں خاص کر بین ملکی خرید فروخت میں واسطہ بھی بنتا ہے، اور وکیل کا کردار ادا کرتا ہے، اس طرح بینک موجودہ معاشی نظام میں ایک ضرورت بن گیا ہے۔

شریعت اسلامی کی تنفیذ و تطبیق کے لئے ضروری ہے کہ جو معاشی ادارے موجودہ عہد میں ضرورت کا درجہ اختیار کر گئے ہیں اور بہت سی مفید خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن اس میں ایسی باتیں بھی شامل ہوگئی ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے، ان کی ایسی شکل دریافت کی جائے جو شرعی منہیات سے پاک بھی ہو، اور اس کی جائز اور مفید خدمات کو بھی فراہم کرتا ہو، اسی پس منظر میں اس وقت پوری دنیا میں اسلامک بینکنگ کا موضوع زیر بحث ہے، اور مختلف مسلمان ملکوں کے علاوہ بعض ایسے ممالک میں بھی اسلامی بینکنگ نظام قائم ہو چکا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، ہندوستان (جہاں مسلمانوں کی آبادی انڈونیشیا کے سوا تمام مسلمان ملکوں سے زیادہ ہے) میں بھی اس موضوع پر غور کرنے اور جو نتیجہ حاصل ہو، اسے روبہ عمل لانے کی ضرورت ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا (جس کا بنیادی مقصد ہی عصر حاضر میں پیدا ہونے والے

مسائل کا حکم شرعی دریافت کرنا اور ایسے اداروں کا متبادل تلاش کرنا ہے) نے اس سلسلہ میں بڑی کاوشیں کی ہیں، اکیڈمی کے متعدد سیمناروں میں غیر سودی بینک کاری کے مسئلہ پر نہ صرف گفتگو ہوئی ہے، بلکہ یہ موضوع ان فقہی سیمناروں پر چھایا رہا ہے، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اکیڈمی نے اس مقصد کے لئے علماء اور ارباب افتاء، بینکنگ نظام کے ماہرین اور معاشیات سے تعلق رکھنے والے اسکالرس کی ایک کمیٹی بھی بنائی تھی، جس نے کافی عرصہ تک موضوع کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کیا، اور ایک جامع رپورٹ چوتھے فقہی سیمنار میں پیش کی، جس میں اسلامی معاشیات کے دو عالمی سطح کے ماہرین ڈاکٹر انس زرقاء (جدہ) اور مولانا محمد تقی عثمانی (پاکستان) بھی شریک تھے، اس رپورٹ کو ان حضرات نے بھی بہت سراہا اور اس کی تحسین کی۔

لیکن اس طویل غور وفکر نے جس نتیجہ تک پہنچایا، وہ یہ تھا کہ ہندوستان کے موجودہ بینکنگ قوانین جو برطانوی بینکنگ کے ڈھانچہ پر مبنی ہیں، میں سود سے پاک اسلامی خطوط پر بینکنگ نظام قائم کرنا ممکن نہیں، اس کے متبادل کے طور پر مالیاتی کمپنی سے متعلق قوانین سے استفادہ کا مشورہ دیا گیا، لیکن اس میں بھی بہت سی پیچیدگیاں ہیں، خوش آئند بات یہ ہے کہ ہمارے موجودہ وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ اس جانب متوجہ ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلامک بینکنگ کی گنجائش پیدا کی جائے، تاکہ جو مسلمان سود کی شمولیت کی وجہ سے بینک میں اپنا سرمایہ جمع نہیں کرتے، ان کا سرمایہ ان بینکوں میں آئے اور اس کا نفع ملک وقوم کی طرف لوٹے، اس پس منظر میں اسلامک بینکنگ کے مسئلہ پر غور کرنے، اس کی افادیت وواقعیت کو واضح کرنے اور اس کے قابل عمل اور ممکن العمل ہونے کے پہلو کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ اکیڈمی غیر سودی بینک کاری کے سلسلہ میں فقہی اور فنی کاوشوں کو اس مجموعہ کی شکل میں پیش کررہی ہے، اس مجموعہ کو تین اجزاء پر تقسیم کیا گیا ہے، پہلا جز غیر سودی بینک کے قیام سے متعلق ابتدائی خاکہ پر مشتمل ہے، اس میں ماہرین کی تمہیدی رپورٹ اور مختلف مباحثہ گروپ کی رپورٹ کے علاوہ ماہرین کی فائنل رپورٹ بھی شامل ہے، دوسرے جز میں غیر سودی بینکاری پر تعارفی مقالات ہیں، جن میں چند علماء کے اور زیادہ تر ماہرین کے ہیں، ان مقالات میں قانونی

اورشرعی نقطۂ نظر سے اسلامک بینک کے قیام کے امکانات کے مواقع اور اس راہ میں پیش آنے والے مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے، اسی حصہ میں ایک تحریر اس حقیر کی غیر سودی بینک کاری کی عملی صورت گری کے سلسلہ میں اکیڈمی کی خدمات پر بھی شامل ہے۔

تیسرا جز خالص فقہی ہے، اسلامک بینکنگ کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے جو فقہی سوالات ابھرے جنہیں علماء وارباب افتاء کی خدمت میں بھیجا گیا، بعض حضرات نے ان کے تفصیلی جوابات دیئے اور بعض نے مختصر، یہ جوابات اس حصہ میں شامل ہیں، جو شرعی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور علماء ہند کے نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہیں، چوتھا حصہ اختتامیہ کا ہے، جس میں اس موضوع پر ہونے والی بحث ومناقشہ شامل ہے، اس طرح بڑی حد تک یہ مجموعہ اسلامک بینکنگ پر ہونے والی اکیڈمی کی کاوشوں کو یکجا طور پر پیش کرتا ہے، بمقابلہ دوسرے مجموعوں کے اس کی ترتیب دشوار تھی، کیونکہ یہ مختلف سمیناروں کی فائلوں میں دبے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا صفدر علی ندوی صاحب رفیق شعبہ علمی کو کہ انہوں نے بڑی محنت اور خوش سلیقگی کے ساتھ اس بکھرے ہوئے مواد کو جمع کیا ہے، اور اس کو مرتب کر کے لوگوں کے لئے قابل استفادہ بنایا ہے، اس مجموعہ کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس میں فقہی اور شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ فنی اعتبار سے بھی موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ہندوستانی قانون کے تناظر میں بینکنگ نظام کے امکانات اور مشکلات کو واضح کیا گیا ہے، اس لئے امید ہے کہ یہ اس موضوع پر ایک چشم کشا اور رہنما دستاویز ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیڈمی کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہندوستان اور ہندوستان جیسے دوسرے ممالک میں سود سے پاک بینکنگ نظام کے قیام کی راہ ہموار ہو، اور انسانیت کو سود سے نجات ملے، وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۲۵/اکتوبر ۲۰۰۷ء

جدید فقہی تحقیقات

۸

پہلا باب

غیر سودی بینک کے قیام کا ابتدائی خاکہ

مقدمہ

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ☆

دورِ جدید میں مالیاتی امور کی اسلامی تنظیم کا حوصلہ اسلامیانِ ہند کے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ تقریباً سو سال پہلے اقبال نے للکارا تھا:

رعنائیِ تعمیر میں رونق میں صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کے عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبّر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیّت کے فتوحات
[بالِ جبریل]

☆ الجمیر اہرل منزل، دودھ پور، علی گڑھ۔

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن
کس نداند لذت قرض حسن
از ربا جاں تیرہ دل چوں سنگ و خشت
آدمی درندہ بے دندان و چنگ
[جاوید نامہ]

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار
[ضرب کلیم]

بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں متعدد لوگوں نے سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بالمقابل اسلام کے عادلانہ اور درمیانی راہ پر چلنے والے اقتصادی نظام کا چرچا کیا۔ مسلم اکثریت کے بہت سے علاقے سامراجی، نوآبادیاتی اقتدار سے باہر آرہے تھے۔ ان کو پکارا گیا کہ مغرب یا مشرق کی اندھی تقلید کی بجائے معاشی امور، بالخصوص مالیات اور بنک کاری میں ایسا اجتہاد کریں جو قرآن وسنّت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کی ساری ضروریات پوری کرنے پر قادر ہو۔ چنانچہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں سود سے پاک بنک کاری کے نقشے پیش کئے گئے اور چوتھی دہائی کے آغاز ہی سے اسلامی بنکوں اور دیگر اسلامی مالیاتی اداروں، مثلاً اسلامک انوسٹمنٹ کمپنیوں، اسلامک انشورنس کمپنیوں اور اسلامک میوچول فنڈز کے قیام کا سلسلہ شروع

ہوگیا۔گزشتہ تیس سال کی ان سرگرمیوں کے نتیجہ میں آج سو سے زائد ممالک میں سیکڑوں اسلامی مالیاتی ادارے کام کررہے ہیں، اوران کا کاروبار تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

اسلامی معاشیاتی نظام کی طرف بلانے اوراس کے خدّ وخال واضح کرنے میں مسلمان دانشوروں، ماہرین اقتصادیات، جرنلسٹ اور علماء دین سبھی نے حصّہ لیا۔مگر بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے جب اسلامی بینکوں اوردیگر اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا تو ان اداروں کو ایسے لوگوں کی خدمات درکار ہوئیں جوسودی قرضوں پر مبنی لین دین کی جگہ شرکت،مضاربت، اجارہ، وغیرہ ایسے اسلامی عقود اور معاملات پر مبنی لین دین کے طریقے بتائیں جن سے بنک کاری ، فائنانس اور بزنس کے دوسرے کام چل سکیں۔شروع شروع میں چندممتاز علماء اور فقہاء نے ان اداروں کی مدد کی۔آگے چل کر جب اسلامی مالیاتی اداروں کی تعداد بڑھی اوران کے جغرافی پھیلاؤ کا دائرہ وسیع ہوا تو یہ رسم پڑ گئی کہ ہر ادارہ کا ایک شریعہ بورڈ ہو۔آج کل تقریباً ہر اسلامی بنک نے اپنی ویب سائٹ پر اپنے شریعہ بورڈ کے ارکان کے نام اور ان کی علمی استعداد وغیرہ کا ذکر کر رکھا ہے۔ بیسویں صدی کی اسی کی دہائی میں اسلامی مالیاتی اداروں کے مسائل کے علاوہ بھی متعدد ایسے مسائل سامنے آرہے تھے جن میں متعلّقہ ماہرین اور عام مسلمان شرعی رہنمائی چاہتے تھے۔یہ محسوس کیا گیا کہ یہ ضرورت صرف کانفرنسیں منعقد کر کے پوری نہیں کی جاسکتی۔چنانچہ ۱۹۸۳ میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم OIC کے تحت ایک ایسا ادارہ قائم کیا گیا جو نئے پیش آمدہ مسائل میں شرعی رہنمائی فراہم کرنے کا کام کر سکے۔آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کا ہر ملک اپنا ایک ممبر مقرّر کرتا ہے جو اسلامک فقہ اکیڈمی کی مجلس میں اس ملک کا نمائندہ ہوتا ہے۔اس اکیڈمی کا صدر مقام جدّہ ہے۔

اس کے چند سال بعد ہندوستان میں بھی اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا جس کا امتیاز یہ تھا کہ وہ سرکاری نمائندوں پر مشتمل نہیں تھی ، نہ اس کی مالی ضروریات کی تکمیل کسی حکومت کے خزانہ کی مرہونِ منّت تھی۔گزشتہ اٹھارہ، انّیس برسوں میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے

متعدد فقہی سمینار منعقد کئے جن میں سیکڑوں علماء نے حصہ لیا۔ ان کے علاوہ ان سمیناروں میں زیر غور مسائل سے متعلق مہارت رکھنے والے غیر علماء، ماہرین اقتصادیات وغیرہ کو بھی بلایا جاتا رہا، جیسا کہ جدہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی کا دستور رہا ہے۔ سمیناروں کی سفارشات کے مطابق ماہرین پر مشتمل بعض کمیٹیاں بھی بنیں جنھوں نے مفوضہ امور پر غور و بحث کے بعد اپنی سفارشات پیش کیں۔

مالیاتی مسائل آغاز کار ہی سے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے سامنے رہے۔پیش نگاہ مجموعہ اسی طرح کی تحریروں پر مشتمل ہے جو ماہرین معاشیات اور بنک کاری نے مرتب کی ہیں یا علماء اور فقہاء نے اکیڈمی کے سوال نامہ کے جواب میں لکھی ہیں۔ اس مجموعہ میں اسلامی مالیات سے متعلق بعض مفید معلوماتی مقالات بھی شامل ہیں۔ ان تمام تحریروں کا تعلق بیسویں صدی کی آخری دہائی سے ہے جو اشاعت میں تاخیر کے سبب اب آپ کے سامنے آسکی ہیں۔ قاری کو معلوم رہنا چاہئے کہ اس مجموعہ میں شامل اعداد وشمار پرانے ہیں۔ تازہ ترین اعداد و شمار، اکثر احوال میں، انٹرنٹ کے ذریعہ معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ ہندوستان میں غیر سودی بینکاری کے مواقع اور مسائل پر اس مجموعہ میں علماء کرام اور ماہرین معاشیات کے لکھے متعدد مقالات شامل ہیں۔ اس اہم کام سے متعلق شرعی بحثوں اور عملی تدابیر پر اکابر علماء اور اہل فن کی رایوں کو یکجا کرکے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اہم خدمت انجام دی ہے جس کے لئے اکیڈمی کے سکریٹری جنرل، خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور ان کے رفقاء قابل مبارکباد ہیں۔

بدلتا پس منظر:

پچھلے برسوں دنیا میں کچھ ایسی تبدیلیاں آئی ہیں جن کا مالیات (فائنانس) پر گہرا اثر پڑا ہے۔ مزید برآں تیس سالہ عمل کے نتیجہ میں اسلامی بنک کاری اور فائنانس کے باب میں کچھ سبق بھی سیکھے گئے ہیں جن سے مستقبل میں استفادہ کرنا ضروری ہے۔ آغاز کار میں مرکز توجہ یہ رہا کہ

کہ بزنس اور فائنانس کے مروّجہ طریقوں کو ایسے عناصر سے پاک کیا جائے جن کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ ربا، قمار اور غرر کثیر سے پاک کر کے مروّجہ طریقوں کو مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول بنانے کا بیڑا اٹھایا گیا۔ اگر چہ یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ جو شریعہ اسکالر اسلامی بینکوں کو اس بارہ میں مشورہ دیتے رہے وہ کس حد تک ایسا کرنے میں کامیاب ہوئے، مگر خود اس کام کی نوعیت محدود تھی۔ آلائشوں سے پاک کرنا ایک بڑا اقدام ہے، مگر یہ قدم ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کی ضمانت نہیں دے سکتا جو معاشی زندگی میں اسلام کے پیش نظر ہیں، جن میں سے بعض کی طرف شاعرِ مشرق نے اس مقدمہ کے آغاز میں نقل کئے گئے بعض اشعار میں اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے ٹھیک کہا ہے:

تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدّن کی بنا سرمایہ داری ہے
[بانگ درا]

سرمایہ داری کا جوہر ذاتی نفع کے لئے تگ ودو ہے۔ بیش از بیش نفع کی طلب میں اس کی پابندی نہیں کہ دوسروں کے مفاد کا بھی لحاظ رہے اور اجتماعی مصالح بھی پیشِ نظر رہیں۔ سرمایہ داریت اخلاقی اور روحانی قدروں سے بے نیاز ہے۔ مگر اسلامی تعلیمات کا آغاز روحانی تصوّرات اور اخلاقی اقدار سے ہوتا ہے۔ ذاتی مفاد کے لئے تگ ودو ٹھیک ہے، بیش از بیش نفع کی طلب میں بھی مضائقہ نہیں، مگر یہ سب کچھ اسلامی افکار و اقدار کے دائرہ میں رہ کر کرنا ہے۔

اکیسویں صدی کی اس پہلی دہائی میں جدید مالیات کی بہت سی ایسی خرابیوں کا تجربہ ہو چکا ہے جن کا علاج سطحی، جزئی اصلاحات سے ہوتا نہیں نظر آتا۔ اکثر دانش وروں کی رائے میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں بڑھتا ہوا تفاوت، ملکوں کے اندر بھی اور مختلف ملکوں کے مابین بھی،

بڑی حد تک جدید فائنانس کا لایا ہوا ہے۔ماحولیاتی تلوث Environmental Pollution جیسی آفت اور عالمی درجاتِ حرارت میں اضافہ Global Warming جیسی مصیبت برپا کرنے کا بھی سرمایہ دارانہ مالیات، بالخصوص سودی لین دین سے گہرا تعلق ہے۔ سودی قرضوں پر مبنی سرمایہ کاری حتمی طور پر پیداوار دولت میں مسلسل، تیز رفتار اضافہ کی طالب ہے، جب کہ کرۂ ارضی اور انسان کا ماحول اس کا متحمل نہیں کہ انسان بے تحاشہ پیداوار کیے چلا جائے۔ ہماری زندگی ترقی کے ساتھ یک گونہ توازن اور اعتدال کی طالب ہے، مگر سودی قرض صرف بڑھتا جاتا ہے۔سودی قرضوں پر مبنی تمسکات Debt Based Securities کا بازارگرم ہوتا ہے تو معیشت میں جوئے کے مثل سٹہ بازی Speculation کا دوردورہ ہوجاتا ہے۔مالیاتی وسائل کی تقسیم حقیقی اشیاء اور خدمات کی شکل میں ناپی جانے والی پیداآوری کی بنیاد پر ہونے کے بجائے وقتی اسباب اور افواہوں پر مبنی منافع کی روشنی میں ہونے لگتی ہے۔اس کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ معیشت بڑے اتھل پتھل کا شکار رہتی ہے جس کا وبال غریبوں کو زیادہ بھگتنا پڑتا ہے۔

انسان کو ایک ایسے مالیاتی نظام کی تلاش ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی ان بے اعتدالیوں سے پاک ہو ۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ ممکن ہے۔بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں اسلامی دانشوروں نے جو لٹریچر پیش کیا اس میں یہی بات کہی گئی تھی۔ اگر بیسویں صدی کے نصفِ آخر میں ابھرنے والے اسلامی مالیاتی ادارے اس سمت خاطر خواہ پیش قدمی نہ کر سکے تو اس کے کچھ اسباب تھے۔فائنانس کی معیشت میں وہی اہمیت ہے جو عام زندگی میں اس ہوا کی ہے جس میں ہم سانس لیتے ہیں۔ہوا گندی ہو تو بھی ہم سانس لینے پر مجبور ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ جب تک ہوا کو پوری طرح پاک صاف نہ کرلیا جائے لوگوں کو سانس لینے سے روک دیا جائے۔ وہ ناک پر رومال رکھ سکتے ہیں یا، زیادہ سے زیادہ، ان کو ماسک فراہم کیے جاسکتے ہیں۔

گزشتہ تیس برس ایسے گزر گئے کہ ہم بمشکل مسلمان اصحاب مال، اہلِ صنعت وتجارت،

اور عام افراد کو صریح حرام سے پاک سرمایہ کاری، بچت اور لین دین کے ایسے طریقے دے سکے کہ ان کا کام چلتا رہے۔ اس دوڑ میں بعض ایسے طریقوں پر بھی صاد کیا گیا جن کی شرعی حیثیت پر بہتوں کو بے اطمینانی رہی۔ اس کی ایک نمایاں مثال تورّق کا طریقہ ہے جسے بعض اسلامی مالیاتی اداروں نے قرض فراہم کرنے کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ مگر اس طریقہ کا مآلِ کار یہ ہے کہ گاہک آج ایک نقد رقم لے جاتا ہے جس کے بالمقابل، کچھ وقت گزرنے کے بعد، اسے اس سے بڑی رقم واپس کرنا ہوتی ہے، جیسا کہ سودی قرض میں ہوتا ہے۔ اسلامی مالیات کی حالیہ وسعت میں ایسے صکوک کا بڑا حصہ ہے جو بازارِ مال میں بیچے اور خریدے جا سکتے ہیں۔ مگر بعض صکوک کے بنڈل میں ایک جزء قابل وصولی ادھار Accounts Receivable کا بھی شامل ہے۔ اس طرح بیع الدین کا دروازہ کھل جانے کے سبب اسلامی مالیاتی بازار اور مروّجہ مالیاتی بازار کا فرق جاتا رہا۔ جدید نظامِ زر و مالیات کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ وہ تمام تر قرضوں پر مبنی تمسّکات پر قائم ہے۔ جب بھی نیا زر وجود میں آتا ہے تو اسی کے مساوی نیا قرض بھی بنتا ہے۔ جب بھی نئی سرمایہ کاری ہوتی ہے تو، اکثر اوقات، ایک نیا وثیقۂ قرض لکھا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ پرانے قرض کی ادائیگی کے لئے ایک نیا قرض لیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ ملک کے اندر بھی جاری رہتا ہے اور بازارِ مال Financial Market میں قرض پر مبنی ایسے تمسّکات کی بھی بھرمار رہتی ہے جو مختلف ملکوں کے مابین ادھار لین دین کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں۔ قرض پر مبنی یہ تمسّکات خریدے اور فروخت کئے جاتے ہیں۔ ان کے دام اس کاروبار کی حالت سے کم ہی تعلّق رکھتے ہیں جن کے لئے قرض لیا گیا تھا، بلکہ توقّعات اور اندیشوں نیز رسد و طلب، قرض پر مبنی تمسّکات کے نرخ مقرّر کرتی ہیں۔ سٹہ بازی Speculation کا دخل یوں تو ہر بازار میں ہوتا ہے لیکن بانڈس Bonds کے اس بازار میں اس کی نوعیّت جوئے بازی سے جاملتی ہے۔ ڈر یہ ہے کہ اگر اسلامی فائنانس بھی قرض پر مبنی تمسّکات پیدا کرنے لگا اور صکوک کے ضمن میں ان کی خرید فروخت کا دروازہ کھلا تو ہم بھی وہیں پہنچیں گے جہاں آج دنیا سرمایہ داری

کے طفیل پہنچی ہے۔

آج ہمارے سامنے دو اہم سوال ہیں۔ پہلا یہ کہ آغاز سفر میں جو عزائم تھے کہ انسانیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں سرمایہ داری اور اشتراکیت سے الگ ایک راہِ اعتدال دکھائی جائے ان عزائم کو کیوں کر پورا کیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ موجودہ اسلامی مالیات کو ایسی غلطیوں سے کیوں کر بچایا جائے جو اس کی تصویر بگاڑ رہی ہیں۔ یہ سوالات ایک ایسے مرحلہ پر اٹھے ہیں کہ گلوبلائزیشن نے دنیا کو، خاص طور پر مالیاتی اعتبار سے، ایک کر دیا ہے۔ مسابقت کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ابداع اور ابتکار Innovation and Creativity درکار ہے، محض تقلید اور تلفیق سے کام نہیں چل سکتا۔

دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ ماضی قریب کی طرح صرف جزئیاتِ فقہ پر قیاس سے حکم شرعی تک پہنچنے کے طریقہ کے بجائے، حسبِ ضرورت، فقہ اسلامی کے اس وسیع باب کی طرف رجوع کیا جائے جو مقاصدِ شریعت، مصالحِ عامہ اور حکمتِ دین سے عبارت ہے۔ معاملات، خاص طور پر اقتصادی معاملات میں ائمۂ فقہ نے بھی اکثر مصالح اور مقاصد کی طرف رجوع کیا ہے۔ آج جب کہ حالات اتنے بدل چکے ہیں، ان کی طرف رجوع نہ کرنا بڑی نادانی کی بات ہوگی۔ دوسری ضرورت اس بات کی ہے کہ نئے مالیاتی مسائل پر غور وفکر کے عمل میں تمام متعلقہ مہارتوں کے لوگ، ماہرین معاشیات، بنک کار، بزنس کے لوگ، اکاؤنٹنٹ، آڈیٹر وغیرہ بھی شریک ہوں۔ ان مسائل سے وہی لوگ پوری طرح واقف ہو سکتے ہیں جنھوں نے ان کے مطالعہ میں اختصاص حاصل کیا ہو۔ وہ لوگ بھی ان مسائل سے آگاہ ہوتے ہیں جو عملاً ان کو برتتے ہیں، جن کا کام ہی ان مشکلات اور مسائل سے نبرد آزما ہونا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں بزنس کرنے والے، یا تمویل فراہم کرنے والے یا بنک کار کو پیش آتے ہیں۔ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے وہ بہتر جان سکتے ہیں کہ تقویٰ کا تقاضا کیا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: الاثم ما حاک فی صدرک (گناہ وہ ہے جو تمھارے دل میں کھٹکے)۔ چونکہ ان نئے مسائل پر ان

قدیم کتابوں میں بحث نہیں کی گئی ہے جن کا مطالعہ کر کے فقہ میں اختصاص پیدا کیا جاتا ہے، اس لئے فقہاء کرام حکمِ شرعی کی تلاش میں اس طور پر حصہ لیں گے کہ اصول او رکلّیات کی روشنی میں کیا بات منتج ہے۔ظاہر ہے کہ یہ بڑا کام ہے، لیکن کام صرف اصول وکلّیات فقہ پر مطّلع ہونے سے تکمیل نہیں پا سکتا۔ موجودہ زمینی حقائق کو سمجھنا، اورمجوزہ رائے کا زندگی کے دوسرے دائروں پر متوقّع اثرات کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آخری نتیجہ تک سارے شرکاءِ بحث کی رائے سے پہنچا جائے۔

امام شاطبی نے اس سلسلہ میں بڑے پتے کی بات کہی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''الاجتهاد إن تعلّق بالاستنباط من النصوص فلا بدّ من اشتراط العلم بالعربية و إن تعلّق بالمعانى من المصالح والمفاسد مجرّدةً من اقتضاء النصوص لها أو مسلّمةً من صاحب الاجتهادِ فى النصوص فلا يلزم فى ذلک العلم بالعربية و انّما يلزم العلم بمقاصد الشرع من الشريعة جملةً و تفصيلاً خاصةً.

.....فاذاً، من فهم مقاصد الشرع فى وضع الأحكام و بلغ فيها رتبة العلم بها و لو كان فهمه لها من طريق الترجمة باللسان الأعجمي فلا فرق بينه و بين من فهمها من طريق اللسان العربى.....

قد يتعلّق الاجتهاد بتحقيق المناط، فلا يفتقر فى ذلک إلى العلم بمقاصد الشرع كما أنّه لايفتقر فيه إلى معرفة علم العربية، لأنّ المقصود من هذا الاجتهاد إنّما هو العلم بالموضوع علىٰ ما هو عليه، و إنّما يفتقر فيه إلى العلم بما لا يعرف ذلک الموضوع إلّا به من حيث قصدت المعرفة به. فلا بدّ أن يكون المجتهد عارفاً ومجتهداً من تلک الجهة التى ينظر فيها ليتنزّل الحكم الشرعى علىٰ وفق ذلک المقتضىٰ........''

(ترجمہ: اجتہاد کا تعلق اگر نصوص سے استنباط سے ہو تو بلاشبہ عربی کا علم ضروری قرار پائے گا۔لیکن اگر اس کا تعلق متعلقہ مصالح اور مفاسد کے قسم کے امور سے ہو اور یہ بات زیر بحث نہ ہو کہ نصوص ان کے متقاضی ہیں کہ نہیں، یا جو لوگ نصوص سے استنباط کے اہل ہوں وہ مانتے ہوں کہ ان کا تعلق مصالح اور مفاسد سے ہے، تو ایسے اجتہاد کے لئے عربی جاننا ضروری نہیں ،صرف شرع کے مقاصد کا علم درکار ہے، جسے شریعت سے خاص طور پر اجمال اور تفصیل سے سمجھا گیا ہو۔۔۔۔۔۔۔

چنانچہ جس نے سمجھ لیا کہ احکام کے وضع کرنے سے شریعت کے مقاصد کیا ہیں، اور اس کی سمجھ ایسی ہے کہ اسے مقاصدِ شریعت کا علم رکھنے والا سمجھا جائے، خواہ یہ علم اس نے کسی عجمی زبان میں کئے گئے ترجمہ سے کیوں نہ حاصل کیا ہو، تو اس کے درمیان اور جس نے (مقاصدِ شریعت کا) عربی زبان کے ذریعہ علم حاصل کیا ہو اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ۔۔۔۔

اجتہاد کا تعلق کبھی متعلقہ صورتِ حال کو جاننے سے ہوتا ہے۔ایسی شکل میں نہ تو مقاصدِ شریعت کا علم ضروری ہے نہ عربی زبان کا۔وجہ یہ ہے کہ اس اجتہاد کا مقصود یہ جاننا ہے کہ صورتِ حال ہے کیا۔اس شکل میں ضرورت اس علم کی ہے جس کے بغیر اس صورتِ حال کو نہیں سمجھا جا سکتا ہو۔اس کے بارے میں اجتہاد کرنے والے کو اس معاملہ کی پوری جانکاری ہونی چاہئے جو زیرِ غور ہو تا کہ وہ اس پر شریعت کا حکم منطبق کر سکے۔۔۔۔۔۔)(۱)۔

خلاصہ کلام یہ کہ علماء اور فقہاء کو حکمِ شرعی کی تلاش میں متعلقہ امور کے ماہرین کو برابر کا شریک کرنے میں کوئی تردّد نہیں ہونا چاہئے۔یہی نہیں کہ تحقیق مناط ان کے بغیر ممکن نہیں، بلکہ متعلقہ مصالح اور مفاسد کو بھی وہی بہتر جانتے ہیں۔فائنانس اور زر سے متعلق امور میں مقاصدِ شریعت انھیں بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ان کے ساتھ مل کر فیصلے کرنے سے ایک طرف تو

(۱) (ابو اسحٰق الشاطبی: الموافقات فی اصول الشریعۃ۔جلد ۴، القسم الخامس، کتاب الاجتہاد۔صفحات: ۱۶۲، ۱۶۳ اور ۱۶۵، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، شارع محمد علی بمصر)۔

تمام شرکاء کو ایک دوسرے کی معلومات اور علم وبصیرت سے استفادہ کا موقع ملے گا اور دوسری طرف اس کی ضمانت ملے گی کہ اس مشترک عمل کے نتیجہ میں جو فیصلے کئے جائیں گے ان پر عمل درآمد بھی ہوگا، کیونکہ اصحاب معاملہ فیصلہ میں شریک رہے ہوں گے۔

مستقبل کا ایجنڈا:

جزئیات فقہ سے نئے مالی مسائل میں رہنمائی کے محدود امکانات پر کچھ روشنی پیش نگاہ مجموعہ سے بھی پڑتی ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پندرہ نکاتی سوالنامہ کے جوابات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان جوابات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام آدمی کے سامنے جو مختلف، بسا اوقات متضاد، جوابات رکھے گئے ہیں ان کے ساتھ کسی قدیم کتاب کے حوالے تو ملتے ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ حکم کے پیچھے حکمت کیا ہے۔ مصالح اور مقاصد کی طرف اشارہ نہ ہونے سے عام قاری کے لئے ان اختلافی آراء کو ہضم کرنا دشوار ہے۔ جزئی احکام پر قدماء کے فتووں کے حوالہ سے بعض اوقات ایسی عمومی رائیں ظاہر کی گئی ہیں جنھیں اسلامی حس اور ذوق قبول کرنے سے اباء کرتا ہے۔

اس کی ایک مثال آپ کو پیشِ نگاہ کتاب میں بھی ملتی ہے۔ کسی نے لکھا ہے: 'یہاں کی حکومت کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں مالِ مباح ہے'۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری بڑی مسلمان آبادی اس طرح کی گنجائشیں تلاش کر کے اور ان پر کاربند ہو کر نہ تو اسلام کی ترجمانی کا فرض ادا کر سکتی ہے نہ خود بندگیِ حق کے تقاضے پورے کر سکتی ہے۔ ہزار برس پہلے جب نہ شہریت کے حقوق واضح تھے نہ غیر شہری انسانوں کو کوئی واضح قانونی تحفظ حاصل تھا، دار الاسلام سے باہر مقیم افراد کے بارہ میں جو فتوے دیئے گئے انھیں آج کے یکسر مختلف سماجی، سیاسی اور قانونی سیاق میں منطبق کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

یہ اپروچ بھی محلِ نظر ہے کہ 'سب لوگ حکومتِ ہند پر زور ڈالیں کہ ہندوستان کے

مسلمانوں کو ان کے تشخص کو برقرار رکھنے اور شریعت پر عمل کرنے کے لئے اپنے قوانین میں ترمیم کرے، تا کہ غیر سودی بینک قائم کئے جا سکیں۔ مسئلہ قومی تشخص کا نہیں انسانی فلاح کا ہے۔ سودی نظام سارے ہندوستانیوں، بلکہ سارے انسانوں کے لئے برا ہے۔ سود سے پاک بینکنگ کو مسلم قوم کے مسئلہ کے بجائے ہندوستان کے مسئلہ کے طور پر پیش کیا جانا چاہئے۔ گزشتہ صدی میں اسلامی معاشی تحریک کے آغاز سے ہی ہم یہی اپروچ اختیار کرتے رہے ہیں۔ اب کسی سیاسی اسٹرٹیجی کے زیر اثر اس سے ہٹنا، موہوم فوری اثرات کے علیٰ الرغم، درست نہ ہوگا۔ سودی معیشت کے خلاف ہندوستانی عوام، بالخصوص سماج کے کمزور طبقوں میں کافی جذبات پائے جاتے ہیں۔ رہے متوسط اور اعلیٰ درجہ کی معاشی حالت والے لوگ تو وہ باقی ساری دنیا کی طرح بلاسود بنک کاری کو خارج از امکان اور بنک کاری کو جدید معیشت کی ریڑھ کی ہڈی سمجھتے ہیں۔ مگر گزشتہ برسوں پڑھے لکھے لوگوں میں یہ بات عام طور پر جانی جانے لگی ہے کہ صورت حال بدل رہی ہے۔ ہندوستان کے پڑوس میں خلیجی ممالک میں مالیاتی بازار کا تہائی سے زیادہ حصہ سود کے بغیر کام کر رہا ہے۔ سود سے پاک مالیات کو سارے ہندوستانی عوام کی بھلائی کے ضامن کے طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بتا کر کہ سود کے بغیر بھی ترقی کی جا سکتی ہے اور بین الاقوامی مالیاتی رشتوں کو نباہا جا سکتا ہے، ہم ان بے بنیاد اندیشوں کو دفع کر سکتے ہیں جو پریس کے ایک حلقہ نے اسلامک بینکنگ سے منسوب کر رکھے ہیں۔ اگر ہمارے دانشوروں کے سامنے صرف وہ لٹریچر پیش کر دیا جائے جو گزشتہ بیس برسوں میں انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ IMF اور عالمی بینک World Bank نے اسلامی بنک کاری اور دنیا کے مختلف ممالک میں اس پر عمل درآمد کے موضوع پر شائع کیا ہے تو ان کا توحش کافی حد تک دور ہو جائے گا۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ یہ لٹریچر اردو میں بھی میسر نہیں کہ مسلمان دانش وروں کے سامنے رکھا جا سکے۔ رہیں ہندی اور ملک کی دوسری بڑی زبانیں، تو ان میں غیر سودی معیشت اور اسلامی بنک کاری پر کوئی لٹریچر نہیں پایا جاتا۔

مالیات کے باب میں اسلام نے جتنی بھی اصلاحات کی ہیں ان کا ہدف کارکردگیEfficiency میں اضافہ کے ساتھ ساتھ عدل وقسطEquity کا قیام رہا ہے۔گزشتہ نصف صدی میں اسلامی نظامِ زرومالیات پر ایک وسیع لٹریچر سامنے آچکا ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ مروّجہ سرمایہ دارانہ نظامِ زرومالیات دونوں اعتبار سے ناقص ہے۔نہ تو یہ اعلیٰ ترین کارکردگی کا ضامن ہے نہ عدل وقسط کا۔انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ان نقائص کو دور کرے۔اسلامی تعلیمات جدید انسان کو عدل وقسط کے ساتھ نظامِ زرومالیات کو اعلیٰ کارکردگی کے ساتھ چلانے کا راستہ دکھاتی ہیں۔البتہ اس اجمال کی تفصیل اسی صورت میں سامنے آسکتی ہے جب معاصر انسانی صلاحیات پوری قوت سے ادھر توجہ کریں اور فکروعمل دونوں میدانوں میں اس نئے تجربہ کا حوصلہ لے کر آگے بڑھیں۔مسلمان فقہاء اور ماہرین معاشیات ومالیات کو اس نئے کام میں ہراول دستہ کا شرف حاصل ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ کام کی نوعیت کو سمجھیں اور اس کے لئے ضروری استعداد فراہم کریں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے لئے کرنے کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ جس طرح اس نے سیکڑوں اہل علم کو فقہِ اسلامی کے ان ابواب کی طرف متوجہ کیا جن کی طرف کچھ عرصہ سے بہت کم توجہ تھی، اسی طرح ان حلقوں میں ان کلّیات اور اساسی حکم ومصالح کا چرچا کریں جن پر، معاملات بالخصوص اقتصادی اور مالیاتی امور میں فروعی احکام کی پوری عمارت تعمیر پائی ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ دیکھنا ہوگا کہ عہد تدوین فقہ اسلامی کے مقابل میں آج کے حالات میں جو فرق واقع ہوچکے ہیں ان میں سے کن کو آج کے بدلے ہوئے حالات میں حکمِ شرعی کی تلاش میں کیا وزن دیا جانا چاہئے۔ان تبدیلیوں کا تعلّق اختیاری امور سے بھی ہے اور ایسے امور سے بھی جو اختیار وانتخاب کے دائرے سے باہر، اضطرار کے درجہ میں ہیں۔انسانی آبادی میں اتنا اضافہ کہ کروڑوں انسان ایک شہر میں آبسے ہوں، ماحولیاتی تلوّث اور کثرتِ امراض کے سبب حفظانِ صحت اور دوا علاج کا شرطِ حیات بن جانا ،گلوبلائزیشن کے طفیل مختلف کلچر زبان اور مذاہب

والوں کا ایک دوسرے کے ساتھ بڑھتا ہوا تعامل، وغیرہ نئے نئے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔اسی طرح یہ بات کہ بعض سامانِ ضرورت کے بنانے میں برسوں لگتے ہیں اور کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، نیز ان کے مختلف اجزاء کی تیاری مختلف ملکوں میں انجام پانے کے سبب ان کی تمویل میں کئی ملکوں کی کرنسیاں شامل ہوتی ہیں، مالیات میں نئی پیچیدگیاں سامنے لاتی ہے۔ ہر پیداواری عمل میں مستقبل سے واسطہ لازم ہے۔ پیداواری عمل آج شروع کیا جاتا ہے مگر اس کے نتائج کل سامنے آتے ہیں۔یہیں سے خطر اور عدم تیقن Risk and Uncertainty کا دخل شروع ہوتا ہے، جن کی شکلیں وقت اور مقام کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ نئے خطر کا مقابلہ نئے طریقے چاہتا ہے۔ فقیہ کو یہ دیکھنا ہے کہ عدل وقسط اور کارکردگی کی نسبت سے جو مقاصد بعض احکام کے ذریعہ پہلے حاصل کئے گئے ان کی تحصیل آج کن نئے اہتمامات کی طالب ہے۔جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، یہ کام تقلید اور تلفیق سے آگے بڑھنے کا اور اس طرح کی اجتہادی بصیرت کا طالب ہے جس کا مظاہرہ ائمہ فقہ نے کیا تھا۔کارکردگی اور عدل وقسط دونوں کا بدلتے ہوئے تکنیکی اور سماجی حالات سے گہرا تعلق ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ ان دو مقاصد کے حاصل کرنے کا جو طریقہ پہلے کامیاب رہا وہ اب بھی کافی ثابت ہو۔اسی طرح بعض طریقے جو انفرادی تعامل میں بے ضرر معلوم ہوتے ہیں، جب ملکی اور عالمی سطح پر بہت سے لوگ اختیار کرلیں تو ان کے عواقب کا پھر سے مطالعہ ضروری ہوجاتا ہے۔جدید حالات میں قرض کا معاملہ کچھ اسی طرح کا ہے۔قرض پر مبنی تمسکات اور قرض کی خرید وفروخت کے لئے منظم بازاروں کے وجود میں آنے سے صورتِ حال اس سے مختلف ہوگئی جیسی کہ سادہ معیشت میں تھی۔پہلے بھی تجارت میں ظن وتخمین اور خطر انگیزی کا دخل تھا۔مگر اس کا دائرہ محدود، اس کی مقداریں چھوٹی اور اس کا جغرافی پھیلاؤ تنگ تھا۔ گلوبلائزیشن، حصص کی خرید کے ذریعہ ہر خاص وعام کے لئے سرمایہ کاری میں شامل ہونے کے امکانات، کارپوریشنوں کے بانڈس Bonds کی عوام کو براہ راست فروخت کے ذریعہ تمویل حاصل کرنے کے رواج اور کارپوریشنوں میں ملکیت اور نظم وادارہ Ownership

and Management کے علیحدہ ہونے سے صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے۔ایک بار قرض پر مبنی تمسکات کی خرید فروخت عام ہوجائے تو انسانی معیشت میں ایک ایسا باب کھل جاتا ہے جس سے دنیا پہلے نا آشنا تھی۔ سود کی حرمت کی بنا پر اسلامی معیشت میں بازارِ قرض کا وجود ایک انہونی بات سمجھی جاتی تھی، کیونکہ قرض کی اصل مقدار سے کم یا زیادہ پر متعلقہ تمسکات کا لین دین سودی لین دین قرار پاتا ہے۔ دشواری یہ آن پڑی ہے کہ اب صکوک کے پیچھے شامل جملہ اثاثوں میں نصف سے کم مقدار میں قرض کی شمولیت کو بعض حلقوں میں سندِ جواز حاصل ہوگئی ہے۔ان حلقوں میں اسلامک ڈیولپمنٹ بینک بھی شامل ہے۔اس فتویٰ کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اگر کسی بنڈل میں کئی طرح کے اثاثے ہوں، کچھ قابلِ فروخت، کچھ ناقابل فروخت، تو مجموعے پر وہ حکم لاگو ہوگا جو اثاثوں کی اکثریت پر لاگو ہوتا ہو۔شریعہ اسکالرس کے موجودہ طرزِ فکر واستدلال کے مطابق یہ فتویٰ دیتے وقت یہ نہیں دیکھا گیا کہ اس طرح عقبی دروازہ سے قرضوں کی خرید وفروخت کا مصالحِ عامہ پر کیا اثر پڑے گا۔امر واقعہ یہ ہے کہ معیشت میں قرض پر مبنی تمسکات کی بڑے پیمانہ پر تجارت، اور اس بازارِ قرض میں سٹہ بازی، مروّجہ سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام کی اساسی خرابیوں میں سے ہے۔اس موضوع پر اسلامی ماہرین معاشیات نے تو لکھا ہی ہے، دوسرے علماء معاشیات نے بھی اس کا چرچا کیا ہے۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ اس ترقیِ معکوس سے اسلامی مالیات کا تصوّر گڑبڑ ہورہا ہے۔ضرورت ہے کہ اس مسئلہ اور اس جیسے تمام مسائل پر جزئی Micro فکر اور طرزِ استدلال سے ہٹ کر کلّی Macro انداز پر غور کیا جائے۔یہ دیکھا جائے کہ قرض پر مبنی تمسکات کی بازار میں رسد وطلب کی مقرّر کردہ قیمتوں پر خرید وفروخت کا اثر مجموعی طور پر کیا پڑتا ہے۔فیصلہ کا مدار مصالحِ عامہ پر ہو اور متوقّع آثار وعواقب کو مقاصد شریعت کے معیار پر جانچا جائے۔خوش قسمتی سے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) ایک ایسے ماحول میں کام کر رہی ہے جو بازار اور سرکار دونوں کے دباؤ سے آزاد غور وفکر کے بعد اس مسئلہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل پر مسلمانوں کی

رہنمائی کر سکتی ہے۔ ضرورت اسلامی مالیات کی ایسی تعمیر و تعبیر کی ہے جس کے سامنے علاقائی نہیں بلکہ آفاقی مصالح ہوں، جو معاصر انسان کے ان دکھوں کو دور کرنے میں مدد کرے جن کی جڑیں سودی قرض پر مبنی نظامِ زر و مالیات میں پیوستہ ہیں۔ اگرچہ پیش نگاہ مجموعہ میں، ماضی کی روئداد ہونے کے سبب، اس طرف کوئی پیش قدمی نہیں ملتی لیکن اکیڈمی کے ارکان اور سربراہوں کے حوصلے دیکھتے ہوئے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس طرف جلد توجہ کریں گے۔ والتوفیق باللہ۔

☆☆☆

قرض دینے والے مالیاتی ادارے
غور وفکر کے چند پہلو

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ☆

جب ہم ہندوستان کے پس منظر میں غیر سودی بینک کاری کے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو اس گفتگو کو ہمیں دو علیحدہ علیحدہ موضوعات پر تقسیم کرنا پڑتا ہے، پہلا مسئلہ ان مالیاتی اداروں کا ہے جن کا مقصد غیر سودی بنیادوں پر ضرورت مندوں کو کل پیداواری یا غیر پیداواری ضرورتوں کی خاطر قرض فراہم کرنا ہے اور بس، یہ مالیاتی ادارے لوگوں کی امانتیں جمع کرتے ہیں اور حاجت مندوں کو ان جمع شدہ امانتوں کا ایک حصہ بطور قرض فراہم کرتے ہیں، جن کی امانتیں جمع کی جاتی ہیں انہیں اپنی جمع کردہ امانتوں پر کوئی منافع نہیں ملتا، اور جن کو قرض فراہم کیا جاتا ہے ان سے سود یا منافع کے نام پر کوئی زائد رقم نہیں لی جاتی۔ ملکی قانونی اصطلاح میں ان کی حیثیت (Co-operative Credit Society) کی ہوتی ہے۔

دوسری صورت مکمل بینکنگ کی ہے، جس میں جدید بینکنگ کے اصولوں کے مطابق مالیاتی ادارے کو مختلف فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔

پہلی صورت میں سوسائٹیز کو اسلامی اصولوں پر چلانے کی راہ میں سب سے بڑی

☆ سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

دشواری یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس مالیاتی ادارے کو چلانے کے اخراجات کیسے پورے کئے جائیں؟ اس سلسلے میں مختلف سوسائٹیز نے فارموں کی فروخت کا طریقہ اختیار کیا ہے یعنی قرض کی درخواست جن فارموں کی خانہ پری کر کے دی جاتی ہے ان کی قیمت وصول کی جاتی ہے، اور یہ قیمت قرض کی مقدار کے اعتبار سے بڑھتی اور کم ہوتی ہے، حقیقت تو یہی ہے کہ ان فارموں کی خریداری قرض پانے کے لئے شرط کا درجہ رکھتی ہے اور فارموں کی فروختگی سے حاصل ہونے والی آمدنی قرض دینے والے ادارے کی ملک ہوتی ہے، اور اس طرح اس شرط کا نفع قرض دینے والے ادارے کی طرف لوٹتا ہے، پس یہ قرض دینے کے معاملہ میں ایک ایسی شرط ہے جس میں نفع قرض دہندہ کی طرف لوٹتا ہے۔

اس موقع پر اس طرح کی توجیہ کہ یہ محض کاغذ کی بیع ہے جو اپنی سادہ صورت میں جائز ہے، یا یہ کہ ہر دو فریق معاملہ حقیر اور بے قیمت سی شئی کو جتنی قیمت پر بھی خریدنے اور بیچنے پر راضی ہو جائیں اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، اس طرح وہ کاغذ جس کی حقیقی مالیت ۲۰ یا ۲۵ پیسے ہوگی ہر دو فریق کی باہمی رضامندی کی صورت میں ۲۰ یا ۲۵ روپے میں فروخت کیا جا سکتا ہے، اسی طرح یہ کہا جانا کہ یہ سوسائٹی خود ان فارموں کو براہ راست فروخت نہ کرے کسی اور شخص کو اس کے لئے وکیل اور ایجنٹ مقرر کر دے، یا یہ مشورہ دینا کہ علیحدہ علیحدہ کاؤنٹر بنا دیئے جائیں، قرض دینے کا کاؤنٹر الگ اور فارم کی فروختگی کا کاؤنٹر الگ ہو، یہ ساری صورتیں ایسے کمزور حیلے ہیں جن کے ذریعہ کسی حرام کو حلال نہیں کیا جا سکتا، حقیقت یہ ہے کہ یہ عقد مرکب ہے جن میں بہر حال قرض ایک ایسی شرط کے ساتھ مشروط ہے جس میں مالی نفع بالواسطہ یا براہ راست قرض دہندہ کو پہنچتا ہے، اور ہر وہ قرض جو حصول نفع کا ذریعہ ہو حرام ہے۔ کاؤنٹر کی تبدیلی، قرض دینے والے ہاتھ اور فارم فروخت کرنے والے ہاتھ کا دو ہونا، یا فارم کا دو مختلف رنگوں میں چھپوانا حکم شرعی پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

بعض اداروں نے اپنے اخراجات کی کفالت کے لئے یہ طریقہ رکھا ہے کہ اصحاب خیر سے تبرعات وصول کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ بہت اچھا ہے اور اس سے ایک بڑے کار خیر میں تعاون دے کر اصحاب خیر عند اللہ مستحق اجر بھی ہوتے ہیں، لیکن ظاہر ہے یہ صورت وہیں عمل میں آسکتی ہے جہاں مالیاتی ادارہ اپنے اخراجات کو اس حد تک محدود کر سکے جس حد تک اسے حاصل ہونے والے تبرعات اجازت دیتے ہوں، اس طرح مقامی اور محدود پیمانے پر محدود افراد کو قرض کی سہولت فراہم کی جاسکتی ہے لیکن وسیع پیمانے پر ایک مستقل نظام کی حیثیت سے اس صورت میں مالیاتی اداروں کو چلانا ممکن نہ ہوگا۔ یہ تبرعات مستقل اور قابل اعتماد ذریعہ آمدنی قرار نہیں دیئے جاسکتے ہیں، اور نہ ان کی بنیاد پر وسیع اور ہمہ گیر نظام کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو سوسائٹی کے ممبر ہوتے ہیں انہیں ہی قرض لینے کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ سب مل کر ماہانہ یا سالانہ مقررہ ممبری فیس اس مالیاتی ادارے کو ادا کرتے ہیں اور اسی ممبری فیس کی آمدنی سے اس مالیاتی ادارے کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، یہ صورت بہ ظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے، چند لوگوں نے مل کر ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالی ہے جس کے ذریعہ وہ وقتاً فوقتاً اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، لیکن اس صورت میں بھی اس وقت دشواری پیدا ہوتی ہے جب ممبری فیس کی گھٹتی بڑھتی مقدار کے ساتھ قرض گھٹتی اور بڑھتی ہے، مثلاً جو بیس روپے سالانہ ممبری فیس ادا کرتا ہے وہ ۲۰۰ روپے تک قرض لے سکتا ہے۔ اور جو ۵۰ روپے سالانہ ممبری فیس ادا کرتا ہے وہ ۵۰۰ روپے تک قرض لے سکتا ہے، تو یہ قرض کی مقدار کے تناسب سے ممبری فیس کا کم یا زیادہ ہونا اور ممبری فیس کی مقدار کا فراہم کئے جانے والے قرض کی مقدار کے ساتھ ہم رشتہ ہوجانا بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سودی منافع کے حصول کی یہ بھی ایک صورت ہے۔

بہر حال ان صورتوں کو ناجائز کہا جائے یا صورتیں بدل کر انہیں جائز قرار دیا جائے یہ

سوال بہر حال قائم رہتا ہے کہ یہ مالیاتی ادارے جو ضرورت مندوں کے لئے مفید خدمات انجام دے رہے ہیں ان کے ضروری اخراجات کیسے پورے کئے جائیں؟

اس سے قطع نظر کہ ہندوستان میں موجود اس طرح کے مختلف مالیاتی اداروں کا طریق عمل کیا ہے، ہمیں اصولی طور پر چند امور پر غور کرنا چاہیے، مسلمانوں کی موجودہ معاشی حالت، ذرائع معاش کے حصول کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کی ضرورت، قوم کے افراد کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش، اور شدید حاجت کی صورت میں مہاجنی سود سے بچاتے ہوئے ضرورت مندوں کو قرض فراہم کرنے کی خاطر ایسے مالیاتی اداروں اور سوسائٹیز کا قیام مفید اور ضروری ہے یا نہیں؟

چونکہ یہ سوسائٹیز جمع شدہ سرمائے کو تجارت میں نہیں لگاتیں اور ان کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی بھی نہیں ہے تو وہ ضروری اخراجات کیسے پورے کریں؟ اخراجات دو قسم کے ہیں: کچھ تو وہ اخراجات ہیں جو سوسائٹی کے لئے ایک اثاثہ پیدا کرتے ہیں، مثلاً مکانات، فرنیچر، ٹائپ رائٹر وغیرہ، یہ اخراجات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں اور ان کے نتیجے میں ایک اثاثہ بنتا ہے جو دیر تک قائم رہتا ہے، دوسرے روزمرہ کے اخراجات ہیں جیسے عملہ کی تنخواہیں، اسٹیشنری وغیرہ۔

غرض یہ کہ کسی بھی سوسائٹی کو چلانے کے لئے سرمایہ حاصل کرنے پر اخراجات، ان کی وصولیابی اور واپسی کے اخراجات پر مامور عملہ کی تنخواہوں اور اسٹیشنری کا خرچ، سوسائٹی کو چلانے کے لئے خریداری یا کرایہ پر مناسب مکان کے حصول اور دیگر مستقل کام آنے والے اثاثے کی خریداری یا کرایہ پر خرچ، اور تیسرا خرچ قرض خواہوں کو دیئے گئے قرض اور ان کی واپسی کے اندراجات پر مامور عملہ کی تنخواہوں اور اسٹیشنری وغیرہ کے اخراجات ہیں۔

پس یہ طے کرنا بھی ضروری ہے کہ کس قسم کے اخراجات کو ضرورت میں شمار کیا جائے۔ سب سے اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ ایسے مالیاتی ادارے جو اس قسم کی خدمت انجام

دے رہے ہیں اور ان کے ضروری اخراجات کی کفالت کے لئے کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو کیا یہ اخراجات قرض خواہوں سے وصول کئے جا سکتے ہیں؟

واضح رہے کہ کسی بھی مالیاتی ادارے میں تین فریق شریک ہوتے ہیں: (۱) وہ لوگ جن کا سرمایہ سوسائٹی میں جمع ہوتا ہے، (۲) وہ لوگ جو اس سرمایہ سے بذریعۂ قرض استفادہ کرتے ہیں، (۳) تیسرا فریق خود وہ سوسائٹی ہے جس کی ایک قانونی اور اعتباری شخصیت ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اخراجات کلی یا جزئی طور پر تینوں فریقوں میں سے کس سے لئے جانے چاہئیں۔ اصحاب سرمایہ کوئی منافع اپنی جمع شدہ دولت کا حاصل نہیں کرتے ہیں کیا وہ ان اخراجات کے ذمہ دار ہیں؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوسائٹیز کے ذریعہ ان کے سرمایہ کو تحفظ حاصل ہوتا ہے، لیکن عملی بات قابل غور یہ ہے کہ کیا لوگ اس لئے اپنے روپے سوسائٹی میں بطور امانت جمع کرائیں گے تاکہ ہر سال چند فیصد ان کے جمع شدہ سرمایہ کا گھٹتا رہے، معاملہ میں دوسرا فریق خود سوسائٹی ہے جس کی حیثیت اعتباری شخصیت اور قانونی فرد کی ہے، جس کے کچھ فرائض بھی ہوتے ہیں اور جس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اصلاً یہی ''شخص اعتباری'' قرض دینے کا معاملہ کرتا ہے، اگر اس پر خرچ کی ذمہ داری عائد کی جائے تو جائز بلکہ مناسب ہونا چاہیے لیکن دشواری یہ ہے کہ اس سوسائٹی کے پاس خود نہ کوئی ذریعہ آمدنی ہے اور نہ کوئی جمع شدہ سرمایہ جو اس کی ملک ہو، ایسی صورت میں سب سے اچھا راستہ یہ ہے کہ سوسائٹی کے لئے کم از کم اتنی آمدنی کے ذرائع پیدا کئے جانے چاہئیں جو اس کے اخراجات کی کفالت کر سکیں، یعنی سوسائٹی میں جمع سرمایہ کا ایک حصہ براہ راست یا بالواسطہ قابل اعتماد پیداواری ذرائع میں لگایا جائے، مثلاً اگر قانوناً سوسائٹی خود کوئی کاروبار نہیں کر سکتی تو ایسے ضمنی ادارے (Subsidiary Institutions) قائم کئے جائیں جو تجارت یا صنعت کے ذریعہ آمدنی پیدا کر سکیں اور وہ آمدنی سوسائٹی کو لوٹے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ پوری فکرمندی کے ساتھ اس کے لئے

کوشش کی جانی چاہیے کہ سوسائٹی جائز وسائل سے خود اپنے لئے آمدنی حاصل کرلے، چاہے اس راہ میں کچھ مشکلات ہی کیوں نہ ہوں، ان آسان راستوں سے بچنے کی کوشش کی جائے جس میں ربو یا شبہ ربوا میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

تیسرا اور آخری سوال جو اس سلسلہ میں بہت اہم ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ذریعہ آمدنی سوسائٹی کے پاس موجود نہیں ہے تو اس کے نظام کو قائم کرنے اور چلانے کے راستے میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہ قرض خواہوں پر عائد کئے جا سکتے ہیں یا نہیں جو اصلاً مستفیدین (Beneficiaris) کی حیثیت رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں عام طور پر جو اصطلاح استعمال کی جارہی ہے وہ سروس چارج (Service Charge) یعنی اجرۃ الخدمۃ کی ہے، یہ اصطلاح راقم الحروف کے نزدیک قابل قبول نہیں، اس لئے کہ سوسائٹی کی خدمت قرض فراہم کرنا ہے اور اجرت اس کا معاوضہ ہے، اور یہ کچھ بھی ہوسکتا ہے جو فریقین کے مابین طے ہوجائے، اس طرح اجرۃ الخدمہ یعنی سروس چارج کی حیثیت سوسائٹی کے لئے ایک ذریعہ آمدنی ہوگی اور اس کا کوئی رشتہ واقعی اخراجات سے نہیں ہوگا، اور صاف لفظوں میں یوں کہنا پڑے گا کہ سروس چارج کے نام پر آنے والی آمدنی ایک ایسی زائد آمدنی ہے جو قرض پر دیئے گئے سرمایہ پر اضافے کی صورت میں قرض دینے والے ادارے کو ملتی ہے اور قرض دیتے وقت ہی معاملہ میں سروس چارج کے نام سے اس اضافی رقم کا لینا قرض دہندہ اور قرض خواہ کے درمیان طے پاجاتا ہے، اور اسلامی شریعت میں قرض کی حیثیت تبرع اور صلہ کی ہے، اسے کسی بھی طرح ذریعہ آمدنی نہیں بنایا جاسکتا۔

البتہ اگر سروس چارج سے مراد وہ واقعی عادلانہ اخراجات ہیں جو اس نظام کو چلانے پر خرچ ہوتے ہیں جسے انتظامی اخراجات (Management Expenses or out lays) کہا جاسکتا ہے تو اس پر غور کیا جانا چاہیے کہ قرض خواہ جو اس نظام سے فائدہ اٹھا رہے ہیں کیوں نہ وہی اس پر آنے والے خرچ کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں، ٹھیک جس طرح ایک قرض

خواہ جو اپنے دوست سے کوئی قرض حاصل کرتا ہے تو درمیانی قاصد کے آنے جانے کے اخراجات یا بذریعہ منی آرڈر قرض کی واپسی کے اخراجات کو ادا کرنے پڑتے ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا، اور ظاہر ہے کہ جب حقیقی اخراجات ہی قرض خواہوں سے وصول کئے جائیں گے تو یہاں کوئی ایسی اضافی آمدنی حاصل نہ ہوگی، جس سے اصحاب سرمایہ یا سوسائٹیز کے لئے یہ آمدنی ذریعہ تموّل بنے، البتہ صرف ایک خطرہ رہ جاتا ہے کہ سوسائٹیز قائم کرنے والے افراد اگر خوف خدا سے خالی دل رکھتے ہوں تو ضروری اخراجات کی مد کو پھیلا کر وہ اپنے تعیش اور تموّل کا راستہ نکال لیں گے، لیکن اگر اس طرح کے مالیاتی اداروں کا کوئی ایسا وفاقی بورڈ موجود ہو جو حقیقی عادلانہ اخراجات کا تعین وقتاً فوقتاً کرتا رہے تو اس شرعی گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔

اسی ذیل میں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان حقیقی اخراجات کا تعین اندازے اور تخمینے سے کیا جا سکتا ہے؟ اگر ہاں تو اس تخمین کی بنیاد کیا ہونی چاہیے، خرص وتخمین کی کچھ نظیریں شرع میں موجود ہیں، غور کرنا یہ ہے کہ جب بہت سارے لوگوں کے معاملات متعلق ہوں اور حقیقی اخراجات کا حساب کرنے میں دشواری ہو تو کیا تخمینی طور پر ان اخراجات کا حساب کیا جا سکتا ہے اور خرص وتخمین کی جو نظیریں شرع میں ملتی ہیں انہیں یہاں روبہ عمل لایا جا سکتا ہے، اگر اصول خرص وتخمین کو روبہ عمل لایا جائے اور حسابی مدت (Accounting Period) (سال یا چھ ماہ جو بھی مقرر ہو) گزرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس مدّت میں جو واقعی اخراجات ہوئے ہیں اس کے مقابلہ میں وہ آمدنی زائد ہے تو ظاہر ہے کہ یہ زائد آمدنی نہ اصحاب سرمایہ کی ملک ہوگی اور نہ سوسائٹی کو اس پر تصرف کا اختیار ہوگا، راقم الحروف کے نزدیک اس زائد آمدنی کو ان قرض خواہوں کو واپس کیا جانا چاہیے جنہوں نے خرچ کی مد میں رقم دی تھی۔

البتہ یہ بات حضرات علماء وفقہاء کے غور کرنے کی ہے کہ یہ اخراجات قرض خواہوں کی

تعداد پر تقسیم کئے جائیں گے جو فی الحال حسابی مدت پورا ہونے سے پہلے لامعلوم ہیں، یا قرض کی مقدار پر تقسیم کئے جائیں گے، مثلاً ایک سال میں دس لاکھ روپے پانچ سو افراد کو قرض دیئے گئے اور کل تخمینی اخراجات ایک لاکھ روپے ہیں، تو اگر انہیں مقدار قرض پر تقسیم کیا جائے تو ہر قرض خواہ کو اپنے لئے ہوئے قرض کی مقدار کا دس فیصد بمد خرچ سوسائٹی کو ادا کرنا پڑے گا، اور فرض کیجئے کہ سال گذرنے پر کل ۹۰ ہزار روپے ہوئے تو یہ قرض خواہ ایک فیصد واپس پانے کے حقدار ہوں گے، اور اگر اس خرچ کو قرض خواہوں کی تعداد یعنی ۵۰۰ پر تقسیم کیا جائے تو فی کس دوسو (۲۰۰) روپے ادا کرنے پڑیں گے، چاہے اس نے ۵۰۰ قرض لئے ہوں یا ۵۰۰۰ قرض لئے ہوں، پہلی صورت میں ۵۰۰ والے کو ۵۰ روپے اور ۵۰۰۰ قرض لینے والے کو (۵۰۰) روپے خرچ کی مد میں ادا کرنے ہوں گے۔

اگرچہ پہلی صورت میں قرض کے تناسب کے ساتھ خرچ بظاہر ربوا کی سی صورت پیدا کرتا ہے لیکن اس میں ''ذمہ داری بقدر استفادہ'' اصولاً تقاضائے عدل کے مطابق معلوم ہوتی ہے، اور دوسری صورت میں کم مقدار میں قرض لینے والوں پر زیادہ خرچ کا بوجھ پڑ جاتا ہے اور زیادہ قرض لینے والوں کو کم خرچ ادا کرنا پڑتا ہے جو ظلم سے قریب محسوس ہوتا ہے۔

مدت قرض کی کمی اور زیادتی کا اس سلسلہ میں کیا اثر پڑے گا یہ بھی امر قابل غور ہے، ایسی کوئی صورت اختیار کرنا جس سے یہ محسوس ہو کہ مدت کی تاخیر کی وجہ سے کچھ زائد رقم قرض خواہوں کو ادا کرنی پڑتی ہے، اس سے ''ربوا النسیہ'' کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، اور عموم ربوا کے زمانہ میں ممکن حد تک ایسی صورتوں سے بھی پرہیز کیا جانا چاہیے جن سے ایسی تہمت پیدا ہوتی ہو جس کی نظیر حضور اکرم ﷺ کا حرمت خمر کے ابتدائی زمانہ میں دباء، حنتم، اور ایسے ظروف کے استعمال سے منع کرنا ہے جو شراب کے لئے کئے جاتے تھے۔ راقم الحروف کے نزدیک ہر سوسائٹی کو ایک حسابی مدت متعین کرلینا چاہیے اور اس حسابی مدت کو ہی معیاری مان کر اخراجات کی تشخیص

اور بہ مقدار قرض قرض خواہوں پر اس کی تقسیم کی جانی چاہیے کہ یہی طریقہ عدل سے زیادہ قریب ہے۔

واضح رہے کہ قرض خواہوں سے اخراجات کا وصول کیا جانا انتہائی مجبوری کا درجہ ہے، جو اس طرح کے مالیاتی ادارے خود کفیل ہو چکے ہوں یا کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی رکھتے ہوں یا پیدا کر سکتے ہوں انہیں بہر حال ان اخراجات کا انتظام اپنے ذرائع سے کرنا چاہیے، اور قرض خواہوں کے ساتھ خیر خواہی کا جو جذبہ ایسے اداروں کے قیام کے پس منظر میں ہے ان کا تقاضا یہی ہے کہ قرض خواہوں پر قرض پر لی ہوئی رقم کے علاوہ کوئی مزید بوجھ نہ ڈالا جائے کہ یہی روح شریعت ہے۔

☆☆☆

باب:۱

ہندوستان میں غیر سودی بینک
ماہرین کی رپورٹ

[ہندوستانی قوانین کے دائرہ میں غیر سودی بینک کاری کے امکانات اور طریقہ کار کو طے کرنے کے لئے اکیڈمی نے علماء اور ماہرین معاشیات پر مشتمل ایک خاص کمیٹی بنائی تھی جس نے متعدد نشستوں میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی، جن میں تین نشستیں بڑی طویل ہیں اور ان نشستوں میں غور وفکر اور تبادلہ خیال کے ذریعہ جو نکات سامنے آئے ان کی روشنی میں وہ تفصیلی رپورٹ مرتب ہوئی جو آئندہ سطور میں پیش کی جارہی ہے۔ چونکہ آخری رپورٹ ہی تمام مباحث کا ماحصل تھا، اس لئے ان تینوں نشستوں کی رپورٹ کو حذف کیا جارہا ہے(ادارہ)]

تعارف:

تیسرے اسلامی فقہ سیمینار منعقدہ بنگلور مورخہ ۸/تا ۱۱/جون ۱۹۹۰ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی سرکردگی میں ماہرین کی کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا تھا۔جس کا مقصد ہندوستان کے تناظر میں ایک ایسے بینک یا مالی ادارہ کا عملی نمونہ تیار کرنا تھا جو تکنیکی اور قانونی طور پر قابل عمل ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے دائرہ میں کام انجام دے سکے، اور ہندوستانی مسلمانوں کے معاشرتی ومعاشی حالات اور مذہبی احکامات کے مطابق ان کے لئے مفید ثابت ہوسکے، لیکن کمیٹی ہذا کا یقین محکم ہے کہ اسلامی اصولوں پر مبنی ڈھانچہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے

نہیں بلکہ پورے ملک کی ضروریات وخدمات انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ اس کے لئے مناسب اور ضروری قانونی اور دیگر سہولیات میسر ہوں۔

اگست ۱۹۹۰ء اور جولائی ۱۹۹۱ء کے درمیان اس کمیٹی کے کئی اجلاس اس مقصد کی تکمیل کے لئے دہلی اور بنگلور وغیرہ میں منعقد ہوئے۔ اس سے قبل ممبئی اور دہلی میں منعقدہ اجلاسوں میں پیش کردہ خیالات سے بھی کمیٹی نے خاطر خواہ استفادہ کیا۔

کمیٹی کی میٹنگوں میں شریک رہنے والے افراد کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱-قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب	۲-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
۳-مولانا عتیق احمد بستوی صاحب	۴-جناب عبدالحسیب صاحب
۵-ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب	۶-جناب امین الحسن رضوی صاحب
۷-جناب عبدالحنان چاندنہ صاحب	۸-جناب ایم، ایچ کھتکھٹے صاحب
۹-جناب اے، ایم دلوی صاحب	۱۰-جناب احسان الحق صاحب
۱۱-جناب ایچ، کے زیدی صاحب	۱۲-جناب مظہر الحق صاحب
۱۳-جناب ایم، ایس آفتاب صاحب	۱۴-جناب آئی، ایچ ذکی صاحب
۱۵-جناب حفیظ اللہ بیگ صاحب	۱۶-جناب رحمان خان صاحب
۱۷-ڈاکٹر کے، جی منشی صاحب	۱۸-جناب عتیق چاندنہ صاحب

کمیٹی کے مباحثات کی بنیاد پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کے ایماء پر ہم نے یہ رپورٹ ۹/تا ۱۲/اگست ۱۹۹۱ء منعقدہ ہونے والے چوتھے اسلامی فقہ سمینار میں غور وخوض کے لئے تیار کی ہے۔ یہ رپورٹ ان سفارشات پر مبنی ہے جو کمیٹی ہذا کے متفرق اجلاسوں میں زیر بحث آئیں اور اس میں کمیٹی کے ممبران کے نظریات کے علاوہ اسلامی بینکنگ سے متعلق لٹریچر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، بہت سے ایسے نکات ہیں جن پر اتفاق رائے نہ ہوسکا اور اختلافی نظریات کا اظہار رہا، اس لیے اس رپورٹ کا مقصد ان مسائل کے عملی حل تک پہنچنا ہے جو

ہندوستانی حالات کے تحت ایک اسلامی مالی ادارہ کے مدمقابل آئیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ سمینار میں کمیٹی کی سفارشات پر خاطر خواہ مباحثہ کے بعد کسی قطعی نتیجہ پر پہنچنے میں مدد مل سکے گی۔

سودی اور غیر سودی نظام کے فوائد ونقصانات کے تقابلی مباحثہ سے کمیٹی کو سروکار نہیں ہے، تاہم کمیٹی ان دونوں نظام کے بنیادی اختلافات پر نظر ڈالنا ضروری تصور کرتی ہے۔ سودی مالی نظام کے تحت قرض خواہ صرف اپنی قرض دی ہوئی رقم کی واپسی نیز کاراندازی سے کام کرنے والے سے اس پر پیشگی رقم طے شدہ شرح منافع کے مطابق وصولی سے واسطہ رکھتا ہے، کاروبار کی کامیابی یا ناکامی سے اس کا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ اس کا بنیادی تعلق (ضمنی واسطہ) صرف اس حد تک ہے کہ وہ منافع حاصل کرے اور اپنے سرمایہ پر اپنا حق قائم رکھے۔ اسی طرح اس نظام کے تحت جہاں تک صرفی قرضوں کا تعلق ہے قرض دینے والے کو ان مجبوریوں اور ضروریات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا جن کے تحت کوئی قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے، وہ صرف اپنی قرض دی ہوئی رقم پر سود کی صورت میں اضافہ کی خواہش کے تحت عمل کرتا ہے اور بس۔ اس کے برعکس غیر سودی نظام سرمایہ، کاروبار اور محنت کے اشتراک پر مبنی ہے، اور معاشی سرگرمی میں صرف اس شرط پر سرمایہ کاری کی تحریک کرتا ہے کہ بصورت منافع طرفین کے درمیان یہ منافع طے شدہ شرح کے تحت باہم تقسیم کرلیا جائے گا۔ اور نقصان کی صورت میں طرفین اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کی مطابقت سے نقصان کو بھی باہم بانٹ لیں گے۔ سماجی انصاف کا یہ زریں اصول ہی غیر سودی بینکنگ کا طرۂ امتیاز ہے اور غیر سودی بینکنگ کی بنیاد بھی ہے۔

تاہم اس بات کا مکمل احساس ضروری ہے کہ غیر سودی مالی نظام اور بالخصوص غیر سودی بینکنگ نظام کے لئے ایک مخصوص قانونی اور حکمت عملی کا ضابطہ ضروری ہے۔ غیر سودی اصولوں پر مبنی کاروباری یا تجارتی بینک کے قیام اور اس کی کارکردگی کی راہ میں سخت دشواریاں اور بندشیں حائل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بنگلور میں منعقدہ اپنی حالیہ میٹنگ میں ماہرین کی یہ کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ ہندوستان کے موجودہ قانونی اور پالیسی ڈھانچہ میں اس قسم کے تجارتی بینک کا قیام ناممکن

العمل ہے۔تاہم یہ ممکن ہے کہ غیر سودی بنیاد پر ایک ایسا مالی ادارہ قائم کیا جاسکے جو مکمل طور پر ایک کمرشیل بینک کی مانند تو بے شک عمل نہ کر سکے لیکن پھر بھی ان افراد کی ضروریات کی تکمیل کر سکے جو اپنی پس انداز رقوم پر کسی سود یا اس قسم کے منافع کی خواہش نہیں رکھتے (مذہبی وجوہات کے تحت)، اور ان کام کرنے والوں کی ضرویات بھی پوری کر سکے جو اپنے قرض خواہ یا سرمایہ کار کے درمیان مساویانہ اشتراک کی بنیاد پر کاروبار کرنے کے خواہشمند ہیں۔

ہماری یہ رپورٹ مندرجہ ذیل ابواب میں منقسم ہے:

۱-تعارف

۲-مجوزہ مالی نظام کے مقاصد اور وسعت

۳-ہندوستان میں غیر سودی مسلم کاروباری مالی اداروں کا جائزہ

۴-ہندوستان کے قانونی اور انضباطی ڈھانچہ میں متبادل تنظیمی ڈھانچے

۵-سرمایہ کی فراہمی

۶- وسائل کا استعمال

۷- کنٹرول کے امکانات

۸-مزید بالیدگی کی تجاویز

باب:۲

مجوزہ مالی نظام کے مقاصد اور وسعت

موجودہ نظام کا دائرہ:

ہندوستان کا مروجہ بینکنگ بزنس سود پر مبنی ہے، اس ڈھانچہ میں بینکنگ سیکٹر اور مالی مارکٹ کی نگراں اتھارٹی ریزرو بینک آف انڈیا ہے، بازارزر (Money Market) ان تمام اداروں کا اجتماع ہے جو قلیل مدتی سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ ایسے تنظیمی ڈھانچہ کی بنیاد پر بینکنگ ادارے دو بڑے گروپوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں:

الف-کمرشیل بینک:

ان کو بھی مزید دو گروپوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے: (۱) قومیائے ہوئے بینک اور (۲) پرائیویٹ سیکٹر بینک۔ قومی ملکیت والے بینک حکومت ہند کی ملکیت، نگرانی اور کنٹرول میں ہیں۔ ریزرو بینک آف انڈیا، اسٹیٹ بینک آف انڈیا اور اس کی ذیلی شاخیں اور بیس بڑے کمرشیل بینک اس گروپ میں شامل ہیں، اور عموماً بینکنگ بزنس کا نوے فیصد ان کو حاصل ہوتا ہے، پرائیویٹ سیکٹر بینک دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں: فہرستی بینک (شیڈیولڈ بینک)، اور غیر فہرستی بینک۔ شیڈیولڈ بینک ریزرو بینک آف انڈیا سے الحاق کا وہ معیار پورا کرتے ہیں جس کا تعین ریزرو بینک آف انڈیا نے کیا ہے، اور اس کی وجہ سے انھیں کئی مراعات واستحقاق بھی حاصل ہیں اور زائد ذمہ داریاں بھی ادا کرتے ہیں جو غیر شیڈیولڈ بینکوں کو حاصل نہیں ہیں۔ یہ بینک بطور جوائنٹ اسٹاک کمپنی رجسٹرڈ ہیں۔

ب- کوآپریٹیو (امداد باہمی) بینک:

یہ باہمی تعاون کے ان بنیادی اصولوں پر قائم ہیں جو ممبروں کے درمیان ان کے مالی مفادات میں اضافہ اور مدت کے سلسلہ میں باہمی مالی تعاون پر زور دیتے ہیں۔ یہ دو شقوں میں تقسیم ہیں: یعنی شہری اور دیہی، جس کا انحصار ان کے دائرہ کار کے علاقہ پر ہے۔ شہری امدادی باہمی بینکوں اور تنخواہ داروں یعنی ملازموں کی امداد باہمی قرض انجمنوں کی تفصیل شامل ہے۔ دیہی علاقوں کے لئے قلیل مدتی اور طویل مدتی امداد باہمی بینک کے ڈھانچے ہیں۔ قلیل مدتی کے لئے اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک سب سے بلند راس ادارہ ہے جس کے تحت ضلع سطح پر سینٹرل کوآپریٹیو بینک اور دیہی سطح پر پرائمری لیول مارکیٹ امداد باہمی انجمنیں ہیں۔ یہ ایک وفاقی ڈھانچہ ہے، اور قلیل مدتی ڈھانچہ اس کا ایک مجرد اکائی جز ہے۔ امداد باہمی بینکنگ کی خصوصیت اس کا علاقائی عدم توازن اور مختلف النوع درجات ہیں یعنی بعض ریاستوں میں یہ دو درجاتی ہیں اور بعض میں تین درجاتی ہیں۔

وسط مدتی اور طویل مدتی مالی ضروریات اور سرمایہ کی فراہمی کے لئے کئی ادارے قائم ہیں، ان کو ترقیاتی بینک کہا جاسکتا ہے، یعنی صنعتی ترقیاتی بینک آف انڈیا، انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن آف انڈیا، یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا وغیرہ۔ یہ سب مل کر سرمایہ کا مارکٹ بناتے ہیں۔ مختصر، وسط اور طویل مدتی سرمایہ کاری اور فراہمی سرمایہ میں بہت قریبی تعلق ہے۔ اس لئے ریزروبینک آف انڈیا کی ان دو ذیلی شاخوں کے ذریعہ ان میں باہمی تعاون ہے۔ اس صورت میں یہ وسیع وعریض اور پھیلا ہوا بینکنگ نظام فراہم کرتا ہے:

الف-سرمایہ

ب- افراد کے مختلف طبقات اور معاشیات کی جزئیات کو ضمنی خدمات۔ لیکن یہ سب سودی کاروبار ہے، بینکنگ کے مروجہ ملکی قوانین (بینکنگ ریگولیشن ایکٹ، ریزروبینک آف انڈیا ایکٹ، نیگوشیبل انسٹرومینٹس ایکٹ، کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ) سودی کاروبار سے ہی متعلق

ہیں۔اس نوعیت کا روایتی نظام روپیہ کی سپلائی کے اپنے کردار کے باعث ملکی معاشی عدم استحکام کا ذمہ دار ہے، اس سے زر کی ایمانداری اور خلوص غائب ہوگیا ہے، اور ایکویٹی یا مساوات کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔دوسرے یہ کہ اس نظام میں ڈپازیٹر اور قرض لینے والوں کے مختلف طبقات کے ساتھ عدم مساوات اور نا انصافی پیدا ہوگئی ہے،خدمات کی ادائیگی کے سلسلے میں بھی سروس چارجز میں عدم مساوات ہے،مختصر یہ کہ ذرائع اور وسائل یعنی سرمایہ کی غلط حد بندی ہے، قومی ملکیت بنائے جانے کے بعد سے خدمات کا معیار گر گیا ہے، اور کارکردگی میں بھی بدتر ہوتی جارہی ہے جس سے منفعت میں تخفیف ہوگئی ہے۔

مجوزہ نظام کے مقاصد اور دائرہ:

مجوزہ مالی غیر سودی نظام بالعموم پورے ملک اور بالخصوص مسلمانوں جیسے سماج کے کمزور طبقات کی ضروریات پورا کر سکے گا۔ یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ معاشی اور معاشرتی طور پر مسلمان پسماندہ ہیں، اور اگر چہ وہ ملک کی کل آبادی کا بارہ فیصد جزء ہیں، پھر بھی حکومت نے ان کے لئے پندرہ نکاتی اور بیس نکاتی پروگراموں جیسی ترقیاتی اسکیمیں تیار کی ہیں۔مرکز میں حکومت نے اقلیتوں کا کمیشن قائم کیا ہے بعض ریاستی حکومتوں نے اپنے یہاں مائنارٹیز فائنانس کارپوریشن قائم کرنے کے علاوہ مسلمانوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کئی دیگر اسکیمیں بھی مروج کی ہیں۔ان تمام کے باوجود مسلمان ہندوستانی معاشرہ کا سب سے کمزور اور پس ماندہ طبقہ بنے ہوئے ہیں۔ملک کی صنعت وحرفت اور تجارت کی ترقی میں ان کی شمولیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ بہت چھوٹی اور بہت معمولی نوعیت کی صنعتوں کی ترقی میں انھوں نے کچھ ضرور حصہ لیا ہے۔پھر بھی یہ حصہ بہت معمولی نوعیت کا ہے۔ایک اندازہ کے مطابق چھ لاکھ یونٹوں میں سے مسلمان کی ملکیت میں صرف چودہ ہزار یونٹ ہیں جو محض 2.3 فیصد حصہ ہیں۔

قابل ذکر یہ ہے کہ اچھے اور بلند معیار کی اشیاء کی تیاری میں مسلمان کاریگروں نے

ہمیشہ مؤثر اور نمایاں کردار انجام دیا ہے، اور اب بھی دیتے ہیں۔ اس کی کچھ مخصوص اور اہم مثالیں علی گڑھ (تالوں کی صنعت)، بنارس (کپڑا بننا اور زردوزی)، مرادآباد (ظروف سازی)، فیروزآباد (شیشے کے سامان اور چوڑیوں کی تیاری) اور حیدرآباد (بیدری نقاشی) سے سامنے آتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان میدانوں میں مسلمان اور دیگر کاریگروں کا درمیانی آدمی یا بچولیوں کے ذریعہ استحصال ہو رہا ہے، جس کے باعث وہ رفتہ رفتہ اپنی پوزیشن کھو رہے ہیں، مثال کے طور پر ایک جائزہ کے مطابق ۱۹۶۰ء میں فیروزآباد میں شیشے کا سامان اور چوڑیاں بنانے کی ۹۵ فیصد یونٹیں مسلمانوں کے ہاتھ میں تھیں۔ ۱۹۸۵ء میں یہ شرح گھٹ کر محض ۱۵ فیصد رہ گئی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ذرائع نہیں ہیں۔

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کاریگری اور کاراندازی کے معاملات میں پیچھے نہیں ہیں، ان میں مہارت کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن انھیں مالی مسائل کے فقدان کے ساتھ مارکیٹنگ اور بنیادی سہولیات میسر نہیں۔ اگر کسی ادارہ کی مدد ان کو حاصل ہوتی تو وہ یقیناً بہت ترقی کر سکتے تھے۔ یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ آزادی کے بعد سے ملک نے معاشی سرگرمیوں کے ہر میدان میں نمایاں ترقی کی ہے۔ جملہ قومی آمدنی کے مدنظر بچت اور سرمایہ کاری کا تناسب یہاں دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ مالی بچتیں مثلاً کمرشیل بینکوں میں ڈپازٹ نیشنل سیونگ سرٹیفکٹوں اور بچت کا تناسب مسلمان گھرانوں میں کم ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جیسے تعلیم اور آگاہی کی کمی، غربت، مارکٹ کے حالات، جائزہ، سرمایہ کاری کی راہوں سے عدم واقفیت وغیرہ۔

دو اہم وجوہات جو نظر انداز نہیں کی جاسکتیں وہ یہ ہیں کہ بہت سے مسلم گھرانے جو بچت کر سکتے ہیں وہ ایسے بینکوں یا ایسے اداروں میں اپنا بچت کا پیسہ ڈپازٹ کرنا نہیں چاہتے جو سود پیش کرتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ ہندوستان اور دیگر ممالک میں بھی بچتوں کو ایسی صورت میں رکھنے کا رواج فروغ پا رہا ہے جس سے منافع زیادہ سے زیادہ ہو، مثال کے طور پر خود ہندوستان

میں رواں کھاتوں (کرنٹ ڈپازٹس) میں جن پر کوئی سود نہیں ملتا کمی آتی جارہی ہے، اور معیادی ڈپازٹس میں جن میں منافع کی شرح اونچی ہوتی ہے نیز حصص جن میں منافع زیادہ ہوتا ہے روپیہ لگانے کا رواج بڑھتا جارہا ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی معیشت اور اس کے نتیجہ میں ملکی معیشت پر اسکے بہت اہم اثرات ہوئے ہیں، ہندوستانی مسلمان میں بچت کے رجحان میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور بچت کی مقدار بھی بڑھ سکتی ہے۔اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ بچتوں کے ایک بہت بڑے حصہ کو کسی مالی صورت میں یعنی اداروں کے بینک ڈپازٹس وغیرہ میں رکھا جاسکتا ہے، اور اس نوعیت کے ذرائع فراہم کئے جاسکتے ہیں یا وضع کئے جاسکتے ہیں جن کے تحت مسلمانوں کے مذہبی احکامات کے مطابق رجحانات اور جذبات کی تسکین ہوسکتی ہے۔اسی طرح مسلمان کاراندازوں میں مہارت موجود ہے اور کاروباری صلاحیت بھی لیکن ان میں سے بہت سے فرادبینکوں سے صرف اس لئے قرض لینا پسند نہیں کرتے کہ اس پر انھیں سود ادا کرنا پڑے گا، جو مذہبی اعتبار سے ممنوع ہے۔

مذکورہ بالا تجزیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مالی اداروں کے قیام کی سخت ضرورت ہے جو مسلمان بچت اندازوں اور سرمایہ کاروں کی ضرورتوں اور محرکات کی تکمیل کرسکیں۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ادارے بچت اندازوں اور سرمایہ کاروں کی معیشتی ضروریات کی تکمیل عصری مروجہ مالی اداروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر طور پر کرسکیں گے۔بحث وتمحیص کے بغیر ہی یہ نکتہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ جہاں ملک کا مروجہ مالی نظام بچتوں کے حصول میں کامیاب ہوا ہے وہاں یہ اچھی منفعت بخش اور سیر حاصل معاشی اور اقتصادی سرگرمیوں کی ہمت افزائی میں قطعی ناکام ہے۔اور جہاں تک مؤثر کارکردگی کا تعلق ہے یہ بالکل ہی ناکارہ ثابت ہوا ہے۔اور اس کا ثبوت نقصانات اور قرضوں کی رقم کی کثیر تعداد میں عدم وصولی یا ناقابل وصولی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، لیکن ایسا نظام جو بچت انداز اصل کار کے درمیان شرکت کی بنیاد پر غیر سودی مالی اداروں کی ثالثی کے ذریعہ قائم ہو وہ بچت اندازوں میں نقصان کا جوکھم اٹھانے کے جذبہ کے اضافہ کے ساتھ

ساتھ سرمایہ استعمال کرنے والوں میں جوکھم کی تخفیف اور بچت کی سرگرمیوں میں اضافہ کا باعث ہوگا، یہی وہ بنیاد ہے جس پر غیر سودی ادارے قائم ہوں گے۔

جیسا کہ اس رپورٹ میں بعد میں سامنے آئے گا کہ ایسے مالی ادارے ہندوستان میں اب بھی کام کررہے ہیں۔ ان میں سے کچھ کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں اور کچھ کو جزوی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ یہاں یہ بات واضح کردینی چاہیے کہ ایک غیر سودی مالی ادارہ کا قیام اور اس کو مذہبی اصولوں کے مطابق چلانا ایک علیحدہ بات ہے، اور اس کو عصری خطوط پر بڑھانا اور اس کی نشوونما کرنا تاکہ یہ مضبوط اور توانا، پر جوش ومؤثر اور عمدہ تقابلی نظام میں سامنے آئے، ایک دوسری بات یہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہمارے تصورات کا ادارہ کوئی چھوٹا سا ادارہ نہیں ہونا چاہیے جس کا کام غیر سودی بنیاد پر رقوم کی فراہمی، بچت رقوم کا حصول اور ان رقوم کو ایسے محدود امور میں استعمال کرنا ہو جن سے بچت اندازوں کو محض معمولی منافع حاصل ہو۔ اس کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس سے قوم کے کمزور طبقات بالخصوص مسلمانوں میں معاشی سرگرمیوں میں اضافہ ہو، کاراندازی کی ہمت افزائی ہو، انھیں مالی وسائل مہیا ہوں، اور تنظیم اور مارکٹنگ وغیرہ کے امور میں انھیں مرچنٹ بینک کی امداد حاصل ہو، ہم کو ایسے ہی ادارہ کی سخت ضرورت ہے۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ سودمند مستحکم معاشی سرگرمیوں میں اضافہ کے لئے سرمایہ کی فراہمی ضروری شرط ہے، تاہم عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے اور زندگی کو بہتر اور آسائشی بنانے کے لئے یہ شرط کافی نہیں ہے، اس مقصد کے لئے دیگر افزائشی سرگرمیوں کی ضرورت ہوتی ہے جن میں بالخصوص تعلیم، صحت اور سماجی بہبود شامل ہیں۔ مجوزہ مالی ادارہ کو یا تو خود یا معاون اداروں کے توسط سے یہ ضرورتیں پوری کرنی چاہئیں۔ آخر میں یہ کہ ان اداروں کا ہندوستان کے قاعدوں اور ضابطوں کے دائرے کے اندر رہ کر کام کرنا اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ بعد میں یہ بات سامنے آئے گی، ایک مکمل اسلامی بینکنگ نظام کا عصری قانونی ڈھانچہ کے اندر عمل ناممکن ہے، اس لئے حکومت کے سربراہوں اور افسران پر زور دیا جانا چاہئے کہ وہ قوانین میں مناسب ترمیمیں کریں،

لیکن اس دوران وہی طریقے، ضابطے اور حکمت عملی اختیار کرنی پڑے گی جو عصری بینکنگ قوانین کے مطابق ہوں۔

باب: ۳

مسلم غیر سودی اداروں کا جائزہ

ہندوستان میں غیر سودی تحریک کی موجودہ کیفیت:

ہندوستان کے طول وعرض میں غیر سودی مالی اداروں کی تنظیم اور قیام کا عمل قابل ستائش پیمانہ پر ہوا ہے، جیسا کہ اس سے قبل بتایا جاچکا ہے کہ عصری بینکنگ قوانین کے ڈھانچہ میں ایسے اداروں کا بطور ایک بینک رجسٹریشن ممنوع ہے۔ اپنے رجسٹریشن کے انداز کی بنیاد پر اس کو یا تو غیر بینکنگ مالی کمپنی گردانا جاسکتا ہے یا امداد باہمی کریڈٹ انجمن۔ اول الذکر کی اجازت ۱۹۵۶ء کے انڈین کمپنیز ایکٹ اور مؤخر الذکر کی اجازت متعلقہ ریاستی حکومتوں کے کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹس/رولز کے تحت ہوتی ہے۔

ہندوستان میں اس وقت غیر سودی بنیادوں پر کام کرنے والے اداروں کی تعداد اور وسعت کار کا کوئی جامع سروے نہیں ہوسکا ہے، تاہم دستیاب اطلاع کے مطابق نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ملک کی مختلف ریاستوں میں بچت رقوم کو مدتی جمع کی صورت میں بچت اندازوں سے بغیر کسی منافع کے حاصل کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق اس وقت ایسے تقریباً تین سو ادارے سرگرم عمل ہیں جن کے پاس مجموعی ڈیمانڈ ڈپازٹس پچاس کروڑ روپے کی ہیں۔ ان کوششوں کی ابتداء آزادی سے قبل ہوئی تھی۔ اس قسم کی تقریباً بیس سے زیادہ ایسی تنظیمیں ہیں جو ایک چھوٹے امداد باہمی بینک کی نوعیت اور برابری کی ہیں۔

اس کے برعکس کچھ ایسے ادارے بھی ہیں جو ایک چھوٹے امداد باہمی بینک کے مساوی بھی ہیں اور اصل کمپنی کی نوعیت کے بھی ہیں۔ یہ حصص کی صورت میں سرمایہ حاصل کرتے ہیں یا

راور ڈپازٹروں کی صورت میں بھی سرمایہ حاصل کرتے ہیں جسے یہ منافع بخش امور میں لگاتے ہیں، منافع حصہ داروں اور ڈپازٹروں کے درمیان تقسیم کردیا جاتا ہے۔ایسے ادارے،بہت بعد کی پیداوار ہیں، اور ۸۰ء کی دہائی کے تقریباً وسط میں قائم ہوئے ہیں جبکہ اول الذکر قسم کے ادارے اس کے برعکس ۷۰ء کی دہائی کے آغاز میں قائم ہو چکے تھے۔ان کی اصل کاری قسم کے سیکٹر کا اندازہ تقریباً دس کروڑ روپے کا ہے اور صرف تین اداروں کا اس پر تصرف ہے، اس سیکٹر میں سرمایہ کا بڑا حصہ شرکت منافع ڈپازٹوں کی صورت میں ہے۔اس سے قبل ایک لمیٹڈ کمپنی نے حصہ داروں کے سرمایہ (جو ایک فرم کی صورت میں ایکویٹی سرمایہ کے مساوی ہوتا ہے) کی بنیاد پر بہت بڑے پیمانے پر فراہمی سرمایہ کی جو کوشش کی تھی وہ بری طرح ناکام رہی تھی۔لمیٹڈ کمپنیوں کو سو فی صد ایکویٹی فائنانسنگ اصولوں پر چلانے کی بعض دیگر کوششوں کو بھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔

عصری صورت حال کے نتائج:

مذکورہ صورت حال کے تجزیہ سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱- ڈیمانڈ ڈپازٹوں کی صورت میں فراہمی سرمایہ سے متعلق کم خدشہ اور اس سرمایہ کو بجائے اصل کاری (سرمایہ حصص یا شرکت منافع ڈپازٹس کی صورت میں) سروس چارج کی بنیاد پر محفوظ قرضوں کی صورت میں استعمال کریں یا اس سرمایہ کو کسی کاروبار میں (جس میں نقصان کا بھی اندیشہ ہو) استعمال کرنے کے باعث ہندوستان میں اسلامی بینکنگ کا تصور عموماً شرکت منافع کے بجائے ''نہ نفع نہ نقصان'' کا قائم ہوگیا ہے۔

۲- اگرچہ اصل کار اداروں کے منافع بخش سرمایہ (سرمایہ حصص اور شرکت منافع کے ڈپازٹس) کی بہ نسبت فی الوقت ''نہ نفع نہ نقصان'' نوعیت کے اسلامی اداروں کے پاس ڈیمانڈ ڈپازٹوں کے سرمایہ کی مقدار بہت زیادہ ہے،لیکن اول الذکر ادارے بھی مستحکم ہوکر بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

۳-شرکت منافع کے سرمایہ میں زیادہ وسعت شرکت منافع کے ڈپازٹوں سے ہورہی ہے۔

دونوں سے فراہم شدہ تجربات ومشاہدات، نیز مجموعی طور پر ملک کے اسلامی بینکنگ سیکٹر کے اعداد وشمار سے مندرجہ ذیل نتائج ناگزیر ہیں:

الف-موجودہ قانونی اور ضابطی ڈھانچے کے تحت اصل کارانہ وسائل کے حصول اور قوم کی اقتصادی ترقی کے لئے ان وسائل کا پیداواری اصل کاریوں میں استعمال شرکت منافع کے ڈپازٹوں کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔

ب-قوم نے ڈیمانڈ ڈپازٹوں کے حصول اور ان کے استعمال میں کافی کامیابی حاصل کی ہے۔نیز اسلامی اصولوں کے دائرہ کے اندر قوم کے مفاد کے پیش نظر بچت ڈپازٹوں کے حصول اور سرمایہ کے حصول میں بھی کسی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، اور موجودہ تناظر میں یہ مساعی قابل تعریف ہیں تاہم مسلمانوں کی معیشت کی ترقی میں یہ مساعی محدود قوت کی حامل ہیں۔

ج-اپنی محدود اپیل، زیادہ خدشہ کا عوامی تصور، اور غیر فہرستی کمپنیوں کے ایکویٹی سرمایہ کی عموماً بہت کم نقد پذیری اور ایسی فرموں سے سرمایہ کی شرکت جو ایک خاندان کے زیر انتظام نہ ہوں، کے باعث عوام کو اس نوعیت کی اصل کاریوں میں دلچسپی بہت کم ہوتی ہے، اور یہ بات قوم کے اندر فراہمی سرمایہ کے حصول کے موجودہ امکانات کے لئے ناکافی ہے۔

باب: ۴

ہندوستان کے قانونی اور ضابطی ڈھانچہ کے اندر متبادل تنظیمی امکانات

ہندوستان کے سیاق وسباق میں اس وقت ایک اسلامی مالی تنظیم مندرجہ ذیل چار بنیادی اقسام میں سے ایک ہوسکتی ہے:

الف- پرائیویٹ یا امداد باہمی سیکٹر میں رجسٹرڈ شدہ ایک بینک۔

ب- ایک امداد باہمی کریڈٹ سوسائٹی۔

ج- ایک پارٹنر شپ فرم۔

د- ایک لمیٹڈ کمپنی۔

گذشتہ باب میں زیر بحث آئے ان مقاصد کے حصول کے لیے جو ایک مالی ادارہ کے سامنے ہوں مذکورہ صورتوں میں سے ہر ایک پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے اور ان کا اندازہ قدر کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے ہر صورت مختلف قانونی اتھارٹیز کی ضابطی طور پر پابند ہے۔ اس کے نتیجے میں ہر صورت کو بعض پابندیوں کے دائرہ میں کام کرنا ہوگا۔ ان میں سے بعض پابندیاں شریعت کے منافی بھی ہوں گی۔ اس قسم کے ٹکراؤ کے تدارک کے لئے ضروری ہے کہ سرگرمیوں کا دائرہ صرف ان ہی باتوں تک محدود رکھا جائے جہاں ٹکراؤ نہ ہو۔ بطور متبادل ضروری ہوگا کہ عمل کی ایسی راہیں نکالی جائیں جو شریعت کے اصولوں سے بھی نہ ٹکرائیں اور ملکی قانون کے دائرہ کے اندر بھی ہوں اور ضابطوں کی خانہ پری بھی کرسکیں، لیکن ایسی صورت حال میں جب کہ کوئی بھی راہ نہ

نکالی جا سکے تو ضروری ہے کہ اس نوعیت کی تنظیمی صورت پر غور ہی نہ کیا جائے۔

جہاں تک بینکنگ ڈھانچہ کا تعلق ہے اس کے دو ذیلی متبادلات ہو سکتے ہیں:

۱-کمپنیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ایک جوائنٹ اسٹاک بینک۔

۲-ایک امداد باہمی بینک۔

پرائیویٹ سیکٹر بینک:

اس وقت ایک پرائیویٹ سیکٹر بینک محض ایک نظریاتی امکان ہے کیونکہ موجودہ حکومت کی پالیسی مزید پرائیویٹ بینکوں کو کارکردگی کا اجازت نامہ نہ دینے کی ہے۔ یہ پالیسی اس حقیقت کے باوجود ہے کہ آئین میں ایسی کوئی بھی شق نہیں ہے جس کے تحت حکومت یہ رویہ اختیار کرے۔ احسان صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ چونکہ ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے تحت پرائیویٹ سیکٹر بینک ممنوع قرار دئے جائیں اس لئے اس صورت کی تجویز پر بھی کمیٹی غور کرے۔ تاہم کمیٹی کے دیگر ارکان کی رائے تھی کہ چونکہ فی الوقت اس کی اجازت نہیں ہے اس لئے اس پر غور کرنا بیکار ہے۔

نرمی اختیار کرنے کا جو حکومت کا عمل جاری ہے اس کے پیش نظر حکومت پرائیویٹ سیکٹر بینکوں کے بارے میں بھی اپنے نظریہ میں تبدیلی لا سکتی ہے، لیکن اس صورت میں بھی اس نوعیت کے بینک کا استحکام اور وجود مشکوک ہوگا، چونکہ امداد باہمی بینکوں کے سیکٹر پر بھی ویسے ہی اعتراضات ہیں جیسے کہ پرائیویٹ سیکٹر بینکوں کے سلسلے میں ہیں، اس لئے ان پر اس وقت روشنی ڈالی جائے گی جب امداد باہمی بینکوں پر غور کیا جائے گا۔

امداد باہمی سیکٹر بینک:

چونکہ مجوزہ تنظیم کو کسی صورت میں مالی ثالث کے فرائض بھی انجام دینے ہوں گے، اس لئے اس کا ایک کلیدی پہلو بچت اندازوں سے سرمایہ کی فراہمی کا ہوگا۔ بچت اندازوں کا گروپ اس کا منطقی نشانہ ہوگا، اور اس میں کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ ثالثی تنظیم وسائل کا استعمال کس

طرح کرتی ہے۔

مستقبل قریب میں ہندوستان میں امداد باہمی بینکوں اور امداد باہمی سوسائٹیوں کے لئے شرکت منافع ونقصان کے اصولوں پر عام حالات میں اپنا سرمایہ لگانے کے امکانات بہت بعید ہیں۔اس پہلو پر کمیٹی نے اپنے مختلف اجلاسوں میں بہت تفصیل کے ساتھ غور کیا۔ اس صورت حال کا ایک منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کے ادارے ان بچت رقوم پر جو بچت اندازان کے پاس جمع کریں گے، معمولی منافع دینے کی بھی امید نہ کرسکیں گے۔اس لئے جس حصہ پر وہ منطقی طور پر فراہمی سرمایہ کا انحصار کریں گے وہ رواں کھاتہ (کرنٹ اکاؤنٹ) کا ہوگا جس پر بچت اندازوں کو کوئی منافع نہیں ملتا۔ایسی صورت میں کیا یہ ممکن ہو سکے گا کہ جب تک قانون اور ضابطہ میں مناسب تبدیلی ہوگی اور مکمل اسلامی بینک کے قیام کی اجازت حاصل ہوگی (جو کہ کمیٹی کی مساعی کا بنیادی مقصد ہے) اس وقت تک امداد باہمی بینک کی صورت میں ہی تنظیم کو چلایا جائے، اور کیا یہ اپنے بے حد محدود دائرہ میں قوم کی کوئی خدمت کر سکے گا؟

اس پہلو پر کمیٹی کے تین اجلاسوں میں غور کیا گیا، اور بالآخر بنگلور میں منعقدہ کمیٹی اپنے آخری اجلاس (مورخہ ۱۸، ۱۹ر جولائی ۱۹۹۱ء) میں تقریباً اتفاق رائے سے اس نتیجہ پر پہنچی کہ اس وقت کوئی بھی ایسی تنظیم جو شریعت کے مطابق بھی ہو اور جسے رسمی طور پر بینک کے نام سے منسوب کیا جائے ہندوستان میں قائم ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس کی متفرق وجوہات ذیل میں درج ہیں (اس اجلاس میں مسٹر احسان الحق واحد ممبر تھے جنھوں نے اکثریت کی رائے سے اتفاق نہیں کیا، اور مسٹر رضوی نے اپنی رائے محفوظ رکھی):

الف- یہ ایک اختلافی اور قابل بحث نظریہ ہے کہ آیا ایک رجسٹرڈ بینک سودی ڈپازٹوں کو قبول کرنے سے قطعی انکار کرسکتا ہے۔اس سلسلہ میں کمیٹی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی۔اس مسئلہ پر مسٹر احسان صاحب کا نظریہ قطعی اور مطلق تھا کہ سودی نوعیت کے ڈپازٹ قبول کرنے سے بینک قانونی طور پر قطعی انکار نہیں کرسکتا ہے۔

ب- اگر بینک نے اپنے سرمایہ کا کثیر حصہ ایکوٹیز میں لگایا تو بینک کے چٹھے (بیلنس شیٹ) میں نقد پذیری کے ضمن میں اس کی واجبات اور اثاثہ کے درمیان تفاوت پیدا ہو جائے گا۔ مسٹر حسیب صاحب کا اس بات پر زور تھا کہ ایسی صورت حال بینک کے لئے تباہ کن ہوسکتی ہے۔

ج-ضمانتوں (سیکورٹیز) میں اور ریزرو ریشیو (لازمی محفوظ سرمایہ) میں اصل کاری مجوزہ غیر سودی ڈھانچہ کے متضاد ہوگی، اور اس قسم کی ضمانتوں میں اصل کاری نہ کرکے بینک اپنے محفوظ سرمایہ کو بطور نقد اپنے پاس رکھ کر اس پر کوئی آمدنی حاصل نہ کر سکے گا۔جس سے بینک کو شدید مالی مشکلات پیش آئیں گی اور نقصان دہ ہوگا۔مسٹر حسیب صاحب کا نظریہ تھا کہ ایکوٹیز میں سرمایہ لگانے کی اجازت کے باوجود (جس پر ذیل میں بحث کی گئی ہے) ایسی مہنگی صورت حال میں یہ عمل قابل کار نہ ہو سکے گا۔تاہم کمیٹی نے علماء کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا ہے کہ کیا ایسی صورت حال میں جبکہ محفوظ سرمایہ کو لازمی طور پر سرکاری سیکورٹیز میں لگایا جائے اور جس پر سرکار رریزرو بینک آف انڈیا سود ادا کرے، کیا اس سود کی رقم کو بینک اپنے استعمال کے لئے قبول کرسکتا ہے؟

د- بینکنگ ریگولیشن ایکٹ کی دفعہ نمبر ۱۹ کو پڑھنے سے بادی النظر میں مسٹر احسان الحق صاحب کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ ایک پرائیویٹ سیکٹر بینک اپنے وسائل کا باقی ماندہ غیر محدود حصہ ریزرو ریشیو میں سرمایہ لگانے کے علاوہ) ایکوٹیز میں لگا سکتا ہے۔مسٹر احسان الحق صاحب کا خیال تھا کہ بینک کے لئے یہ منظوری کافی ہے۔تاہم دوسروں نے اس نظریہ کی تائید نہیں کی۔دوسروں کا نظریہ تھا کہ قانون کا یہ مطلب ممکن نہیں، کیونکہ یہ تمام موجودہ بینکنگ تصورات اور ضابطوں کے منافی ہے۔اس کے برعکس انھوں نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے اس کے مطابق ان کے کل سرمایہ اور وسائل کا ایک معمولی حصہ ہی ایکوٹیز میں لگایا جاسکتا ہے۔مسٹر دلوی نے یہ بھی بتایا کہ دفعہ نمبر ۱۹ کا جو ترجمہ ریزرو بینک آف انڈیا نے کیا ہے وہ مسٹر احسان صاحب کے ترجمہ کے برعکس اکثریت کی رائے کے مطابق ہے۔

ایکوئیٹیز میں اصل کاری پر آخری اعتراض (جسے باتفاق رائے قبول کیا گیا) یہ تھا کہ جس حد تک بھی ہوسکتا ہے اس کا اطلاق صرف پرائیویٹ سیکٹر بینکوں پر ہی ہوتا ہے، امداد باہمی بینکوں کو بجز ایک محدود حد کے ایکوئیٹیز پر سرمایہ لگانے کا کوئی اجازت نامہ نہیں ہے۔

ھ- امداد باہمی بینکوں کے لئے قانون نے صرف یہ راہ چھوڑی ہے کہ وہ اپنے وسائل کا استعمال ایک معقول حد تک صرف سودی قرضہ جات میں ہی کریں۔ جبکہ شرح سود کے تعین کو بینکوں کے اختیار تمیزی پر چھوڑا گیا۔ بینکوں کے پاس کوئی راہ نہیں ہے کہ وہ اپنے دئے ہوئے قرضہ جات پر سود لینے سے گریز کرسکیں۔ کمیٹی کے سامنے مستقبل میں کوئی ایسا منظر نامہ نہیں، تاہم جیسے جیسے یا جب بھی سرکاری رویہ کی یہ لچک سامنے آئے گی امداد باہمی بینک وصولی کے اخراجات کی بنیاد پر قرضوں کی فراہمی پر عمل کرسکیں گے۔ اس نکتہ پر مسٹر حسیب صاحب کو اعتراض تھا۔ ان کا نظریہ یہ تھا (اور دوسروں نے بھی اسے قبول کرلیا) کہ اخراجات کی وصولی کے علاوہ بینک کو اپنا محفوظ سرمایہ بنانا ضروری ہے اور بینک کی بقا کے لئے یہ لازم ہے۔ تیسرے فقہی سمینار میں علماء نے اخراجات کی وصولی کے تصور کو قبول کرلیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ آیا وہ بینک کو چلانے کے لئے مناسب محفوظ سرمایہ بنانے کے ناقابل گریز امر کے سلسلے میں اپنے رویہ میں مزید کتنی لچک پیدا کرسکتے ہیں۔

ہندوستان کے عصری حالات میں امداد باہمی بینک چلانے پر مذکورہ بالا سنگین اعتراضات کے پیش نظر کمیٹی نے امداد باہمی بینک کے قیام پر غور کو مسترد کردیا۔

کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹیاں:

امداباہمی بینک چلانے کے برعکس امداد باہمی قرض سوسائٹیوں کے سامنے وہ سنگین مشکلات درپیش نہیں ہیں جو بینک کے سامنے ہیں۔ اس لئے اس ہیئت کو قابل عمل تصور کیا گیا۔ غیر سودی کریڈٹ انجمن کے سامنے جو اہم سوال قرض لینے والے سے انتظامی اخراجات کی

وصولی کا تھا اس کی اجازت تیسرے فقہی سمینار میں دی جا چکی ہے۔ اس سے فطری طور پر تنظیمی ڈھانچہ قابل اعتماد اور قابل عمل بن جاتا ہے۔ اور اس میں مزید اضافہ ہوگا اگر علماء اجازت دے دیں کہ اس پر کچھ فاضل رقم کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ فاضل رقم تقسیم کے مقصد کے لئے نہیں ہوگی بلکہ لازمی طور پر بینک کے محفوظ سرمایہ میں جمع ہوگی۔ اور اسے تنظیم کی کارکردگی کو مستحکم کرنے کے لئے درآمدی قیمت کے طور پر تصور کیا جائے گا، اور اس کو بینک کے محفوظ سرمایہ کو قائم کرنے کا ذریعہ سمجھا جائے گا۔

پارٹنر شپ فرم:

اس کے بعد جو دوسری تنظیمی ہیئت زیر غور آسکتی ہے وہ پارٹنر شپ یا شرکت کی ہیئت ہے لیکن اس تنظیمی ہیئت کے ساتھ شرکت سے متعلق کچھ لاینحل پریشان کن معاملات وابستہ ہیں، اور اگر اسے ایک اسلامی مالی تنظیم کے لئے اختیار کیا جائے تو ان معاملات کا تدارک ضروری ہوگا۔ اس کے برعکس یہ ان دیگر بیشتر منفی ضوابطی پابندیوں سے مبرا ہے جو کسی دوسری ایسی متبادل ہیئت پر منطبق ہوتی ہیں اور جنھیں کوئی منافع پر مبنی تنظیم اختیار کر سکتی ہے۔ نیز اس کے ڈھانچہ میں وسائل کی فراہمی اور ان کے استعمال کے لئے کئی کروڑ روپیہ تک کے سرمایہ کے لئے کافی لچک ہے۔

اس ڈھانچہ پر کمیٹی کا مباحثہ ناکام رہا ہے، بنگلور میں کمیٹی کے چوتھے اجلاس کے دوران اس کے امکانات پر مباحثہ کے سلسلہ میں مسٹر رحمٰن صاحب، مسٹر حسیب صاحب، مسٹر احسان صاحب، مسٹر رضوی صاحب اور مسٹر چاندنہ صاحب کا نظریہ تھا کہ اس پر غور نہ کیا جائے، جبکہ مسٹر دلوی صاحب اور مسٹر کھٹکھٹے صاحب کا خیال تھا کہ اس پر کچھ پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ اس کے متعلق یقیناً سفارش کی جا سکتی ہے۔ شرکت کی ہیئت پر مندرجہ ذیل اعتراضات تھے:

۱- قانون کی نظر میں پارٹنر شپ فرم کی اسکے پارٹنروں سے علیحدہ کوئی انفرادیت نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے شرکاء میں سے کسی کے بھی ساتھ اگر کوئی مالی حادثہ یا لغزش ہوئی تو اس کی بازگشت فرم کے معاملات میں سنائی دے گی جس کا اس پر بہت برا اثر پڑ سکتا ہے۔

۲-چونکہ پارٹنر شپ کو اس کے پارٹنروں سے ہٹ کر نہیں سوچا جا سکتا ہے اس لئے پارٹنروں کی حیثیت عرفی میں کوئی تبدیلی جیسے کسی پارٹنر کی موت یا ریٹائرمنٹ کی صورت میں وہ پارٹنر شپ ٹوٹ جائے گی، اور اس طرح ایسی فرم کوئی جاری رہنے والی ہستی نہیں بنتی۔علاوہ ازیں فرم کے ٹوٹنے یا فرم کے پارٹنروں کے درمیان اختلافات رمقدمہ بازی وغیرہ کی صورت میں ڈپازٹر کا روپیہ پھنس کر رہ جائے گا۔

۳-مسٹر رحمٰن صاحب کے مطابق پارٹنر شپ ہیئت مناسب نہیں ہے۔کیونکہ یہ سرکاری اتھارٹی کے انکشافات اور تنقیحی ضوابط اور ضروریات کی پابند نہیں، لہذا بے ایمان عناصر اس کو عوام کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، اس لئے اس قسم کی تنظیموں کی روئیدگی غیر سودی تحریک کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔

۴-پارٹنر شپ فرم ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ صرف ۲۵۰ افراد سے ڈپازٹ قبول کر سکتی ہے۔

۵-پارٹنر شپ کو بینکنگ یا مالی امدادی بزنس میں استعمال کرنے کا دنیا میں کہیں بھی قاعدہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اعتراضات پر مسٹر کھٹکھٹے صاحب کا جواب ذیل میں پیش ہے:

ا-یہ درست ہے کہ کسی امدادباہمی ادارہ یا جوائنٹ اسٹاک کمپنی کی بہ نسبت پارٹنر شپ ہیئت بہت کمزور اور ڈھیلی ڈھالی ہے، لیکن ایسے اداروں پر بعض وسیع ضابطی محرکات عائد کرنے کا عمل ہی اس سلسلے میں سفارشات کا ایک جزو بن سکتا ہے۔انھوں نے بتایا کہ اگر پارٹنر شپ ہیئت کو نظر انداز کیا گیا تو منافع پر مبنی اسلامی مالی سرگرمیوں کے لئے بہت ہی محدود متبادل رہ جائیں گے، بلکہ یہ صرف پٹہ پر دینے والی کمپنی یعنی لیزنگ کمپنی بن کر رہ جائے گی۔اس پہلو پر بعد میں تفصیل سے غور کیا گیا ہے۔نئے اسلامی بینکنگ اداروں پر اس کی بندش اور دباؤ ان کے نشو ونما پر بہت غلط اثر ڈالے گی۔

۲- اوپر پیش کردہ تجزیہ کی صورت میں منافع پر مبنی تمام اسلامی مالی ادارے مجبور ہوں گے کہ مستقل طور پر اپنے کاروبار کا پچاس فی صد حصہ پٹہ داری یا مکانات پر سرمایہ کاری میں لگائیں۔ فی الحقیقت ایسی صورت حال کسی بھی بینکنگ قسم کے ادارہ کے لئے مناسب نہیں۔ اس سے بھی زیادہ بدتر صورت حال ہوگی اگر پورے سیکٹر کو یہی خصوصیت بخشی گئی، یعنی دوسرے الفاظ میں اس کی بیشتر سرمایہ کاری صرف ایک ہی نوعیت کی انڈسٹری بن کر رہ جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ مقامی حالات، مواقع، کاروبار، پس منظر (تجربہ، صلاحیت، دیانت داری اور فروغ کاروں کی وقعت وحیثیت) مجموعی طور پر ایک غیر لیزنگ تنظیم کا سا استحکام اور نفع بخش سرگرمیاں مہیا کرے۔ تمام غیر لیزنگ منافع پر مبنی تنظیموں کو نظر انداز کردینے سے ہم اس علاقے کے مسلمانوں کو اسلامی بینکنگ کے فوائد سے محروم کردیں گے۔ تاہم اس کا برعکس درست نہیں ہے۔ ایک لیزنگ کمپنی اپنے سرمایہ کا باقی پچاس فیصد دوسرے کاروبار میں بھی لگا سکتی ہے۔

۳- مسٹر کھٹکھٹے صاحب کا احساس تھا کہ پارٹنر شپ پر مبنی تنظیموں کے لئے دروازہ کھلا رکھنے سے جو عملی فائدے ہوسکتے ہیں وہ لازمی تنقیحات وانکشافات وغیرہ کے اوپری اور عارضی فوائد سے کہیں زیادہ وزن دار ہوں گے۔ انھوں نے بتایا کہ ہندوستان میں اسلامی بینکنگ میں سب سے بڑی تباہ وبرباد ہونے والی جو تنظیم تھی وہ پارٹنر شپ کی نہیں بلکہ محدود ذمہ داریوں والی کمپنی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ محدود ذمہ داریوں والی فرم کے بجائے غیر محدود ذمہ داریوں والی پارٹنر شپ ہی دھوکہ دہی کرنے والے افراد کے لئے ہمت شکن ثابت ہوسکتی ہے۔ بہر صورت قانون میں حالیہ ترمیموں نے خود کمپنی کی سالانہ رپورٹوں کو بہت مختصر اور سادہ بنایا ہے جس کے باعث ان کے انکشافات کے دائرہ میں بہت اختصار آگیا ہے۔ اور پھر جہاں تک تنقیح (آڈٹ) کا تعلق ہے بیشتر آڈٹ رپورٹیں خود انتظامیہ کی ہی تحریر کرائی ہوئی ہیں جو نگرانی کے تصور کے بالکل برعکس ہے۔ گذشتہ دہائی کے دوران ہندوستان کے قومیائے ہوئے بینکوں اور حال ہی میں بند ہوئے ایک بڑے بین الاقوامی بینک کی اس سلسلہ میں نمایاں مثالیں ہیں۔

۴- اگر چہ یہ درست ہے کہ ۲۵۰ افراد سے زیادہ ڈپازٹس قبول کرنے کی پابندی سے ایسے مالی اداروں کی نشو ونما میں رکاوٹ آ گئی ہے تاہم اس سے ایسا کوئی انکار ثابت نہیں ہوتا کہ پچاس لاکھ روپیہ کا سرمایہ فروغ کاروں کی صلاحیت، تجربہ، انتظامی مہارت، اور تدبیر سے چند کروڑ کا ہو جائے۔ چونکہ فرموں کی ٹیکس کی ذمہ داری کمپنیوں کی بہ نسبت بہت کم ہے، اس لئے بہت سی صورتوں میں یہ مجوزہ تنظیم کے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہوگا کہ وہ زیادہ نشو ونما حاصل کرنے والے پارٹنرشپ ادارہ سے ترقی کر کے اپنے استحکام کی بدولت ایک کمپنی میں بدل جائے۔ بحث کے توازن کے طور پر یہ بات سمینار کے سامنے ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان میں اسلامی مالی ادارے کے ڈھانچہ کے لئے پارٹنرشپ کی تنظیمی ہیئت اختیار کی جانی مناسب ہوگی یا نہیں۔

لمیٹڈ کمپنی:

اسلامی مالی ادارہ کے لئے لمیٹڈ کمپنی کی تنظیمی ہیئت پر غور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل متعلقہ نکات ہیں:

۱- ٹیکس عائد ہونے کی سطح۔

۲- قرض کے حصول کی گنجائش۔

غیر محدود نوعیت کی پبلک اور پرائیویٹ دونوں ہی کمپنیوں پر ٹیکس کی سطح ۵۵ فیصد ہے اور آغازی سطح پر اس میں کوئی چھوٹ یا رعایت نہیں ہے۔ (کوئی بھی غیر لمیٹڈ پبلک کمپنی خواہ اس کی شیئر ہولڈنگ کتنی ہی وسیع اور لامحدود کیوں نہ ہو اس درجہ میں آتی ہے) اس لئے خالص کمائی کے ہر روپیہ پر تمام اخراجات کی تخفیف کے بعد تقسیم کے لئے صرف ۴۵ پیسے باقی بچتے ہیں جبکہ ادائیگی کی ۷۵ فیصد کی اونچی شرح کے باوجود قبل از ٹیکس کی آمدنی میں سے حصہ داروں کو تقسیم کے لئے صرف ایک تہائی رقم ہی بچتی ہے۔

تکنیکی طور پر اسلامی مالی امدادی تنظیم بنیادی یا لازمی طور پر قرض دینے والی ایجنسی نہیں ہے، تاہم چونکہ یہ مالی ثالث کے امور اس نوعیت کے اداروں سے اپنے ہاتھ میں لے لینے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے اپنے وسائل کی صف بندی سے وہ جس منافع کی توقع کر سکتا ہے وہ بینکوں اور دیگر مالی اداروں جیسے قرض دینے والے موجودہ اداروں کی شرح منافع سے مسابقتی اگر نہ ہو تو کم سے کم اس کی حدود سے قریب تر ضرور رہو۔ اگر ان انتہائی اونچے نرخوں کو نظر انداز کر دیا جائے جو ملک پر آئی ہوئی کسی پریشانی یا بحران کے دوران وصول کئے جاتے ہیں، اور سیہ بازار (کالی مارکٹ) کے نرخوں کے بہت زیادہ عارضی تغیر یا بے قاعدگی کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ شرح منافع کی آزادی کے باوجود قرض دینے کے نرخوں کے دائرہ میں ۱۹ تا ۲۲ فیصد کا تغیر ہے، اس کے بالمقابل اس کی مسابقت کو قائم رکھنے اور اس کی سماجی ذمہ داریوں کے پیش نظر اسلامی مالی تنظیم ۲۵ تا ۲۸ فیصد کے متوقع منافع یا زیادہ سے زیادہ ۳۰ فیصد سالانہ منافع کی توقع رکھ سکتی ہے۔

اگر تنظیم ۳۰ فیصد سالانہ متوقع منافع کے حصول کی امید پر کام کرے تب بھی محفوظ طور پر یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ منافع بخشی میں تخفیف کی جانب تغیر اور ملتوی یا تاخیری ادائیگیوں پر (جن پر کوئی زیادہ منافع حاصل نہیں کیا جا سکتا) اصل قابل وصول ۲۷ تا ۲۸ فیصد تک ہی ہوسکتا ہے۔ نظم ونسق کے اخراجات اور فرسودگی کم سے کم کل حاصل کی ۶ تا ۷ فیصد پر دعویٰ کریں گے۔ ٹیکس سے قبل کا منافع بھی ۲۱ فیصد سے زیادہ متوقع نہیں ہوتا۔ اگر جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے اس کا ایک تہائی بھی تقسیم کے لئے مہیا ہو تو یہ حصہ داروں کو ان کے سرمایہ پر محض ۷ فیصد حاصل دے سکے گا۔ اس قسم کا حاصل اصل کاری کی دوسری راہوں میں بمقابلہ کمپنی فکسڈ ڈپازٹس وڈبنچر (تمسکات) اکاؤنٹس وغیرہ کے حاصلات کے جو ۱۴ تا ۱۶ فیصد تک ہوتے ہیں متوقع بچت اندازوں کے لئے قطعی مسابقتی نہیں جبکہ مذکورہ راہوں میں زیادہ یقینی حالات، کم تغیر اور زیادہ تحفظ بھی فراہم ہوتا ہے۔

اسلامی مالی کمپنی صرف دوصورتوں میں مسابقتی ہوسکتی ہے:

۱-اگر وہ اپنے ایکویٹی سرمایہ کے مقابلہ میں شرکت منافع کے ڈپازٹس (تکنیکی طور پر ٹیکس کے مقاصد سے قرض) سے زیادہ بڑے وسائل فراہم کرسکے۔

۲-یا اگر اس کی آمدنی غیر فنڈ نگ کاروبار سے کم سے کم اتنی ہی زیادہ ہو جتنی کہ اس کے فنڈ ز کی صف بندی سے ہے۔ مؤخر الذکر امکان اس قسم کی اسلامی کمپنیوں کے دائرہ سے باہر ہے جس کا تصور ہمارے ذہن میں ہے۔

اچھے غیر ملکی رابطے سے منسلک اور مقامی طور پر بھی اچھے تعلقات، وسیع سرمایہ، خصوصی مہارت اور ممبئی یا دہلی میں واقع اداروں کے علاوہ اسلامی مالی امدادی کمپنیوں کے لئے شریعت کے امکانات کے تحت مرچنٹ بینکنگ سرگرمیوں کے ذریعہ اتنی بڑی غیر فنڈ نگ آمدنی کا حصول مشکل ہے، اس کے بعد ہمارے پاس صرف ایک راہ عمل رہ جاتی ہے اور وہ ہے ہائی ڈیبٹ ایکویٹی ریشیو۔

فرض کیجئے کہ ایک قرض (ڈپازٹ) اور ایکویٹی کا تناسب ۳ اور ۱ کا ہے۔ قرض کے جزو پر سابقہ بنیاد پر ٹیکس سے پہلے کی آمدنی یا کمائی اور ٹیکس کی ادائیگی کے بعد کا منافع (اس مفروضہ کے ساتھ کہ قرض پر ۱۵ فیصد حاصل ادا کیا گیا ہے)۶ فیصد ہوگا۔ اس لئے ایکویٹی پر ٹیکس سے قبل کا حاصل (۳×۶)+۲۱=۳۹ فیصد ہوگا۔ اور اس کے مطابق ٹیکس ادائیگی کے بعد کا حاصل ۴۵ء۰×۳۹=۵۵ء۱۷ فیصد ہوگا۔ اور اگر ۲۵ فیصد ضمانت کے بھی مہیا کردئے جائیں تب بھی ایکویٹی سرمایہ پر صرف ۱۳ فیصد حاصل ہوگا۔ ۵ اور ۱ کے تناسب کے مزید اونچے وسائل سے اپنے مقبوضہ سرمایہ پر اصل منافع اس سے بھی زیادہ ۲۳ فیصد تک جاسکتا ہے، جبکہ منافع تقسیم ۱۷ فیصد کی مسابقت کی شرح سے ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ایک اسلامی مالی کمپنی حقیقی معنوں میں صرف اس صورت میں قابل عمل ہوسکتی ہے جب یہ زیادہ اونچی شرکت منافع قرض اور ایکویٹی کی متناسب ہوگئی ہو۔ فی الحال کمپنیاں

بینکوں اور مالی اداروں سے سود پر رقم کی فراہمی کر سکتی ہیں۔

شرکت منافع کے ڈپازٹس یا تمسکات کا حصول ان کو صرف عوام سے ہو سکتا ہے۔ لیکن اس قسم کے وسائل سے سرمایہ کی فراہمی کی حد ان کے اپنے سرمایہ اور آزاد محفوظات کا صرف ۲۵ فیصد ہی ہے۔ اس نوعیت کے قرضی جزو کے ساتھ اپنے سرمایہ کے ڈھانچہ میں ایک اسلامی مالی تنظیم قابل عمل نہیں ہو سکے گی۔

صرف تین اقسام کی کمپنیاں ہیں جن کو ریزرو بینک آف انڈیا کی جانب سے بڑی مقدار میں قرض سرمایہ کے حصول کی اجازت ہے، اور وہ ہیں:

(۱) لیزنگ کمپنیاں، (۲) تعمیرات میں سرمایہ کاری کی کمپنیاں، اور (۳) ندھی۔

ان کے لئے ڈپازٹوں کی وصولی کی شرائط اور حدود مندرجہ ذیل متعین ہیں:

الف- لیزنگ کرایہ خریداری مالی کمپنیاں اپنے اصل سرمایہ سے ۱۰ گنا زیادہ تک ڈپازٹس لے سکتی ہیں جس کی مدت ۲۴ تا ۶۰ ماہ ہے۔

ب-۱۰ کروڑ تک کے سرمایہ کی ہاؤسنگ مالی کمپنیاں اپنے اصل سرمایہ سے ۱۰ گنا زیادہ تک ڈپازٹس لے سکتی ہیں جس کی مدت ۲۴ تا ۸۴ ماہ ہے۔

-۱۰ کروڑ روپیہ سے زیادہ لیکن بیس کروڑ سرمایہ سے کم والی ہاؤسنگ فائنانس کمپنیاں اپنے اصل سرمایہ سے ساڑھے بارہ گنا سے زیادہ ڈپازٹس لے سکتی ہیں۔

-۲۰ کروڑ سے زیادہ سرمایہ والی کمپنیاں اپنے اصل سرمایہ سے ۱۵ گنا زیادہ ڈپازٹس قبول کر سکتی ہیں۔

ج-ندھی (باہمی فائدہ کی مالی کمپنی)، ڈپازٹس قبول کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، نہ وقت یا مدت کی کوئی قید ہے، لیکن یہ صرف اپنے حصہ داروں سے ہی ڈپازٹس لے سکتی ہے۔

ندھی لمیٹڈ کمپنیوں کی ایک بہت کمیاب صورت ہے، اور صرف جنوبی ہندوستان کے علاقہ میں ہی مروج ہے۔ کمیٹی کو اس کے بارے میں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں۔ یہ صرف اپنے

ممبران سے ہی کاروبار کرسکتی ہے، ممبروں کی حیثیت انفرادی نوعیت کی ہے، اس پابندی کے پیش نظر ندھی جیسی تنظیموں کے لئے منافع بخش اصل کاری کے مواقع بہت محدود ہیں۔ یہ ''نہ نفع نہ نقصان'' کے اصول کے لئے زیادہ موزوں اور اسلامی بینکنگ کے شرکت منافع کے اصول کے لئے غیر موزوں ہے۔ علاوہ ازیں ندھی کا درجہ حاصل کرنے کے لئے اس مقصد سے مرکزی گزٹ میں ایک اعلامیہ شائع کرانا پڑتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اسے پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کرنی ہوتی ہے۔ یہ ایک بہت ہی مشکل شرط ہے جو بڑی کاوشوں کے بعد ہی پوری ہوسکتی ہے، اس لئے یہ ایسی ہیئت نہیں جسے عام حالات میں اختیار کیا جاسکے، ان فروغ کاروں کے لئے جو اتنے ذرائع کے حامل ہیں کہ گزٹ میں اعلامیہ حاصل کرسکیں، ''نہ نفع نہ نقصان'' کا یہی ایک بہت مثالی عمل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ اس سے پہلے پیش کردہ نقشہ میں بتایا گیا ہے اس کی حصول ڈپازٹس کی استعداد لامحدود ہے، اور اس پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی نہیں، یعنی نہ تو ڈپازٹس پر کسی قسم / نوعیت کی کوئی پابندی ہے نہ مدت کی پابندی، اور نہ اس پر کسی منافع یا حاصل کے دئے جانے کی شرح کی پابندی، نہ یہ پابندی کہ ندھی اپنے وسائل کو ترقیاتی یا پیداواری امور میں استعمال کرے۔

باقی دو متبادلات لیزنگ اور مکانات کی تعمیرات میں سرمایہ کاری سے متعلق ہیں۔ لیزنگ کمپنی کے لئے ضروری ہے کہ وہ لازمی طور اپنے کل سرمایہ کا پچاس فیصد حصہ لیزنگ امور میں صرف کرے، تاہم باقی ماندہ نصف سرمایہ پر استعمال کی کوئی شرط یا پابندی نہیں ہے۔

مکانات کے لئے فائنانس کرنے والی کمپنیاں بھی لازمی طور پر اپنے جملہ سرمایہ کا پچاس فیصد حصہ تعمیرات مکانات کے مقصد میں لگاتی ہیں، لیکن یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کی بخوبی جانچ ضروری ہے۔ ہاؤسنگ فائنانس ایک بہت مخصوص مہارت کا میدان ہے، اور اس قسم کا امکان ہوسکتا ہے کہ ہاؤسنگ فائنانس کی مخصوص سرگرمیوں میں برنس کا ایک زیادہ بڑا حصہ استعمال ہو۔

مذکورہ بالا کمپنیوں کو اپنے اصل سرمایہ سے دس گنا زیادہ سرمایہ ڈپازٹ کی صورت میں فراہم کرنے کی سہولت کے امکان کے پیش نظر لمیٹڈ کمپنیوں کی ہیئت پر غور سے احتراز کیا گیا ہے،

تاہم لمیٹڈ کمپنیوں کے سامنے ایک دشواری شرح منافع کی ہے جو ان کی حاصلات پر عائد ہوتی ہے۔اس پر ہم ''فراہمی وسائل'' کے باب میں غور کریں گے۔اس صورت میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جو ہیئات ہمارے سامنے ہیں، نیز شریعت کی ضروریات کے مدنظر غیر نفع ونقصان کی نوعیت کی تنظیم، ان میں مناسب ہیئت (رواں قسم کے کھاتوں سے قطع نظر)، امداد باہمی کریڈٹ سوسائٹیاں اور ندھی یا باہمی مفاد کی فائنانس کمپنی ہے، اس کے برعکس شرکت منافع کی نوعیت کے عمل کے لئے جو متبادلات سامنے ہیں ان میں لیزنگ کمپنی، ہاؤسنگ فائنانس کمپنی اور پارٹنرشپ فرم (بعض پابندیوں کے ساتھ جو اس کی بقا اور استحکام کے لئے ضروری ہیں) شامل کی جاسکتی ہیں۔

باب:۵

وسائل کی صف بندی رحصول

ہر نوعیت کی تنظیم کے لئے وسائل کی فراہمی کی لازمی طور پر دو صورتیں ہوتی ہیں: مالکوں کا (حصص) اثاثہ، اور ڈپازٹس جو عوام سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہر نوعیت کی تنظیم کے لئے جس پر غور کیا گیا ہے آمدنی کا ایک ضمنی ذریعہ (فنڈ کے علاوہ) فنڈ کے پورٹفولیو کی درست صف بندی اور انتظامی اہلیت ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل مناسب ہوگا کہ ہم اسلامی بینکوں کے وسائل کی فراہمی کے اس مخصوص طریقے یعنی مرابحہ کی خصوصیات پر غور کرلیں۔

مرابحہ ڈپازٹس کی مالی خصوصیات:

بیشتر اسلامی بینکوں کی بیلنس شیٹ (چٹھا) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے کاروباری سرمایہ کے مہیا ہونے کا سب سے مرغوب راستہ مرابحہ ہے، قطع نظر اس کے کہ ان رقوم کو اتفاقی واجبات کی مد میں ظاہر کیا جاتا ہے، یا پورٹفولیو انتظامیہ کی مد میں رکھا جاتا ہے، یا (نامناسب طور پر) متفرق اقسام کے ڈپازٹس کی مد میں صف بند کیا جاتا ہے۔ ان تمام اقسام کے ڈپازٹ کی مشترکہ خصوصیت (بجز امانت یا رواں کھاتوں کے جو کہ صحیح معنوں میں ڈپازٹس ہوتے ہیں) یہ ہے کہ وہ بینک پر ایسی کوئی پابندیاں عائد نہیں کرتے کہ زر اصل کی واپسی پورے طور پر ہوگی یا ان پر کوئی مخصوص حاصل ہوگا۔ حاصلات کی شرح متفرق ہوتی ہے جو یا تو مثبت ہوتی ہے یا منفی، اور جو ان رقوم یا فنڈز کے اصل کاری سے منسلک ہوتی ہے۔ بینک بھی ان پر یا تو منافع کا اپنا حصہ حاصل کرتا ہے (وہ حصہ نقصانات کی صورت میں ہو یا اس میں اس کی شرکت نہ ہو)، یا ان رقوم کے انتظام

کے سلسلے میں ایک مقررہ فیس کی صورت میں حاصل کرتا ہے۔ یہ فنڈز (یا مالی ذخیرہ) قلیل مدتی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اپنے مالک کو بینک کی ملکیت یا رائے دہی کے حقوق کا حقدار نہیں بناتے۔

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بیشتر ممالک میں جہاں جہاں اسلامی بینک کام کررہے ہیں ملکی قوانین کے تحت ان ذخائر زر پر کمائے ہوئے حاصلات یا تو بینک کے منافع جات پر چارج تصور کئے جاتے ہیں یعنی انہیں بینک کے منافع جات پر اضافہ پیش قدمی تصور کیا جاتا ہے، اسی لئے بینک کے منافع جات کے برعکس یہ قلیل ٹیکس نہیں ہوتے۔ اس سلوک کے نتائج اور اس ادارہ کی بقا کے لئے بہت اہم ہوتے ہیں۔ مؤثر طور پر اس سے بینک کو ایک طرف تو مثبت طاقت ہوتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ مرابحہ کے ذخائر رقوم کو زائد ٹیکس سے تحفظ بھی حاصل ہوتا ہے جب کہ ایکویٹی کو ایسا کوئی بھی تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔ ایک اور اجازت جو اس بینک سے بینک کو حاصل ہوتی ہے وہ ان تمام رقوم کو اکٹھا کر کے انہیں مجموعی طور پر خود اصل کاری میں استعمال کرنے کی ہے۔ اس مجموعی رقم کے مالکین یا اصل کاروں کی حیثیت ایک علیحدہ قانونی وحدت کی نہیں ہوتی اور نہ مشترک وجود یا ہستی کے طور پر اس پر کوئی ٹیکس عائد ہوتا ہے، اس کے باوجود بینک ان کی تمام رقوم کے مشترک ذخیرہ کو اپنے نام سے اور اپنی مرضی سے اصل کاری میں استعمال کرسکتا ہے۔

ہندوستان میں اس وقت کسی بھی تنظیمی ہیئت کے تحت ممکن نہیں ہے کہ وہ مرابحہ ڈپازٹس جیسے مالی انتظام مذکورہ بالا تمام خصوصیات کے ساتھ کرسکے۔ ہم غور کریں گے کہ مختلف ہیئات تنظیمی کے تحت جو ہمارے سامنے ہیں مرابحہ کے تحت وسائل کی فراہمی اور انتظام کے طریقے کس طرح ہوسکتے ہیں۔

کوآپریٹیو کریڈٹ سوسائٹیز:

جیسا کہ گذشتہ باب میں بتایا جاچکا ہے کہ ”نہ نفع نہ نقصان“ نوعیت کی تنظیموں کے لئے

جو سب سے مناسب تنظیمی ہیئت ہے وہ امداد باہمی انجمنوں کی ہے۔ یہ انجمنیں دو طریقوں سے وسائل فراہم کرسکتی ہیں: (۱) سرمایہ حصص کے ذریعہ، اور (۲) ڈپازٹوں کے ذریعہ۔ جہاں تک شریعت کے تحت ان کے استعمال کے جائز طریقوں اور مواقع کا سوال ہے یہ ان انجمنوں کے لئے بہت محدود ہیں۔ اور وہ اپنے حصہ داروں اور ڈپازٹروں کو کوئی حاصلات تقسیم نہیں کرسکتے۔ یہ انجمنیں عموماً اپنے ریاستی قوانین کے تحت رجسٹرڈ ہوتی ہیں۔ مہاراشٹر میں انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنے سرمایہ حصص اور محفوظات سے دس گنا زیادہ تک سرمایہ اکٹھا کرسکتی ہیں، اور دوسری ریاستوں میں بھی کچھ اسی نوعیت کے قوانین ہیں۔ یہ انجمنیں صرف اپنے ممبروں سے ہی روپیہ قبول کرسکتی ہیں یا انہیں قرض دے سکتی ہیں، اس لئے لازمی ہے کہ روپیہ جمع کرنے والا یعنی ڈپازیٹر اور ہر قرض لینے والا اس انجمن کا ممبر ہو۔ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی اجازت ہے کہ وہ اپنے حصص کو فک بھی کرلیں، اس لئے کہ حاصلات نہ کمانے کے باوجود ان کے سرمایہ حصص میں متواتر اضافہ ہوتا رہتا ہے، حصص کو فک (ریڈیم) کرنے کی جو خصوصیت ہے وہ عملی طور پر ان سوسائٹیوں کے سرمایہ حصص کو ڈپازٹوں سے مماثل بنادیتی ہیں۔

حاصل نہ دے سکنے کے باعث انجمنیں صرف چھوٹے پیمانہ کی بچت یا رواں کھاتے جیسے ڈپازٹ ہی حاصل کرپاتی ہیں، علاوہ ازیں چونکہ انہیں اجازت نہیں کہ وہ اپنے کھاتوں میں اپنے ڈپازٹروں کے چیک یا ڈرافٹ جمع کرسکیں یا انہیں دے سکیں، اس لئے وہ دوسری تجارتی کاروباری نوعیت کے کھاتوں جیسی کارکردگی سے بھی محروم ہیں، اور چونکہ ان کے ڈپازٹس قلیل مدتی نوعیت کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے معاوضہ خدمات کی شرح جس میں کوئی منافع شامل نہیں ہوتا بہت اونچی ہیں، جو نیم شہری اور دیہی علاقوں کے لئے ۴ تا ۸ فیصد اور شہری علاقوں کے لئے ۸ فیصد سے اوپر ہیں۔ اور چونکہ ان انجمنوں کے لئے اوسط باقیات ڈپازٹوں کی الٹ پھیر کی نسبت بہت زیادہ ہے (۲ تا ۴ گنی سے زیادہ) اس لئے ان کی نقد پذیری پر سخت نگرانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

اپنے روبرو ان تمام دشواریوں کے باوجود اس قسم کے کرنٹ (رواں) نوعیت کے فنڈز کے اضافہ کی شرح مجموعی طور پر موجودہ اسلامی بینکنگ تنظیموں میں بہت ہمت افزا ہے۔اس سلسلے میں اگر چہ درست اعداد وشمار حاصل نہیں ہیں لیکن اندازہ ہے کہ یہ فنڈز کم سے کم ۲۵ تا ۳۰ فیصد سالانہ کی مرکب شرح سے بڑھ رہے ہیں جو قابل ستائش بات ہے۔

ندھی:

جہاں تک سرمایہ کی فراہمی کا تعلق ہے، ندھی بہت کچھ امداد باہمی کریڈٹ سوسائٹیوں سے مماثل ہے، اور اگر چہ دونوں کا تعلق مختلف سیکٹروں سے ہے۔ان میں جو فرق ہے وہ مندرجہ ذیل نکات سے ظاہر ہے:

۱-ندھی کے حصص فک نہیں ہو سکتے جب امداد باہمی سوسائٹیوں کے ہو سکتے ہیں۔

۲-ندھی میں حق رائے دہی صرف جمع شدہ سرمایہ حصص کی مناسبت سے ہے، جب کہ سوسائٹیوں میں ممبروں کے سرمایہ حصص کی کمی بیشی کے باوجود سب کو مساوی حقوق رائے دہی حاصل ہیں۔

۳- رواں اور چھوٹی بچتوں کے علاوہ دوسری قسم کے ڈپازٹوں کے حصول کے امکانات ندھیوں کے لئے اس بات پر منحصر ہیں کہ وہ انہیں منافع بخش (جس میں قرض کا دینا شامل ہے) امور میں جن کی تفصیلات کمیٹی کو حاصل نہیں ہیں، کس طرح صرف کرتے ہیں، امداد باہمی سوسائٹیوں کے لئے اس قسم کے امکانات عدم کے برابر ہیں۔

لیزنگ اور ہاؤسنگ فائنانس کمپنیاں:

اپنے سرمایہ حصص کے علاوہ یہ کمپنیاں عوام سے تمسکات (ڈبنچرز)، بونڈز اور فکسڈ ڈپازٹوں کی صورت میں بھی سرمایہ حاصل کر سکتی ہیں، جب کہ تمسکات اور بونڈز قابل تبادلہ سیکورٹیز ہیں لیکن قائم ڈپازٹوں کے لئے جو رسیدات دی جاتی ہیں وہ قابل تبادلہ نہیں۔تمسکات،

بانڈز اور فکسڈ ڈپازٹوں کی مقدار کا تعین اس بات پر ہے کہ کمپنی کے پاس کتنا ذاتی اثاثہ ہے۔ اور حاصلات یا منافع جات کی کیا شرائط اور شرح کی گئی ہے۔ مستقبل میں اس کا تعین ریزروبینک آف انڈیا یا کنٹرولر آف کیپٹل ایشوز، اور یا شاید ایس۔ ای۔ بی۔ آئی۔ کے ذریعہ ہوا کرے گا۔ حالیہ بجٹ (برائے ۹۲-۱۹۹۱ء کے مطابق فکسڈ ڈپازٹوں پر زیادہ سے زیادہ شرح منافع ۱۵ فیصد مقرر کی گئی ہے جب کہ تمسکات کے سلسلے میں شرح کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا ہے۔ یہ شرح صفر بھی ہوسکتی ہے یا کوئی بھی مثبت نوعیت کی ہوسکتی ہے۔ لیزنگ اور ہاؤسنگ فائنانس کمپنیوں کے لئے بجٹ محفوظات کی شرح ۱۰ سے بڑھا کر ۱۵ کردی گئی جس کا ان پر برا اثر پڑا ہے۔ اس ۱۵ فیصد رقم سرمایہ پر انہیں کوئی منافع حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ رقم انہیں بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ میں لازمی طور پر جمع رکھنی پڑتی ہے۔

جہاں تک کمپنیوں کے حصص کا تعلق ہے تو جو خاص اور نمایاں فرق ہے وہ ان کی غیر نقد پذیری کی نوعیت کا ہے۔ اور یہ غیر فہرستی کمپنیوں میں زیادہ نمایاں ہے۔ اسلامی مالی اداروں کو بھی کچھ مدت تک ایسی ہی غیر فہرستی کمپنیوں کی صف میں رہنا پڑے گا۔ ہندوستان میں کوئی کمپنی اپنے حصص کو فک نہیں کرسکتی (انہیں دوبارہ خرید نہیں سکتی) اس لئے بوقت ضرورت ایسی کمپنی کے حصہ داران جو اسٹاک ایکسچینج میں درج فہرست نہیں ہے پریشان ہوتے ہیں۔ اور نہیں جان پاتے کہ وہ اپنے حصے کہاں اور کس کو فروخت کریں۔ اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ ایسی کمپنیوں کو اپنے ساتھ ساتھ ایک اور ایسی تنظیم قائم کرنی چاہئے جو وقت کے کسی بھی حصہ میں اس تنظیم کے حصص کے لئے بازار سازی کے فرائض انجام دے سکے۔ یہ بازار ساز تنظیم متوقع حصہ فروش کے حصص واپس خرید کر اپنے پاس عارضی طور پر امانت رکھے گی۔ اور پھر نئے خریداروں کو فروخت کردے گی۔

کارکردگی کی یہ ایک بہت اہم شق ہے۔ اچھی نقد پذیری اور فروختگی کی آسانی اور استحکام کے باعث کمپنی کے حصص کی قیمت میں اضافہ ہوگا۔ حصص اور ڈپازٹوں کے درمیان تعلق

اور بہتر فروختگی حصص کے پیش نظر ادارہ کے لئے سرمایہ کی فراہمی میں بھی ترقی ہوگی۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ۹۲-۱۹۹۱ء کے بجٹ میں تمسکات کو ۱۴ فیصد کے گزشتہ شرح منافع کی پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ تاہم یہ محض ایک انتظامی فیصلہ ہے جو مستقبل میں تبدیل بھی ہو سکتا ہے، جس کے مطابق ممکن ہے کہ تمسکات پر یا تو ۱۴ فیصد سے زیادہ اونچی شرح منافع مقرر کی جائے یا اس سے کم بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔ اس استثناء میں فکسڈ ڈپازٹ شامل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ نرمی کے دور میں بھی نقصانات میں شرکت کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اس لئے کمپنی کو نقصان کی صورت میں بھی موجودہ قانون کے تحت کمپنی مجبور ہوگی کہ وہ ڈپازٹروں اور تمسکات برداروں کو ہر صورت میں کم سے کم ان کا زر اصل ضرور لوٹا دے۔ اس وجہ سے کمپنیوں کے حاصل کردہ تمسکات اور ڈپازٹس دو وجوہات سے اسلامی نقطہ نظر سے مطابقت نہیں رکھتے:

۱- قانونی طور پر شرکت نقصان کا ان میں کوئی سوال نہیں۔

۲- کمپنیاں (جن میں فرم شامل نہیں ہیں) اپنے انتہائی منافع بخش ایام میں بھی ڈپازٹروں کو صرف وہی شرح منافع دینے کی پابند ہیں جو حکومت نے مقرر کی ہے خواہ معاہدہ کے مطابق ڈپازٹر کو دی جانے والی شرح کتنی اونچی ہی کیوں نہ ہو۔

نقصان میں شرکت نہ کرنے کے مسئلہ کا تدارک مندرجہ ذیل طریقہ سے کیا جا سکتا ہے:

۱- اول تو اسلامی مالی اداروں کے انتظامیہ کو محتاط رہنا چاہئے کہ کسی بھی سال کوئی نقصان نہ ہونے پائے۔

۲- پھر بھی از راہ احتیاط ہر ڈپازٹر سے ایک علیحدہ رقعہ/معاہدہ حاصل کیا جائے کہ وہ اخلاقی طور پر نقصان کی ذمہ داری بھی قبول کرنے کو تیار ہے، اور بصورت نقصان اپنا حصہ اس حد تک اپنے ڈپازٹ میں سے چھوڑنے کو تیار ہے جو بصورت نقصان اس پر ڈالا جائے۔

۳- فروغ کاروں یا بہی خواہوں سے (جن میں ادارہ یا حصہ داران شامل نہیں

ہیں) ایک یقین دہانی حاصل کی جائے کہ نقصان کی صورت میں وہ ڈپازٹروں کی جانب سے اس نقصان کی تلافی اور اس میں شرکت کے لئے آمادہ ہیں۔

۴-ڈپازٹروں سے معاہدہ لیا جائے کہ وہ ڈپازٹروں کے منافع میں سے بینک کا ایک محفوظ فنڈ بتدریج قائم کرنے میں مدد کریں گے۔ جس سے نقصان کے برسوں میں نقصانات کی تلافی کی جاسکے گی۔

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے جو منافع میں شرکت کی شرح سے متعلق ہے، ادارہ اپنے معاہدہ میں یہ واضح کرسکتا ہے کہ منافع کی اصل شرح خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن منافع کی تقسیم اس شرح کے مطابق ہی ہوگی جو وقتاً فوقتاً ادارہ مقرر کرتا رہے گا۔ اس کے علاوہ وہ ہر سال ڈپازٹر کے ساتھ شرکت منافع کی شرح کے تعین کے معاہدہ کے وقت ادارہ یہ احتیاط برتے کہ منافع کا امکان زیادہ اونچی شرح ہونے کے باوجود بھی شرح تقریباً وہی مقرر کی جائے جو سرکاری مقررہ شرح کے مطابق ہو، اس سلسلہ میں یہ کیا جاسکتا ہے کہ معاہدہ میں شرح کا تعین اشاریہ میں کیا جائے، مثال کے طور پر سرکاری پابندی کی شرح ۱۵ فیصد ہے۔ ادارہ اپنے معاہدوں میں یہ شرح ۵ء۱۴ یا ۹ء۱۴ فیصد مقرر کرسکتا ہے، اور اس سے زیادہ پر سرکاری شرح عائد کی جاسکتی ہے۔ نقصان میں شرکت کے مسئلہ کا تدارک ایک اور راستہ سے بھی ہوسکتا ہے اور وہ ہے ایکویٹی سے منسلک ڈبینچرز (ای، ایل، ڈی)۔

ایکویٹی لنکڈ ڈبینچرز (ای، ایل، ڈی):

بنیادی تصور جس پر ای۔ ایل۔ ڈی کا انحصار ہے، یہ ہے کہ تقسیم منافع اور ٹیکس کی ادائیگی سے قبل جو خالص نفع ہے وہ تین دعوے داروں میں تقسیم کیا جائے یعنی:

۱-بطور منافع سرمایہ فراہم کرنے والوں کے درمیان۔

۲-کمپنی کے معمولی شیئر ہولڈروں کے فائدے کے لئے بطور حاصلات اور بطور محفوظ کمائی۔

۳-حکومت کو ٹیکس کی صورت میں۔

مذکورہ بالا میں سے در اصل صرف قرض سرمایہ فراہم کرنے والے اور حصہ داران ہی کمپنی کے معاملات سے متعلق ہوتے ہیں، حکومت محض ایک بیرونی ایجنسی ہے جو کمائی میں ٹیکس کی صورت میں حصہ دار ہوتی ہے کیونکہ اس کا براہ راست تعلق صرف منافع جات سے ہوتا ہے۔

اس لئے اگر سمجھنے میں آسانی کے پیش نظر حکومت کو ادا کئے گئے ٹیکس کو ہم نظر انداز کردیں تو ہم دیکھیں گے کہ قرض یا سرمایہ فراہم کرنے والوں اور ایکویٹی فراہم کرنے والوں دونوں کے لئے نفع سے قبل کے کل منافع کی رقم میں سے حصہ رسدی ایک کا نقصان ہے تو دوسرے کا نفع ہے، اب اگر ہم ایسا کچھ بندوبست کرسکیں کہ فرد کا ایک ہی گروپ فراہمی قرض وایکویٹی دونوں ہی کام انجام دے سکے تو وہ گروہ قرض اور ایکویٹی دونوں ہی حاصلات میں شریک ہو سکے گا۔ علاوہ ازیں اگر فراہمی قرض اور فراہمی ایکویٹی دونوں میں ہی ہر فرد برابر کا حصہ دار ہے تو گرچہ حصہ کی مماثلت کے مطابق ہر فرد کا اصل منافع میں حصہ مختلف ہوگیا اس کے باوجود جملہ حاصلات میں اس کے سرمایہ کے بقدر (جو اس نے قرض اور ایکویٹی دونوں میں لگایا ہوگا) شرح میں یکسانیت قائم رہے گی، خواہ کمپنی کے جملہ منافع جات کا اوسط کچھ ہی ہو۔ اس نوعیت کا جملہ منافع قرض پر دیئے گئے کل منافع کی شرح کی بہ نسبت صفر ہو، منفی ہو یا اس سے کچھ کم ہو یا برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو، پھر بھی ہر فرد کی اس کے کل زر سرمایہ پر شرح منافع اور اس کے قرض پر دیئے گئے کل منافع کی شرح دونوں یکساں رہیں گی۔ اس بندوبست میں اگر حکومت کو ادا کئے گئے ٹیکس کو بھی شامل کرلیا جائے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مثال کے طور پر اگر کمپنی کا فراہم کردہ قرض پانچ کروڑ روپیہ ہے اور اس کا ایکویٹی سرمایہ ایک کروڑ، تو جب تک تمام سرمایہ فراہم کنندگان ایک اور پانچ کے تناسب سے سرمایہ حصص اور قرض فراہم کرتے رہیں گے مذکورہ بالا شرط پوری ہوتی رہے گی، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ کسی کا سرمایہ مقدار میں کتنا ہے۔ صرف تناسب کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ

اگر ایک فرد نے حصص میں ایک ہزار اور قرض میں پانچ ہزار روپیہ لگایا ہے اور کسی دوسرے فرد نے حصص میں دس ہزار اور قرض میں ۵۰ ہزار روپیہ لگایا ہے اور کسی تیسرے نے حصص میں ایک لاکھ اور قرض میں ۵ لاکھ روپیہ لگایا ہے، تب بھی ان کے ساتھ شرح میں کوئی غیر مساویت نہیں ہوگی خواہ کمپنی نے قرض پر کسی شرح سے سود دیا ہو اور کتنا ہی منافع حاصل کیا ہو۔

یہی وہ فکری معیار ہے جس کے لئے اسلامی نظام کوشاں ہے اور ہندوستان کے کارپوریٹ تناظر میں صرف ای۔ ایل۔ ڈی کے ذریعہ ہی اسے حاصل کیا جا سکتا ہے، صرف سرمایہ حصص کی بنیاد پر بھی اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم جیسا کہ گذشتہ باب میں بتایا گیا ہے کہ اس نوعیت کا منظرنامہ ادائیگی ٹیکس میں اضافہ اور اصل کاروں کے منافع میں تخفیف کا باعث ہے۔ اس کے برعکس ایکویٹی پر قرض کے زیادہ تناسب کے باعث ای۔ ایل۔ ڈی ٹیکس کی رقم میں تخفیف اور حاصلات میں اضافہ کا باعث ہے اور اصل کاروں کے لئے مفید بھی ہے۔

پارٹنرشپ فرم:

جہاں تک فراہمی کا تعلق ہے پارٹنرشپ میں حد بندی اور بندشوں کی وجہ سے پریشانی ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب اس کے فنڈز کی بنیاد ۵۰ لاکھ سے بڑھ کر کچھ کروڑ تک پہنچ جائے۔ اس لئے یہ بہت سے بہت ۵ کروڑ تک کے سرمایہ کی سرگرمیوں کے لئے موزوں ہے۔ پارٹنرشپ میں شرکاء کی زیادہ سے زیادہ تعداد بیس ہے۔ اس سے فرم کے لئے زائد اثاثہ کی فراہمی میں بہت دقت پیش آتی ہے۔ اور ایسی صورت میں مزید سرمایہ کی فراہمی کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ فرم اپنے منافع جات کو واپس اپنے اصلی سرمایہ میں شامل کرتی رہے۔

اسی طرح فرم زیادہ سے زیادہ ۲۵۰ افراد سے ہی ڈپازٹس کی وصولی کر سکتی ہے۔ یہ ڈپازٹر پارٹنروں کے علاوہ ہوتے ہیں۔ تاہم پارٹنر میں معمولی تغیر اور تبدیلی اور اچھے انتظامیہ کنٹرول کے ذریعہ عملی طور پر اس حد کو دو ایک کروڑ تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ

تمام بزنس صرف ایک فرم کے ذریعہ ہو جب کہ شرکاء میں معمولی ردوبدل کے ساتھ کئی دوسری ایسی فرمیں بنائی جائیں جن کا مقصد صرف اصل فرم کے لئے ڈپازٹوں کی فراہمی ہو۔

کمپنی کی طرح فرموں کے فکسڈ ڈپازٹس بھی نا قابل نقل ہوتے ہیں۔ نقصان میں یہ بھی شریک نہیں ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور ایسا قانون اور ضابطہ نہیں جو ڈپازٹس کی میعاد یا ان پر منافع جات کی شرح پر اثر انداز ہو یا ان پر کوئی پابندی عائد کرے۔ اس سے ان ڈپازٹوں کو فائنانسنگ کا ذریعہ بننے میں بہت لچک حاصل ہو جاتی ہے۔

کمپنیوں کے تمسکات اور فکسڈ ڈپازٹس کی طرح ان پر قابل ادائیگی حاصلات کا تعلق عملی طور پر فرم کے اصل منافع جات سے ہوتا ہے۔ لیکن کمپنیوں کے قائم (فکسڈ) ڈپازٹس کے برعکس فرموں کے قائم ڈپازٹوں پر کوئی مخصوص قابل ادائیگی حاصلات کی شرح کی پابندی نہیں ہے۔ تاہم کمپنیوں کے برعکس فرموں کے لئے ہم ایسا کوئی اصول یا تصور قائم نہیں کر سکتے جیسا کہ ای۔ ایل۔ ڈی کا ہے، کیونکہ فرم کے لئے ڈپازٹروں کے ذریعہ سرمایہ کی فراہمی کا امکان نہیں۔

پورٹفولیو فنڈز:

کوئی کاروبار خواہ کمپنی ہو یا فرم ہو اپنے گاہکوں سے (امانت کے طور پر) سرمایہ بطور پورٹفولیو قبول کر سکتا ہے، اور اس پورے فنڈ کو کسی بھی منافع بخش کام میں لگا کر اس پر یا تو ایک معینہ فیس وصول کر سکتا ہے یا منافع میں سے ایک حصہ لے سکتا ہے یا دونوں ہی لے سکتا ہے۔ یہ بندوبست چھوٹے مسلم اصل کاروں خصوصاً ان کے لئے جو اپنا سرمایہ اسٹاک مارکٹ یا پٹہ پر دی جانے والی کم قیمت اثاثہ کی اشیاء پر لگانا چاہتے ہیں بہت لاجواب ہے۔ لیکن یہ ایسے افراد کی تسلی کے لئے ناکافی ہے جن کا بڑا کاروبار ہے اور جن کو (مثال کے طور پر) لاکھوں روپیوں کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ٹیکس کے قوانین کے تحت انفرادی اصل کاروں کے ایسے فنڈز کو مشترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایسے سرمایہ کو بطور ایک پول (افراد کی ایسوسی ایشن یعنی اے۔

او۔پی) بغیر بھاری ٹیکس (جو ۵۵ فیصد کی نوعیت کا ہوتا ہے) عائد ہوئے اصل کاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس مسئلہ کا البتہ ایک جزوی اور متبادلانہ حل ہے، وہ یہ ہے کہ ۱۹ یا ۲۰ افراد کو جو متفرق پورٹفولیو اصل کار ہوں ایک ایسی پارٹنر شپ فرم میں یکجا کیا جائے جس کا بنیادی مقصد سرمایہ کی فراہمی ہو۔ ایسی فرم کے اثاثہ کو یا تو کسی خاص منصوبہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے یا متفرق تجاویز پر لگایا جا سکتا ہے۔ ادارہ کو غالبًا فرم کے پارٹنر کے طور پر اس میں شریک ہونا پڑے گا۔ فرم کے شرکت نامہ میں یہ بات خصوصیت سے درج کرائی ہوگی کہ اصل کار پارٹنروں میں سے کسی کو بھی کاروبار سے کوئی سروکار نہیں ہوگا، وہ صرف سرمایہ فراہم کریں گے اور منافع حاصل کریں گے۔ فرم کے کاروبار کی ذمہ داری صرف ادارہ کی ہوگی۔ تمام پارٹنر اس سلسلہ میں ایک ناقابل تنسیخ مختار نامہ بھی فرم کے حق میں دیں گے اور شراکت نامہ کے ساتھ اس کو منسلک کیا جائے گا اور اس میں بھی اس کا تذکرہ ہوگا۔

اس صورت میں زیادہ بڑا سرمایہ اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس میں ایک ناگوار امکان اس بات کا رہ جاتا ہے (اگرچہ یہ امکان کسی حد تک کم ہے) کہ اجنبی افراد ایک فرم میں شریک ہو جائیں اور اس طرح اس کے معاملات میں دخل دے کر غیر محدود ذمہ داریاں ہاتھ میں لے لیں۔ فرم اپنی سطح پر انکم ٹیکس کی ادائیگی کی ذمہ دار ہوگی، اس طرح اس کو ٹیکس کا ایک اور بوجھ جو اگرچہ معمولی نوعیت کا ہوگا برداشت کرنا ہوگا۔

ابھی حال تک گاہکوں کے لئے اس طرح کے پورٹفولیو کے انتظام اور سرگرمی کا کوئی قانون نہیں تھا لیکن حال ہی میں ایس۔ای۔بی۔آئی نے ایسی کمپنیوں کے لئے راہنما خطوط جاری کئے ہیں جو مرچنٹ بینکنگ کا کاروبار کر رہی ہیں اور جس میں پورٹفولیو انتظام بھی شامل ہے۔ ان راہنما خطوط میں دوسرے ضابطوں کے علاوہ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ پورٹفولیو انتظام کرنے والی کمپنی کے لئے لازم ہے کہ اس کا اصل اثاثہ کم سے کم ایک کروڑ روپے کا ہونا چاہئے۔

ان راہنما خطوط کا مقصد خصوصیت سے انتظام، کاغذات کی ترتیب اور کاروبار سے متعلق امور کی مرچنٹ بینکنگ سرگرمیوں کو ضابطہ میں لانا ہے۔ پورٹ فولیو انتظام پر خاص طور پر دھیان نہیں دیا گیا ہے لیکن یا تو اتفاقی طور پر یا اس لئے کہ اس کا تعلق بھی مرچنٹ بینکنگ سے ہے اس کا تذکرہ کر دیا گیا ہے، فی الحال ایس۔ای۔بی۔آئی کو آئینی اختیارات حاصل نہیں ہیں لیکن مستقبل قریب میں اسے اس نوعیت کے اختیارات دیئے جانے کا امکان ہے۔

باب:٦

فنڈز کا استعمال

سرمایہ کی فراہمی کی طرح اس کے وسائل کے استعمال کی راہوں کا انحصار بھی ادارہ کی اس ہیئت پر ہے جو زیر غور ہو۔

امداد باہمی کریڈٹ سوسائٹیاں:

ادارہ کے امداد باہمی سوسائٹی ہونے کی صورت میں کثیر مقدار میں سرمایہ کے استعمال کا واحد راستہ قرض ہے۔ شریعت کے اصولوں کے مطابق ایسے قرضوں پر کوئی منافع نہیں لیا جاسکتا ہے (کم سے کم تقسیم کے مقصد سے)۔ قابل تقسیم منافع کی غیر موجودگی میں صرف کرنٹ یا چھوٹی بچتوں کے ڈپازٹ ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

چونکہ یہ کھاتے انتہائی نقد پذیر ہوتے ہیں اس لئے ادارہ کو ان کھاتوں کا ایک کافی بڑا حصہ (۱۲ سے ۲۵ فیصد تک جس کا انحصار ادارہ کے مقام اور مقامی معیشت پر ہے) اپنے پاس نقد یا نقد پذیر اثاثہ کی صورت میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس نوعیت کے متفرق اداروں کے درمیان تعاون کی صورت میں ایک مشترک نقد پذیر فنڈ رکھا جاسکتا ہے، یا پھر ایک ایسا راس ادارہ قائم ہو جس کے پاس اس قسم کا نقد فنڈ ہو۔ یہ ممکن ہے کہ اپنے ڈپازٹوں کا ایک بہت مختصر فیصد حصہ (جو ۲ سے ۵ فیصد تک ہوسکتا ہے) اس نقد پذیر فنڈ میں جمع کر کے انفرادی طور پر ڈپازٹر اپنے من جملہ نقد پذیری کی ضروریات میں بھی ۵ تا ۱۰ فیصد کی تخفیف کر سکیں گے۔

ایک اور طریقہ جس کے مطابق یہ ادارے اپنے مجموعی نقد پذیری کی ضروریات میں

تخفیف کر سکتے ہیں، اور اپنے اثاثہ کو پیداواری طور پر صرف کر سکتے ہیں (خصوصاً بڑے ادارے جو بڑے شہروں میں ہوں) یہ ہے کہ وہ اپنے کل سرمایہ کا ایک حصہ (۵ تا ۱۰ فیصد) کئی ایک یا چند مستحکم تاجرانہ امور میں لگا سکتے ہیں یعنی ایسی بزنسوں میں جہاں پیداوار اچھی ہو اور جہاں عندالطلب روپیہ فوراً مل سکے۔

اگر یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کیا جائے اور یہ طریقہ منظم اور اچھے انداز سے چلایا جا سکے تو بینک اپنے پاس اس حد تک نقد یا سرمایہ رکھ سکے گا یا کرنٹ اکاؤنٹ کی صورت میں رکھ سکے گا جتنی روزمرہ کی لین دین میں ضرورت پڑتی ہے، اور یہ لین دین جملہ ڈپازٹوں کے ۵ اور ۱۰ فیصد کے درمیان ہی ہوتا ہے۔

ایسے اداروں کے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ منقولہ یا غیر منقولہ قائم اثاثہ میں لگانے کی بھی ضرورت پیش آئے گی، جیسے ادارہ کے لئے جگہ یا بلڈنگ، فرنیچر، اسٹیشنری اور دوسری اشیاء جو کاروبار میں استعمال ہوتی ہیں، نیز سجاوٹ وغیرہ۔ اس نوعیت کے کاموں میں بینک کو اپنے اثاثہ کا ۵ تا ۱۰ فیصد صرف کرنا پڑے گا۔ اس سے ایک طرف تو ادارہ کی کارکردگی بہتر ہوگی اور دوسری طرف اس کے وقار اور توصیف میں اضافہ ہوگا اور اس کے ڈپازٹروں میں اس کا یقین مستحکم ہوگا۔

ندھی:

ندھیوں کے لئے سرمایہ کا استعمال ایسے منافع بخش اصل کاری کے امکانات پر مبنی ہے جو قرض سے مختلف ہوں۔ اگر ایسے امکانات کم ہیں یا نہیں ہیں تو اس کا اندازہ ہی ہوگا جو ہم امداد باہمی سوسائٹیوں کے سلسلے میں زیر بحث لا چکے ہیں۔ تاہم اگر اس کے لئے دوسرے راستے کھلے ہوں تو وہ ان میں یا اس قسم کی ہیئات میں جن پر ہم ذیل میں غور کریں گے، اپنا سرمایہ لگا سکتے ہیں۔

منافع پر مبنی ادارے:

عموماً اسلامی اصل کار ادارے ہندوستان میں جس ہیئت میں اپنا سرمایہ لگا سکتے ہیں وہ

ذیل میں درج ہیں:

۱- ذاتی بزنس سرگرمیاں
۲- مشترکہ مہم سازی
۳- سرمایہ لگی ہوئی اکائی کے ساتھ اشتراک میں کاروبار
۴- ایکویٹی حصص میں سرمایہ کاری
۵- دوسری تنظیموں کے شرکت منافع کے قرضوں میں اصل کاری
۶- قابل بدل تمسکات میں اصل کاری
۷- لیزنگ
۸- قسط خریداری
۹- اضافیہ پر سامان کی فراہمی

ان پر علیحدہ علیحدہ ذیل میں روشنی ڈالی جارہی ہے:

۱-ذاتی بزنس سرگرمیاں:

مجوزہ تنظیم کی نوعیت کے اعتبار سے بادی النظر میں یہ مناسب محسوس نہیں ہوتا کہ ادارہ براہ راست اپنی خود کی کسی بزنس سرگرمی میں حصہ لے۔ اس کو دوسروں کی بزنسوں میں اپنا سرمایہ لگانا زیادہ موزوں رہے گا تاکہ اسے اپنے سرمایہ پر معقول منافع وصول ہو سکے۔ یہ ایک بہتر صورت حال ہوگی جس کو ممکن ہے کہ شروع میں اسلامی اصل کار ٹھیکہ صحیح طور سے نہ سمجھ سکے۔

عملی طور پر ہوسکتا ہے کہ ابتدائی دور میں اسلامی اصل کار تنظیمیں قائم ہوں جو اپنے اثاثہ کا ایک معقول حصہ اپنی ہی سرگرمیوں میں لگائیں جو براہ راست ان کے تحت ہوں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف- لگائے ہوئے سرمایہ کے تحفظ کا یقین:

چونکہ اسلامی اصل کاری تنظیم کو اپنا سرمایہ اصل کاری کے جوکھموں سے دو چار کرنا پڑے گا اس لئے اسے یہ زیادہ محفوظ محسوس ہوگا کہ وہ اپنے سرمایہ کو ایسے کام میں لگائے جو براہ راست اس کی زیر نگرانی ہو، جب کہ اگر وہ دوسروں کی بزنس میں سرمایہ لگائے گا تو اس پر اس کا کنٹرول محض برائے نام یا معمولی ہوگا اور جوکھم بھی زیادہ ہوگا۔

اسلامی ادارہ جس بزنس میں سرمایہ لگائے گا اس کی نگرانی، دیکھ بھال اور کنٹرول اور مؤثر انتظام پر کافی روپے خرچ ہوں گے، اس مشکل پر قابو پانا آسان نہیں۔ ایک طرف تو اصل کاری کے ہر روپیہ کی قیمت نگرانی اور دیکھ بھال اور مؤثر کنٹرول کے باعث اصل کاری کے حجم کے مطابق گرتی جائے گی، دوسری طرف ادارہ خطرات کے سامنے کھلا ہوگا اور اس کے حاصلات کے تغیرات میں اضافہ ہوگا جس کے مطابق اصل کاری میں سرمایہ کے تحفظ میں تخفیف ہوتی جائے گی۔

اصل کاری میں لگائے گئے فی روپیہ انتظامی اخراجات میں اصل کاری کے اضافہ کے ساتھ جو تخفیف ہوتی جائے گی وہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت حال بینکوں کے قرضوں کے سروسنگ کے مماثل ہے جن میں تکنیکی طور پر خدشہ کم ہوتا ہے، کیونکہ قرض کے ساتھ ان کے ہاتھ ایک مقررہ منافع ملنا یقینی ہوتا ہے۔ عملی طور پر ایک خاص منزل کے نیچے یہ عملی طور پر منفعت بخش بن جاتا ہے، خصوصاً یا تو اس ادارہ کے لئے جو تجاویز کو فائنانس کرتا ہے (اگر اخراجات اس اکائی پر ڈالے جائیں جسے فائنانس کیا گیا ہے) یا دوسری صورت میں خود اس اکائی کے لئے۔ اس سے یہ محفوظ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ممبئی جیسے بڑے شہر میں اگر کسی اسلامی ادارہ کی اصل کاری کی مؤثر دیکھ بھال کی گئی اور اس سے مع نگرانی کے اخراجات کے ۳۰ فیصد سالانہ حاصلات وصول ہوئے تو عام حالات میں ادارہ ایک لاکھ روپیہ تک اخراجات کی تجاویز کو بھی فائنانس کرنے کے قابل نہ ہوگا۔

ب- تجربہ کار کاریگروں کی کمی:

دوسروں کی بزنسوں میں اصل کاری کی ایک منطق یہ ہے کہ اس سے اصل کاری کو توسیع دے کر خدشہ کو کم کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق ظاہر ہے کہ جب کوئی ادارہ شرکت منافع کی بنیاد پر دوسروں کے کاروبار میں اصل کاری کرتا ہے تو اس سے ادارہ کو متفرق اقسام کے کاروبار میں روپیہ لگانے اور ان کا تجربہ حاصل کرنے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ یہ بات نوٹ کئے جانے کے لئے ضروری ہے کہ ادارہ کو نہ صرف ان منصوبوں کو پرکھنے کی مہارت ہونی چاہئے بلکہ متواتر ان کی دیکھ بھال بھی ضروری ہوتی ہے۔ ماہر، پرخلوص اور تجربہ کار افراد کی ٹیم تیار کرنا ایک رواں مستحکم ادارہ تک کے لئے بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایک نئے ادارہ کے لئے جو خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا ہو، یہ کام کتنا دشوار ہوسکتا ہے۔ یہ ایک بہت سنگین مسئلہ ہے جس سے تمام دنیا میں قائم اسلامی ادارے دوچار ہیں۔ اور جس کا کوئی آسان حل ان کے پاس نہیں ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے معاملات میں اسلامی بینکوں نے اس کا مقابلہ نہیں کیا، اور مرابحہ اور لیزنگ کے آسان راستوں کی جانب مڑ گئے۔ دوسرا ردعمل یہ ہوا کہ چھوٹی تجاویز کو نظر انداز کر کے ایسے معاہدوں میں شریک ہو گئے جو عملی طور پر اصل نتائج سے غیر متعلق ہو کر صرف ابتدائی پروجیکٹوں تک محدود تھے جن کا تعلق تجاویز کی محض منفعت بخشی سے تھا۔

ج- حاصل مواقع اور گھریلو مہارت:

دیکھا گیا ہے کہ کچھ آغازی اداروں میں ایسے امور میں سرمایہ کاری کے مواقع حاصل تھے۔ نامعلوم امور میں سرمایہ لگانے اور ایسے کارانداز وں کا تجربہ حاصل کرنے کے بجائے جن کی ایمانداری نہیں تو خلوص کا ہی تجربہ نہیں تھا، اداروں نے ان امور میں حصہ لینا بہتر سمجھا جن سے انہیں واقفیت تھی اور جن کا کنٹرول مضبوطی سے ان کے ہاتھ میں تھا۔

مذکورہ بالا دلائل کے باوجود یہ بات ناقابل انکار ہے کہ طویل عرصہ میں اسلامی اداروں

کو مختلف قسم کے کاروباروں میں اصل کاری کرنی ہوتی ہے، اور یہ کاروبار کاراندازوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، اور ادارے ان کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے بجائے صرف ایک نگراں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم ابتدائی دور میں مذکورہ بالا تصور سے کسی نہ کسی حد تک سمجھوتہ نا قابل احتراز ہے۔

۲- دوسروں کی بزنسوں میں اصل کاری:

اصل کاری کی اگلی تین اقسام جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے یعنی پارٹنرشپ یا جوائنٹ وینچر یا ایکویٹی حصص میں اصل کاری کے بنیادی امکانات کا جہاں تک تعلق ہے ایک ہی ہیں۔ ان میں سے ایک طرح سے اسلامی ادارہ کاروبار کا مشترک مالک ہے اور کاروبار کے منافع میں شریک ہے۔ مشترکہ ملکیت کے سلسلے میں ایک مسئلہ ہے جس کا تذکرہ بہت ضروری ہے، اور ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنے سے قبل اس پر غور کرنا بہتر ہوگا۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کارانداز اسلامی ادارہ کے پاس اپنے کاروبار میں سرمایہ کے لئے آتا ہے جس کے لئے اس نے پہلے سے کہیں قرض لیا ہوا ہے اور آگے بھی قرض لینا چاہتا ہے۔ ادارہ نہ تو ایسی پوزیشن میں ہوتا ہے کہ وہ سابق قرض کی ادائیگی کے لئے اس کو زائد روپیہ دے اور نہ مالی طور پر اس کے لئے بہتر ہوتا ہے کہ وہ ایسا کرے، ایسے حالات میں کیا درست ہوگا کہ ادارہ اس بزنس میں پیسہ لگائے؟

کمیٹی کے پہلے اجلاس میں ڈاکٹر فریدی صاحب نے یہ بتایا تھا کہ ایسی صورت حال میں غیر ممالک میں اسلامی بینکوں کا یہ عمل رہا ہے کہ "ضرورت" کے اصول کے تحت وہ اس کاروبار میں پیسہ لگاتے ہیں اور اس پر جو پہلے سے قرض ہے اس کو نظر انداز کردیتے ہیں، اور اس اکائی کو چلانے کے لئے آئندہ بھی جو قرض کی ضرورت لاحق ہوگی اس پر بھی غور نہیں کرتے۔ دوسری جانب انہوں نے آگاہ کیا تھا کہ بینکوں کو اس بات میں محتاط رہنا چاہئے کہ وہ ابتدائی طور پر ایسی

اکائیوں میں سرمایہ نہ لگائیں جن پر پہلے سے قرضہ چڑھا ہوا ہو۔ اجلاس کے دوسرے شرکاء مسٹر حسیب صاحب، مسٹر رضوی صاحب، مسٹر چاندنہ صاحب اور مسٹر کھٹکھٹے صاحب نے متفقہ طور پر رائے دی تھی کہ ہندوستانی تناظر میں اسلامی بینکوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

۳- شرکت میں کاروبار یا بذریعہ جوائنٹ وینچر :

اثاثہ کے سلسلے میں مرابحہ اور مشارکہ بہترین اسلامی ذرائع ہیں، تاہم عملی طور پر ان کے ساتھ بہت سی دشواریاں وابستہ ہیں جن میں سے کچھ عملی ہیں اور کچھ قانونی۔ عملی دشواریوں پر گزشتہ باب میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ یہاں ہم دوسری قسم کے مسائل پر غور کریں گے۔

ہندوستانی تناظر میں مرابحہ اور مشارکہ جو شکلیں اختیار کر سکتے ہیں وہ یا تو پارٹنرشپ ہیں یا جوائنٹ وینچر ہیں۔ ہم پارٹنرشپ کے نقصانات پہلے بتاچکے ہیں۔ اس کا ایک اور نقصان یہ بھی ہے کہ اس سے ٹیکس کی ایک اور زائد سطح عائد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس کا بوجھ بہت زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

جہاں تک جوائنٹ وینچر کا تعلق ہے انکم ٹیکس قوانین کے تحت یہ اے۔ او۔ پی (یعنی ایسوسی ایشن آف پرسنز یا افراد کی انجمن) کے زمرہ میں آتی ہے۔ خود اے۔ او۔ پی کی سطح پر اس پر ٹیکس کی سب سے اونچی شرح کے مطابق ٹیکس عائد ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود خام یا اصل آمدنی بہت اونچی شرح کے ٹیکس سے دوچار ہوتی ہے۔ اس لئے اگر فرض کیجئے کہ اس ٹیکس کی شرح ۳۳ فیصد جوائنٹ وینچر کی سطح پر ہے تو اسلامی ادارہ کے ہاتھ میں صرف ۵ء۱۳ فیصد آئے گا۔ فرض کیجئے کہ اس کے انتظامی اور دیگر اخراجات ۶ فیصدی ہیں تو اس صورت میں یہ ۵ء۷ فیصد رہ جائے گا۔ چنانچہ ۵ء۷ فیصد کے سرمایہ پر تقسیم کے لئے صرف ۵ء۵ رقم وصول ہوگی۔ اس لئے جوائنٹ وینچر قطعی قابل کار نہیں، لیکن اس کے باوجود بعض اسلامی ادارے اس پر عمل کرتے ہیں، اب یہ عمل وہ یا تو ٹیکسوں کی پوری معلومات کے باوجود کرتے ہیں یا پھر یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے

اکاؤنٹنٹ کے کھاتوں میں اصل حقیقت کو پوشیدہ رکھ کر کسی اور ہی بہروپ میں اس کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تجزیہ سے یہ ظاہر ہے کہ اسلامی بینکنگ کے لئے مرابحہ اور مشارکہ کی اہمیت سے قطع نظر ہندوستان میں اس پر عمل واحد راستہ پارٹنرشپ کا اصول ہے، لیکن اثاثہ کے سلسلے میں اس پر عمل کرتے ہوئے پارٹنرشپ کے نقصانات سے تدارک اور تحفظ کے طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں۔

ایکویٹی حصص میں اصل کاری:

اسلامی اصطلاحات میں یہ بھی مرابحہ کی ہی ایک قسم ہے، لیکن یہ بھی ایک زیادہ خاص قسم کی نوعیت ہے۔ یہ لمیٹڈ کمپنی کی صورت میں مشارکہ ہے۔ فی الحقیقت اس نوعیت کی اصل کاری کی دو صورتیں ہیں:

۱- کسی واقعی اور ضرورت مند لائق کار انداز کے منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لئے کمپنی کی ایکویٹی میں اصل کاری کرنا اور اس طرح اس کے کاروبار کو جو چالو حالت میں ہے فروغ دے کر اس کی منفعت میں شامل ہونا یا اس کی صنعت کے قیام میں مدد دینا۔

۲- اسٹاک مارکیٹ کی فہرستی ایکویٹی حصص میں اصل کاری کرنا (سیکورٹی میں اصل کاری کی مماثل)۔

پہلی ہیئت کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- کمپنی ایک پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی ہے، لہذا یہ فہرستی کمپنی نہیں ہے۔

۲- اس کے لئے کافی طویل عرصہ کے لئے سرمایہ درکار ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس سرمایہ کا صرفہ کاروباری اصل میں ہوگا یا اثاثہ کی خرید پر ہوگا یا اس کی توسیع پر یا کسی دیگر مد میں۔

۳- کمپنی کا کاروبار اور انتظام اصل پروموٹروں کے ہاتھ میں ہے یعنی ملکیت اور کنٹرول دونوں ایک ہی ہاتھوں میں ہے۔

اسلامی اداروں کے لئے اس نوعیت کی اصل کاری زیادہ مقبول نہیں، ایسے حصص کے لئے پبلک ڈیمانڈ مشکل سے ہی ہوتی ہے۔ ایسے حصص کی فائنانس شدہ اثاثہ میں تبادلہ پر پابندی کے باعث ان حصص کی نقد پذیری اور بھی گر جاتی ہے، اس کے علاوہ کمپنی پر پرموٹروں کے قبضہ کی وجہ سے ممکن نہیں ہے کہ بیرونی افراد اس کمپنی میں سرمایہ لگائیں۔ اس لئے اپنے سرمایہ کو نقد میں تبدیل کرنے کے لئے یہی طریقہ ہو سکے گا کہ ادارہ یا تو اپنے حصص بھی فروغ کاروں کو فروخت کردے یا کمپنی کو خود اپنے ہاتھ میں لے کر اسے اپنی ماتحتی میں ذیلی طور اس وقت تک چلائے جب تک وہ اسے کسی دوسرے خریدار کو فروخت نہ کردے۔

اسلامی اداروں اور ایسی کمپنیوں کے فروغ کاروں کے درمیان مقاصد کے استحقاق کے فقدان کی ایک اور وجہ ترجیحی ٹیکسیشن پلاننگ اور ایسی کمپنی کی ادائیگی کی پالیسیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ پرموٹر یہ چاہیں گے کہ قابل ٹیکس آمدنی کو کم سے کم کرکے دکھانے کے لئے اپنے ذاتی اخراجات بھی کمپنی کے خرچ میں ڈالیں فرسودگی زیادہ سے زیادہ چارج کریں، اثاثہ کی خریداری دکھائیں، اور اس طرح ٹیکس سے متعلق منصوبہ بند پالیسی اختیار کریں۔ وہ کم منافع کی تقسیم دکھائیں گے اور منافع جات کو واپس اخراجات میں دکھا کر ذاتی انکم ٹیکس سے بھی بچیں گے۔ ایسی پالیسیوں سے ادارہ اتفاق ہرگز نہیں کر سکتا۔

تاہم ایک اور بندوبست ایسا ہے جس کے تحت یہ قابل کار بن سکتا ہے، وہ یہ کہ فروغ کاروں اور ادارہ کے درمیان دوبارہ خریداری کے سسٹم پر عمل ہو۔ فروغ کار اسلامی ادارہ کو یہ گارنٹی دیں کہ وہ اس کو دی گئی ایکویٹی ایک مخصوص اور معینہ وقت کے اندر اور ایک طے شدہ قیمت پر دوبارہ واپس خرید لیں گے۔ ممکن ہے کہ یہ طریقہ مرابحہ کی ہیئت میں فٹ ہو سکے۔

تاہم ایک اور جائز انتظام یہ ہو سکتا ہے کہ واپس خرید کے وقت کو ایسی کسی کارگزاری کی قدر معلوم کے ساتھ وابستہ کردیا جائے، جیسے پلانٹ اور آلات وغیرہ کا افتتاح یا پیداوار یا منفعت بخشی کا کسی معینہ حد تک پہنچنا وغیرہ۔

اس کے علاوہ پرموٹروں کی اس خواہش کے پیش نظر کہ جس کمپنی کو انہوں نے اتنی کوششوں اور ہمت سے چلایا ہے ان کی اس پر گرفت مضبوط رہے، امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ادارہ کے حق میں اپنی کمپنی کی ایکویٹی سے دست بردار ہوجائیں یا ادارہ کو اتنی آزادی دے دیں کہ وہ کمپنی کے کاروبار اور انتظام کے امور میں دخل اندازی شروع کردے، اور اگر ایسا کوئی معاہدہ ہوا بھی تو وہ بہت مہنگی رقم پر ہوگا یعنی لاکھوں روپے میں۔ اس لئے مستقبل قریب میں ایک نسبتاً مختصر پیمانہ کے اسلامی ادارہ کے لئے اس نوعیت کی اصل کاری کو ہم مناسب تصور نہیں کرتے اور نہ ہم اس کی رائے دیں گے۔

۴-کیپٹل مارکٹ انسٹرومینٹ کے طور پر ایکویٹیز میں اصل کاری:

مسلمان سرمایہ کاروں میں پچھلے کچھ برسوں ایکویٹیز (بطور قابل فروخت اور قابل تبادلہ سیکورٹیز کے) میں اصل کاری کا رجحان کافی اہمیت حاصل کرگیا ہے۔ اس کی وجہ واقعی اسلامی مالی اداروں کا فقدان ہے، جب کہ یہ اسلامی مالی ادارے مسلمانوں کی بچتوں کو حاصل کر کے غیر سودی منافع جات کی صورت میں حلال حاصلات دے سکتے تھے۔ چونکہ ایکویٹیز اسلام کے تصور شرکت نفع ونقصان سے بہت زیادہ قریب ہیں اس لئے اسلامی مالی ادارے کے کسی متبادل کی عدم موجودگی میں یہی بہتر متبادل محسوس ہوتا ہے اور ایکویٹیز میں سرمایہ لگانے سے مسلمانوں کی دلچسپی میں اضافہ ہورہا ہے۔ ایکویٹی کے حامیوں کے پھیلاؤ اور اسٹاک مارکٹوں میں ایکویٹی کے استحکام کے باعث بھی ایکویٹی کی جانب رجحان میں اضافہ ہورہا ہے۔

عوام میں سے کوئی فرد (اصل کار) اسٹاک مارکٹ سے جب ایکویٹی خریدتا ہے تو وہ اپنی بچت یا سرمایہ پر منافع اور اس کے بیش قدری کے نقطۂ نظر سے خریدتا ہے۔ کمپنی کے بارے میں محض اخبارات اور دوسروں کے ذریعہ معمولی نوعیت کی معلومات اس کو ہوتی ہیں اور وہ کمپنی اس کے لئے ایک بہت دور کی مبہم چیز محسوس ہوتی ہے جس کے حصص کی قیمت کا فیصلہ کم وبیش بازار کے نرخوں سے ہے یا حکومت کی پالیسی خارجی، اقتصادی اور سیاسی اثرات اور اس کے سربراہ

کرنے والے افراد کی کوائف پر ہوتا ہے۔ اصل کار کو کمپنی سے نہ لگاؤ ہوتا ہے اور نہ قربت یا تعلق، نہ کمپنی کا انتظامیہ اس سے واقف ہوتا ہے، اس کو صرف اپنے سرمایہ اور اس کی اصل کاری سے غرض ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تمام کمپنیاں جن کی ایکویٹیز اسٹاک مارکٹ میں خریدی اور بیچی جاتی ہیں، وہ ان فروغ کاروں سے متعلق ہوتی ہیں جو مسلمان نہیں ہوتے، اور نہ کسی صورت میں اسلامی اداروں سے ان کا کوئی تعلق یا واسطہ ہوتا ہے۔

کسی دوسرے متبادل کی عدم موجودگی میں انفرادی اصل کار کے لئے ایکویٹی میں اصل کاری کے راستہ کے علاوہ اور کوئی راہ کھلی نہیں ہے لیکن اسلامی اداروں پر یہ بات صادق نہیں آتی، تاہم ایکویٹی میں سرمایہ لگانا قرض پر فائنانس کرنا نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم ایسی کمپنیوں کی ایکویٹیز میں اصل کاری کو خارج کردیں جو غیر شرعی کام کرتی ہیں (جیسے شراب سازی، یا سود پر پیسہ دینا اور لینا وغیرہ) تو بہت سی ایسی کمپنیاں بھی ہیں جو اس نوعیت کے کاروبار میں مشغول نہیں ہیں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ وہ سود پر پیسہ لیتی ہیں اور بسا اوقات اپنے کاروبار کے باعث وہ تھوڑی بہت سودی آمدنی بھی حاصل کرتی ہیں، چنانچہ سودی کاروبار کی صورت میں ممنوعہ امور کی خلاف ورزی ایکویٹیز کے معاملہ میں مرکزی نہیں، اس لئے اگرچہ اسے ترجیحی نہیں کہا جاسکتا پھر بھی ایکویٹیز میں اصل کاری ایک راستہ ہے جو اسلامی اداروں کے لئے کھلا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا سفارش کی تین اور وجوہات بھی ہیں۔ ایکویٹیز بہت آسانی سے نقد پذیر ہوتی ہیں، اور قلیل مدت کے لئے سرمایہ لگانے کا یہ ایک بہترین راستہ ہے۔ اس میں سرمایہ نقد پذیر بھی رہتا ہے اور منفعت بخشی میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ اس کے علاوہ باہمی سرمایہ کا میدان بھی پرائیویٹ سیکٹر کے لئے کھول دیا گیا ہے، اس سے بہت بڑے پیمانہ پر سرمایہ حاصل کرنے اور اسے ایکویٹیز میں لگانے کا زبردست اسکوپ مل گیا ہے، اگرچہ ایسے فنڈ کا بڑا حصہ سرمایہ کی مارکٹ میں جائے گا (اس کا مفصل رہنمائیہ ابھی جاری نہیں ہوا ہے) لیکن کچھ حصہ دوسرے امور میں صرف کئے

جانے کا امکان ہے، اور ممکن ہے اس فنڈ کے کچھ حصہ کو مسلم صنعتوں کی ترقی اور مسلم کمپنیوں کی نشو ونما میں لگایا جائے۔

ایکویٹیز کے ذریعہ مختلف النوع پورٹفو لیوز میں بہت تیزی سے اور محفوظ طریقہ سے سرمایہ کاری کے مواقع فراہم ہوتے ہیں، اور اسے متفرق انڈسٹریوں میں باہم توازن کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

پروفٹ شیئرنگ ڈیبٹ انسٹرومنٹ (دوسری تنظیموں کے):

اس سے گزشتہ باب میں ہم نے پروفٹ شیئرنگ ڈبنچرز (پی۔ایس۔ڈی) بونڈز اور ڈپازٹس جاری کر کے اسلامی مالی اداروں کو سرمایہ کی فراہمی کی رائے دی تھی۔ ان سب کو مجموعی طور پر پی۔ایس۔ڈی کہا جاتا ہے۔ ہم نے گذشتہ باب میں اس بات پر بحث کی تھی کہ اداروں کے لئے خود پی۔ایس۔ڈی۔ جاری کرنا ممکن ہے، تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غیر فائنانشیل بزنس آرگنائزیشن بھی جو اسلامی اصولوں سے متاثر ہو اپنے خود کے پی۔ایس۔ڈی شاید کسی مستحکم اسلامی مالی ادارے کے تعاون سے جاری کرے۔ دوسری طرف اسلامی اداروں کو چاہئے کہ وہ پی۔ایس۔ڈی کو نہ صرف سرمایہ کی فراہمی کے آلہ کے طور پر دیکھیں بلکہ بطور سیکورٹیز کے دیکھیں جن میں وہ اپنا سرمایہ لگا سکتے ہیں، بہت سے اسلامی ادارے اپنی اور اپنے مؤکلوں کی جانب سے پی۔ایس۔ڈی جاری کریں، یہ پی۔ایس۔ڈی غیر سودی اداروں کے لئے سرمایہ کاری کا ایک نیا میدان بن جائیں گے۔ وہ اپنا نقد سرمایہ لگا کر اس سرمایہ پر جو فالتو اور غیر منافع بخش طور پر پڑا ہوا تھا منافع حاصل کر سکتے ہیں۔

پی۔ایس۔ڈی کے ذریعہ اپنے سرمایہ کو ایک مثبت شرح منافع پر عارضی طور پر لگانے کے امکان کے پیش نظر اداروں کو اپنے وسائل اور اپنے اصل کاری کے امور کے درمیان متواتر توازن قائم رکھنے کے بوجھ سے بھی نجات مل جائے گی، اور وہ اصل کاری کی بہتر منصوبہ بندی کر کے مجموعی طور پر نفع بخشی میں اضافہ بھی کر سکیں گے۔ اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے یہ بھی امکان

ہوسکتا ہے کہ قلیل مدت کے لئے (ایک تا تین ماہ) خصوصیت سے اداروں کے لئے پی۔ایس۔ ڈی جاری کئے جاسکیں۔ان پر منافع کی شرح کم ہوسکتی ہے، اوراس طرح حاصل سرمایہ کی مؤثر قیمت میں بھی تخفیف ہوسکے گی۔

اس میں اداروں کے داخلہ سے پی۔ایس۔ڈی کا مارکیٹ بہت وسیع ہوسکتا ہے اور بہت زیادہ نقد پذیر بھی۔وقت کے ساتھ ساتھ متعدد ادارے ان کے ذریعہ تاجروں کو فراہمی سرمایہ میں مدد دے سکیں گے اورخود بھی ان میں بطور مارکٹ سازوں کے شریک ہوکر اپنے سرمایہ کو لگاسکیں گے۔

قابل بدل ڈبنچرز:

اسلامی اداروں کے لئے سرمایہ کاری کے دوسرے عام طریقوں کی جانب بڑھنے سے قبل ہم سرمایہ بازار کے کچھ اور ایسے ذرائع کا تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں جنہیں اسلامی ادارے کم مدت کے لئے سرمایہ لگانے کے لئے پسند کریں گے اور جن سے انہیں منافع بخشی بھی ہوگی اور مختلف النوع پورٹفو لیوز بھی حاصل ہوسکیں گے، کنورٹبل ڈبنچرز ان میں سے ایک ہیں۔

یہ ایسے تمسکات ہوتے ہیں جو ایک معینہ مخصوص مدت کے بعد جزوی یا پوری طرح اس کمپنی کے ہی ایکویٹی حصص میں بدل سکتے ہیں جس نے انہیں جاری کیا ہے۔اس وقت کئی طرح کے قابل بدل تمسکات ہیں، ہم انہیں دو اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں:

۱-جزوی طور پر قابل بدل ڈبنچرز۔

۲-مکمل طور پر قابل بدل ڈبنچرز۔

جزوی قابل بدل تمسکات عام سودی تمسکات ہوتے ہیں۔معینہ ابتدائی مدت کے اختتام پر جو عموماً چند ماہ سے دوسال تک کی ہوتی ہے، تمسکات کی اصل قیمت کے ایک جزو کے بدلے میں کمپنی ڈبنچرز ہولڈر کو اپنے کچھ ایکویٹی حصص دیتی ہے۔اس کے مطابق ڈبنچرز کی اصل قیمت پر کمی آجاتی ہے، اور اس کا غیر تبدیل شدہ حصہ جسے اسٹاک ایکسچینج کی زبان میں

''کھوکھا'' کہتے ہیں بدستور قرض کی دستاویز کے طور پر سود کی ادائیگی کے لئے قائم رہتا ہے، یہاں تک کہ اجراء کی تاریخ سے سات اور دس سال کے اندر یہ فک ہوجاتا ہے، مکمل قابل بدل تمسک کی صورت میں نہ کوئی قابل بدل حصہ باقی رہتا ہے اور نہ کھوکھا۔

قابل بدل تمسک کی ایکنامکس یہ ہے کہ ایکویٹی حصہ کی قیمت اور کھوکھے کی قیمت دونوں مل کر بہت منافع دیتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے کسی کمپنی کے دس روپیہ کے حصص اسٹاک ایکسچینج پر ۵۰ روپیہ کی قیمت پر فروخت ہورہے ہیں۔ نیز فرض کیجئے کہ کمپنی دوسو روپیہ کی مالیت کے قابل بدل تمسکات بیچ رہی ہے۔ ایک سال بعد کمپنی کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس دو سو روپیہ کے تمسک کے نصف حصہ یعنی ایک سو روپیہ کو ۲۰ روپیہ فی حصہ کے حساب سے پانچ ایکویٹی حصص میں تبدیل کردیا جائے۔ فرض کیجئے کہ اس وقت مارکٹ کی شرح حاصلات ۱۷ فیصد ہے، اس صورت میں ۱۰ تمسکات خریدنے والے کی پوزیشن مندرجہ ذیل ہوگی:

تمسکات سرمایہ کاری =/۲۰۰×۱۰ مبلغ =/۲۰۰۰ روپیہ تبدیلی کے بعد۔

۱۔ ۵۰ روپیہ کی مالیت کے ۵ حصص۔ مبلغ =/۲۵۰۰ روپیہ

۲۔ ۱۰ کھوکھے کی مالیت =/۱۰۰ فی کھوکھا =/۱۰۰۰ روپیہ

تاہم کھوکھوں پر صرف ۱۲٫۵ فیصد شرح سے منافع ملتا ہے۔ جب کہ مارکٹ کو ۱۷ فیصد کی توقع ہے، اس لئے مارکٹ کھوکھوں کو منہا یا بٹہ کرکے ان پر یہ قیمت لگائے گا۔

$$\frac{۱۲٫۵}{۱۷} \times ۱۰۰ = ۷۳٫۵۰$$

اس لئے کھوکھوں کی مارکٹ ویلو ہوگی۔ ۷۳٫۵۰×۱۰ = ۷۳۵

اس لئے ایک سال بعد اس کا =/۲۰۰۰ کا سرمایہ =/۲۵۰۰ + =/۷۳۵ = ۳۲۳۵ ہوجائے گا۔ اس میں ۱۲٫۵×۱۰ کا منافع =/۱۲۵ روپیہ شامل نہیں ہوگا۔ ایک سال بعد اسے اتنی رقم ملے گی۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کمپنی قابل بدل تمسکات صرف اپنے حصہ داروں کو ہی تقسیم کرتی ہے۔ اس لئے یہ حصہ داروں کے لئے بونس کا درجہ رکھتے ہیں۔ حصہ دار کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ یہ پیش کش رد کر دے یا اس پیش کردہ ڈبنچرز کے اپنے حقوق مارکیٹ میں فروخت کر دے، ڈبنچرز کی قیمت ادا کرنے سے وہ گھاٹے میں رہتا ہے، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ ڈبنچرز قبول نہ کرنے کے بعد ایکویٹی حصہ کی قیمت گر جاتی ہے، اور =/۵۰ سے =/۴۰ پر آجاتی ہے۔ اگر پیش کردہ تمسک کو شیئر ہولڈر قبول نہیں کرتا تو نہ صرف وہ ایک بہت منافع بخش نفع کو ہاتھ سے کھوتا ہے بلکہ اس کے حصہ کی بازاری قیمت بھی گر جاتی ہے۔ مذکورہ بالا حالات میں علماء کے لئے یہ فیصلہ کرنے کی بات ہے کہ کیا ایک مسلمان کے لئے اس قسم کے تمسکات میں سرمایہ لگانا مناسب ہے (اس حالت میں جب کہ اس پر عبوری مدت میں دیئے جانے والے سود کی رقم کو وہ اپنے تصرف میں لائے گا)، اگر:

۱- وہ تمسکات اسے حقوق کی بنیاد پر دے جائیں۔

۲- وہ پبلک ایشو کا ایک جز و ہوں۔

مکمل قابل بدل تمسکات کی صف میں صفر شرح کے تمسکات بھی ہوتے ہیں۔ یہ مکمل طور پر قابل بدل تمسکات ہوتے ہیں، جن پر عبوری مدت میں کوئی سود نہیں ملتا۔ اور اس طرح یہ غیر سودی ڈبنچرز ہوتے ہیں جو بعد میں ایکویٹی حصص میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس پر فائدہ مند رعایتی در ہوتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی کمپنی صفر شرح اور سودی مکمل قابل بدل تمسکات بھی جاری کرتی ہے۔ اور خریدار کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ ان میں جس نوعیت کا چاہے تمسک خرید لے۔ بہر صورت صفر شرح کے تمسکات کے بدلہ میں دیے گئے ایکویٹی حصص کی قیمت سودی تمسکات کے بدلہ کے حصص کی قیمت سے کمتر ہوتی ہے، اور جو ان کی قیمتوں کے درمیان فرق ہوتا ہے وہ اس سود کی رقم کے مساوی ہوتا ہے جو غیر سودی ڈبنچرز ہولڈر کو نہیں ملتا۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

۸

دوسرا باب

غیر سودی بینکاری پر تعارفی مقالات

غیر سودی بینک کاری

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ☆

اس سمینار کا دوسرا موضوع غیر سودی بینک کاری ہے یعنی ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جہاں سے ضرورت مند اور محتاج مسلمان بغیر سود ادا کئے ہوئے قرض لے دے سکیں، اور مسلمان سود کی اس لعنت سے محفوظ ہوجائیں جس میں وہ ایک عرصہ سے مبتلا ہیں۔

اس ملک میں مسلمانوں کے افلاس کا ایک بڑا سبب یہ بھی رہا ہے کہ انہوں نے غیر مسلموں سے سود پر روپئے لئے، اور ان کو زیادہ سے زیادہ سود ادا کئے، کہنا چاہئے اس یک طرفہ لین دین کی وجہ سے مسلمانوں کی لاکھوں کی جائیدادیں نیلام وقرق ہوگئیں، اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ دانہ دانہ کا محتاج ہوگیا، انہی حالات سے مضطرب ہوکر اس ملک میں بعض علماء نے غیر مسلم سے سود لینے کی امام ابوحنیفہ کے قول کی بنیاد پر اجازت دی اور کتابچے شائع کئے، اور دوسرے علماء نے شدت کے ساتھ اس رائے کی مخالفت کی، اور یہی دوسری رائے غالب رہی اور اسی پر ملک کے مشہور اور معتمد دار الافتاؤں نے فتوی دیا۔

زمانہ قریب میں مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچانے کے لئے بہت سارے دور اندیش لوگوں نے مسلم سوسائٹی، مسلم بیت المال، اور مسلم فنڈ کے نام سے ادارے قائم کرنے پر اپنے کو مجبور پایا، مگر جو سوالات سامنے آئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان اداروں نے بھی اس

☆ مفتی دار العلوم دیوبند

سلسلہ کو کمانے اور روپیہ جمع کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے، اور عام لوگوں کی زبانوں پر یہ آنا شروع ہوگیا ہے کہ یہ صورتیں بھی سود کی لعنت سے خالی نہیں ہیں۔

لہذا اسلامک فقہ اکیڈمی کے فرائض میں داخل ہوگیا کہ اس کے لئے ایک مرتب نقشہ متفقہ طور پر پیش کرے، اور علماء وقت اس کے تمام پہلوؤں پر کتاب وسنت کی روشنی میں غور کرکے کسی فیصلہ پر پہنچیں۔

ہمیں بجا طور پر توقع ہے کہ یہ سیمینار اس مسئلہ پر پوری کامیابی حاصل کرے گا، اور ہم سب اپنی ذمہ داریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے جائز پہلوؤں پر غور وفکر کرکے فیصلہ کریں گے، اللہ تعالی ہماری مدد فرمائے اور کامیابی سے ہمکنار فرمائے، آمین۔

☆☆☆

ہندوستان میں غیر سودی بینک کاری کی عملی صورت گری کے سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی خدمات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

اسلامی نظام معیشت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، ایک زکوٰۃ کا وجوب، دوسرے سود کی حرمت۔ زکوٰۃ کا نظام تقسیم دولت کا ایک حصہ ہے، جس کے ذریعہ اہل ثروت میں ایثار و ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور غرباء کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں، اور سود کی ممانعت کا مقصود غریبوں کے استحصال کو روکنا اور نا منصفانہ طریقہ پر کسب زر کے مزاج کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں سود کی ممانعت جس تاکید کے ساتھ وارد ہوئی ہے، شاید ہی کسی اور گناہ کے لئے ایسی سخت وعید آئی ہو، اس لئے اسلام کے اصولِ سرمایہ داری میں سود کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ بینک جن کاموں کو انجام دیتے ہیں، وہ اس ضرورت کا درجہ اختیار کر چکے ہیں، اور بینک کے ذریعہ انجام دیئے جانے والے بہت سے کام شرعاً جائز اور درست بھی ہیں، اس صورت حال نے مسلمان اہل علم اور ماہرین معاشیات کے ذہن میں ایسے بینکنگ نظام کی فکر کو ابھارا ہے جس کے ذریعہ بینک سے انجام پانے والے جائز فوائد کو حاصل کیا جا سکے، اور سود کی لعنت سے بچا جا سکے، نیز جس کے ذریعہ جمع شدہ رقوم کا نفع

☆ جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔

اسلامک بینک بنیادی طور پر چار طریقوں سے سرمایہ کاری کرتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں، پھر یہ نفع زیادہ سے زیادہ کھاتے داروں تک منصفانہ طریقے پر پہنچتا ہے:

۱-مضاربت ۲-شرکت

۳-اجارہ ۴-مرابحہ

ان میں سے پہلے دو طریقوں یعنی مضاربت اور شرکت میں نفع کا بھی امکان زیادہ ہوتا ہے اور نقصان کا خطرہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اور تیسری اور چوتھی صورت میں نقصان کا خطرہ نسبتاً کم ہوتا ہے، بہر حال اسلامی طریقہ پر سرمایہ کاری کی یہ چار بنیادیں ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے دشواری یہ ہے کہ ملک کے قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی تو ضرور ہے لیکن وہ اس موقف میں نہیں ہیں کہ تنہا اپنے اختیار سے قانون سازی کرسکیں، اس لئے انہیں ایسی صورت تلاش کرنی ہے جو شریعت اسلامی سے ہم آہنگ بھی ہو اور ملکی قانون کی اجازت کے دائرہ میں بھی ہو۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، جس کی بنیاد ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ اللہ نے رکھی۔ جو برصغیر میں فقہی مسائل پر غور کرنے کا سب سے بڑا پلیٹ فارم ہے، جس میں اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر کے فقہاء مل کر ایک ساتھ بیٹھتے ہیں، اور علماء کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت فنی ماہرین کی بھی شرکت ہوتی ہے۔ اس نے نئے مسائل کے حل کے سلسلے میں دو جہتوں سے کام کرنے کی کوشش کی ہے، ایک یہ کہ پیش آنے والے نئے واقعات کے بارے میں شرعی احکام متعین کئے جائیں، کتاب وسنت کے اصول اور سلف صالحین کے اجتہادات کو ان پر منطبق کیا جائے، دوسرے جو طریقۂ کار مجموعی اعتبار سے شرعاً ناجائز ہے لیکن اس سے بعض ایسے فوائد متعلق ہیں جو موجودہ دور میں انسانی سماج کے لئے اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان کا جائز متبادل دریافت کرنے کی کوشش کی جائے، اور اگر طریقہ کار کی تبدیلی کے ساتھ اس کی جائز صورت بھی ہوسکتی ہے تو اسے لوگوں کے سامنے پیش

کیا جائے، تاکہ لوگ حرج وتنگی میں مبتلا نہ ہوں، وہ شریعت کو بوجھ نہ سمجھنے لگیں، اور شریعت اسلامی کی سہولتوں اور آسانیوں کو دیکھ کر ان کے اندر دین کی محبت پیدا ہو اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ ابھرے۔

اسی پس منظر میں اکیڈمی نے شروع ہی سے موجودہ سودی نظام کے مسئلہ کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے، چنانچہ اکیڈمی کے دوسرے سمینار منعقدہ ۸ تا ۱۱ / جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸ تا ۱۱ / دسمبر ۱۹۸۹ء ہمدرد یونیورسٹی دہلی میں بینک انٹرسٹ کے سلسلے میں جو اہم تجاویز منظور ہوئیں، ان میں بینک انٹرسٹ کا حکم اور بینک سے سودی قرض کے حصول کا مسئلہ بھی شامل ہے، اس تجویز کا متن اس طرح ہے:

تجارتی سود اور اسلامی شریعت:

● سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا دیا جائے یا تجارتی وکاروباری قرضوں پر، شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے، یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی وکاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا، قطعاً غلط ہے، نیز یہ خیال کہ تجارتی وکاروباری قرضوں کا وجود زمانۂ نزولِ قرآن میں نہیں پایا جاتا، اس لئے حرمتِ ربوا کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا، کسی طرح درست نہیں۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین عرب جاہلیت، نیز ان قوموں میں جن سے جاہلی عربوں کے تجارتی روابط تھے رائج اور شائع تھے، چنانچہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین تحریم ربوا کا اولین مورد ہے، اس کے علاوہ بالفرض اگر تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین کا وجود زمانۂ نزولِ قرآن میں نہ بھی پایا جاتا تب بھی مستقل شرعی دلائل دونوں قسم کے قرضوں (ذاتی وشخصی اور تجارتی وکاروباری) پر اضافے یعنی سود کی حرمت کے بارے میں قائم ہیں، قرآن وسنت، اجماع وقیاس اور امت محمدیہ کا عملِ متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمتِ ربٰوا کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ

قرض لینے دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے۔

- سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا مناسب حد سے زیادہ، شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہو، اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز، دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا، دونوں صورتیں بہر حال حرام ہیں، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔

سود سے متعلق مسائل:

۱-ربٰوا (سود) قطعی حرام ہے، اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔

۲-سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے، اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے، کون سا عذر معتبر ہے اور کون سا نہیں، اور کون سی حاجت قابل لحاظ ہے اور کون سی حاجت قابل لحاظ نہیں؟ اس سلسلہ میں معتمد اصحاب افتاء کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔

۳-ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہیں جس میں سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے، اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم چھوٹ (Subsidy) کے مساوی ہو، یا اس سے کم ہو، تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں۔

۴-ہندوستان میں حکومت جب اراضی مملوکہ کو اکوائر کرتی ہے (یعنی بحکم سرکاری وہ اراضی مفاد عامہ کے لئے جبراً خریدی جاتی ہیں) اور حکومت اس کی قیمت مالکان اراضی کو اپنے ضابطوں کے پیش نظر اپنی منشاء کے مطابق ادا کرتی ہے، مالکان اراضی سرکاری حکم کے خلاف

عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، عدالتیں عادلانہ قیمت کا تعین کرتی ہیں اور مالکان اراضی کو اکویزیشن کی تاریخ سے بذریعہ فیصلہ عدالت اس قیمت کے علاوہ اضافی رقم بھی سود کے نام سے دلاتی ہیں، سمینار کی رائے میں یہ اضافی رقم سود نہیں بلکہ قیمت کا جزو ہے جس کا لینا اور اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے۔

۵-سرکاری بینکوں سے ملنے والے ترقیاتی قرضوں اوران میں ادا کئے جانے والے سود کے مسئلہ پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں غور کر کے کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے یہ سیمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے علماء و متخصصین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے، جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کسی نتیجہ تک پہنچے۔

''بینک انٹرسٹ'' کے سود ہونے پر شرکاء سمینار کا اتفاق ہے، انٹرسٹ کی رقم بینک سے نکالی جائے یا چھوڑ دی جائے؟ نکال لی جائے تو کس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل امور طے پائے:

۱-بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے، بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

۲-بینک کے سود کی رقم کو بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر خرچ کر دیا جائے اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳-سود کی رقم کو مساجد اوراس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

۴-اکثر شرکاء سمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء ومساکین تک محدود رکھنا چاہئے۔

چونکہ اس سمینار میں جو مسائل زیر بحث تھے ان میں سے ایک ہندوستان کی شرعی حیثیت کی تعیین کا مسئلہ تھا، کہ یہ ملک دار الاسلام ہے یا دار الحرب یا دار العہد؟ اس مسئلہ سے جڑا

ہوا جو اہم مسئلہ ہے وہ یہی کہ بعض فقہاء کے نزدیک دار الحرب میں عقد معاوضہ میں لئے جانے والا اضافہ سود نہیں ہے، کیونکہ سود مال معصوم کے حاصل کرنے کا نام ہے، اور حربی کا مال معصوم نہیں ہوتا۔

اس سمینار میں ایک اور تجویز اسلامک بینکنگ نظام کے سلسلے میں ان الفاظ میں طے پائی:

دوسرا فقہی سمینار سودی معاملات سے متعلق غور وفکر کے ذیل میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ غیر سودی بینک کاری اور مقامی سطح پر ایسی سوسائٹیز کا قیام جو غیر سودی بنیادوں اور جائز شرعی عقود ومعاملات کی بنیاد پر سرمایہ کاری اور امداد فراہم کرنے کا کام کرے، مفید ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان کاموں کی انجام دہی کے لئے ایسے نظام سامنے ہوں جو شرع سے متصادم نہ ہوں، اس وقت ملک میں ایسی مختلف کوششیں جاری ہیں، لیکن ان کوششوں میں باہم تنظیم اور یکسانیت کا فقدان ہے، یہ سمینار ضروری سمجھتا ہے کہ جدید بینکنگ کے اصولوں اور شریعت کے احکام کو سامنے رکھتے ہوئے غیر سودی بینک کاری کا ایک جامع منصوبہ (Project) تیار کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو سود کی حرمت سے بچائے اور ان کو معاشی استحکام بخشے، بلکہ دیگر پسماندہ اور کمزور انسانی طبقات کو بھی سہارا دے سکے، جو امت رحمۃ للعالمین کا فریضہ ہے۔

پھر اکیڈمی کے تیسرے سمینار ۱۳ تا ۱۶/ ذو القعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸ تا ۱۱/ جون ۱۹۹۰ء بنگلور میں اسلامی بینک کاری کے سلسلہ میں رہنما خطوط کی نشاندہی کرتے ہوئے حسب ذیل تجویز منظور کی گئی:

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کر کے مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ بھی فراہم ہوتا ہے، اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے، مزید برآں بینکنگ ادارے متعدد ایسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں جو تجارت، صنعت اور زراعت کے لئے ناگزیر ہیں، ہندوستان میں بسنے والے

مسلمانوں کی معاشی جد وجہد اور سرمایہ کاری بھی اس امر کی محتاج ہے کہ وہ موجودہ بینکوں کی طرف رجوع کریں، مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سودی نظام غیر عادلانہ اساس پر قائم ہے، سود پر مبنی عقد، سرمایہ دار کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں ایک متعین شرح پر منافع وصول کرے، جب کہ صاحب العمل (Enterneur) کا منافع اس کی اقتصادی جد وجہد کی کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے، اسلام کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے، کیونکہ یہ ظلم پر مبنی ہے، اس کے علاوہ سود موجودہ زمانہ میں تفریق دولت اور ترکیز سرمایہ (Concentration of Wealth) کا مؤثر ترین ذریعہ بن گیا ہے، اس کے نتیجہ میں موجودہ معاشرہ میں قرض پر دئے جانے والے سرمایہ (Loan Capital) کو جو تسلط اور قاہرانہ حیثیت حاصل ہوگئی ہے، اس کا شعور تقریباً سارے ہی اصحاب فکر کو کسی نہ کسی درجہ میں حاصل ہوگیا ہے۔

سود کے مفاد کا یہ ایک مجمل بیان ہے، اس کے مضر اور ظالمانہ اثرات کا حصر یہاں ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت انسان کی معاشی جد وجہد کی اہمیت کی نہ صرف یہ کہ منکر نہیں ہے، بلکہ وہ اس جد وجہد کو "ابتغاء فضل اللہ" قرار دیتی ہے، یہ شریعت انسانوں کے معاشرہ میں بالعموم اور معاشی جد وجہد کے میدان میں بالخصوص عدل ورحمت، دیانت اور امانت کی نہ صرف مقتضی ہے، بلکہ وہ ایسے احکام واصول بھی فراہم کرتی ہے جن پر ایک صحت مند عادلانہ اور مشفقانہ نظام معیشت قائم ہوتا ہے، سود کی حرمت فی الحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے، اسلامی نظام معیشت ظالمانہ مقابلہ اور تنافس کے بدلے باہم اخوت، اور مساوات اور عام انسانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وسیع بنیادوں پر قائم ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کو بھی انہیں بنیادوں پر استوار کریں، تاکہ ایک طرف وہ اس نظام عدل ومساوات کے داعی بن سکیں اور

دوسری طرف اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو بہتر اور مضبوط بنیادوں پر قائم کرسکیں۔

غیر سودی بنیادوں پر بینکنگ کے نظام کے قیام کے لئے شریعت حقہ نے جو اصول اور ضوابط عطا فرمائے ہیں وہ موجودہ دور کے مسائل کا بہتر حل پیش کرتے ہیں، بلکہ ہمارا یقین ہے کہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے وہ موجودہ طریق تنظیم سے افضل ہیں، ان کے اختیار کرنے سے مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوگی اور ایسا عادلانہ معاشرہ قائم ہوگا جس کا ہمارا ملک بدرجہ اولی محتاج ہے، یہ سیمینار سمجھتا ہے کہ مضاربت (Equity Participation)، مشارکت (Partnership) اور مرابحہ (Mark up Pricing) جیسے اساسی اصولوں پر مبنی ایک قابل عمل اور بہترین نظام بینکنگ قائم کیا جاسکتا ہے، ایسا نظام مالیات اور سرمایہ کاری جو ملک کے لئے ایک پیغام بھی ثابت ہو اور قابل عمل نمونہ بھی، البتہ اس سمینار کو اس بات کا مکمل شعور ہے کہ موجودہ عصر کے متعدد مسائل اور سرمایہ کاری کے متعدد وسائل اور معاملات کے پیش نظر ان اصولوں کے انطباق کے لئے ہمیں انتھک جد وجہد کرنا ہوگی۔

اسلامی نظام بینکنگ کا خاکہ مرتب کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولی ہدایات کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

۱- اسلام سودی نظام تعاقد کی ہر شکل کو حرام قرار دیتا ہے۔

۲- اسلام مالیاتی اور اقتصادی عقد میں جانبین کے لئے عدل کو ضروری شرط قرار دیتا ہے، جس کا مقتضی یہ ہے کہ صاحب المال اور صاحب العمل دونوں کے ساتھ عدل ہو، صاحب المال منافع میں شریک ہو اور سرمایہ کے نقصان کا مکمل ذمہ دار قرار دیا جائے، جب کہ صاحب العمل (مستقرض) نفع میں شریک ہو اور بہ صورت نقصان وہ اپنی محنت کے اجر سے محروم ہو۔

۳- زر کو وسیلہ سمجھا جائے نہ کہ مطلوب بالذات، جس طرح بضائع ضروریہ اور عیش وراحت کے سامان ہوتے ہیں۔

۴-سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھا جائے اور اس کو انسانوں کی حقیقی ضرورت اور ان کی مالی اور اقتصادی استعداد میں اضافہ کا ذریعہ بنایا جائے، برعکس موجودہ طریق تصرف کے، کہ جہاں سرمایہ کو صاحب المال اور بینک اپنی ازدیاد دولت کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

۵-سرمایہ کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ کمزور اور پسماندہ طبقات کی معاشی حالت میں بہتری ہو اور منصفانہ تقسیم اور تفریق دولت میں کمی واقع ہو، اس اصول کے پیش نظر اسلامی بینکوں کو سرمایہ کی تقسیم اور فراہمی کرتے وقت ضروریات، تحسینیات اور کمالیات میں اول الذکر کو ترجیح دینا ہوگا، اور شرح منافع کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا کہ ملت کے کمزور اور ضعیف صاحبان استعداد کی ہمت افزائی کی جائے۔

۶-ان تمام وسائل تمویل سے احتراز کرنا ہوگا جو اگر چہ عصر حاضر میں مروج ہیں، لیکن خیانت، دھوکہ اور کتمان حقیقت کے شاہکار ہیں۔

۷-ان اصولی ہدایات کے ساتھ اسلامی نظام معیشت ومعاشرت کے عمومی مقاصد، اس کی اخلاقی روح، دیانت وصداقت کی عملی اقدار کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا، تاکہ یہ کوشش محض ایک میکانیکی مشق نہ بن جائے، بلکہ حقیقی معنوں میں جاری نظام منافعت، لوٹ گھسوٹ، نفسانیت کی جگہ پر نظام رحمت اور باہمی خیر سگالی اور تعاون کا آئینہ دار ہو۔

اسی مقصد کے پیش نظر سمینار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ماہرین اور علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو شریعت کے مذکورہ اصول اور اس کے عمومی ہدایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مسائل کے پیش نظر ایسا نظام مالیات تجویز کرے جو مسلمانوں کی امنگوں اور ان کی پسندیدہ اقدار کا آئینہ دار بھی ہو اور ان کے حقیقی معاشی مسائل کا حل بھی۔

چنانچہ اس تجویز کے مطابق دو الگ الگ کمیٹیاں تشکیل دی گئیں، ایک کمیٹی معاشیات، بینکنگ اور اکاؤنٹ کے ماہرین کی درج ذیل افراد پر مشتمل تھی:

۱-ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی، علی گڈھ　　　۲-ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، جدہ

۳- ڈاکٹر عبدالحسیب، ممبئی ۴- ڈاکٹر ایم ایچ کھٹکھٹے، ممبئی

۵- ڈاکٹر کے.جی منشی، احمد آباد ۶- جناب امین الحسن رضوی، دہلی

۷- ڈاکٹر احسان الحق، دہلی ۸- جناب عبدالحنان چاندنا، دہلی

دوسری کمیٹی علماء اور ماہرین معاشیات کی بنائی گئی جس میں کچھ ارکان پہلی کمیٹی کے بھی رکھے گئے:

۱- ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، علی گڈھ ۲- ڈاکٹر کے.جی منشی، احمد آباد

۳- ڈاکٹر عبدالحسیب، ممبئی ۴- ڈاکٹر محمد منظور عالم، دہلی

۵- ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، جدہ ۶- جناب عبدالوہاب دیلوی

۷- مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ۸- مفتی سعید احمد پالنپوری

۹- مولانا عتیق احمد بستوی ۱۰- راقم الحروف (خالد سیف اللہ رحمانی)

ان کمیٹیوں کے تمام افراد کو جمع کرنا ایک دشوار کام تھا، تاہم معتد بہ تعداد میں کئی نشستیں دہلی، ممبئی، بنگلور، اور حیدر آباد میں منعقد ہوئیں، جس میں دیگر ماہرین اور علماء بھی شریک رہے، کمیٹی کے ارکان کو موضوع سے متعلق بائیس اہم کتابیں بھی مطالعہ کے لئے فراہم کی گئیں، اسلامی بینکنگ کے عملی پہلو پر کئی فاضلانہ مقالات فقہی اور معاشی پہلو سے مرتب کرائے گئے، یوں تو ان مقالات کی خاصی تعداد ہے، لیکن ان میں سے حسب ذیل تحریریں اسلامی بینک کی عملی تشکیل کے نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

۱- ہندوستان کے سیاق وسباق میں اسلامی بینکنگ کے عملی پہلو - ڈاکٹر کے.جی منشی، احمد آباد

۲- غیر سودی اسلامک بینکنگ کے لئے قانونی گنجائش اور دشواریاں - عبدالوہاب، ممبئی

۳- یرسودی بینک - ایک عملی خاکہ - سعید شنگری، دہلی

بینک کا ایک کام ضرورت مندوں کو قرض فراہم کرنا ہے، اور دوسری اہم خدمت سرمایہ کاروں کو نفع پہنچانا ہے، ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوستان میں کام کرنے

والے درج ذیل ۱۷ مسلم مالیاتی اداروں کے طریقہ کار سے متعلق ضروری معلومات اکٹھا کی گئیں:

۱-	مسلم فنڈ نجیب آباد	نجیب آباد
۲-	مسلم فنڈ ٹرسٹ دیوبند	دیوبند
۳-	ملی امدادی سوسائٹی	بہرائچ
۴-	مسلم رفاہی سوسائٹی	لکھنؤ
۵-	اسلامی بیت المال	لکھنؤ
۶-	قرض بچت اسکیم	لکھنؤ
۷-	شباب اسلامک انویسٹمنٹ اینڈ میوچول بینیفٹس	لکھنؤ
۸-	بلاسودی جامعہ ویلفیر سوسائٹی	لکھنؤ
۹-	عمار انویسٹمنٹ اینڈ بلڈنگ ڈیولپمنٹ کمپنی لمیٹڈ	بنگلور
۱۰-	البیت النافع وانم باڑی	وانم باڑی
۱۱-	اسلامک بیت المال	کولار
۱۲-	اسلامک ویلفیر سوسائٹی	رائچور
۱۳-	لامین فائنانس اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن	بنگلور
۱۵-	تجارت انویسٹمنٹ کمپنی	بنگلور
۱۶-	اشرہ میوچول بینیفٹس لمیٹڈ	بنگلور
۱۷-	ایکمیوز بیت المال	ممبئی

اس جائزہ رپورٹ کو سامنے رکھتے ہوئے تیسرے سمینار میں غیر سودی امدادی سوسائٹیوں کے طریقہ کار پر تفصیلی بحث ہوئی، اور درج ذیل تجویز منظور ہوئی:

۱- ہندوستانی مسلمانوں کے اقتصادی اور معاشی حالات کے پیش نظر ایسے امدادی مالیاتی

اداروں کا قیام ضروری اور مفید ہے جو عامۃ المسلمین سے بلاسود قرض حاصل کریں اور ضرورت مند مسلمانوں کو سود کی ادنی آمیزش کے بغیر قرض فراہم کرسکیں۔ ایسے ادارے دراصل رفاہی اور فلاحی ادارے ہوتے ہیں جس کی بنیاد صلہ، احسان اور تعاون پر ہوتی ہے۔

۲۔قرض خواہوں سے قرض میں دی گئی رقم سے زائد وصول کرنا، چاہے اس کا کوئی سا بھی طریقہ اختیار کرلیا جائے، ہرگز جائز نہیں، اور قرض سے زائد حاصل کی گئی رقم شرعاً سود ہے، لہذا ذاتی مفاد، یا ادارے کے مفاد، یا دیگر رفاہی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے بھی قرض سے زائد کوئی رقم وصول کرنا جائز نہیں، نیز ان اداروں میں جمع شدہ رقوم کو فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور ان پر سود حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایسے اداروں کے انتظامی مصارف کس طرح پورے کئے جائیں تو یہ ''فقہی سمینار'' اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں کو درست قرار دیتا ہے:

(الف) ایسے مالیاتی اداروں کو کچھ اصحاب خیر ایک ملی ضرورت سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے خرچوں سے چلائیں یعنی انتظامی اخراجات کا بار یہ اصحاب خیر برداشت کریں۔ اگر یہ ادارے مسلمانوں میں اپنا یہ اعتماد حاصل کرلیں کہ یہ خالص شرعی حدود میں عام مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے اور ان کو سودی لین دین سے بچانے کے لئے کام کر رہے ہیں، اور علماء کرام کی رہنمائی بھی ان کو حاصل ہے، تو قوی امید ہے کہ اہل ثروت مسلمان ایسے اداروں کے انتظامی مصارف بلکہ ترقیاتی مصارف کے لئے بھی آگے بڑھیں گے۔

(ب) سمینار کی رائے میں ایسے تمام امدادی مالی اداروں کو ہر طور پر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ سرمایہ کا کچھ حصہ پیداواری ذرائع میں لگا کر جائز آمدنی حاصل کی جائے، اور کم از کم اتنی آمدنی ضرور حاصل کرلی جائے جس سے سوسائٹی کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

(ج) سمینار کے شرکاء میں سے متعدد علماء کی رائے یہ ہے کہ اجرۃ الخدمۃ (Service Charge) یا انتظامی اخراجات (Operational Expenses) اگر چہ

وہ ضروری اور واقعی اخراجات تک محدود ہوں، قرض خواہوں سے نہیں لئے جا سکتے، بعض علماء کی رائے میں اگر چہ یہ اصلاً جائز ہیں لیکن سود کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے، اس لئے اس کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔

دیگر علماء (شرکاء سمینار) کی رائے میں اس طرح کے اداروں کا قیام مفید اور ضروری ہے، اور اگر اصحاب خیر کی طرف سے تعاون یا پیداواری ذرائع میں سرمایہ لگا کر بقدر ضرورت جائز آمدنی حاصل کر کے بھی ادارہ چلانا ممکن نہیں ہو تو ادارے کے ضروری اور حقیقی انتظامی اخراجات قرض خواہوں سے وصول کئے جا سکتے ہیں کہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعہ آمدنی ہے۔

ان علماء کی رائے میں ان واقعی اور ضروری اخراجات کے تعین میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اصلاً قرض کی جو روح شریعت کے پیش نظر ہے، اس کے ساتھ قرض خواہوں سے ان اخراجات کا وصول کرنا میل نہیں کھاتا، لیکن ان اخراجات کے وصول کرنے کی اجازت ناگزیر حالات کی وجہ سے دی جارہی ہے، لہذا ان اخراجات کے تعین میں حد درجہ احتیاط برتی جائے۔

ضروری اور واقعی اخراجات محتاط اندازے کے ساتھ معین کئے جا سکتے ہیں، لیکن اگر حسابی مدت کے پورا ہونے کے بعد یہ معلوم ہو کہ انتظامی اخراجات کی مد میں وصول کی گئی تخمینی رقم حقیقی اخراجات سے زائد ہے تو یہ زائد رقم قرض خواہوں کو ان سے وصول کئے گئے خرچ کے تناسب سے واپس کر دینا شرعاً واجب ہوگا۔

سرمایہ کو نفع آور بنانے کے سلسلے میں۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ ایک اہم صورت "مرابحہ" کی ہے، لیکن بہت سے اسلامی مالیاتی ادارے مرابحہ کی جو صورت اختیار کرتے ہیں ان میں بعض بنیادی شرعی احکام کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اس پس منظر میں "مرابحہ" کا موضوع بھی زیر بحث آیا، اور اس سلسلہ میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں:

۱-مرابحہ کا فقہاء کے نزدیک ایک متعین مفہوم ہے۔

۲-اسلامی بینکوں میں مرابحہ جن شکلوں میں رائج ہے وہی شکلیں اس سمینار میں زیر بحث ہیں۔

۳-مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ عقود ومعاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے، محض الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا مرابحہ کے نام پر جو معاملات مروج ہیں ان کی حقیقت کا اعتبار ہے، محض ان کے ناموں کا اعتبار نہیں ہے۔

۴-اسلامی بینکوں میں استعمال ہونے والی مرابحہ کی شکلیں مرابحہ کی معروف شرطوں کے ساتھ اسی صورت میں جائز ہوں گی جب کہ:

(الف) بینک کی طرف سے جاری کردہ مخصوص فارم (Quotation) میں بینک کے ذریعہ فروخت کی جانے والی اشیاء کی نوعیت، ان کی کیفیت (Quality) اور دوسری ضروری صفات واضح طور پر ذکر کی گئی ہوں، تاکہ جہالت اور ابہام کی وجہ سے معاملہ کے ہر دو فریق کے درمیان کسی نزاع کا امکان باقی نہیں رہے، نیز اس قیمتِ خرید یا لاگت پر بینک کو ملنے والے نفع (قیمت)، اس کی ادائیگی کی مدت اور اقساط کی صراحت کر دی گئی ہو۔

(ب) یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے۔ بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)۔

اکیڈمی کی مختلف نشستوں میں اسلامک بینک کاری سے جڑے ہوئے فقہی مسائل پر ہونے والی بحثوں اور خود اسلامی بینکنگ سے متعلق علماء اور ماہرین کی کمیٹی نے کئی نشستوں میں طے شدہ امور کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی رپورٹ ''ہندوستان میں غیر سودی بینک'' کے عنوان سے مرتب کی ہے، یہ رپورٹ چھ مختصر ابواب اور بیالیس صفحات پر مشتمل ہے، جو چوتھے فقہی سمینار

منعقدہ ۲۷ تا ۳۰ر محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ تا ۱۲ر اگست ۱۹۹۱ء میں پیش ہوئی اور منظور کی گئی، آخری مرحلہ میں اس کو تیار کرنے میں اسلامک بینکنگ کے دو عالمی ماہرین ڈاکٹر انس زرقاء (سعودی عرب) اور مولانا محمد تقی عثمانی (پاکستان) بھی شامل تھے، اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کی بڑی تحسین کی، جس میں ہندوستان کے قانونی ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے اسلامک بینکنگ کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔

اس رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کے موجودہ قوانین کی روشنی میں اسلامی مالیاتی ادارہ کی تشکیل چار صورتوں میں ہوسکتی ہیں:

۱- پرائیویٹ یا امداد باہمی سیکٹر میں رجسٹرڈ شدہ بینک۔

۲- امداد باہمی کریڈٹ سوسائٹی۔

۳- پارٹنرشپ فرم۔

۴- لمیٹیڈ کمپنی۔

● پرائیویٹ سیکٹر بینک کے سلسلے میں کمیٹی کی رپورٹ یہ ہے کہ حکومت ہند کی پالیسی مزید پرائیویٹ بینکوں کو کارکردگی کا اجازت نامہ نہیں دینے کی ہے، اس لئے کمیٹی نے اس پر غور نہیں کیا۔

● امداد باہمی سیکٹر بینک کے سلسلے میں بھی کمیٹی کا احساس ہے کہ ''مستقبل قریب میں ہندوستان میں امداد باہمی بینکوں اور امداد باہمی سوسائٹیوں کے لئے شرکت منافع ونقصان کے اصولوں پر عام حالات میں اپنا سرمایہ لگانے کے امکانات بہت بعید ہیں''، چنانچہ کمیٹی کی آخری میٹنگ منعقدہ بنگلور ۱۸، ۱۹ر جولائی ۱۹۹۱ء میں تمام ارکان متفقہ طور پر اس نتیجہ تک پہنچے کہ ''اس وقت کوئی بھی ایسی تنظیم جو شریعت کے مطابق بھی ہو اور جسے رسمی طور پر بینک کے نام سے منسوب کیا جائے گا، ہندوستان میں قائم ہونا ممکن نہیں۔''

● دوسری صورت ''امداد باہمی کریڈٹ سوسائٹی'' کے بارے میں کمیٹی نے حسب

ذیل تاثرات کا اظہار کیا ہے:

امدادباہمی قرض سوسائٹیوں کے سامنے وہ سنگین مشکلات درپیش نہیں ہیں جو بینک کے سامنے ہیں، اس لئے اس ہیئت کو قابل عمل تصور کیا گیا، غیر سودی کریڈٹ انجمن کے سامنے جو اہم سوال قرض لینے والے سے انتظامی اخراجات کی وصولی کا تھا، اس کی اجازت تیسرے فقہی سمینار میں دی جا چکی ہے، اس سے فطری طور پر یہ تنظیمی ڈھانچہ قابل اعتماد اور قابل عمل بن جاتا ہے، اور اس میں مزید اضافہ ہوگا، اگر علماء اجازت دے دیں کہ اس پر کچھ فاضل رقم کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے، یہ فاضل رقم تقسیم کے مقصد کے لئے نہیں ہوگی، بلکہ لازمی طور پر بینک کے محفوظ سرمایہ میں جمع ہوگی، اور اسے تنظیم کی کارکردگی کو مستحکم کرنے کے لئے درآمدی قیمت کے طور پر تصور کیا جائے گا، اور اس کو بینک کے محفوظ سرمایہ کو قائم کرنے کا ذریعہ سمجھا جائے گا۔

☆ پارٹنر شپ فرم کے بارے میں بھی کمیٹی کی رائے منقسم ہے، لیکن زیادہ تر ارکان اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں کہ اس میں متعدد قانونی مشکلات وتحدیدات ہیں اور بے ایمان عناصر کے لئے اس میں بددیانتی کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔

☆ لمیٹیڈ کمپنی کی تنظیمی ہیئت پر دو پہلوؤں سے غور کیا گیا، ایک ٹیکس عائد ہونے کی سطح، دوسرے قرض کے حصول کی گنجائش، پھر کمیٹی کی مختلف اقسام پر غور وخوض کے بعد کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہندوستان میں اسلامی مالیاتی کمپنی کے لئے مناسب صورت امدادباہمی کریڈٹ سوسائٹیاں اور ندھی یعنی باہمی مفاد کی فائنانس کمپنی ہوسکتی ہے۔

☆ کمیٹی نے وسائل کے حصول اور فنڈ کے استعمال وغیرہ کے سلسلے میں ملکی قانون اور احکام شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور اخیر میں تحقیق طلب پندرہ سوالات علماء کے سامنے پیش کئے ہیں۔

ان سوالات پر ہندوستان بھر سے قابل ذکر علماء اور ارباب افتاء کے جوابات حاصل کئے گئے جن کی اشاعت عمل میں آچکی ہے، اور اس مجموعہ میں شامل ہے۔

اس کے علاوہ اکیڈمی نے اپنے سمیناروں میں شیئرز کی خرید فروخت پر بھی بحث کی ہے، اور ایک سمینار میں اس موضوع پر بھی تبادلۂ خیال کیا گیا ہے کہ قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟ موجودہ عرف میں کس کیفیت کو قبضہ سمجھا جائے گا؟ اور کن اشیاء میں قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت ہوگی؟ اسی طرح قسطوں پر خرید فروخت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے، جس میں عموماً ادھار ہونے کی وجہ سے بہ مقابلہ نقد زیادہ قیمت مقرر کی جاتی ہے اور خریدار اس طرح نفع حاصل کرتا ہے۔ یہ مسائل بھی دراصل سرمایہ کاری کے انتظام سے جڑے ہوئے ہیں۔

اسی طرح اکیڈمی نے اپنے سکریٹری برائے سمینار مولانا عبید اللہ اسعدی کی کتاب ''الربا'' بھی شائع کی ہے، جس میں استثماری اور استہلاکی دیون پر حاصل کئے جانے والے سود اور دار الکفر کے سود کے مسئلہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، نیز علماء اور ارباب افتاء کو اس موضوع سے واقف کرانے اور ان کے لئے بینکنگ کے مسائل کو قابل فہم بنانے کی غرض سے بینکنگ اصطلاحات کی توضیح پر بھی ایک کتاب شائع کی گئی ہے۔

غرض اکیڈمی نے ہندوستان کے حالات میں اسلامی خطوط پر بینک کاری کے سلسلہ میں مختلف جہتوں سے کام کرنے کی کوشش کی ہے:

(الف) ماہرین کی گروپ میٹنگ اور تبادلۂ خیال۔

(ب) اسلامک بینکنگ میں آنے والے مختلف فقہی مسائل کو سمینار میں زیر بحث لاکر۔

(ج) اسلامک بینکنگ سے جڑے ہوئے مسائل پر کتابوں کی اشاعت۔

(د) اس موضوع پر جو اہم کتابیں دستیاب ہیں، ماہرین کے لئے ان کی فراہمی۔

اکیڈمی نے اسلامک بینکنگ کے مسئلہ پر جو غور وخوض کیا اس میں قدم قدم پر قانونی رکاوٹوں اور دشواریوں کا احساس ہوا، اللہ تعالیٰ نے نظام سرمایہ کاری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''أحلّ اللہ البیع وحرّم الربوا'' (البقرہ: ۲۷۵) یعنی تجارت حلال ہے اور سود حرام ہے، لیکن ہمارے ملک کا موجودہ قانون اس کے بالکل برعکس ہے، جو مالیاتی اداروں کے لئے تجارت

کوممنوع ٹھہراتا ہے اور سود کو جائز، بلکہ بعض صورتوں میں واجب، یہ بہت خوش آئند بات ہے کہ ہمارے موجودہ وزیر اعظم محترم جناب منموہن سنگھ غیر سودی بینک کی اجازت دینے کی طرف مائل ہیں، اس لئے یہ بہترین موقع ہے کہ حکومت کے سامنے غیر سودی بینکنگ کا ڈھانچہ پیش کیا جائے اور اس کی گنجائش پیدا کرنے کے لئے موجودہ قوانین میں جہاں جہاں تبدیلی مطلوب ہے اسے واضح کیا جائے، اگر یہ کوشش ثمر آور ہوجائے تو یہ یقیناً ایک انقلابی کام ہوگا، اور قوم کو سود سے بچانے کی نہایت اہم کوشش ہوگی۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ایسی کسی بھی کوشش میں علمی تعاون کے لئے تیار ہے۔ **واللہ ھو الموفق وھو المستعان ۔**

☆☆☆

ہندوستان میں اسلامی بنکاری
تصور، تنظیم اور عمل

بینک یورپ کے صنعتی انقلاب کی دین ہیں، اسلام کے ابتدائی دور میں بینکوں کا نہ تو کوئی تصور تھا اور نہ طریق کار کا کوئی نمونہ۔خود مغربی ممالک میں موجودہ صورت میں بینکوں کا وجود بہت زیادہ پرانا نہیں ہے۔جب کہ ہندوستان میں بینک کاری کا جو کچھ فروغ نظر آرہا ہے یہ سب ۱۹۴۷ء کے بعد کا واقعہ ہے، بینک روپیہ کی بچت کرنے والوں اور اس کو صرف کرنے والوں کی ایک درمیانی کڑی ہے۔پس انداز کرنے والوں اور صارفین کے درمیان بچولیے کا کام کرنے کے علاوہ بینک قرض بھی مہیا کرتا ہے۔روپیہ جمع کرنے والوں کے پیسے کو نہ صرف محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس میں اضافہ بھی کرتا ہے۔اور ملک کے ترقیاتی امور اور سرکاری اسکیموں میں پیسہ بھی لگاتا ہے۔بچت کرنا ہر فرد کا ایک ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے لیکن معاشرہ کو اس بچت سے صرف اس حالت میں فائدہ پہنچ سکتا ہے جب اس پس انداز روپیہ کو کسی مفید مصرف میں استعمال کر کے گردش میں رکھا جائے، ورنہ تجوریوں، صندوقوں یا تکیوں میں رکھا ہوا روپیہ بے مصرف ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ ہر پس انداز سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اسے اپنے روپیہ کو کسی مفید مقصد یا تعمیری یا ترقیاتی کام میں استعمال کرنے کی مہارت ہو، اس لئے اسلامی معاشرہ میں ہی نہیں بلکہ ہر معاشرہ میں تعمیر وترقی کے اعتبار سے بینک ایک مفید ادارہ کے بطور ضروری اور لازمی محسوس کیا جاتا ہے۔مغربی انداز کے بینک جن کا جال پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اسلامی معاشرہ اور اسلامی اصول کے متضاد

ہیں اور اس کی سب سے بڑی وجہ اور واحد وجہ ہے ''ربا'' یعنی سودی کاروبار جو اسلامی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اگرچہ سود کے خلاف بہت سخت رخ اختیار کیا گیا ہے لیکن ڈاکٹر ضیاء الدین احمد (ڈائریکٹر جنرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایکنامکس اسلام آباد) کے مطابق سود کے امتناع کے بارے میں تفصیلی دلائل پیش نہیں کئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوسکتی ہے کہ سود یا ربا کے مضر اثرات اور نتائج تو ہر ملک، ہر دور اور ہر طبقہ میں یکساں رہے ہیں اور رہیں گے اور ان میں کوئی ردوبدل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر نزول قرآن پاک کے وقت کے عرب کی اقتصادی تنظیم پر سودی اثرات کی تشریح کی جاتی اور ان کے سیاق میں دلائل دیئے جاتے تو یہ صرف عرب کے خطہ سے معنون ہوکر رہ جاتے، اور دنیا کے دوسرے حصوں کے سماج پر جو تنظیمی اعتبار سے عرب سے قطعی مختلف تھے بلکہ مذہبی اعتبار سے بھی مختلف تھے ان تشریحات ودلائل کا زیادہ گہرا اثر نہ پڑتا۔ اس لئے قرآن کریم میں ربا کو پرزور الفاظ میں برا اور حرام بتانے کے بعد دنیا کے مختلف ممالک اور مختلف ادوار کے افراد کے اذہان پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ سود کی بدعتوں کا تجربہ کرکے اسے اپنے اقتصادی نظام اور معاشرہ سے ہمیشہ کے لئے خارج کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضروریات زندگی کے لئے دیئے گئے قرض پر سود کی حرمت ہر دور میں غیر تبدیل رہی ہے، یہاں تک کہ عیسائیت اور یہودیت میں بھی اس کو برا سمجھا گیا ہے۔ اس کی بنیاد ان اخلاقی اقدار پر ہے کہ اسلامی معاشرہ میں بسنے والے افراد وقت ضرورت پر روپیہ دے کر ایک دوسرے کی مدد کریں اور اس پر کوئی زائد رقم یا سود طلب نہ کریں کیونکہ یہ ایک انسان کی مجبوریوں اور مالی پریشانیوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے اور ''العدل والاحسان'' کے عظیم اسلامی فلسفہ کے منافی بھی ہے۔

دور حاضر کے بینکوں کا سودی کاروبار ملک کے اقتصادی نظام کی یکسانیت کو درہم برہم کردیتا ہے کیونکہ مقروض کو اپنے کاروبار میں نقصان ہی کیوں نہ ہو لیکن بینک کا روپیہ جو اس نے کاروبار کے لئے قرض دیا ہے ہر صورت میں محفوظ رہتا ہے، کیونکہ یہ روپیہ مقروض کو ہر حالت میں

بینک کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور اس پر مقررہ شرح کے مطابق سود بھی ادا کرنا ہوتا ہے۔ منافع کی صورت میں بھی اکثر مقروض کو بمشکل ہی فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ بیشتر حالات میں منافع کی شرح سود کی شرح سے بھی کم ہوتی ہے۔ قرض چونکہ کسی جائداد یا زیور یا کسی معتبر فرد کی گارنٹی یا ضمانت پر لیا جاتا ہے اس لئے بینک کے پیسہ کے مرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا، البتہ مقروض بعض اوقات دیوالیہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا کاروبار ٹھپ پڑ جاتا ہے اور اس کے ملازم بے روزگار ہو جاتے ہیں۔ اس کا بلا واسطہ اثر ملکی معیشت پر پڑتا ہے۔ روزگار کی صورت حال بگڑتی ہے اور قیمتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ صرف بڑے تاجر، کارخانہ دار اور سرمایہ دار ہی بینک سے قرض حاصل کر کے فائدہ اٹھا پاتے ہیں، کیونکہ وہ قرض روپیہ سے نہ صرف اپنے کاروبار کو بڑھاتے ہیں بلکہ ٹیکسوں سے بھی بچتے ہیں اور اپنے بلیک روپیہ کو وائٹ بھی کرتے ہیں۔ چھوٹے سرمایہ دار اور اصل کار اس لئے محروم رہتے ہیں کہ وہ بینکوں کو قرض رقم کی مطابقت سے نہ تو ضمانت ہی مہیا کر سکتے ہیں اور نہ رہن کے لئے کوئی جائداد ہی پیش کر سکتے ہیں۔ چھوٹے اصل کاروں اور سرمایہ کی اس مجبوری اور بڑے سرمایہ داروں اور ان تجارتی فرموں کی ترقی کے باعث ترقی، دولت کی تقسیم اور آمدنی کے توازن میں یکسانیت مفقود ہو جاتی ہے۔

اسلامی بینک کاری کا تصور:

اسلامی بینکنگ کا تصور عصری سودی کاروبار والے تجارتی بینکوں کے عمل سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ اس کی بنیاد اللہ کے فرمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مبنی اور اسلامی اقدار پر قائم ہے۔ اس عصری سودی نظام کے صرف دو متبادل ہیں: پہلا یہ کہ بینک میں جمع کردہ کسی بھی ڈپازٹ پر خواہ وہ کسی قسم کا ہو کوئی سود نہ دیا جائے، اور نہ سود پر کسی کو کوئی رقم قرض دی جائے۔ بینک صرف سیف ڈپازٹ کا فرض انجام دے اور اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے ڈپازیٹروں سے معاوضہ خدمت (سروس چارج) کے طور پر صرف اتنی رقم لے جو اخراجات کی

کفالت کر سکے۔ لیکن یہ اسکیم اقتصادی ترقی کے منافی ہوگی۔ کوئی منافع نہ ملنے کی صورت میں لوگ بینک میں روپیہ جمع کرانا بند کردیں گے اور بینک بالکل ٹھپ ہوجائے گا۔ بینک کے ڈپازیٹروں کا بڑا حصہ کم آمدنی یا اوسط آمدنی والے افراد پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ قرض لینے والے بیشتر افراد متمول اور زیادہ بہتر وسائل والے تاجر یا اصل کار ہوتے ہیں۔ غیر سودی قرض کی صورت میں یہ لوگ سارا منافع اپنی جیب میں ڈال لیں گے اور ڈپازیٹر آہیں بھرتے رہیں گے۔

دوسرا متبادل یہ ہے کہ بینک ''نفع اور نقصان'' میں شرکت کے اصولوں پر کاروبار کریں، جو منافع ہو وہ مقررہ شرح کے مطابق طرفین میں تقسیم ہوجائے۔ قرض دیے ہوئے سرمایہ پر سود کی شکل میں کوئی منافع لینا اور دینا اسلام میں ممنوع ہے لیکن اس صورت میں منافع کا لینا اور دینا قطعی قابل اعتراض نہیں اگر سرمایہ کار اور اصل کار باہم کسی کاروبار میں شرکت کریں اور اس کاروبار یا تجارت کے نفع اور نقصان میں بھی باہم شریک ہوں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ بینک اپنے ڈپازیٹروں کے روپیہ سے کسی تجارت یا کاروبار میں کسی کے ساتھ شریک ہو اور اپنے ڈپازیٹروں کو کسی معینہ منافع کی پیشگی گارنٹی کے بجائے اپنے متوقع منافع میں شریک کرے۔ یہ پوزیشن زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس سے روپیہ جمع کرنے والے یعنی ڈپازیٹر کو بھی اس کے جمع سرمایہ پر منافع کی صورت میں کچھ نہ کچھ وصول ہوگا اور بینک کی آمدنی کے ساتھ ساتھ اصل کاروں کو بھی قرض کے حصول میں سہولیت اور سود کے مصائب سے نجات مل جائے گی۔ اس صورت حال میں دو پارٹیاں ایک تجارت یا کاروبار میں شریک ہوں گی۔ ایک پارٹی ڈپازیٹر بذریعہ بینک اور دوسری پارٹی اصل کار۔ پہلی پارٹی نقد سرمایہ فراہم کرے گی اور دوسری اپنی محنت اور مہارت۔ اور اس تعاون سے جو منافع ہوگا وہ معاہدہ کے تحت پیشگی طے شدہ شرح کے مطابق دونوں پارٹیاں باہم تقسیم کرلیں گی۔ اور بینک اپنا حصہ کاٹ کر باقی رقم ڈپازیٹروں کو تقسیم کردے گا۔ لیکن چونکہ ہر کاروبار میں نقصان کے خدشات بھی ہوتے ہیں، اس لئے نقصان کی صورت میں سرمایہ فراہم کرنے والا اپنے سرمایہ کا پورا نقصان خود برداشت کرے گا اور اصل کار سے کوئی ہرجانہ طلب نہیں کرے گا۔

اور اصل کار کو اپنے کاروبار میں بصورت نقصان اپنی محنت اور وقت کے ضائع ہونے اور اس کا کوئی بدل نہ ملنے کا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ یعنی اصل کار صرف منافع میں ہی شریک ہوگا، سرمایہ کا نقصان صرف سرمایہ کار کو ہی برداشت کرنا ہوگا۔ کاروبار میں مساوات اور سرمایہ کار اور اصل کار کے درمیان تعلق اور تعاون کا یہ بہترین طریقہ ہے جو از روئے شریعت درست اور جائز ہے۔ کیونکہ خدشات اور منافع میں باہمی تعاون ہی اصل کاری اور سرمایہ کاری کے درمیان تعاون کی بنیاد ہے۔

مشترکہ کاروبار کی کچھ اور اقسام:

نفع اور نقصان میں شرکت کا یہ اطلاق بعض امور میں دشوار بھی ثابت ہوا ہے۔ مثال کے طور پر چھوٹے پیمانہ کے کاشتکار چونکہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اس لئے اپنے اخراجات کا حساب نہیں رکھتے اور نفع نقصان کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ بینک کبھی کبھی کسی پارٹی کے معتبر ہونے کے بارے میں بھی مشکوک ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ شرکت کے تعلقات منقطع کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں سرمایہ کاری کے کچھ اور بھی طریقے ہیں جو بعض فقہی ماہرین کے نزدیک اسلام میں ممنوع نہیں ہیں اور بعض کے نزدیک درست نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱- **بیع موجل**: یعنی اضافی قیمت پر تجارت میں سرمایہ کاری۔ اس میں موکل کی ضرورت کے مطابق سرمایہ کار (بینک) کسی چیز کو خرید کر موکل کو اس مال کی اصل قیمت پر طے شدہ منافع یا اضافی قیمت (مارک اپ) پر حوالے کر دیتا ہے۔ اور موکل ایک معینہ مدت کے اندر مقررہ اقساط میں اس پوری رقم کی ادائیگی بینک کو کر دیتا ہے۔

۲- **اجارہ**: یعنی ٹھیکہ یا کرایہ۔ اس کے مطابق سرمایہ کار (بینک) کوئی عمارت، سامان یا آلات اپنے پاس سے خرید کر ایک مقررہ معاوضہ پر موکل کو کرایہ پر دے دیتا ہے جس کو وہ اپنے استعمال میں لاتا ہے، اور معاوضہ قسط وار یا یک مشت سرمایہ کار کو دے دیا جاتا ہے۔

۳- **اجارہ واقتناء**: موجودہ دور میں اس کو ہائر پرچیز یا قسط خریدی کہتے ہیں۔ سرمایہ کار

(بینک) کسی کی ضرورت کے مطابق آلات یا اشیاء خرید کر پیشگی طے شدہ معاہدہ کے مطابق اس فرد کو استعمال کے لئے ٹھیکہ پر دے دیتا ہے۔ اور اس فرد سے ان اشیاء یا آلات کی قیمت کے علاوہ ان کا ماہانہ کرایہ بھی وصول کرتا ہے۔ یہ قیمت ماہانہ یا سالانہ اقساط میں ادا کی جاتی ہے، اور جیسے جیسے اقساط کی ادائیگی کے ساتھ قیمت کی رقم میں تخفیف ہوتی جاتی ہے اس کے کرایہ میں بھی اسی مناسبت سے کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

۴- **بیع سلم:** سرمایہ کار کسان سے اس کے کھیت میں کھڑی فصل پیشگی خرید لینے کا معاہدہ کرتا ہے، اور بوقت معاہدہ طے شدہ قیمت کسان کو ادا کر دیتا ہے۔ قیمت کا تعین فصل کے اندازہ سے ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا طریقے اگر چہ شرکت کی بہ نسبت بعض حالات میں بہتر اور آسان محسوس ہوتے ہیں، لیکن ان کا عام یا کثیر المقاصد استعمال مناسب نہیں، کیونکہ یہ اسلامی معیشت کے معاشرتی اقتصادی ترقی کے حصول کے لئے زیادہ مدد ومعاون ثابت نہیں ہوتے۔ بعض حالات میں بیع مؤجل (خام منافع یا اضافہ) اور سود میں اکثر اصحاب کو بہت کم فرق محسوس ہوتا ہے۔ اسلام نے سود کو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ یہ فی الحقیقت ایک غیر عادلانہ ظالم نظام ہے۔ کیونکہ اس نظام کے تحت تمام خدشات سرمایہ قرض لینے والے کو ہی برداشت کرنے ہوتے ہیں، جبکہ سرمایہ دار (یا بینک) اپنے سرمایہ اور اس پر ایک مقررہ رقم کی یقینی وصولی پر مطمئن بیٹھا رہتا ہے۔ انصاف نظام اسلامی کا طرۂ امتیاز ہے، اور انصاف کا تقاضا ہے کہ اگر سرمایہ کار اپنے سرمایہ سے کوئی منافع حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو اسے نقصان کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔ جہاں وہ منافع حاصل کرنے کا متمنی اور شریک ہو وہاں اسے کاروباری نقصان کی صورت میں اپنے سرمایہ کا نقصان تنہا برداشت کرنا چاہئے۔ اس لئے اضافی قیمت (بیع مؤجل) اور ایسے تمام طریقے جن کے تحت سرمایہ پر ایک معینہ یا پیشگی طے شدہ منافع حاصل ہو سود کا درست اور جائز متبادل نہیں سمجھے جاسکتے۔

اسلامی بینکنگ اور غیر سودی بینکنگ کا فرق:

مساوات کے تصور سے قطع نظر اسلام میں سود کو حرام قرار دیے جانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے معاشرہ کی بدحالی دور ہو، غربت اور افلاس کا خاتمہ ہو، قومی اور ملکی وقار میں اضافہ ہو۔ دولتمند اپنی دولت کو استعمال میں لاکر دولت کی مرکزیت کو ختم کریں اور عوام میں محنت کرنے، کاروبار کرنے اور عزت کے ساتھ زندگی گزارنے کا جذبہ پیدا ہو، ان کا معیار زندگی بلند ہو، جس کے بعد ان میں تعلیمی رجحانات پیدا ہوں اور ان کے بچے بجائے محنت اور مشقت کی زندگی گزارنے اور اپنے بچپن کو برباد کرنے کے مدارس میں جاکر علم کی روشنی حاصل کریں جس سے ایجاد واختراع کی ہمت افزائی ہو جو تمام ترقیاتی سرگرمیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے یہ کہنا اہمیت سے خالی نہیں کہ اسلامی بینکنگ محض سود سے پرہیز کا دوسرا نام نہیں ہے۔ سود کے نام کو ختم کرکے اسے اجارہ واقتناء اور ٹھیکہ وغیرہ میں بدل دینا مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس عمل سے اس کا نام اسلامی بینکنگ کے بجائے غیر سودی بینکنگ رکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ نظام اسلام کے ارفع واعلی مقاصد کی بلندیوں کو نہیں چھوسکتا۔ اصل چیز ہے اسلامی بینکنگ کے ذریعہ معیشت میں وہ روح پھونکنا جو اعلی اسلامی اقدار کے قیام کے لئے معاشرہ میں اقتصادی اور ذہنی انقلاب برپا کرسکے۔ اور یہ انقلاب ہے عام غربت وافلاس اور بے روزگاری دور کرنا، دولت کا منصفانہ تقسیم ہونا، اور آمدنی کی مساویانہ تقسیم کے امکانات کو روشن کرنا، اور محنت ومشقت کے وقار وسربلندی کے جذبہ کو بیدار کرنا۔

اسلامی بینکنگ کے قیام کا تصور اور عمل بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ عصری سودی بینکوں کی چیرہ دستیوں، عوام کے مصائب ودشواریوں اور معاشرہ کی پریشانیوں اور زبوں حالیوں، کاروباری عدم مساوات، بے روزگاری اور قومی پسماندگی کے پیش نظر اسلامی معیشت کے ماہرین نے غور وفکر کے بعد اسلامی قوانین کے مطابق بینک کاری کے امکانات پر غور کرنا شروع کیا۔ اور سب سے پہلا اسلامی بینک 1963 میں قاہرہ (مصر) میں قائم کیا گیا۔ ملک کے عصری حالات

کے باعث پیش آنے والے نتائج کے مدنظر اسے بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور عوام بھی ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لئے اس کو فوری کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ پھر 1967 میں خرطوم (سوڈان) کی ام درمان اسلامی یونیورسٹی میں پہلا اسلامی معیشت کا شعبہ قائم ہوا، جہاں اسلامی بینک کاری کے اصولوں کی باقاعدہ تعلیم طلباء نے حاصل کی، اور اسلامی بینکنگ کے ماہرین کی صورت میں یہ کام سنبھالنے کے لئے تیار ہوئے، اس کے بعد پہلا باقاعدہ اسلامی بینک دبئی (یو۔ اے۔ ای) میں سرکاری سرپرستی میں قائم ہوا۔ اسی سال سعودی عرب کے شاہ فیصل کی کوششوں سے جدہ اور قاہرہ میں بھی اسلامی بینک قائم ہوئے۔ شاہ فیصل کو ایک بین الاقوامی یا عالمی اسلامی بینک کے قیام میں زیادہ دلچسپی تھی، اور بالآخر ''اسلامی ترقیاتی بینک'' قائم ہوا، جس کا ہیڈکوارٹر جدہ میں تھا۔ اس کے بعد خرطوم، پاکستان، ترکی، ملیشیا، لیبیا وغیرہ میں بھی اسلامی بینک کھولے گئے جن کی شاخیں یورپ اور امریکہ میں بہت سے مقامات پر قائم ہوئیں اور جنہوں نے سودی کمرشیل بینکوں کے مقابلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کمرشیل بینکوں اور اسلامی بینک کے درمیان موازنہ سے جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

کمرشیل سودی بینک	اسلامی بینک
۱-پورا کاروبار سود پر منحصر ہے۔	۱-سود کا لینا اور دینا ممنوع ہے۔
۲-سود مقررہ شرح کے مطابق لیا اور دیا جاتا ہے، اور پھر یہ سود در سود بن جاتا ہے۔	۲-ڈپازیٹروں کا روپیہ بینک کاروبار میں لگاتا ہے، اور اس کا منافع طے شدہ شرح اور تناسب سے تقسیم کر دیا جاتا ہے جس کی کوئی پیشگی شرح مقرر نہیں ہے۔

۳-قرض دیا ہوا روپیہ محفوظ رہتا ہے اور سود کے باعث بڑھتا ہی جاتا ہے۔مقروض کو بصورت نقصان بھی یہ روپیہ مع سود کے واپس کرنا پڑتا ہے۔	۳- بصورت نقصان مقروض سے کوئی مطالبہ زر نہیں ہوتا، بینک اپنے سرمایہ پر نقصان کا جوکھم خود برداشت کرتا ہے۔
۴-قرض دینے کے بعد بینک مقروض کے کاروبار یا روپیہ کے درست استعمال سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔	۴-نفع نقصان دونوں میں شرکت کے باعث بینک کاروبار کی وقتاً فوقتاً جانچ پڑتال کرتا رہتا ہے۔
۵-اصل کار کے کام میں بینک کوئی مدد نہیں کرتا۔	۵-سہولیات بہم پہنچانے کے علاوہ کاروباری رائے بھی دیتا ہے۔
۶-کوئی سماجی بہبود مدنظر نہیں۔	۶-سماجی بہبود بنیادی نظریہ ہے۔
۷-بینک صرف اپنی ترقی اور اپنے سرمایہ کے تحفظ پر ہی نظر رکھتا ہے۔	۷-معاشرہ کی اقتصادی ترقی و بہبود، روزگار کی فراہمی، غربت وافلاس کا خاتمہ اور مالی مساوات کا قیام ہی بینک کا اصل مقصد ہے۔

اسلامی بینکنگ کے کاروباری اصول:

اسلامی فقہ کے مطابق مندرجہ ذیل چار اصول کاروبار تجارت میں سرمایہ کاری کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور دنیا کے تمام اسلامی بینک ان کے مطابق عمل کررہے ہیں:

۱-مضاربہ/مقارضہ۔
۲-مرابحہ۔
۳-مشارکہ یا شرکت۔
۴-ودیعہ۔

ان چاروں میں سے ہر ایک کی تعریف اور طریقہ کار ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱- مضاربہ/مقارضہ:

مضاربہ اور مقارضہ دونوں ہم معنی ہیں لیکن مختلف مقامات پر ان کا استعمال مختلف ہے۔ عراقی مضاربہ کہتے ہیں اور حجازی مقارضہ استعمال کرتے ہیں۔علماء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ پیشگی طے شدہ شرائط کے تحت ایک فرد کا دوسرے فرد کو اپنا سرمایہ سپرد کرنا تاکہ وہ اسے اپنے کاروبار/تجارت میں استعمال کرے، اور تحریری یا زبانی معاہدہ/شرائط کے تحت طے شدہ تناسب/شرح کے مطابق دونوں اس کا منافع باہم تقسیم کرلیں۔بصورت نقصان سرمایہ کار اپنے سرمایہ کا نقصان جو بھی یا جتنا بھی ہوا ہو خود برداشت کرے اور کاروبار کرنے والے سے اس کا مطالبہ نہ کرے، یہ سرمایہ کاری کسی دوسرے فرد کے جاری کاروبار میں بھی ہوسکتی ہے، اور نئے کاروبار کے شروع کرنے میں بھی ہوسکتی ہے اور منافع کی شرح بھی متفرق ہوسکتی ہے، مثال کے طور پر سرمایہ کار منافع کا 30 فیصد حصہ لے اور اصل کار اپنی محنت اور کاوش کے باعث 70 فی صد حصہ لے، اس اصول کو اسلام میں سب سے بہتر تصور کیا گیا ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس پر عمل فرمایا ہے۔سرمایہ اور محنت کے اس تعاون کی وجہ یہ ہے کہ بعض افراد کے پاس سرمایہ ہوتا ہے لیکن یا تو ان میں کاروباری صلاحیت نہیں ہوتی یا ان کے حالات اجازت نہیں دیتے یا ان کے پاس دوڑ دھوپ کرنے کے لئے وقت کی کمی، جسمانی حالت کی گراوٹ، خرابی صحت، یا اور بھی کسی وجہ سے وہ کاروبار نہیں کرسکتے۔جب کہ کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جن میں ایمانداری، دیانت داری، صلاحیت، محنت اور دوڑ دھوپ کی قوت وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے لیکن کاروبار کے لئے سرمایہ نہیں ہوتا۔ایسی صورت حال میں سرمایہ کار اور اصل کار اپنے باہم تعاون سے جو کاروبار کرتے ہیں وہ مضاربہ اصول کے مطابق ہوتا ہے۔یہ اصل کاری قرض کے سرمایہ سے بھی ہوسکتی ہے۔اسلام کے تقریباً تمام مکاتب خیال اس امر میں متفق ہیں۔

مضاربہ/مقارضہ میں مندرجہ ذیل چھ شرائط کا پایا جانا لازمی ہے:

(۱) سرمایہ (۲) سرمایہ کا مالک (۳) قرض لینے والا یا اصل کار

(۴) تجارت یا کاروبار (۵) منافع (۶) معاہدہ، جو یا تو تحریری ہو یا زبانی۔

۱-سرمایہ:

سرمایہ نقد رقم کی صورت میں ہو، زیورات، جائداد، مال وغیرہ کی صورت میں نہ ہو، سرمایہ کی مقدار مقرر ہونی چاہئے اور اسے اصل کار کے حوالے کیا جانا چاہئے۔ کیونکہ اگر رقم سرمایہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں یا خود مالک کے ہاتھ میں ہو تو مضاربہ جائز نہیں۔

۲-مالک سرمایہ:

سرمایہ کا مالک بالغ اور صحیح الدماغ ہونا چاہئے، نابالغ، پاگل، غلام، اور دیوالیہ کے سرمایہ کا استعمال جائز نہیں۔ اس کو اپنے سرمایہ پر پورا اختیار ہونا چاہئے، وہ مقررہ قرض رقم سرمایہ کار کے حوالے کردے اور اسے کاروبار کی اجازت دے۔ رقم جو دی جائے وہ گن کر دی جائے تا کہ اس کی مقدار پر بعد میں کوئی قضیہ کھڑا نہ ہو۔

۳-قرض لینے والا/اصل کار:

اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ اور صحیح الدماغ ہو، نابینا نہ ہو۔ سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور اس میں اپنے کاروبار کو بذات خود دیکھ بھال کرنے اور چلانے کی صلاحیت ہو۔ اس کے کاروبار میں سرمایہ کار کا کوئی عمل دخل نہ ہو اور پوری طرح اپنے کاروبار کا مالک اور منتظم ہو۔

۴-کاروبار:

کاروبار جائز ہو۔ کاروبار کے لئے سامان کی خرید فروخت برائے منافع میں دو شرائط پوری کرے۔ اول یہ کہ جو سامان خریدا جائے وہ خالص تجارت/کاروبار کی نیت سے خریدا جائے۔ دوسرے یہ کہ عرصہ تجارت و منافع کے لئے یا سامان تجارت/کاروبار رکھنے کے لئے سرمایہ کار کی

طرف سے اس پر وقت اور مقام کی کوئی قید نہ ہو۔نیت کے سلسلے میں یہ مثال ہے کہ کسی نے قرض روپیہ سے کپڑا اور اناج ذاتی استعمال کی نیت سے خریدا لیکن موقع اور حالات کے پیش نظر اس نے یہ سامان منافع پر فروخت کر دیا، یہ جائز نہیں۔ کیونکہ بنیادی مقصد جس کے تحت قرض لیا گیا اور یہ سامان خرید ا گیا تجارت نہیں بلکہ ذاتی استعمال تھا۔

۵-منافع:

منافع کے لئے چار شرائط ضروری ہیں: (الف) منافع صرف اصل کار اور سرمایہ کار کے درمیان تقسیم ہو اور اس میں کسی تیسرے کی شرکت نہ ہو۔(ب) اصل کار کے ساتھ سرمایہ کار کی شرکت منافع میں لازم ہے، (ج) طرفین کو بخوبی علم ہونا چاہئے کہ منافع کی رقم کتنی ہے۔ (د) منافع کی تقسیم کی شرح فی صد کا طرفین کو بخوبی علم ہو اور یہ پہلے سے طے شدہ ہو۔منافع کی اندازاً تقسیم جائز نہیں۔

۶-معاہدہ:

سرمایہ کار اور اصل کار کے درمیان تجارت یا کاروبار میں سرمایہ کاری کے لئے جو شرائط طے ہوئی ہیں وہ معاہدہ کہلاتا ہے۔اس کو"عقد" بھی کہتے ہیں۔معاہدہ کی زبان واضح اور صاف ہو،مثال کے طور پر سرمایہ کار اصل کار سے کہے گا: "میں تم کو مبلغ اتنا روپیہ قرض دیتا ہوں، اس کو تم اپنے کاروبار میں استعمال کرو اور اس سے جو منافع ہوگا وہ ہم دونوں باہم اس شرح سے تقسیم کرلیں گے، بصورت نقصان میں تم سے کچھ طلب نہیں کروں گا، اور نقصان شدہ تخفیفی رقم ہی واپس لے لوں گا"۔ اصل کار اس کا جواب دے گا: "میں تمہاری شرائط قبول کرتا ہوں"۔ یہ ایجاب وقبول بھی کہلاتا ہے۔تحریری معاہدہ کی صورت میں یا زبانی معاہدہ کی صورت میں دو گواہ بھی (اگر ضرورت سمجھی جائے) موجود ہوسکتے ہیں۔ماہرین قانون کے مطابق یہ معاہدہ بہت اہمیت کا حامل

ہے۔اس کی زبان صاف اور سلجھی ہوئی ہونی ضروری ہے تا کہ طرفین اسے بآسانی سمجھ سکیں۔

ایک خاص شرط یہ بھی ہے کہ اصل کار جو مضاربہ/مقارضہ اصول کے مطابق رقم قبول کرے، دیانت دار، قابل بھروسہ اور مخلص ہو۔ وہ مالک سرمایہ کی اجازت کے بغیر نہ کسی کو مال ادھار دے سکتا ہے اور نہ متعلقہ سامان کو ملک سے باہر لے جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اصل کار اپنے متعلقین اور اہل خانہ کی کفالت اور اپنے گھریلو اخراجات کا خود ذمہ دار ہوگا اور بزنس/کاروبار کے حساب میں اپنے ذاتی اور گھریلو اخراجات کو شامل نہیں کرے گا۔

۲-مرابحہ:

ایسی طے شدہ قیمت پر مال کی فروخت جس میں قیمت خرید کے ساتھ منافع کا وہ حصہ بھی شامل ہو جس پر طرفین نے رضامندی دی ہو مرابحہ کہلاتا ہے۔ چاروں مکاتب فکر کے اماموں نے اسے شریعت کے مطابق بتایا ہے۔مرابحہ میں اصل قیمت خرید پر اضافی قیمت اس شے کی قیمت فروخت اور منافع کے پیشگی تعین کے سلسلے میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔اس اصول کی اجازت کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے افراد ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنے کاروبار کے لئے کچھ اشیاء (جیسے مشینری) خریدنی ہوتی ہیں لیکن انہیں ان اشیاء کے بارے میں نہ تو زیادہ معلومات ہوتی ہیں اور نہ ان کے پاس انہیں خریدنے کی سہولیات۔ اس لئے ان اشیاء کی خریداری کے لئے انہیں کسی ماہر یا کسی ایجنٹ کی خدمت حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ خریداری کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ وہ ایجنٹ یہ مال خود خریدتا ہے یا درآمد کرتا ہے اور خریداری یا درآمد کے سلسلے میں نیز اپنی بھاگ دوڑ اور محنت کے سلسلے میں جو اخراجات کرتا ہے وہ بمعہ صلہ محنت اور معاوضہ مہارت و آسانی بہم پہنچانے کے منافع کی صورت میں قیمت خرید پر اضافہ کر کے گاہک یا آرڈر بک کرانے والے کو فروخت کر دیتا ہے۔ مال کی قیمت اور مرابحہ فروخت پر منافع کے تخمینہ کا مندرجہ ذیل طریقہ ہے:

الف- بالواسطہ مذاکرات:

ایسی بات چیت کے ذریعہ دونوں پارٹیوں کے درمیان قیمت فروخت جس میں اشیاء کی اصل قیمت اورفروخت کنندہ کو اس فروخت سے حاصل ہونے والا منافع دونوں شامل ہوتے ہیں، طے پاتی ہے۔ یہ قیمت طرفین کے درمیان باہمی رضامندی اور معاہدہ کے تحت طے پاتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایجنٹ کا دوہرا رول ہوتا ہے، وہ مال بھی خریدتا ہے اور اس کو فروخت بھی کرتا ہے۔ جو پارٹی آرڈر دیتی ہے وہ مال خریدنے والی اصل پارٹی ہوتی ہے۔ ایجنٹ یا بچولیا خریدار اورفروخت کنندہ دونوں کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس میں اہمیت اس بات کی ہے کہ اصل قیمت خرید ہی منافع کے مارجن اور قیمت فروخت کی بنیاد ہوتی ہے۔ اشیاء کی ہر اصل قیمت پر زائد قیمت کے حصول کو بالواسطہ قیمت اور بلاواسطہ قیمت میں درجہ بند کیا جاتا ہے۔ بالواسطہ کل قیمت جو اشیاء پر عائد کی جاتی ہے اشیاء کی اصل قیمت خرید کے ہی ایک جز کے طور پر ہوتی ہے۔ اور اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ یہ قیمت اس کام یا محنت کے لئے نہیں ہے جو ایجنٹ نے مال کی خریداری کے سلسلے میں انجام دیا ہے۔ اسے قیمت فروخت اور منافع کی گنجائش یا مارجن کے تخمینہ کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس بلاواسطہ قیمت اس قیمت کا جز نہیں ہوتی جو منافع قائم کرتی ہے یا جس سے منافع کا تخمینہ کیا جاتا ہے، خواہ یہ اشیاء کی قیمت کا ایک جز ہی کیوں نہ تصور کیا جائے۔

ب-پیشگی طے شدہ مارجن منافع کے ساتھ فروخت:

منافع کا مارجن پیشگی بھی طے کیا جاتا ہے۔ اگر فروخت کے معاہدہ (عقد) میں ایجنٹ فروخت کنندہ کے منافع کی گنجائش اور دیگر اخراجات رقیمتوں کا تذکرہ کردیا جائے تو اس قسم کی فروخت اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل تو اس سے پوری طرح متفق ہیں، البتہ امام شافعی کی رائے ہے کہ اگر اصل خریدار کو اشیاء کی قیمت کی پوری تفصیل کا علم ہے لیکن اشیاء کی

اصل لاگت رقیمت کے جزو کے طور پر گردانا جائے گا۔ اور اگر اس کے برعکس خریدار کو ان قیمتوں کا علم نہیں ہے تو ان میں سے کوئی بھی قیمت اشیاء کی قیمت کا جز و تصور نہیں کی جاسکتی ۔ امام ابوحنیفہ اس کے برعکس فرماتے ہیں کہ اصل قیمت اور اس پر منافع کی مناسب گنجائش کے ساتھ اشیاء کی فروخت جائز ہے بشرطیکہ (۱) وہ اشیاء برائے فروخت ہوں، اور (۲) ان اشیاء کی قیمت ملکی سکہ کی شرح زرمبادلہ کے تحت مقرر کی جائے جیسے روپیہ، پونڈ یا دینار میں ۔ نیز یہ کہ فروخت کنندہ یعنی ایجنٹ کو استحقاق ہے کہ وہ ان تمام قیمتوں کو قیمت فروخت میں شامل کرے جنہیں تاجر اشیاء کی اصل لاگت یا قیمت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ لیکن اس میں ایک اور الجھن بظاہر یہ بھی شامل ہے، اور وہ ہے اکثر افراد کی دھوکہ بازی اور فریب کاری کا مسئلہ، جو بعض تاجر عموماً اشیاء کی قیمت اور ان کے معیار کے سلسلے میں کرتے ہیں ۔ ایسی صورت حال سامنے آنے پر اسلامی ماہرین قانون کی رائے کے مطابق اصل خریدار کو جس نے مال کا آرڈر دیا ہے، مال کو رد کر دینے اور اس کو خریدنے سے انکار کر دینے کا پورا پورا اختیار ہے ۔ بعض ماہرین قانون کے نزدیک دھوکہ اور فریب سامنے آنے کے باوجود اگر تاجر مال کو خریدنے پر راضی ہے تو وہ اس کو تخفیفی قیمت پر خرید سکتا ہے، ایسی صورت میں اشیاء کی قیمت کی صورت کچھ مندرجہ ذیل ہوگی:

	قیمت فروخت	قیمت اصل	تخفیف
اصل قیمت:	10/= روپے	8/= روپے	2/= روپے
منافع:	8/= روپے	4/= روپے	1/= روپے
	18/= روپے	12/= روپے	3/= روپے

مذکورہ بالا مثال سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قیمت یا کوالٹی میں فریب یا دھوکہ دہی کی صورت میں خریدار 3/= روپیہ تک کی تخفیف کرسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں جوکھم اٹھانے کی ذمہ داری بدستور بینک رایجنٹ کی ہوتی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حالانکہ مال کی خریداری ردرآمد آرڈر دینے والے کے بتائے ہوئے نمونے کے

مطابق ہوتی ہے اور قیمت خرید میں بھی رسیدات کے مطابق کوئی ہیرا پھیری کی گنجائش نہیں ہوتی، پھر بھی بندرگاہ پر مال پہنچ جانے کے باوجود بعض اوقات خریدار کسی نہ کسی بہانہ سے مال کو مسترد کر کے خریدنے سے انکار کردیتا ہے یا تخفیفی قیمت پر لینا چاہتا ہے۔ اس کو شرعاً اس بات کا حق ہے کہ وہ آرڈر دئے ہوئے مال کو خریدے یا نہ خریدے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسے آرڈر قبول کرتے وقت خریدار کی شخصیت اور کردار اور صداقت اور بھروسہ مندی کا بغور مطالعہ کیا جائے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس سامان کی بکری کے لئے مارکٹ کا اندازہ بھی کیا جانا ضروری ہے جس کا آرڈر بینک کو دیا گیا ہو۔

۳-مشارکہ (شرکت):

کسی مخصوص کاروبار یا تجارتی سرگرمی سے منافع حاصل کرنے کے لئے دو یا اس سے زیادہ ایسے افراد کی شرکت جو کسی جائداد کے تنہا یا مشترکہ مالک ہوں (جیسے کوئی کمپنی یا فرم وغیرہ)۔ اس تعریف سے ظاہر ہے کہ فائدہ کے حصول کے لئے کسی کاروبار میں سرمایہ کاہر اتصال ''مشارکہ'' کہلائے گا۔ اور اس سرمایہ میں جائداد بھی شامل ہے۔ یعنی ایسی جائداد جو کئی افراد کی مشترکہ ملکیت ہو یا مختلف جائدادوں کا باہمی اشتراک ہو۔ مشارکہ میں جائداد اور محنت کا اتصال بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ مشارکہ میں ہر وہ مشترکہ ملکیت شامل ہے جو کسی بھی صورت میں بہ سلسلہ کاروبار استعمال کی جائے۔ مشارکہ کا تصور اس وقت قائم ہوا جب افراد نے مدد اور خصوصاً مالی امداد کے لئے اپنے ساتھی افراد کی ضرورت محسوس کی۔ اس عمل سے مالی رشتہ اور جائدادوں سے متعلق مختلف صورتوں میں انتظام کا خیال سامنے آیا۔ ایسے رشتوں میں دو یا دو سے زیادہ افراد جو جائدادوں یا املاک کے مالک ہوں (جیسے مکانات، دوکانیں، باغات، اراضی کاشت، مویشی وغیرہ) یکجا ہوتے تھے یا کسی کام کی انجام دہی کے لئے باہم تعاون کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں ان دونوں یا کسی ایک کی یا تمام شرکاء کی املاک و جائداد کو استعمال میں لاتے تھے۔ اس صورت

میں کوئی اپنی جائداد پیش کرتا تھا تو کوئی اپنی محنت، یا محنت اور جائداد دونوں ہی کو مشترکہ مفاد کے لئے کام میں لایا جاتا تھا۔ اور اس طرح معاشرہ میں مشارکہ کا آغاز ہوا۔ اور آج بھی یہ زیر عمل ہے اور تجارت اور کاروبار کے ساتھ کافی ترقی کر رہا ہے اور مقبول ہے۔ مشارکہ کا نام چھٹی صدی قبل مسیح میں فراعنہ مصر کے دور میں بھی آتا تھا، کیونکہ قدیم کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں غلاموں کی تجارت اور درآمدات و برآمدات کے سلسلے میں مشارکہ پر عمل کیا جاتا تھا، چونکہ دور جاہلیت میں مشارکہ کی بے شمار اقسام زیر عمل تھیں، اس لئے اسلام میں مشارکہ کی سرگرمیوں کے لئے ایک راہنمائیہ جاری کیا گیا تاکہ شرکت میں شامل ہونے والے فریب، دھوکہ، دغابازی، جبر واستبداد اور ظلم وغیرہ کے عوامل سے محفوظ رہ سکیں۔ آغاز میں مشارکہ کی تین اقسام متعین کی گئیں:

(۱) مشارکہ مباحہ (شراکت جو قابل اجازت ہے)۔

(۲) مشارکہ ملک (ملکیت میں شراکت)۔

(۳) مشارکہ عقد (شراکت جو کسی معاہدہ کے تحت ہو)۔ شراکت کی یہ واحد مخصوص قسم ہے جو معاہدہ کے کردار پر زور دیتی ہے اور تجارتی شراکت کی یہی سب سے اہم اور درست قسم ہے، اور تمام دنیا میں اس پر عمل ہوتا ہے۔

شرکت اور اس کے اقسام مثلاً شرکت عنان، شرکت مفاوضہ، شرکت ابدان، شرکت وجوہ ان تمام کی تفصیلات کتب فقہ واصول میں موجود ہیں، لہذا یہاں ان کو ذکر کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔

۴-ودیعہ:

یہ اصطلاح ڈپازٹ کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ایسی اشیاء کے حوالہ سے استعمال ہوتی ہے کہ جو کوئی فرد کسی دوسرے فرد کے پاس (جو ان اشیاء کا مالک نہ ہو) محفوظ رکھنے کے خیال سے رکھ دیتا ہے، اس صورت میں اگر میں یہ کہوں کہ میں اپنی یہ چیز فلاں فرد کے پاس جمع

کرر ہا ہوں تو اس کے معنی ہیں کہ میں یہ چیز ودیعہ کے طور پر دے رہا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہاری یہ چیز اپنے پاس محفوظ رکھوں گا تو اس کا مطلب ہے کہ میں یہ چیز بطور ودیعہ قبول کرر ہا ہوں۔ اس لئے عملی طور پر ودیعہ کے معنی ہیں ''محفوظ رکھنے کا عمل'' یا ڈپازٹ، قانونی نقطۂ نظر سے ودیعہ قابل اجازت ہے۔

کیونکہ فرد کو حق ہے کہ وہ اپنی اشیاء اپنے پاس خود محفوظ رکھیں یا حفاظت کے پیش نظر کسی دوسرے کو سونپ دیں، لیکن ایسا کرنا کبھی کبھی ضروری بھی ہوجاتا ہے کہ دوسرے کو اپنی چیز ازراہ تحفظ دی جائے۔ مثلاً کوئی فرد پریشان ہے کہ اس کی یہ جائداد (اس میں سکنی یا صحرائی جائداد ہی نہیں بلکہ دیگر اقسام کی جائدادیں جیسے زیورات، جواہرات، سونا چاندی، نقد روپیہ، تاریخی دستاویزات، معاہدات، قدیم فن کاری کے نمونے، مصوری کے شاہکار، کتابوں کے مسودات، اشیائے تجارت غرضیکہ بے شمار اشیاء شامل ہیں) اگر اس کے پاس رہی تو خورد برد یا ضائع ہوجائے گی۔ اس صورت میں وہ اس جائداد کو کسی ایسے فرد کی حفاظتی تحویل میں دے دے گا جو اس کے نزدیک قابل بھروسہ بھی ہو اور جس پر اسے یقین ہو کہ وہ محافظ کے فرائض ٹھیک طرح انجام دے گا، اور وہ ان اشیاء کو جس مقام پر رکھے گا وہ ہر طرح سے محفوظ ہوگا۔ اس فرد کو بھی چاہئے کہ اگر وہ خود کو اہل سمجھتا ہے تو اس پیش کش کو قبول کرلے۔ اس صورت میں طرفین کے درمیان ایک عقد ایک مخصوص مدت کے لئے جو مختصر بھی ہوسکتی ہے اور طویل بھی کیا جانا بہتر ہوگا، جس کے اختتام پر وہ فرد اپنی جائداد یا ڈپازٹ واپس لے سکتا ہے۔ ودیعہ ایک طرح سے امانت ہے، کیونکہ وہ فرد جس کے پاس وہ جائداد ڈپازٹ کی گئی ہے اس ڈپازٹ کو پہنچنے والے کسی بھی نقصان یا اختلاف کا ذمہ دار نہیں ہوگا بشرطیکہ یہ نقصان اس کی اپنی کسی کوتاہی یا لاپرواہی سے نہ ہوا ہو۔

ہندوستان کے سودی بینکنگ نظام پر ایک نظر:

دنیا کے دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی سودی بینکنگ کے گرد پورا مالی نظام

گردش کر رہا ہے، اس نظام کے تحت سب سے اوپر ریزرو بینک آف انڈیا ہے جو تمام مالی مارکٹ اور بینکنگ سیکٹر کی مرکزی نگران اتھارٹی ہے۔ اس کے تحت تجارتی یا کمرشیل بینک اور امداد باہمی یا کوآپریٹیو بینک قائم ہیں۔ کمرشیل بینک دو حصوں میں تقسیم ہیں: قومی ملکیت والے یا نیشنلائزڈ بینک اور پرائیویٹ سیکٹر بینک۔ اول الذکر بینک حکومت کی راست نگرانی اور کنٹرول میں ہیں۔ اس گروپ میں ریزرو بینک آف انڈیا کے ساتھ اسٹیٹ بینک آف انڈیا اور دیگر بیس بڑے کمرشیل بینک شامل ہیں، اور بینکنگ بزنس کے نوے فی صد حصہ پر ان کا تسلط ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر بینک دو حصوں میں تقسیم ہیں: (۱) شیڈیولڈ بینک، (۲) غیر شیڈیولڈ بینک۔ شیڈیولڈ یا فہرستی بینک وہ ہیں جو ریزرو بینک آف انڈیا کے مقررہ قوانین وضوابط کی تسلی کرنے کے باعث کئی قسم کی خصوصی مراعات سے سرفراز ہیں، اور غیر شیڈیولڈ بینک اس رعایت سے محروم ہیں اور جوائنٹ اسٹاک (مشترکہ سرمایہ) کمپنیوں کے طور پر رجسٹرڈ ہیں۔

کوآپریٹیو بینک امداد باہمی کے اصولوں کے تحت اپنے ممبروں کے تحفظ اور مالی مفادات میں اضافہ کا کام انجام دیتے ہیں۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہیں: اربن یعنی شہری، اور ریورل یعنی دیہی۔ ان میں سے دیہی بینک دیہاتی پس ماندہ علاقہ کے ڈھانچہ کے فروغ اور ترقی کے طویل مدتی اور مختصر مدتی پروگراموں پر عمل کرتے ہیں۔ مختصر مدتی پروگراموں کے لئے اسٹنٹ کوآپریٹیو بینک ہے جس کے ماتحت ضلع سطح کے ابتدائی امداد باہمی بینک اور دیہاتی سطح پر ابتدائی امداد باہمی قرض یا کریڈٹ انجمنیں ہیں۔ طویل مدت کے مقصد کے تحت سب سے اوپر اسٹیٹ لینڈ ڈیولپمینٹ بینک اور اس کے نیچے ضلع سطح پر سینٹرل لینڈ مارگیج بینک ہیں۔ اور ان سے نیچے دیہاتوں کے لئے لینڈ مارگیج امداد باہمی سوسائٹیاں ہیں۔ درمیانی مدت یا طویل مدت کے مالی سرمایہ کی فراہمی کے لئے بھی کئی ادارے ہیں جن میں ترقیاتی بینک یعنی صنعتی ترقیاتی بینک آف انڈیا، انڈسٹریل انویسٹمینٹ کوآپریٹیو آف انڈیا، یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا وغیرہ شامل ہیں۔ ان ہی تمام بینکوں سے سرمایہ کا مارکٹ بنتا ہے۔ مختصر، وسطی اور طویل مدتی سرمایہ اور مالی ضروریات

کے درمیان بہت نزدیکی تعلق ہے۔ یہ وسیع وعریض پھیلا ہوا بینکنگ نظام سرمایہ بھی فراہم کرتا ہے اورعوام کے مختلف طبقات اور معاشیات کے حصوں کو ذیلی یا ضمنی نوعیت کی خدمات بھی بہم پہنچاتا ہے۔ یہ پورا کاروبار سودی بنیادوں پر ہے۔حکومت ہند کے بینکنگ قوانین (بینکنگ ریگولیشن ایکٹ، ریزروبینک آف انڈیا ایکٹ، نیگوشیبل انسٹرومنٹس ایکٹ، اورکوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ وغیرہ) کے تحت ملک کے تمام بینک سودی کاروبار سے منسلک ہیں۔ اس سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کے باعث زر کی ایمانداری ختم ہوگئی ہے، اور ایکویٹی (مساوات) کے مسائل کھڑے ہو گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مختلف پارٹیوں، ڈپازیٹروں اور قرض کے خواہشمندوں کے ساتھ غیر مساویانہ اور غیر منصفانہ سلوک ہوتا ہے۔ بینکنگ خدمات کی ادائیگی کے سلسلے میں بھی عدم مساوات اور جانبداری برتی جاتی ہے۔ نیز بینکوں کے قومیائے جانے کے بعد سے خدمت یا سروس کی کوالٹی میں گراوٹ کے ساتھ ساتھ استعداد اور کارکردگی بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سودی نظام ڈپازیٹروں کے سرمایہ کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کو ضائع ہونے کا کوئی خدشہ بھی نہیں ہے۔ سود کی شکل میں ڈپازٹوں پر بغیر کسی محنت یا تردد کے گھر بیٹھے اضافی رقم یا منافع بھی ملتا رہتا ہے۔ کیونکہ سود کی شرح ہر قسم کے اکاؤنٹ کے لئے معین ہے۔

بینکوں میں روپیہ جمع کرنے کے کئی طرح کے اکاؤنٹ کھلے ہوئے ہیں، مثال کے طور پر:

۱- کرنٹ اکاؤنٹ، جس میں کوئی سود نہیں ملتا، یہ سیال اکاؤنٹ ہوتا ہے اور جمع شدہ رقم میں سے جب اور جتنا چاہئے روپیہ نکلوایا جاسکتا ہے۔ حالانکہ بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ کی مقدار بے انتہا ہوتی ہے جس کو بینک اپنے اخراجات کے مقاصد میں استعمال کرتا ہے لیکن اس پر سود نہ ملنے کے باعث یہ دفاتر اور فرموں اور کارخانوں کے روزمرہ کے خرچہ کی طرح صرف بات تک ہی محدود ہے۔

۲- سیونگ بینک اکاؤنٹ، جو مختصر سے پیسوں سے کھل جاتا ہے، اور چونکہ اس میں لوگ اپنی بچت کی گئی رقوم تھوڑی تھوڑی ڈالتے رہتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر نکالتے بھی رہتے

ہیں اس لئے اس پر سال کے آخر میں سالانہ اوسط کے حساب سے کچھ سود دے دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مختصر مدتی، طویل مدتی اور وسط مدتی ڈپازٹ ہوتے ہیں جو مختلف مدتوں کے لئے فکسڈ ڈپازٹ کے طور پر ہوتے ہیں اور ان پر مختلف شرحوں سے سود دیا جاتا ہے۔ قرضوں کی سہولیات بھی بینک کی طرف سے دی جاتی ہیں۔ یہ قرض شخصی ضمانت پر یا جائداد یا زیورات یا اراضی بینک کے پاس رہن رکھ کر حاصل کیا جاتا ہے، مختلف قسم کے قرضوں کے لئے مختلف شرح سے سود وصول کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ پسماندہ طبقات کو قرض کی سہولیات کچھ زیادہ ہی ہیں اور ان کے سود کی در بھی نسبتاً کم ہوتی ہے، اور بعض حالات میں انہیں قرض رقم پر کچھ حصہ کی چھوٹ (سبسڈی) بھی دی جاتی ہے، لیکن قرض لینے سے ایک تجربہ یہ ہوتا ہے کہ قرض لینا تو آسان ہے لیکن اس کی ادائیگی دشوار ہوجاتی ہے، کیونکہ اکثر حالات میں قرض رقم پر دئے جانے والے سود کی شرح آمدنی یا منافع کی شرح کی بہ نسبت بہت اونچی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض حالات میں اصل کی ادائیگی تو دور کی بات ہے سود کا ادا کرنا بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ یہ سود بڑھتا چلا جاتا ہے اور سود در سود بن کر اصل رقم کچھ برس میں چوگنی ہوجاتی ہے یا اس سے بھی زیادہ، پھر بینک اپنے روپے کی وصولی کے لئے مقدمہ دائر کرتا ہے، تو قرقی اور بعض اوقات دیوالیہ پن کی بھی نوبت آجاتی ہے۔ قرض لینے کے لئے لوگ عجیب عجیب بہانے تراشتے ہیں، نت نئی اسکیمیں کاروبار کے سلسلہ میں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر محض فرضی ہوتی ہیں، لوگ قرض پیسہ لے کر کھا پی جاتے ہیں یا ذاتی استعمال میں لے آتے ہیں اور پھر مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ اس سے اصل فائدہ بڑے کارخانہ دار اور سرمایہ دار ہی حاصل کرتے ہیں۔ تاہم تمام پریشانیوں اور مصائب کے علم کے باوجود لوگ قرض کے لئے ان بینکوں کی طرف ہی دوڑتے ہیں، کیونکہ ملک میں ان کے علاوہ اور کوئی بینک ایسا نہیں جو ان کے مسائل کو حل کر سکے۔ اس لئے ان کے پاس ان سودی بینکوں سے مدد لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

اسلامی بینک کاری کی راہ میں حائل دشواریاں:

ایسے میں اسلامی بینکنگ کا غیر سودی نظام صحرا میں نخلستان ثابت ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک کے علاوہ کئی اور مسلم ممالک میں جو اسلامی بینک قائم ہوئے ہیں یا جن کی شاخیں یورپ اور امریکہ میں کئی مقامات پر کھولی گئی ہیں وہ بہت کامیابی اور مقبولیت کے ساتھ اپنا کاروبار کررہے ہیں۔ یہ بینک جہاں قائم ہوئے ہیں وہ مسلم ممالک ہیں اور وہاں کی حکومتوں نے ان بینکوں کے قیام اور کاروبار کے لئے نہ صرف اپنے بینکنگ قوانین میں ترمیم کی ہے بلکہ خصوصی قوانین اور قواعد وضوابط بھی وضع کئے ہیں، جن کے باعث ان بینکوں کو قیام میں سہولیات بھی حاصل ہوئی ہیں اور تحفظ بھی ملا ہے، لیکن ہندوستان کے حالات وہاں سے قطعی مختلف ہیں۔ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اور یہاں دوسرے مقامات کی طرح اسلامی بینک کو کمرشیل بنیادوں پر قائم کرنے اور شریعت کے وضع کردہ قوانین کے مطابق کارکردگی کرنے دینے کے لئے نہ کوئی قانون ہے اور نہ اس کا کوئی امکان ہے۔ اور نہ ہی اس قسم کی قانون سازی کی کوئی توقع کی جاسکتی ہے، نہ حکومت سے اس بارے میں کوئی خصوصی مراعات ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس لئے سب سے پہلا مسئلہ تو یہی سامنے آئے گا کہ اسلامی بینک کو کس صورت میں رجسٹر کرایا جائے۔ کمرشیل بینک یا امداد باہمی بینک یا امداد باہمی قرض انجمن یا ایک جوائنٹ کمپنی یا محض ایک خیراتی اور امدادی سوسائٹی کے طور پر۔ ہندوستان کی فقہ اکیڈمی کے تحت اسلامی بینک کے قیام کے سلسلہ میں قائم کردہ کمیٹی کے مباحثی گروپ کے مختلف اجلاسوں سے جو باتیں سامنے آئی ہیں وہ رجسٹریشن کے سلسلے میں بہت زیادہ ہمت افزا نہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بینک پرائیویٹ سیکٹر بینک کے طور پر کمپنیز ایکٹ کے تحت ہی رجسٹر کرایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ حکومت کی پالیسی کے تحت مزید پرائیویٹ سیکٹر بینکوں کو کارکردگی کے لائسنس (اجازت نامے) دئے جانے بند کردئے گئے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ حکومت کا رویہ اس سلسلے میں کیا ہے اور کیا پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔

رجسٹریشن کے بعد دوسرا مسئلہ حکومت کے سودی قوانین اور ضابطوں سے ٹکراؤ کا ہوگا۔ کیونکہ بینک کو اپنے کل منظور سرمایہ کا 15 فی صد ریز روبینک آف انڈیا کے پاس بطور کمیشن ریز رو ریشیو رکھنا پڑے گا جس کے 12 فی صد حصہ پر حکومت 10.5 فی صد سالانہ کی شرح سے سود دے گی، اور 3 فیصد پر کوئی سود ادا نہیں کرے گی۔ اس کے بعد بینک کو 38.5 فی صد سرمایہ سرکاری سیکورٹیوں (کفالت ناموں) میں لگانا پڑے گا جو کہ لازمی ہے، اور ان پر بھی سود دیا جائے گا۔ اسلامی بینک کے لئے از روئے شریعت سود لینا اور سود دینا حرام ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ریز روبینک آف انڈیا کے پاس رکھے گئے سرمایہ اور سرکاری سیکورٹیز میں لگائے گئے روپے پر جو سود ملے گا اس کا کیا کیا جائے گا۔ اس سے مفر اس لئے نہیں ہے کہ حکومت کے بینکنگ قوانین کے تحت لازم ہے۔ اب اگر اس رقم پر جو بینک کے سرمایہ کا 53.5 فیصد یعنی نصف سے بھی زیادہ سرمایہ ہوگا، بغیر کسی آمدنی کے پڑا رہے گا، تو کیا باقی ماندہ 46.5 فی صد سرمایہ سے جو بینک کے پاس رہ جائے گا بزنس کر کے بینک زندہ رہ سکے گا، جب کہ یہ بزنس بھی اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا اور جس میں جوکھم ایک ناقابل تنسیخ حقیقت ہے۔

تیسرا ٹیڑھا مسئلہ ریز روبینک آف انڈیا کی طرف سے بینکوں کو وقتاً فوقتاً جاری کئے گئے شرح سود کے ہدایت نامے ہیں جن کے مطابق سود لیا اور دیا جاتا ہے (مختلف قسم کے ڈپازٹوں پر اور مختلف قسم کے قرضوں پر) کیا ان سے مفر کی کوئی صورت اسلامی بینکنگ کے پاس ہے؟ مباحثہ گروپ کے ایک اجلاس میں بتایا گیا کہ اگر ریز روبینک آف انڈیا سے درخواست کی جائے تو خصوصی مراعات کے طور پر ریز روبینک آف انڈیا کسی بینک کو ان ہدایت ناموں کی پابندی سے مستثنیٰ کر سکتا ہے اور اس کا اس کو اختیار بھی ہے۔ اس لئے جب تک ریز روبینک آف انڈیا کے پیچھے پڑ کر بینک کو ان ہدایت ناموں سے استثناء کا پروانہ جاری نہ ہوگا ان کی پابندی کرنی پڑے گی۔

چوتھا مسئلہ ڈپازیٹروں کا سامنے آئے گا۔ مختلف قسم کے ڈپازٹ ہی بینک کی آمدنی اور

سرمایہ کی فراہمی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتے ہیں۔ بینک کے اخراجات سروس چارج (معاوضہ خدمات) اور کرنٹ اکاؤنٹ کے استعمال سے پورے ہوجاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا عوام ایسے بینک میں اپنا پیسہ جمع کرانے پر راضی ہوں گے جو ڈپازٹ پر کوئی منافع نہ دیتا ہو۔ بینک ان ڈپازٹوں کو اصل کاری میں استعمال کرتا ہے، اور ایسی اصل کاری یا سرمایہ کاری جس میں سرمایہ کے لئے خدشات نہ ہوں شریعت کی رو سے ناجائز ہے۔ کوئی بھی کمپنی یا فرم کبھی اس بات کی ضمانت یا گارنٹی نہیں دے سکتی کہ اس کا کاروبار سو فی صدی یقینی منافع کا ہوگا۔ فائدہ اور نقصان میں صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ ایک اسلامی ماہر معاشیات کی تجویز کے مطابق ڈپازٹ لیتے وقت بینک کا یہ اخلاقی فرض ہونا چاہئے کہ وہ روپیہ جمع کرانے والے کو صاف الفاظ میں یہ بتادے کہ اس روپیہ پر کوئی سود نہیں ہوگا۔ بینک اس روپیہ کے ذریعہ جو کاروبار کرے گا اس میں نقصان کا بھی احتمال ہے، روپیہ ضائع بھی ہوسکتا ہے اور اس میں بوجہ نقصان کمی بھی واقع ہوسکتی ہے، اگر فائدہ ہوا تو اس کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا لیکن نقصان کی صورت میں یہ اس کا اخلاقی فرض ہوگا کہ وہ اس نقصان کو خاموشی سے برداشت کرلے۔ قانونی طور پر اس بات کے اطلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو کیا ڈپازیٹر اپنے حق کے لئے بینک سے لڑے گا؟ اسلامی بینک بلاامتیاز مذہب وملت بلاشبہ اس سیکولر ملک میں اپنے فرائض انجام دے گا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس سیکولر ملک کے عوام بھی بلاامتیاز مذہب وملت اسلامی بینک سے تعلق یا واسطہ رکھیں گے؟ جب تک اسلامی بینک کے اصولوں کے سلسلے میں افراد کی ذہنی تربیت نہیں کی جائے گی لوگ نہ اس بینک کے طریق کار کو سمجھ سکیں گے اور نہ اس کے ساتھ کاروبار کریں گے، تو کیا پھر ذہنی تربیت کی تکمیل تک اسکو ملتوی رکھا جائے؟ مسلمان ایک بکھری ہوئی، ٹوٹی ہوئی، پس ماندہ، غریب قوم ہے جس کے 80 فی صد افراد ناخواندگی اور غربت کی بوسیدہ چادر میں لپٹے ہوئے ہیں اور ان کا ایک بہت بڑا حصہ غریبی کی لکیر سے بھی نیچے ہے۔ یہ قوم ہندوستان کے طول وعرض میں جگہ جگہ بکھری ہوئی ہے اور ملک کے وسیع وعریض گوشوں میں ان کے لئے پیغام لے جانا اسلامی بینک کے لئے ایک جوئے شیر لانے کے

مترادف ہے۔ یہ بے روزگار و پریشان حال ہیں، ان کے سامنے روزگار کے مسائل ہیں، تعلیم کے مسائل ہیں، روٹی، کپڑے اور سر چھپانے کے لئے ایک چھپر کے مسائل ہیں۔ کیا یہ لوگ اسلامی بینک کی ریڑھ کی ہڈی بن سکیں گے؟ خصوصاً اس حالت میں جب انہیں معلوم ہو کہ وہ جہاں اپنا پیسہ جمع کر رہے ہیں وہاں جوکھم یا خطرہ مول لینا ہی کاروبار کا بنیادی اصول ہے، اور جس میں ان کا پیسہ ضائع بھی ہوسکتا ہے اور کم بھی ہوسکتا ہے۔ کیا انہیں یقین دلا یا جا سکے گا کہ بینک میں کام کرنے والے ماہرین ان کے پیسے کو محفوظ رکھنے کے بھی طریقے جانتے ہیں اور وہ قطعی محفوظ رکھیں گے۔ لیکن یہ تو گارنٹی ہوئی جوکھم کہاں ہوا۔ اس قوم کے لئے جو قرض میں سر سے پیر تک جکڑی ہوئی ہے غیر سودی قرض اللہ کی بھیجی ہوئی ایک نعمت محسوس ہوگا، اور بینک کے باہر قرض کے طلب گاروں کی طویل لائنیں لگ جائیں گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ قرض حاصل کرنے کا مطالبہ قرض سپلائی کرنے کے عمل سے دوڑ میں بہت آگے نکل جائے گا۔ لوگ نت نئی اسکیمیں لے کر قرض لینے آئیں گے۔ بینک کے پاس کوئی نہ کوئی چیز رہن رکھ کے قرض لیں گے، کچھ ایمانداری سے کام کریں گے باقی کھا پی جائیں گے اور اپنے ذاتی استعمال میں یہ قرض لے آئیں گے۔ ایک دقت اور بھی ہے، فرض کیجئے ایک شخص آٹو رکشا خریدنے کا خواہشمند ہے، ایک آٹو رکشا مثال کے طور پر 20 ہزار روپے میں آتا ہے۔ بینک اس کو 15 ہزار روپے کی ضمانت پر قرض دے گا لیکن باقی پانچ ہزار روپے اس کو اپنے پاس سے لگانا پڑے گا، وہ یہ رقم کہاں سے لائے گا۔ یہ آٹو رکشا بینک کے پاس اس وقت تک رہن رہے گی جب تک وہ اس کی پوری رقم نہیں ادا کردے گا۔ اور جب تک پوری رقم ادا ہوگی آٹو رکشا اتنی مرمت طلب ہو چکے گی کہ اس کو اونے پونے فروخت کردینا ہی بہتر ہوگا۔ یہ پوزیشن تو قرض کی ہوگی، ڈپازٹ کا مسئلہ اس وقت تک حل ہونا مشکل ہے جب تک کاروباری جوکھم کے سلسلے میں عوام کی ذہنی تربیت نہ کی جائے۔ تب تک یہ ناخواندہ غریب لوگ بمشکل ہی ڈپازٹ دینا چاہیں گے۔

ڈپازیٹر اپنی بہت سی ضروریات زندگی کو قربان کر کے پیسہ بچاتا ہے، اور بینک میں اس

امید میں جمع کرتا ہے کہ وہاں وہ محفوظ رہے گا اور اس پر ان کو منافع بھی وصول ہوگا۔ بینک یہ پیسہ کسی اصل کارکو قرض دے دیتا ہے، وہ کاروبار ٹھیک طرح نہیں چلا پاتا اور ایک دن نقصان دکھا کر معذرت کے ساتھ الگ ہوجاتا ہے۔ اس سے نقصان کے پورا کرنے کا بھی مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، پھر نقصان کس کا ہوا اور پیسہ کس کا ضائع ہوا؟ ظاہر ہے کہ ڈپازیٹر کا۔ پھر ایسی صورت حال میں ڈپازیٹر کی کیا پوزیشن ہوگی؟

دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامی بینکنگ کا تجربہ:

۱-سوڈان اور اسلامی بینک کاری:

سوڈان میں اسلامی بینک کے قیام اور اس کے طریق کار کی کامیابی پر مسٹر بی اے بشیر (لیکچرر شعبہ بزنس ایڈمنسٹریشن خرطوم یونیورسٹی سوڈان) نے لکھا ہے کہ سوڈان میں اسلامی بینکنگ کی مقبولیت اس بات سے ظاہر ہے کہ ملک کے ہر کونہ میں اس کی بے شمار شاخیں پھیل گئی ہیں۔ اور کثیر تعداد میں ان میں روپیہ ڈپازٹ ہورہا ہے۔ ملک کے ترقیاتی امور میں خرچ کیا جارہا ہے، یہاں تک کہ اسلامی بینک کی عظیم کامیابی اور اس کے طریق کار سے متاثر ہوکر سوڈان کے کئی مغربی طرز کے بینکوں نے اب اسلامی بینکنگ نظام اختیار کرنے پر غور کرنا شروع کردیا ہے۔ بینکوں کا سارا کاروبار ان اصولوں پر ہورہا ہے جن کی اجازت اسلامی قانون میں دی گئی ہے۔ اسلامی بینک اور اس کی تمام شاخوں میں سودی کاروبار کے بجائے شرکت منافع کا اسلامی اصول ہے۔ دوسرے تمام بینکوں کی طرح سوڈان کا اسلامی بینک بھی جوائنٹ اسٹاک کمپنیز ایکٹ کے تحت درج رجسٹر ہے۔ اور اس کا بنیادی مقصد کاروبار میں فائدہ حاصل کرنا اور اسے تناسب کے اعتبار سے ڈپازیٹروں میں تقسیم کرنا ہے۔ ان اصولوں کے مطابق اس کی مندرجہ ذیل ذمہ داریاں ہیں:

۱-عوام سے سرمایہ کا حصول، (۲) قابل معاوضہ خدمات کی انجام دہی، (۳) حاصل شدہ

سرمایہ کا مفید اور فائدہ مند سرگرمیوں میں استعمال، (۴) ان سرگرمیوں سے حاصل ہونے والے منافع کی پیشگی طے شدہ شرکت منافع کے تناسب سے تقسیم، (۵) سرمایہ کی ذمہ داری کے ساتھ نگرانی اور تحفظ۔ حصہ داروں کے فراہم کردہ سرمایہ (ایکویٹی کیپٹل) کے علاوہ مزید سرمایہ کی فراہمی کے لئے بینک کئی دوسرے طریقے بھی اختیار کرتا ہے مثلاً کرنٹ، سیونگ اور انویسٹمنٹ کھاتوں کو استعمال کرنا۔

۱- کرنٹ اکاؤنٹ:

یہ اکاؤنٹ مغربی روایتی انداز سے استعمال ہوتا ہے۔ ڈپازیٹر کو واضح طور پر اجازت دینی ہوتی ہے کہ بینک ان کے اس روپیہ کو انہیں بغیر کوئی معاوضہ دئے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ تاہم بینک کو یہ گارنٹی دینی ہوتی ہے کہ عند الطلب وہ انہیں یہ روپیہ فوراً واپس کردے گا۔

۲- سیونگ یا بچت کھاتا:

اس اکاؤنٹ پر بھی کوئی منافع نہیں دیا جاتا اور ڈپازیٹر اپنا روپیہ جب چاہے اور جتنا چاہے نکال سکتا ہے جب کہ بینک کو عند الطلب یہ روپیہ واپس کرنے کی گارنٹی دینی ہوتی ہے۔ تاہم چونکہ بینک اس کھاتہ کا ایک حصہ برائے فوری ادائیگی اپنے پاس رکھتا ہے اور باقی رقم استعمال میں لاتا ہے اس لئے اس پر کوئی سروس چارج نہیں لیا جاتا۔

۳- ڈپازٹ انویسٹمینٹ اکاؤنٹ:

یہ کھاتے روایتی بینکوں کے اسی نام کے کھاتوں سے ذرا مختلف ہوتے ہیں۔ ڈپازیٹر ایک مقررہ کم سے کم مدت کے لئے اپنا روپیہ پیشگی طے شدہ شرکت منافع کی شرح پر اصل کاری کے اس کھاتہ میں جمع کرائیں۔ شرح منافع کا تعین اس بات پر منحصر ہے کہ وہ ڈپازٹ طویل مدت کے لئے ہے یا درمیانی یا مختصر مدت کے لئے۔ طویل مدتی پر منافع زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ پائدار

کھاتے ہوتے ہیں اور بینک انہیں طویل مدتی کاروباری امور میں استعمال کرتا ہے۔حالانکہ اس کھاتہ کے ڈپازیٹر جب چاہیں اپنا معاہدہ بذریعہ نوٹس توڑ کر اپنا تمام روپیہ یا اس کا کوئی حصہ واپس لے سکتے ہیں،لیکن منافع میں شرکت کے پیش نظر معاہدہ شدہ مدت کے لئے ضرور جمع رکھنی پڑتی ہے۔چنانچہ اس طرح مثال کے طور پر اگر کوئی شخص چھ ماہ کے لئے رقم جمع کرتا ہے لیکن اسے پانچ ہی ماہ میں واپس نکال لیتا ہے تو اس میں کوئی شرکت منافع نہ ہوگی،کیونکہ اس صورت میں بینک کو نقصان کے احتمال کے پیش نظر لکویڈیٹی یا نقد سرمایہ کی فراہمی کے لئے دوسرے ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اس رقم کی قبل از وقت واپسی کے لئے نوٹس دیا جانا ضروری ہے۔

۴-سروس چارج:

بہت سی خدمات ایسی ہیں جو بینک فیس یا کمیشن یا قائم خرچ وصول کر کے اپنے گاہکوں کے لئے انجام دیتا ہے۔جیسے زیورات یا قیمتی اشیاء کی حفاظت (سیف ڈپازٹ والٹ) یا سرمایہ کاٹرانسفر بصورت ڈرافٹ وغیرہ یا اپنے گاہکوں کے لئے اشیاء کا خریدنا اور فروخت کرنا یا مشاورتی خدمات کاروبار میں پیش کرنا یا غیر ملکی کرنسی کا ملکی کرنسی میں تبادلہ کرنا وغیرہ۔یہ مدت کم آمدنی کی ہیں جو بینک کے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے مخصوص ہیں۔

فائدہ کے کاروبار:

بینک کے فائدہ کے اصل ذرائع اصل کاری کی سرگرمیاں ہیں۔مختصر مدتی اصل کاری تین قسم کی ہوتی ہے جس میں درمیانی نوعیت کا منافع اور خدشہ ہوتا ہے:

۱-ایسی اشیائے تجارت اور اسٹاک میں اصل کاری جو اجارہ داری، سٹہ یا دیگر ممنوعہ اقسام کی اصل کاریوں سے متعلق نہ ہو۔

۲-گاہک کو شرکت منافع ر نقصان کی بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی۔ایسے منافع کی شرح کا

پیشگی تعین پیشگی طے شدہ معاہدہ کے تحت ہوتا ہے، جس کا بیشتر حصہ اس فریق شریک کو جاتا ہے جو کاروبار کا منتظم ہو۔

۳-طویل مدتی اصل کاری بینک کی اپنے کسی پروجکٹ (منصوبہ) کے لئے یا کسی دیگر طویل مدتی مشترکہ منصوبہ کے سلسلے میں افرادیا مالی اداروں کے ساتھ شرکت میں ہوتی ہے۔ اس کے لئے کثیر المقدار سرمایہ درکار رہتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے یہ زیادہ فائدہ مند بھی ثابت ہوتی ہے۔

ان تمام امور میں ہیرا پھیری، ناجائز کاروباریا کسی بھی قسم کے سود کے خلاف نگرانی کے لئے بینک کا اپنا ایک نگراں محکمہ قائم ہے۔ نیز اسکیموں کی جانچ پڑتال اور قرضے وغیرہ دئے جانے کے سلسلے میں بھی چھان بین اور پڑتال کے لئے بینک کا علیحدہ محکمہ ہے۔

سوڈان میں اسلامی بینک کی کامیابی کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

(۱) اعلی پیمانہ کی عمدہ بینک خدمات۔ (۲) شرکت کاروبار کی بنیاد پر سستا اور کم خدشہ والا آسان قرض۔ (۳) اصل کاری میں فائدہ کی صورت میں ڈپازیٹر کو عام بینکوں کی بہ نسبت منافع کی زیادہ اونچی شرح۔ (۴) معمولی خدشات والے حاصلات۔

اسلامی بینک اور اس کی شاخیں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ اگر چہ یہ مغربی بینکوں کے قائم کردہ سود کے بمقابلہ زیادہ مہنگا ثابت ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ محفوظ اور کم خدشات والا ہے۔ ڈپازیٹر کا مقصد اپنے روپیہ پر منافع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور اسلامی بینک اس کو نسبتاً زیادہ بہتر منافع پیش کرتے ہیں۔ کبھی کہیں کسی نقصان کی وجہ سے یہ شرح مجموعی طور پر تھوڑی بہت گر بھی سکتی ہے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے، کیونکہ اگر بینک کو مثال کے طور پر دو اصل کاریوں میں نقصان ہو، لیکن دس میں فائدہ ہوا تو مجموعی طور پر منافع کے اوسط میں اسی اعتبار سے معمولی کمی بیشی واقع ہوجاتی ہے۔ بڑی اصل کاری میں جہاں خدشات کچھ زیادہ ہوتے ہیں فائدے بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ اچھے حاصلات کے پیش نظر اسلامی بینکوں میں روپیہ جمع

کرانے کا اوسط یہاں کے مغربی سودی بینکوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔ اسلامی بینکوں کی کامیابی کے لئے تین اصول بہت ضروری ہیں: (۱) ایکویٹی حصہ داروں کو زیادہ سے زیادہ حاصلات۔ (۲) ڈپازیٹروں کو مناسب مقدار میں حاصلات۔ (۳) بینک کے نقصان کے اندیشوں میں زیادہ سے زیادہ کمی۔

قاہرہ کے پروفیسر احمد النجار کے خیالات:

پروفیسر احمد النجار اسلامی بینکوں کی بین الاقوامی انجمن کے سکریٹری جنرل ہیں اور ایک ماہر اقتصادیات بھی۔ ان کے مطابق روپیہ کسی بھی شے کی قدر و قیمت کا پیمانہ ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی چیز کی طوالت ناپنے کا کوئی پیمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے تجارت ایک عملی چیز ہے۔ اس میں ایک خریدار ہوتا ہے، ایک بیچنے والا ہوتا ہے، اور تیسری اہم چیز مالِ تجارت ہوتا ہے جس کے لین دین کا سودا ہوتا ہے۔ تجارت میں قیمتیں چڑھتی اترتی رہتی ہیں، مثال کے طور پر میں آج ایک کار خریدنے بازار جاتا ہوں اور کار کی قیمت ایک لاکھ روپیہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن وہی کار خریدنے اگر میں ایک ماہ بعد جاتا ہوں تو اس کی قیمت مجھے ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ ادا کرنی پڑتی ہے، یہ تجارت ہے اور بیس ہزار کا یہ اضافہ تجارت میں جائز ہے۔ اس میں خریدنے اور بیچنے والے کے درمیان ایک مال کا لین دین ہوا۔ لیکن اگر میں آج کسی کو ایک لاکھ روپیہ نقد دوں اور ایک ماہ بعد اس سے ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ واپس لوں تو یہ ربا ہے اور ناجائز ہے، اس میں دو افراد کے درمیان کوئی کاروباری لین دین نہیں ہوا اور نہ نقد روپیہ کے بدلہ میں کسی شے کو خریدا یا بیچا گیا جس پر منافع حاصل کیا جاتا۔ ربا میں روپیہ اضافہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، ربا اور تجارت میں یہی فرق ہے۔

یہ سوچنا غلط ہے کہ اسلامی بینک قرض دے کر اس پر کچھ چارج نہیں کرتا۔ سودی بینکوں اور اسلامی بینکوں میں فرق صرف یہی ہے کہ سودی بینک اس کام کے انجام پانے سے قبل ہی سود کی

شکل میں اس کا منافع وصول کرتے ہیں اور نقصان میں بھی شریک ہوتے ہیں۔قرض دیئے ہوئے روپیہ کا فرض ہے کاروبار کو چلانا اور اس میں اصل کار کی مدد کرنا، اور اس وقت نفع نقصان کا حساب کرنا جب وہ قرض روپیہ اپنا فرض مکمل طور پر انجام دے چکتا ہے۔ہم صرف منافع میں سے اپنا حصہ لیتے ہیں اور نقصان کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں، یہ حلال کاروبار ہے۔لوگوں کے روپیہ کو خطرات سے دوچار کرنا (کیونکہ ہر کاروبار یا تجارت میں منافع کی امید کے ساتھ نقصان کا خطرہ بھی ضرور رہتا ہے) اور اسے خطرہ سے محفوظ رکھنا یہ ایک مشکل جدوجہد ہے اور چیلنج ہے۔ یہ چیلنج سودی بینکوں کے سامنے نہیں ہے، لیکن اسلامی بینک بحسن وخوبی اس کا مقابلہ کر رہے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ اس کو بینک کہنا ہی غلطی ہے۔صحیح الفاظ میں اس کو بینک کے بجائے اسلامی مالی امدادی ادارہ، یا شرکت ادارہ یا ایکویٹی ادارہ کہا جا سکتا ہے۔بینک کا نام اسکو غلطی سے دیا گیا، ہوا یہ تھا کہ 1963 میں جب ہر چیز قومی ملکیت میں لی جارہی تھی اور ہر فرد حکومت کو عدم اعتماد کی نظروں سے دیکھ رہا تھا، یہ ادارہ قائم ہوا اور ہمیں اس کو بینک کہنا پڑا۔لوگوں کو اس ادارہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہم کو یہ کہنا پڑا کہ وہ اس بینک میں آئیں، وہ کسی بھی مالدار فرد سے جو بینک میں جاتا ہے کم نہیں ہیں، اور اسی کی طرح وہ بھی اپنا سرمایہ یہاں اس بینک میں جمع کر سکتے ہیں۔ ایسا اس لئے کیا گیا کہ عوام پر نفسیاتی اثر پڑے اور ان میں اعتماد پیدا ہو۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غریب افراد بھی جو محض پانچ روپیہ جمع کرا سکتے تھے یہاں اتنے ہی فخر کے ساتھ آئے اور بینک کے کھاتہ دار بنے جتنے پانچ لاکھ روپیہ جمع کرانے والے آکر کھاتہ کھلواتے تھے۔اس کو بینک کا نام دے کر غلطی کی گئی جس کا ہمیں کئی صورتوں میں نقصان بھی پہنچا لیکن یہ ایسی حکمت عملی تھی جو کارگر ہوئی۔

ملیشیا کے اسلامی بینک کا ڈھانچہ اور طریقہ کار:

ملیشیا میں اسلامی بینک کا قیام مذہبی، سیاسی، قانونی، کاروباری، معاشی، ہر اعتبار سے

ہر پہلو پر مکمل غور کے بعد قائم کیا گیا ہے، اس لئے کئی اعتبار سے یہ اپنی جگہ بڑا مکمل ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ کارکردگی کے لحاظ سے آسان بھی ہے اور محفوظ بھی ہے۔ملیشیا میں 1983 میں حکومت نے اسلامک بینکنگ ایکٹ منظور کیا اور کمپنیز ایکٹ مجریہ 1965 کے تحت اس کا قیام عمل میں آیا، اور بطور ایک لمیٹیڈ کمپنی قائم ہوا۔اس کی کارکردگی کے شرعی پہلو کی نگرانی کے لئے ایک مذہبی نگراں کمیٹی بھی قائم کی گئی۔دیگر اسلامی کمرشیل بینکوں کی مانند یہ بینک بھی ایک تجارتی وجود ہے اور معاملہ قوانین کے تحت عمل کرتا ہے۔اسلامی معاشی نظام تین سیکٹروں میں منقسم ہے: (۱) سیاسی یعنی پبلک سیکٹر، (۲) تجارتی یعنی پرائیویٹ سیکٹر، اور (۳) اجتماعی یعنی فلاح وبہبود سیکٹر۔بینک کا اداشدہ سرمایہ (پیڈ اپ کیپٹل) سات کروڑ ۹۹ لاکھ ڈالر ہے جو بینک کے ابتدائی ستائیس حصہ داروں نے فراہم کیا ہے، اور ان ہی ستائیس حصہ داروں نے اس بینک کو تجارتی مقاصد کے لئے ایک کمپنی مشارکت (شرکت عنان) یعنی جوائنٹ وینچر کے طور پر قائم کیا ہے۔

بینک اپنے گاہکوں سے چار طرح کے ڈپازٹ وصول کرتا ہے:

۱-کرنٹ اکاؤنٹ:

یہ کھاتے ودیعت کے اصولوں پر قبول کئے جاتے ہیں، اور جنہیں ڈپازیٹروں کی اجازت سے بینک اپنے استعمال میں لاتا ہے، اور اس کے منافع سے اپنے اخراجات جس میں اسٹاف کی تنخواہیں وغیرہ بھی شامل ہیں پورے کرتا ہے۔اس سے حاصل ہونے والے تمام منافع جات بینک کے اپنے ہوتے ہیں اور ڈپازیٹر کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔لیکن گاہک جب چاہیں اور جتنا چاہیں سرمایہ بغیر کسی نوٹس کے نکال سکتے ہیں جس کے لئے بینک انہیں چیک بک اور پاس بک کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔

۲-سیونگ بینک اکاؤنٹ:

یہ بچت کھاتے بھی ودیعت کے مطابق ہوتے ہیں، جنہیں بینک اپنے گاہکوں کی

اجازت سے اپنے استعمال میں لاتا ہے، اور اس سے حاصل شدہ فائدے خود رکھتا ہے۔ گاہک جب چاہیں اور جتنی چاہیں اپنی رقم بغیر کسی نوٹس کے نکال سکتے ہیں۔ انہیں پاس بک بھی دی جاتی ہے۔ البتہ کرنٹ اکاؤنٹ کے برعکس بینک اس کھاتہ والوں کو اپنی مرضی سے اپنے منافع میں سے کچھ حصہ ہر چھ ماہ بعد دیتا رہتا ہے۔

۳- جنرل انویسٹمینٹ (عام اصل کاری) اکاؤنٹ:

یہ مضاربہ کے اصول کے مطابق ان ڈپازیٹروں کے لئے ہے جو اپنا سرمایہ اصل کاری کے لئے دینے پر رضامند ہوتے ہیں۔ یہ ڈپازٹ ایک مخصوص مدت کے لئے ہوتے ہیں، اور ایک، تین، نو، بارہ، اٹھارہ، چوبیس، اڑتالیس اور ساٹھ مہینوں کے لئے یا اس سے زیادہ مدت کے لئے فکسڈ ڈپازٹ کے طور پر ہوتے ہیں۔ بینک کا رول اصل کار اور گاہک کا رول سرمایہ فراہم کرنے کا ہے، اور دونوں طے کر لیتے ہیں کہ بصورت منافع کس شرح سے اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ اس وقت بینک اپنے منافع میں سے 70 فی صد گاہک کو منافع دے رہا ہے۔ بصورت نقصان گاہک پورا نقصان برداشت کرتا ہے۔ نیز یہ کہ گاہک سرمایہ کاری کے نظم ونسق اور اصل کاری میں کوئی حصہ نہیں لیتا اور نہ کوئی دخل دیتا ہے۔

اسپیشل انویسٹمینٹ (خصوصی اصل کاری) اکاؤنٹ:

بینک ملک کی حکومت یا کارپوریٹ گاہکوں سے اس پورٹفولیو کے تحت سرمایہ قبول کرتا ہے، اور یہ بھی مضاربہ اصول کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی اصل کاری اور منافع کی تقسیم کا تناسب اور شرح بذریعہ انفرادی مذاکرات طے ہوتی ہے۔ سرمایہ کے انتظام کے پیش نظر بجز خصوصی اصل کاری کھاتہ کے تمام گاہکوں کے حسابات یکجا کر کے پول کر دئے جاتے ہیں اور اس پول سے ہی تمام سرمایہ مختلف اصل کاریوں یا سرمایہ کاریوں میں لگایا جاتا ہے۔ اس پول سے

حاصل شدہ منافع میں سے نقصان (اگر نقصان ہوا ہو) کی رقم منہا کر کے باقی ماندہ منافع کو تینوں کھاتوں سے متعلق شرائط اور اصولوں کے مطابق ہر ڈپازیٹر کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کا حساب ماہانہ بنیاد پر ہوتا ہے، کیونکہ بینک ہر ماہ کے آخر میں اپنے حسابات کرتا ہے۔ یہ حسابات گزشتہ ماہ 16 تاریخ سے بند ماہ کی 15 تاریخ تک کے ہوتے ہیں۔ بینک اپنے بچت کھاتہ والے گاہکوں کو اختیاری منافع سال میں دوبار جنوری تا جون اور جولائی تا دسمبر کے حسابات پر دیتا ہے۔ اصل کاری کھاتہ کے گاہکوں کو ان کے ڈپازٹ کی میعاد کے اختتام پر منافع دیا جاتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔ اس کے علاوہ حکومت کے اصل کاری کے سرٹیفکٹوں کے مطابق (جو مختصر مدت کے ہوتے ہیں) بینک حکومت کو قرض حسنہ کے طور پر بھی روپیہ دیتا ہے۔ اس پر جو انعام حکومت کی طرف سے بینک کو دیا جاتا ہے وہ حکومت کی مرضی پر موقوف ہے۔ ان سرکاری سرٹیفکٹوں کے علاوہ مختصر مدتی اصل کاری کا ایک اور ذریعہ اشیائے تجارت کی وعدہ خرید فروخت ہے جو عموماً ایجنٹوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ڈپازیٹروں کا بیشتر حصہ صنعتی سرمایہ کاری اور تجارتی سرمایہ کاری میں لگتا ہے جس سے کافی منافع حاصل ہوتا ہے۔ اس میں مضاربہ اصول کے تحت پروجیکٹ سرمایہ کے مطابق بینک منصوبہ میں سو فی صد سرمایہ لگاتا ہے۔ اس پروجیکٹ کا محرک اصل کار ہوتا ہے جو اس پروجیکٹ یا منصوبہ کا منتظم بھی ہوتا ہے۔ اور اس کے انتظام میں بینک کوئی مداخلت نہیں کرتا، لیکن بینک کو اس کی نگرانی اور حسابات وغیرہ کی چیکنگ کا اختیار رہے۔ اس منصوبہ سے حاصل شدہ منافع مذاکرات کے ذریعہ پیشگی طے شدہ شرائط کے مطابق باہم تقسیم کیا جاتا ہے۔ پروجیکٹ کی سرمایہ کاری مشارکہ اصول کے تحت بھی ہوتی ہے جو ایک جوائنٹ وینچر پروجیکٹ کے طور پر ہوتی ہے۔ اس میں بینک پروجیکٹ کے منتظم کے ساتھ مل کر باہم رضامندی سے طے شدہ تناسب اور شرائط کے مطابق سرمایہ لگاتا ہے، باقی سرمایہ پروجیکٹ کے منتظم کو لگانا ہوتا ہے۔ اور اس منصوبہ کے انتظام میں دونوں پارٹیاں برابر سے شریک ہوتی ہیں، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک پارٹی اپنا حق انتظام دوسرے کے حق میں ترک کردے۔ بصورت منافع دونوں پارٹیاں

طے شدہ شرح کے مطابق اور اپنے سرمایہ کے تناسب کے حساب سے باہم منافع تقسیم کرلیتی ہیں، اور بصورت نقصان دونوں پارٹیاں اپنے حصہ کا نقصان برداشت کرلیتی ہیں۔

بینک ان افراد کی بھی مالی امداد کرتا ہے جو کوئی زمین یا جائداد خریدنا چاہتے ہیں لیکن ان کے پاس سرمایہ کی کمی ہے۔ بینک متعلقہ جائداد پیشگی معاہدہ کے مطابق اس شخص کے لئے خریدے گا اور اسے اس شخص کو کرایہ پر دے گا۔ وہ شخص ہر ماہ کرایہ مع قیمت جائداد کی مقررہ قسط کے بینک کو دے دیا کرے گا۔ کرایہ کی رقم میں تخفیف قیمت کی رقم میں قسط کی ادائیگی کے ساتھ تخفیف کے تحت ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ جب پوری قیمت ادا ہو جائے گی تو وہ جائداد کا مالک بن جائے گا۔ کرایہ بینک کے منافع کے طور پر سمجھا جائے گا اور اقساط کی ادائیگی بھی ایک مدت معینہ کے اندر اندر ہوگی۔ یہ پوری کارروائی اجارہ اصول کے تحت ہوتی ہے۔

ڈپازٹوں کا استعمال:

بینک اپنے گاہکوں کو مختصر مدتی بنیاد پر تجارتی سہولیات بہم پہنچانے کے لئے بھی سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ یہ سرمایہ رواں سرمایہ کے طور پر ہوتا ہے۔ یہ سہولیات/سرمایہ کاری سامان تجارت کی درآمد اور فروخت، مشینری اور برآمدی اشیاء کی برآمد، اسٹاک، مال نامہ، فالتو پرزوں اور نیم تیار اشیاء کے حصول میں بھی امداد دیتا ہے۔ ان سہولیات میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:

الف- ساکھ پروانہ (لیٹر آف کریڈٹ):

یہ وکالہ، مشارکہ اور مرابحہ کے اصولوں کے مطابق ہے، اس کے مطابق گاہک بینک کو اپنے ساکھ پروانہ کی ضروریات کی اطلاع دے کر بینک سے درخواست کرتا ہے کہ وہ متعلقہ مطلوبہ اشیاء خریدے/درآمد کرے، اور یہ کہ وہ ان مطلوبہ اشیاء کے پہنچنے پر مرابحہ اصول کے مطابق ان کو بینک سے خریدنے پر رضامند ہے۔ اس پر بینک ساکھ پروانہ قائم کرکے اپنے سرمایہ سے متعلقہ غیر ملک کے بینک کو حاصلات ادا کردے گا۔ مال کے پہنچ جانے پر بینک ان اشیاء کو

گاہک کومرابحہ اصول کے مطابق قیمت فروخت پر دے دے گا۔جس میں اشیاء کی اصل قیمت اور منافع/اخراجات وغیرہ کا حصہ شامل ہوتا ہے۔گاہک اس کا بھگتان یا تو اسی وقت نقد کر دے گا یا ملتوی ادائیگی پر کرے گا۔

ب-پروانہ ضمانت (لیٹرآف گارنٹی):

کفالہ اصول کے مطابق بعض مقاصد کے لئے بینک اپنے گاہک کو پروانہ ضمانت کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔یہ پروانہ ضمانت کسی کام کے کئے جانے یا کسی قرض کی ادائیگی وغیرہ کی بابت جاری ہوتا ہے۔طریقہ یہ ہے کہ بینک اس سہولت کے لئے گاہک سے مطالبہ کرے گا کہ وہ ایک مخصوص رقم کے ڈپازٹ بینک کے حوالے کرے، جسے بینک ودیعہ اصول کے مطابق قبول کرے گا، اس خدمت کے لئے گاہک سے بینک کچھ فیس چارج کرتا ہے۔

ج-رواں سرمایہ کی سرمایہ کاری مطابق اصول مرابحہ:

ذخیرہ، مالنامہ، اسٹاک، فالتو پرزوں یا نیم مکمل سامان، خام مال وغیرہ کی فراہمی کے لئے گاہک بینک سے سرمایہ کاری کی درخواست کرتا ہے۔اور بینک اس کو مرابحہ اصول کے مطابق سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ان اشیاء کو پہلے بینک یا تو خود خریدتا ہے، یا گاہک کو ہی اس سلسلہ میں اپنا ایجنٹ بناتا ہے جو اس مال کو اپنی مرضی کے مطابق خرید کر بینک سے اس کی قیمت کی ادائیگی کرتا ہے۔بعد ازاں بینک ایک اقرارشدہ قیمت پر جس میں قیمت خرید اور منافع دونوں شامل ہوتے ہیں، گاہک کو فروخت کر دیتا ہے، اور گاہک کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اس قیمت کا بھگتان بالعموم تیس دن، ساٹھ دن، نوے دن (یا پھر جتنے بھی دن طے ہوں) کے اندر اندر کر دے۔

د-ڈپازٹوں سے طویل مدتی اصل کاری:

بینک اپنے گاہکوں کے ڈپازٹوں کا ایک مختصر حصہ (فی صد حصہ) طویل مدتی اصل کاری

میں ایکوٹیز میں لگاتا ہے، اور اس سے حاصل شدہ منافع میں انہیں شریک کرتا ہے۔

ھ-دیگر خدمات:

شریعت کے متفرق اصولوں کے مطابق بینک اپنے گاہکوں کو حسب دستور عام نوعیت کی خدمات بھی پیش کرتا ہے۔ مثلاً ترسیل وتبادلہ زربصورت ڈرافٹ، ہنڈی وغیرہ۔ غیر ملکی زر مبادلہ کی خرید وفروخت اور کرنسی کا ایک دوسرے سے ایکسچینج۔ ٹریولرز چیکس کی فروخت جو اندرون ملک اور بیرون ملک دونوں کے لئے ہوتے ہیں، اصل کاری / پورٹفولیو انتظامیہ، متولی (ٹرسٹی)، اور ناموزد کمپنی سروس وغیرہ۔

پاکستان میں اسلامی بینکنگ:

پاکستان میں بھی غیر سودی اسلامی بینکنگ کے لئے خصوصی قانون پاس کیا گیا ہے۔ اور چونکہ پاکستان اسلامیت کے معاملہ میں دیگر مسلم ممالک سے کچھ زیادہ ہی پرجوش ہے اس لئے وہاں اسلامی بینکنگ سسٹم کی مقبولیت میں روز افزوں ترقی ہورہی ہے۔ حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں بینک کو جو خصوصی مراعات دی گئی ہیں ان سے غیر سودی کاروبار اسلامی اصولوں پر بہ آسانی چلایا جارہا ہے۔ یہ نظام بھی مرابحہ، مضاربہ اور مشارکہ اصولوں پر مبنی ہے۔ لیکن ملکی ترقیاتی ضروریات کے پیش نظر اور صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے درآمدات اور برآمدات اور ملکی مصنوعات کے فروغ میں اسلامی بینک کا خاص کردار ہے۔ تمام انفرادی معاملات پوری چھان بین کے بعد (جو ایک پڑتالی محکمہ کے ذمہ ہے) اصل کاری کے لئے طے کئے جاتے ہیں، اور اس سلسلے میں ایک باقاعدہ معاہدہ عمل میں آتا ہے، اس ایگریمنٹ میں تینوں پارٹیوں کو معاہدہ کی شرائط اور سرمایہ کاری کی رقم کے تعین سے اظہار رضامندی لازمی ہے۔ ان پارٹیوں میں پہلی پارٹی تاجر (بزنس مین)، دوسری بینک اور تیسری پارٹی ڈپازیٹرس ہیں جن کی نمائندگی بینک کرتا ہے۔

مثال کے طور پر کسی تاجر کو امریکہ سے دس لاکھ ڈالر کی مالیت کا ایک لاکھ ٹن سیمنٹ درآمد کرنا ہے۔ ہر پارٹی مندرجہ ذیل حسابات سے رقم داخل کرے گی:

۱- ڈپازیٹر ——— آٹھ لاکھ ڈالر

۲- بینک ——— ایک لاکھ ڈالر

۳- تاجر ——— ایک لاکھ ڈالر

کل میزان ——— دس لاکھ ڈالر

25 فی صد کے حاشیائی (مارجینل) ڈپازٹ اور ½1 فی صد کے کمیشن سے بینک ایک پروانہ ساکھ کھولے گا۔ اس 25 فی صد میں وہ نقد گارنٹی بھی شامل ہوگی جو بینک کی طرف سے ہوگی اور جو بصورت عدم ادائیگی روپیہ ہوتی ہے۔ جب سیمنٹ بندرگاہ میں پہنچ جائے گا تو اسے تاجر کے گودام میں اسٹور کیا جائے گا اور اسی کے ملازموں اور رابطوں کے ذریعہ اس کی فروخت عمل میں آئے گی۔ ان خدمات کے لئے تاجر کو جائز اصل اخراجات ادا کئے جائیں گے، اور اس سے قبل ہونے والے دیگر اخراجات کے کھاتہ میں درج کردئے جائیں گے، جب تمام سیمنٹ فروخت ہو چکے گا تو اس کی قیمت خرید میں کل اخرجات جمع کر کے قیمت فروخت میں سے منہا کر دئے جائیں گے جس سے منافع کی اصل رقم نکل آئے گی۔

نفع نقصان میں شرکت کے اصول کے بارے میں عوام میں البتہ کچھ غلط فہمیاں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ برسہا برس کے سودی نظام اور سرکاری ٹیکسوں کی چوری نے بہت سے اصل کاروں کو ہیرا پھیری کا عادی بنا دیا ہے۔ وہ غلط کھاتے تیار کرتے ہیں یا دوہرے کھاتے بناتے ہیں، ایک کھاتا اصل ہوتا ہے جو ان کے خود کے لئے ہوتا ہے، دوسرا کھاتا فرضی ہوتا ہے جو دوسروں کو یا سرکاری افسروں کو دکھانے کے کام آتا ہے، حد یہ ہے کہ امداد باہمی کی فرموں کے کھاتوں میں بھی اسی قسم کی ہیرا پھیری ہوتی ہے حالانکہ انہیں چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ چیک کرتے ہیں۔ ان کھاتوں میں یا تو فرضی نقصانات دکھائے جاتے ہیں یا فائدہ کا بہت ہی مختصر مارجن دکھایا

جاتا ہے۔ نیز ڈائرکٹر کی تنخواہیں بڑھا چڑھا کر پیش کی جاتی ہیں جب کہ یہ ڈائرکٹر عموماً اصل کار کے ہی قریبی رشتہ دار یا اس کے خاص آدمی ہوتے ہیں جن میں سے بہت سے تو فرم کے نام اور کام تک سے واقف نہیں ہوتے۔ آڈیٹر لوگ کھاتوں کے صرف قانونی پہلو پر ہی نظر ڈالتے ہیں اور اخراجات کے جائز یا ناجائز ہونے کی کوئی چیکنگ نہیں کرتے۔ اس لئے آڈٹ میں بھی منافع کا صحیح اور ایماندارانہ اندازہ نہیں ہوپاتا۔ جب عام اخلاقی قدروں کی یہ کیفیت ہو تو یہ بات بھی بعید نہیں کہ نفع نقصان شرکت سسٹم میں یہ بدعنوانیاں اور بھی بڑھ جائیں جن کا اثر ڈپازیٹروں یا عوام کے پیسے پر پڑے۔ نیز یہ بھی قطعی ممکن ہوسکتا ہے کہ بینکوں رمالی امدادی اداروں کے بعض بدقماش ملازمین اور اصل کاروں کے درمیان سازباز کے ذریعہ کاروبار رمنافع کی اصل صورت حال بینک کے سامنے نہ آنے دی جائے۔ شرکت سسٹم میں اس قسم کی ترغیب کے بہت مواقع ہیں۔

ہندوستان میں اسلامی بینکنگ کا عملی پہلو:

ہندوستان کے مجوزہ اسلامی بینک کو بھی غیر شیڈیولڈ کمرشیل بینکوں کی صف میں کمپنیز ایکٹ کی دفعہ 25 کے تحت رجسٹر کرایا جاسکے گا۔ یہ دفعہ ان کمپنیوں سے متعلق ہے جو خیراتی امدادی امور، فنون لطیفہ، آرٹس، سائنس، کامرس وغیرہ کے فروغ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ اور ایسی کمپنیوں کو ٹیکس سے مکمل چھوٹ ہے۔ نیز اس دفعہ کے تحت کمپنیوں کو برائے نام سرمایہ حصص کے ذریعہ یا اس کے بغیر بھی رجسٹر کرایا جاسکتا ہے۔ جب کہ بینک کے لئے شیئر کیپٹل (سرمایہ حصص) لازم ہے۔ اور جو کمپنی خیراتی امدادی امور وغیرہ کے سلسلے میں بنائی جائے وہ یقیناً غیر سودی کاروبار کرنے کی بھی مجاز ہوگی اور ریزرو بینک آف انڈیا سے اسے لائسنس ملنے میں کوئی پس وپیش نہیں ہوسکتی، اور درخواست کئے جانے پر ریزرو بینک آف انڈیا اسے یقیناً اپنے جاری کردہ انٹریسٹ حکم ناموں سے بھی مستثنٰی کرسکتا ہے۔ بینک کا اداشدہ اصل (پیڈ اپ کیپٹل) مختلف متمول افراد سودی بینکوں سے اپنی رقوم نکلوا کر بآسانی فراہم کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر پنجاب وقف بورڈ

کا چار پانچ کروڑ روپیہ مختلف سودی بینکوں میں جمع ہے، یا سرکاری تمسکات اور قرض ناموں میں لگا ہوا ہے، یہ سرمایہ اسلامی بینک میں منتقل کردینا زیادہ مفید ہوگا۔ اسی طرح اور بھی دیگر ریاستوں کے وقف بورڈوں اور درگاہوں کے جمع سرمایہ کو بینک میں داخل کیا جاسکتا ہے، کئی بڑی مسلم کمپنیاں بھی اس کے حصص خرید سکتی ہیں، اس سے فراہمی سرمایہ کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہوسکتا ہے۔ سرمایہ کا 15 فیصد ریزرو بینک آف انڈیا میں بطور CRR جمع کرنا لازم ہے جس میں سے 12 فی صد پر بینک انٹرسٹ دے گا۔ اس سے مفر ممکن نہیں اور نہ اس سود سے مفر ممکن ہے۔ پھر سرمایہ کا 38.5 فی صد حصہ ضابطہ کے مطابق سرکاری سیکورٹیز (کفالت ناموں) میں لگانا پڑے گا۔ اس پر بھی سود ملے گا اور اس سے بھی مفر نہیں ہے۔ اور اگر اس پر کوئی سود نہ لیا گیا تو بینک کے پاس کاروبار کے لئے صرف 46.5 فی صد سرمایہ باقی رہ جائے گا جس میں بینک کے چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب صرف دو صورتیں ہیں۔ یا تو سرکاری رقم پر سود بالکل نہ لیا جائے اور اس رقم کو ایک طرح سے بلاک کردیا جائے یا پھر سود قبول کیا جائے (بہ امر مجبوری)، اور اس رقم کو امدادی امور یا بینک کے اخراجات میں صرف کیا جائے جیسے پرنٹنگ، اسٹیشنری فرنیچر وغیرہ۔ اس کے علاوہ ماہرین معاشیات کی رائے لے کر حکومت ہند سے درخواست کی جائے کہ بینک کو گورنمنٹ سیکورٹیز خریدنے کے بجائے یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کے سرٹیفکٹ خریدنے کی اجازت دی جائے۔ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کا کاروبار غیر سودی ہے، یہ اپنے سرٹیفکٹ ہولڈروں کو منافع کی رقم تقسیم کرتا ہے اور اس کا اوسط یکساں نہیں ہوتا بلکہ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ یعنی منافع مقرر نہیں ہوتا۔ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کے منیجر مسٹر شاستری نے 1987 میں بنگلور میں منعقدہ اسلامی بینکنگ پر سمینار میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کا اصل کام سرمایہ کار اور اصل کار کے درمیان تعاون کروانا اور دولت کی مرکزیت اور انجماد کو ختم کرنا ہے۔ ڈپازیٹروں کے سرمایہ حصص کو مختلف اصل کاریوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے جو منافع ہوتا ہے وہ شیئر ہولڈروں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، اور یہ عمل بالکل مضاربہ اصول کے مماثل ہے۔

اس میں نہ ربا ہے نہ استیصال اور نہ عدم مساوات یا عدم انصاف۔ اس سلسلے میں یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کے طریق کار سے مزید واقفیت حاصل کرنے کے لئے ماہرین سے گزارش کی جانی مناسب ہوگی، نیز ان کی رپورٹ پر علمائے کرام کی رائے لینی بھی ضروری ہوگی کہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا کے حصص سرٹیفکٹ لینے مناسب ہوں گے یا نہیں۔ اگر یہ عمل قابل قبول ہو تو یہ سرکاری سیکورٹیز ان کفالت ناموں کا بہترین متبادل ثابت ہوسکتے ہیں بشرطیکہ ریزرو بینک آف انڈیا بھی اس کی منظوری دے دے۔

ہندوستانی بینکنگ کے سودی نظام میں غیر سودی کاروبار کی گنجائش تو ہے لیکن ملک کے قانونی ڈھانچے میں اس کے لئے جگہ بہت تنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینک ایک شیڈ یولڈ بینک کے بجائے 1956 کے کمپنیز ایکٹ کے تحت غیر بینکنگ مالی کمپنی کے طور پر عمل کرسکتا ہے۔ ہندوستان میں غیر سودی کاروبار کی امداد باہمی انجمنیں، ادارے اور کمپنیاں پہلے سے سرگرم عمل ہیں۔ امداد باہمی سوسائٹیاں غیر سودی ڈپازٹ قبول کر کے اپنے ممبروں کی مختصر مدتی مالی ضروریات کے لئے امداد کے طور پر سرمایہ دیتی ہیں۔ یہ انجمن کے اخراجات کے لئے ممبروں سے صرف فیس داخلہ قبول کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کاروباری مقاصد کے لئے عطیات، چندے، تحائف وغیرہ کی صورت میں روپیہ فراہم کر کے غیر سودی قرض کے لئے رقوم بھی دیتی ہیں۔ بعض سوسائٹیوں کا کاروبار اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ وہ کمپنیوں کا مقابلہ کرنے لگی ہیں۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ ادارے، زمین، زیور یا جائداد اپنے پاس رہن رکھ کر مطلوبہ قرض رقم فراہم کرتی ہیں، اور یہ رقم ایک معینہ مدت کے اندر اندر واپس کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کئی عملی پریشانیاں بھی ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی فرد اپنا زیور رہن رکھنا چاہتا ہے۔ انجمن کا کوئی اہلکار اس زیور کو سنار کے پاس لے جا کر اس کے کھرا کھوٹا ہونے کا پتہ کرے گا، وزن کروا کر اس کی قیمت کا تخمینہ لگوائے گا، اب اگر مثال کے طور پر اس کی قیمت دو ہزار روپیہ جانچی جاتی ہے تو انجمن اس پر ایک ہزار روپیہ تک قرض دے دے گی (رقم کے تحفظ کے پیش نظر)، اگر مقررہ میعاد کے اندر وہ رہن زیور نہ چھڑایا گیا

تو کچھ مدت انتظار کے بعد اس شخص کو اس کا زیور فروخت کرنے کا نوٹس دیا جائے گا، اس کے لئے ایک بار پھر سونار کی خدمات حاصل کی جائیں گی جو سونے کے زیورات کی موجودہ قیمت فروخت اور زیور میں کھوٹ کی شرح کا حساب کتاب لگا کر اس کی قیمت بتائے گا۔ اور زیور خرید لے گا۔ انجمن اپنی قرض رقم رکھ کر باقی رقم زیور کے مالک کے حوالے کردے گی، لیکن اس پریشان کن عمل میں بے ایمانی کی بھی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سونار اس کو خریدنے کی نیت سے اس میں کھوٹ کی ملاوٹ، ٹانکے اور نگوں کا وزن اور نہ جانے کیا کیا چیزیں بتا کر اس کی قیمت دانستہ کم بتائے گا، اور بڑے احسان دکھانے کے بعد بظاہر بے دلی سے اسے خرید لے گا، جب کہ اس کی قیمت یقیناً سونار کی قیمت خرید سے زیادہ ہی ہوگی۔

غیر بینکنگ مالی امدادی کمپنیوں کی رجسٹریشن بھی انڈین کمپنیز ایکٹ 1956 کے مطابق ہی ہوتی ہے۔ کمپنی اپنے ممبروں، ڈپازیٹروں اور پبلک سے سرمایہ حصص حاصل کر کے (یعنی کمپنی کے حصص فروخت کر کے) سرمایہ فراہم کرتی ہے اور اس سے اپنا کاروبار کرتی ہے۔ حصص کی پوزیشن یہ ہے کہ ایک شیئر یا حصہ مبلغ دس روپیہ کا ہوتا ہے اور کم سے کم سو روپیہ کی قیمت کے دس حصے ہر شخص کو خریدنے ہوتے ہیں۔ ڈپازیٹروں میں شرکت منافع کے ڈپازٹ اور سرٹیفکیٹ، ہاؤسنگ ڈپازٹ، اور دیگر غیر سودی نوعیتوں کے ڈپازٹ (کرنٹ، سیونگ، مختصر میعادی، درمیانی اور طویل میعادی ڈپازٹ وغیرہ) شامل ہوتے ہیں، کمپنی اس سرمایہ کو کاروبار میں صرف کرتی ہے اور اس کی سرگرمیوں کا دائرہ کافی وسیع ہوتا ہے، جیسے اجارہ، قرض حسنہ (غیر سودی قرض)، منصوبوں میں اصل کاری جو مضاربہ اور مشارکہ اصولوں پر ہوتی ہے، مکانات کی تعمیر کے منصوبے اور دیگر تعمیراتی پروجیکٹوں میں سرمایہ کاری، درآمدی مال پر سرمایہ کاری، غیر ممالک میں بسنے والے ہندوستانیوں کے بچت سرمایہ کو ملک کے ترقیاتی پروگراموں میں استعمال کرنا، سرمایہ کی کمی پوری کرنے کے لئے قرضوں کی فراہمی کا بندوبست کرنا، فیکٹرائزنگ، بل ڈسکاؤنٹنگ، اور تجارتی مالی خدمات جیسے افراد کی تعلیم اور ٹیکنیکل تربیت، حصول ملازمت کے امکانات کی معلومات فراہم کرنا،

دستکاری کی رہنمائی، مالی خدمات اور مسلمانوں کی معاشی بہبودی اور ترقی کے پروگراموں پر عمل وغیرہ۔

سرمایہ لگانے کے سلسلے میں بینک کو مندرجہ ذیل نکات پیش نظر رکھنے ضروری ہیں:

۱-جہاں تک ممکن ہو سکے صرف محفوظ امور رمنصوبوں میں ہی اصل کاری کی جائے۔ سٹہ جیسے قیاسی کاروبار یا تخمین بازی وغیرہ میں اصل کاری نہ کرے۔ مثال کے طور پر مکانات یا پلاٹوں کی خرید فروخت کا کاروبار یا کالونیاں ڈیولپ کرنا۔

۲-ایسے امور میں قطعی سرمایہ نہ لگایا جائے جو شریعت کے منافی ہوں۔

۳-اصل کاری ایسے امور میں ہو جو مسلمانوں کی معاشی، اقتصادی اور معاشرتی بہبود کے لئے ترجیح رکھتے ہوں۔

۴-کسی چیز کی مینوفیکچرنگ یا تیاری یا بنانے میں بینک اس قسم کی سہولیات اور مراعات مہیا کرے جو اس علاقہ میں کسی صنعت یا حرفت کے قیام میں معاون ہو سکیں۔ بینک انکو کاروباری اور انتظامی مشورے بھی دے سکتا ہے۔

۵-کسی ایک ہی نوعیت کے کاموں میں اصل کاری کے بجائے بینک متفرق نوعیتوں کے کاموں میں اصل کاری کرے۔

۶-بینک کسی ایسی رواں رجاری صنعت میں یا حرفت میں بھی اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے جس کے لئے اس سے قبل کسی مجبوری یا لاعلمی کے تحت سود پر قرض لیا گیا ہو، لیکن اس قسم کی کسی نئی اکائی یا صنعت یا کاروبار کے شروع کرنے میں اسلامی بینک اپنا سرمایہ نہیں لگا سکتا۔

بینک کو اپنا کاروبار مضاربہ اصول پر اور کسی حد تک مشارکہ اصول پر کرنا مناسب ہوگا۔ جہاں تک مرابحہ کاروبار کا تعلق ہے یہ دیکھا گیا ہے کہ اسلامی بینکوں کا مرابحہ کاروبار دراصل سود پر مبنی کاروبار کے چہرہ پر ایک باریک نقاب کی مانند ہوتا ہے۔

بینک کے کاروبار کے کنٹرول اور نگرانی کے لئے مندرجہ ذیل باتوں پر دھیان دیا جانا

ضروری ہے:

۱- تمام تجاویز پر غور وخوض اور ان کو منظوری دینے یا نامنظور کرنے کا عمل اہل اور ماہر افراد کی کمیٹی کے ذمہ ہونا چاہئے، جو خصوصیت سے یہ بات مدنظر رکھیں کہ اس منصوبہ میں بینک کی طرف سے لگنے والے سرمایہ کا کس حد تک تحفظ ہے، اور سرمایہ کاری کا دائرہ کتنا وسیع ہے، نیز یہ کہ اصل کار کی انتظامی اہلیت اور کاروباری صلاحیت کس نوعیت کی ہے۔

۲- ایک ایسی انتظامیہ مشینری کا وجود لازمی ہے جو منصوبوں کی تجاویز کی منظوری اور ان میں سرمایہ کاری کے مابعد وقتاً فوقتاً اس کاروبار کی چیکنگ اور حسابات پر نظر رکھ سکے۔

۳- مختلف تجاویز کے سلسلے میں پیش کردہ خاکے، دستاویزات، پلاننگ چارٹ اور دیگر تفصیلات کی چھان بین ان تجاویز کی منظوری سے قبل بھی ضروری ہے اور جب اس میں کوئی رد وبدل کی جائے تب بھی بہت ضروری ہے، خصوصیت سے غیر منقولہ جائداد کے سلسلے میں تو بہت زیادہ احتیاط اور نگرانی کی ضرورت ہے۔

۴- قرض صرف اس صورت میں دیا جائے جب قرض رقم کے مساوی یا اس سے زیادہ مالیت کی کوئی جائداد بطور ضمانت بینک کے پاس رہن رکھی جائے۔ بغیر اس قسم کی گارنٹی کے قرض دینا اپنی رقم کو جوکھم میں ڈالنے کے مترادف ہوگا، بلکہ بینک کو اصرار کرنا چاہئے کہ اس کے بغیر کسی بھی قسم کا قرض نہیں دیا جائے گا۔

۵- بینک کے اپنے حسابات اور اسکی مالی اکائیوں یا شاخوں کے حسابات آمد وخرچ کے گوشوارہ، لیجر وغیرہ کی چیکنگ وقتاً فوقتاً ہونی بہت ضروری ہے، نیز ان امور پر بھی نظر رکھنی بہت ضروری ہے جن میں بینک اپنا سرمایہ بہ سلسلہ اصل کاری لگائے۔ اس کام کے لئے قابل آڈیٹر اور چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ مقرر کئے جائیں جو اپنی میعادی تنقیح کی رپورٹ بینک کو پیش کریں۔

جہاں تک بینک کے آئین وضوابط اور قوانین کا تعلق ہے اس کی تیاری کی ذمہ داری بینک کی مشاورتی کمیٹی کے سپرد ہونا چاہئے۔

ایک ضروری امر یہ ہے کہ اگر اسلامی بینک کے قیام میں یا اس کی ابتدائی کارکردگی کے سلسلے میں کوئی اڑچن یا دشواری پیش آتی ہے تو کسی نئے بینک کے قیام کی کوشش کے بجائے رواں مالی امدادی اداروں یا کمپنیوں میں سے کسی کے ذریعہ غیر سودی اسلامی بینکنگ کے کام کا آغاز کیا جا سکتا ہے، اور اس سلسلے میں ان بہت سے اداروں کی کارکردگی پر غور کیا جا سکتا ہے جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں اسلامی اصولوں پر غیر سودی کاروبار نسبتاً مختصر پیمانہ پر کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔

مجوزہ بینک کا ڈھانچہ:

دنیا کے مختلف ممالک کے اسلامی بینکوں کے طریقہ کار اور انتظامی ڈھانچہ کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی بینک آف ملیشیا سے بہتر کوئی دوسرا نمونہ نہیں ہے۔ اس لئے ذیل میں اس کے تنظیمی ڈھانچہ کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ اس تنظیمی ڈھانچہ میں بینک کی تدریجی ترقی اور ضروریات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ مناسب ردوبدل اور اضافہ کی کافی گنجائش ہے۔ اس کے مطابق بینک کی چوٹی پر بورڈ آف ڈائرکٹرز ہے۔ بینک کا چیف ایگزیکیوٹیو براہ راست بورڈ آف ڈائرکٹرز کو اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔ داخلی آڈیٹرز بھی اپنی تنقیحی رپورٹ براہ راست بورڈ کو دیں گے۔ مذہبی امور نگراں کمیٹی بینک کی کارکردگی اور سرگرمیوں کے مذہبی پہلو پر بورڈ کو اپنی رائے دے گی۔

ابتداء میں بینک کے تین ڈویژن ہوں گے: ۱-فنڈ نگ ڈویژن، ۲-انویسٹمینٹ ڈویژن، اور ۳-ایڈمنسٹریشن ڈویژن۔ بینک کی جو شاخیں قائم کی جائیں گی وہ فنڈ نگ ڈویژن کے تحت ہوں گے۔

۱-فنڈ نگ ڈویژن:

اس ڈویژن کے تحت پانچ محکمے ہوں گے جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف-کرنٹ اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ، جو کرنٹ (رواں) کھاتوں کا انتظام اور خدمت کرے گا۔

ب-سیونگ اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ، جو بچت کھاتوں کا انتظام، دیکھ بھال اور خدمت انجام دے گا۔

ج-جنرل انویسٹمینٹ اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ، جو عام اصل کاری کھاتوں کا ذمہ دار ہوگا۔

د-اسپیشل انویسٹمینٹ اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ، جو خصوصی یا طویل مدتی اصل کاری کھاتوں کا کام دیکھے گا۔

ھ-جنرل بینکنگ سروس ڈپارٹمنٹ، جو بینک کے عام معاملات مثلاً شاخوں کی نگرانی اور دیکھ بھال ٹریولرز چیکوں اور ترسیلات کا ذمہ دار ہوگا۔

بینک کی تمام شاخوں کے چار حصے ہوں گے:

۱-اکاؤنٹس سیکشن۔

۲-ڈپازٹ سیکشن۔

۳-اصل کاری سیکشن۔

۴-دیگر بینک سروسز سیکشن۔

۲-انویسٹمنٹ (اصل کاری) ڈویزن:

اس ڈویزن کے تحت مندرجہ ذیل چار محکمے ہوں گے:

۱-بزنس ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ: جو مارکیٹنگ، رابطہ عامہ، بزنس پروموشن اور عوام کی مشاورتی خدمات کا ذمہ دار ہوگا۔

۲- ٹرم انویسٹمنٹ (میعادی اصل کاری) ڈپارٹمنٹ: یہ بینک کے قرضہ جات اور اصل کاری پورٹفولیوز کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کے تین سیکشن ہوں گے:

الف - پروسیسنگ (جانچ پڑتال) سیکشن۔

ب - کریڈٹ سپرویژن سیکشن۔

ج - کریڈٹ ایڈمنسٹریشن سیکشن۔

پروسیسنگ سیکشن کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اصل کاری کی تجاویز کا اندازہ کرے اور ان کی سفارش کرے۔ کریڈٹ سپرویژن ڈویژن کا کام ہوگا کہ وہ بینک کی اصل کاری کے منصوبوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرے۔ کریڈٹ ایڈمنسٹریشن سیکشن کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ بینک کے قرضوں اور اصل کاری کے پورٹفو لیوز کا مکمل طور سے جائزہ لے، اس کے علاوہ وہ ڈاکومینٹیشن اور قرضہ جات کی ادائیگی اور ان کی واپسی اقساط اور منافع کی رقوم کو اکٹھا کرنے کے فرائض انجام دے۔

۳- شارٹ ٹرم انویسٹمینٹ ڈپارٹمنٹ (مختصر مدتی اصل کاری محکمہ): یہ بینک کے مختصر مدتی میعادی اصل کاری، تجارت، سرمایہ کاری اور دوسری خدمات کی نگرانی کرتا ہے۔ اس محکمہ کے تین حصے ہوں گے:

الف - ٹریڈ فائنانسنگ سیکشن۔

ب - غیر ملکی کرنسی کے مبادلہ کا سیکشن۔

ج - مختصر مدتی اصل کاری سیکشن۔

ٹریڈ فائنانسنگ سیکشن ساکھ پروانہ اور دوسری خدمات کا ذمہ دار ہوگا۔

غیر ملکی کرنسی کے مبادلہ کا شعبہ غیر ملکی زرمبادلہ سے متعلق امور اور سرمایہ بازار کی دیگر جائز سرگرمیوں کا جو مطابق شریعت ہوں ذمہ دار ہوگا۔

مختصر مدتی اصل کاری سیکشن اصل کاری کے سرٹیفکٹوں، نقد سودوں کی نوعیت کی اشیائے تجارت اور دوسرے بینکوں کے ساتھ توازن کے قیام کی دیکھ بھال نگرانی کرے گا۔

۴- ایکویٹی فنڈز ڈپارٹمنٹ: بینک کے حصہ داروں کے سرمایہ کے انتظام کا ذمہ دار ہوگا۔

۳-ایڈمنسٹریشن ڈویزن:

ایڈمنسٹریشن ڈویزن کے تحت چار محکمے ہوں گے:

الف-اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ، جو شاخوں کی نگرانی، سرمایہ کاری اور انتظامیہ کے حساب کتاب، انتظامیہ اور سرکاری ضابطوں کے مطابق مطلوبہ رپورٹوں کی تیاری، بجٹ کی تیاری، اور منافع جات کے تعین کا ذمہ دار ہوگا۔

ب-پرسونیل ڈپارٹمنٹ: جو بینک ملازمین اور بھرتی کئے جانے والے امیدواروں کی تربیت، بہبود اور تنخواہوں وغیرہ سے متعلق جملہ امور کا نگراں ہوگا۔

ج-لیگل ڈپارٹمنٹ: جو بینک کی سرگرمیوں اور کاروباری امور سے متعلق ہر نوعیت کے قانونی معاملات کا نگراں ہوگا۔

د-پلاننگ اور ریسرچ ڈپارٹمنٹ: جو بینک کے کارپوریٹ پلان کی تیاری اور تحقیق سے متعلق تمام سرگرمیوں کا ذمہ دار ہوگا۔

بینک کے ہر شعبہ میں کام کرنے والے ملازم کے لئے ضروری ہے کہ اسکو اسلامی بینکنگ کی مطابق شریعت کارکردگی اور سرگرمیوں سے پوری پوری واقفیت ہو۔ وہ اچھے اخلاق اور بلند کردار کا ہو اور اس میں خدمت خلق کا جذبہ بھی ہو، اس کی ایمانداری شکوک سے بالاتر ہو، اور جو اپنے کام میں ماہر ہو اور گاہکوں کو ان کے سوالات کے شافی جواب دے کر مطمئن کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کو تجارت کے اسلامی طریقوں سے پوری پوری واقفیت ضروری ہے۔ ان ملازمین کے کندھوں پر ہی بینک کو حسن وخوبی سے چلانے اور اسے کامیاب بنانے کی ذمہ داری ہے۔ کامیابی یا ناکامی اللہ تبارک وتعالی کے ہاتھ میں ہے لیکن کوشش انسان کا فرض ہے۔ اگر اسلامی بینکنگ کا یہ تجربہ ناکام ہوگیا تو اس سے نہ صرف ملک کے مسلم معاشرہ کو دھکا پہنچے گا اور ان کی ترقی وبہبود کی راہیں بند ہو جائیں گی بلکہ وہ سودی بینک کاری نظام کے تمسخر کا نشانہ بھی بنیں گے، نیز اس سے ملک کی غیر مسلم آبادی کو یہ خیال آئے گا کہ عصر جدید میں اسلامی اصول

خصوصاً بینک کاری کی سرگرمیاں قابل عمل نہیں۔ اس لئے ہر قیمت پر ہر ملازم کا یہ فرض ہوگا کہ وہ بینک کی کامیابی کو اپنی اور اپنے معاشرہ کی کامیابی کا ضامن تصور کرے۔

ذیل میں کچھ چارٹ رنقشے پیش کئے جاتے ہیں جن کا تعلق بالواسطہ طور پر اسلامی بینکنگ کے انتظامیہ سے ہے۔

مالی درجہ بندی کا نقشہ

قسم کھاتہ	متوقع منافع	کل رقم	اوسط آمدنی بعد شرح	اسلامی بینک کے حصص	گاہکوں کے حصص
۱-کرنٹ اکاؤنٹ	......	......	......	......	......
۲-خطرہ مول لیا جانے والا سرمایہ	......	......	......	......	......
۳-مشترکہ مالی طور پر لگایا ہوا سرمایہ	......	......	......	......	......
۴-پیداواری سہولیات	......	......	......	......	......
۵+ سرمایہ کی قیمت	......	......	......	......	......
۶-اضافہ	......	......	......	......	......
۷-تخفیف	......	......	......	......	......

آمدنی اور خرچ کا میزانیہ

اسلامی بینک کی مالی پوزیشن		صارفین کے حصص
آمدنی	خرچ	سرمایہ حصص
مجموعی منافع	دفتری اخراجات	مجموعی منافع
	منیجر	تخفیف
	نائب منیجر	فیس جو اسلامی بینک کو ادا کی گئی
–	خزانچی رکلرک	زر اصل
–	کلرک رنائپسٹ	اصل منافع
–	کرایہ بلڈنگ	اوسط شرح فی صد
–	اسٹیشنری	–
–	متفرق	–
–	ذیلی میزانیہ	–
–	نئے منافع جات	–
میزان:	میزان:	میزان:

اسلامی بینک کی مجوزہ آمدنی اورخرچ کا نمونہ گوشوارہ

ذمہ داریاں	اثاثہ
۱- عارضی کھاتے، کسٹمر کریڈٹ اکاؤنٹ، انفرادی اکاؤنٹ، دیگر کھاتے	نقد سرمایہ
۲- طویل مدتی میعادی کھاتے، ٹائم کریڈٹ اکاؤنٹ، انفرادی کھاتے، دیگر کھاتے	دوسرے بینکوں پر واجب رقوم
۳- میعادی اصل کاری کھاتے۔	گاہکوں پر واجب رقوم
۴- منجمد کھاتے۔ کم میعادی، وسط میعادی، طویل میعادی	غیر سودی زر پیشگی، ضروریات کے لئے/آسائش اشیاء کے لئے۔
۵- غیر ملکی زر مبادلہ، قابل ادائیگی بل	سرمایہ جو کاروبار میں/اصل کاری میں لگا ہوا ہے۔
۶- سرمایہ حصص مثلاً =/10 روپے کی مالیت کے ایک لاکھ حصص۔	مالی شرکت۔ کم مدتی، وسط مدتی، طویل مدتی۔
	سرمایہ جس پر خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔
	املاک۔
	پیداواری سہولیات، لیز ہولڈ، خریداریاں، ایکویٹی ہائر پرچیز
	متوقع اصل کاری میں لگایا جانے والا سرمایہ
	کرایہ پر دی گئی جائداد
	منجمد سرمایہ، لیز ہولڈ، جائداد فرنیچر، دیگر سامان۔

☆☆☆

ہندوستان کے سیاق وسباق میں اسلامی بینکنگ کے عملی پہلو

ڈاکٹر کے، جی، منشی (احمد آباد)

ہندوستان میں روایتی بینکنگ کی بنیاد سود پر مبنی ہے، بینکنگ کے موجودہ ڈھانچہ میں بینکنگ سیکٹر اور پورے مالی مارکٹ کی نگرانی کے لئے ریزرو بینک آف انڈیا مرکزی نگراں کے طور پر ہے، جب کہ منی مارکٹ ان تمام اداروں کا ایک مرکب ہے جو مختصر مدتی رقوم فراہم کرتا ہے، بینکنگ ادارے اپنی تنظیموں کی اقسام کی بنیاد پر دو بڑے گروپوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں:

(الف) پہلا گروپ ہے کمرشیل یا تجارتی بینک، جو مزید دو گروپوں قومی ملکیت کے بینکوں اور پرائیویٹ سیکٹر بینکوں میں منقسم ہیں۔قومیائے ہوئے بینک حکومت ہند کے براہ راست تسلط اور نگرانی میں ہیں ریزرو بینک آف انڈیا، اسٹیٹ بینک آف انڈیا، اور اس کی تمام ذیلی شاخیں اور بیس بڑے کمرشیل بینک اس گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔اور یہی تمام بینک عموماً بینکنگ کاروبار کا نوے فی صد حصہ حاصل کرلیتے ہیں۔پرائیویٹ سیکٹر بینک بھی دو اقسام کے ہیں:(۱) شیڈیولڈ یا منصوبہ بند بینک، اور (۲) غیر شیڈیولڈ بینک، ریزرو بینک آف انڈیا کے الحاقی لوازمات پورا کرکے شیڈیولڈ بینک منصوبہ بندی کی سند حاصل کرلیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر کئی مراعات حاصل کرلینے کے علاوہ ایسی کئی ذمہ داریاں بھی ادا کرتے ہیں جو غیر شیڈیولڈ بینکوں کے لئے ضروری نہیں ہیں، یہ بینک جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے طور پر رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔

(ب) کوآپریٹیو یا امداد باہمی بینک:

ان کی تنظیم امداد باہمی کے اصولوں کے مطابق ہوتی ہے جس میں اس کے ممبروں کے مالی یا معاشی مفادات کو بہتر بنانے کے لئے امداد باہمی پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ دو اقسام میں منقسم ہیں یعنی شہری اور دیہی، جس کا انحصار ان کے دائرہ کار پر ہے۔ شہری امداد باہمی بینکوں کے اعداد و شمار سے متعلق ضروری معلومات ان بینکوں سے تنخواہ پانے والوں یا امداد باہمی کے طور پر قرض دینے والی انجمنوں کے کارکنان کو فراہم کی جاتی ہیں۔ دیہی علاقہ کے لئے امداد باہمی بینکنگ کے مختصر اور طویل مدتی ڈھانچے ہیں، مختصر مدتی کے لئے سب سے اوپر اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک ہے جس کے تحت ضلع کی سطح پر سینٹرل کوآپریٹیو بینک اور دیہی سطح پر ابتدائی امداد باہمی قرض دینے والی انجمنیں ہیں۔ طویل مدتی کے لئے سب سے اوپر ریاستی سطح پر اسٹیٹ لیول ترقیاتی بینک ہے اور ضلع کی سطح پر ڈسٹرکٹ لیول مارگیج بینک اور دیہی سطح پر ابتدائی لیول مارگیج اور امداد باہمی کی انجمنیں ہیں، یہ ایک وفاقی ڈھانچہ ہے جو تین درجات کا ہے۔ مختصر مدتی ڈھانچہ صرف ایک درجہ کا ہے۔ امداد باہمی بینکنگ کی ایک خصوصیت اس کا علاقائی عدم توازن اور درجاتی فرق ہے، بعض ریاستوں میں اس کا ڈھانچہ دو درجات کا ہے اور بعض میں تین درجات کا ہے۔

درمیانی مدت اور طویل مدتی سرمایہ کی فراہمی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کئی ادارے ہیں جو ترقیاتی بینک کہلاتے ہیں۔ جیسے انڈسٹریل ڈولپمنٹ بینک آف انڈیا، انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انوسٹمنٹ کوآپریٹیو بینک آف انڈیا، اور یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا وغیرہ۔ یہ سرمایہ کا مارکٹ بناتے ہیں۔ مختصر، درمیانی اور طویل مدتی سرمایہ لانے اور مالی ضروریات پوری کرنے کے درمیان بہت قریبی تعلق ہے، اس لئے ریزرو بینک آف انڈیا کے ذریعہ ان دونوں کے درمیان ارتباط کے اقدامات کئے جاتے ہیں۔

اس طرح طویل وعریض پھیلا ہوا یہ ڈھانچہ سرمایہ اور مختلف طبقہ کے افراد اور

معاشیات کے حصوں کو ذیلی نوعیت کی خدمات فراہم کرتا ہے، لیکن ان سب کی بنیاد سود پر ہے۔ بینکنگ کے نگراں قوانین، بینکنگ ریگولیشن ایکٹ، ریزرو بینک، بینک آف انڈیا ایکٹ، نیگوشیبل انسٹرومینٹس ایکٹ اور کوآپریٹیو سوسائیٹز ایکٹ وغیرہ ہیں۔ یہ سب سود پر مبنی کاروبار کو فروغ دیتے ہیں۔ روپیہ کی فراہمی میں اپنے کردار کے باعث معاشی عدم استحکام کے لئے یہ مروجہ اصول ہی ذمہ دار ہیں، روپیہ کا استعمال غیر ایماندارانہ ہوجاتا ہے اور غیر معین شرح سود کے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں، دوسرے یہ کہ مختلف پارٹیوں، روپیہ جمع کرنے والوں اور قرض لینے والوں کے ساتھ غیر مساوی اور غیر منصفانہ سلوک بھی ہوتا ہے، خدمات کی بجا آوری کے لئے خدماتی اجرت کے حصول میں بھی یکسانیت نہیں برتی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر سرمایہ کے سلسلہ میں بدانتظامی یا بدمعاملگی ہوتی ہے۔ قومیائے جانے کے بعد سے خدمت کی کوالٹی گر گئی ہے اور اہلیت میں بھی کمی واقع ہوتی جارہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ منافع کا اوسط گرتا جارہا ہے۔

بینکنگ کی ان تمام خرابیوں کا شافی اور فیصلہ کن جواب اسلامی بینکنگ ہی ہوسکتا ہے، اسلامی بینکنگ شریعت کے اصولوں اور احکامات قرآنی پر مبنی ہے، یہ سود یعنی ربا پر پابندی عائد کرتا ہے اور تجارت کی ہمت افزائی کرتا ہے، اس کا مرکزی زور ان تمام پارٹیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک پر ہے جو مالی کاروبار میں حصہ لیتی ہیں اور یہ ضروری بھی ہے، کیونکہ مالی روانی رک جانے سے نقصان ان کو پہنچتا ہے جو سرمایہ سے محروم ہیں۔

اسلامی اصولوں پر مالی لین دین کے کاروبار کی مختلف نوعیتیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) مضاربہ، (۲) مشارکہ، (۳) مرابحہ، (۴) مساقاۃ، (۵) سلعہ، (۶) بینکوں کی طرف سے براہ راست سرمایہ کاری اور تعاون، (۷) قرض حسنہ۔

ہندوستان میں قابل ستائش پیمانہ پر غیر سودی مالی اداروں کے قیام کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ اس قسم کے اداروں کا بطور بینک رجسٹریشن موجودہ ملکی قانونی بنیادوں پر ممکن نہیں

ہے۔ ان کے رجسٹریشن کا جو طریقہ کار ہے اس سے ایک غیر بینکنگ سرمایہ کار کمپنی یا امداد باہمی قرض دینے والی انجمنوں کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر انڈین کمپنیز ایکٹ ۱۹۵۶ء کے قانونی دائرہ کار میں اور مؤخر الذکر کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ ضوابط مرتبہ متعلقہ اسٹیٹ گورنمنٹ کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ اس جدوجہد کو شریعت کے اصولوں اور قرآن کریم کے احکامات کے مطابق کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ان کی کارکردگی اور اس سے برآمد ہونے والے مسائل کی راہنمائی کے لئے آپ کے سامنے مع متفرق متبادل تجاویز پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) کوآپریٹیو کریڈٹ سوسائٹی

(یعنی مالی معاونت دینے والی امداد باہمی کی انجمن)

یہ اپنے ارکان سے چندہ کے حصص کی فراہمی کرتی ہے اور ان میں کفایت شعاری اور بچت کی عادت پیدا کرتی ہے۔ یہ غیر سودی امانتی رقوم قبول کرتی ہے، یہ سرمایہ بنیادی طور پر ارکان کی مالی ضروریات پر مختصر مدتی مالی معاونت کے تحت صرف ہوتا ہے۔ بہت سی انجمنیں اپنے سرمایہ کے حصول کی بنیادوں کو وسیع تر کرنے کے لئے اس سے بھی اور آگے بڑھ گئی ہیں، یعنی وہ داخلہ کی فیس، چندہ، تحفے اور فنڈ مہیا کرنے کے لئے اسی طرح کے دوسرے پروگراموں پر عمل کرتے ہیں تاکہ لوگ ان باتوں کی کشش کے باعث زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگائیں۔ اسی اعتبار سے اس سے فائدہ حاصل کرنے والوں کا دائرہ بھی وسیع تر کیا گیا ہے۔

(۲) کمپنی

انڈین کمپنیز ایکٹ کے تحت کمپنیوں کو رجسٹرڈ کیا جاتا ہے اور یہ ممبروں سے مالی حصص حاصل کرنے اور عوام کی امانتی رقوم جمع کرنے کے علاوہ مکانات کے لئے ڈپازٹ، غیر سودی

ڈپازٹ اور غیر ممالک میں رہنے والے ہندوستانیوں کے روپیہ کے ڈپازٹ بھی قبول کرتی ہے۔
ان کا کاروبار کافی وسیع اور مختلف النوع ہوتا ہے۔مثال کے طور پر پٹہ پر دینا (اجارہ)، غیر سودی پیشگی رقوم دینا (قرض حسنہ)، کسی منصوبہ کو منافع میں شرکت کی بنیاد پر مالی امداد دینا (مضاربہ)، منافع میں شرکت کی بنیاد پر مشترک طور پر کاروبار کرنا (مشارکہ)، مختلف تجارتی منصوبوں، جائداد کی خرید، مکانات کی تعمیر وغیرہ کے منصوبوں پر پیشگی رقم دینا، درآمد کے کام میں روپیہ لگانا، غیر ممالک میں ملازمت یا کاروبار کرنے والے ہندوستانیوں کے بھیجے ہوئے روپیہ کو ہندوستان میں کسی کاروبار میں لگانا۔فیکٹریوں وغیرہ کی تعمیر یا انہیں چلانے کے لئے رقم مہیا کرنا، کمیشن پر بلوں کی رقم کی ادائیگی کرنا، اور اس کے علاوہ مالی تجارتی خدمات انجام دینا جیسے تعلیم، ٹیکنیکل، تربیت اور حصول ملازمت کی اطلاعات فراہم کرنا، مالی امور میں مشورہ دینا، صنعت وحرفت اور تجارت کے متعلق معلومات بہم پہنچانا، مالی اور صنعتی خدمات انجام دینا، اور مسلمانوں کی معاشی بہبودی وترقی اور خوش حالی کے منصوبوں پر عمل کرنا، حج وغیرہ کے لئے رقوم حاصل کرنا وغیرہ، اسلامی اصولوں کے مطابق ہندوستان میں کام کرنے والے مالی ادارے یا تو: (۱) بطور انجمن مطابق سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۲۱ مجریہ ۱۸۶۰ء کے تحت، (۲) یا متعلقہ ریاستی حکومتوں یعنی ''اسٹیٹ گورنمنٹ کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ'' کے تحت، (۳) یا انڈین کمپنیز ایکٹ مجریہ ۱۹۵۶ء (۱۹۵۶ء کانمبر ۱) کے تحت رجسٹرڈ کئے جاتے ہیں، اوران کی ذمہ داریاں محدود ہوتی ہیں۔

ایک طرح سے یہ مالی ثالث کا کام انجام دیتے ہیں جو عوام سے مضاربہ کی بنیاد پر روپیہ فراہم کرکے اسی بنیاد پر کاروباری افراد کو پیشگی سرمایہ بہم پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح موجودہ سسٹم دو بنیادی مضاربہ کا نمونہ ہے، وہ اسی قسم کی بہت سی بینکنگ خدمات بھی انجام دیتے ہیں جس کے لئے وہ فیس یا کمیشن وصول کرتے ہیں۔خدمات کے اعتبار سے اسے (۱) بینکنگ سروسز اور (۲) عام افادیت کی سروسز میں بانٹا جاسکتا ہے، اسلامی بینک ان عام بینکنگ قواعد کو بھی جو

اسلامی اصولوں کے خلاف نہیں ہوتے اختیار کر لیتے ہیں، لیکن جہاں یہ اسلامی اصولوں سے ٹکراتے ہیں وہاں اسلامی بینک اپنے خود قواعد وضوابط وضع کر لیتے ہیں۔ یہ مالی ادارے ہوتے ہیں، مگر ۱۹۴۹ء کے بینکنگ ریگولیشن ایکٹ کے دائرہ میں نہیں آتے، ان کے قواعد وضوابط کی تشکیل مالی نقطۂ نگاہ سے ہوتی ہے یعنی سرمایہ کس طرح فراہم کرتے ہیں اور کس طرح اسے استعمال میں لاتے ہیں۔

روپیہ کی فراہمی

۱-ذاتی سرمایہ:

ایک کمپنی یا انجمن بنانے کے لئے حصص کی رقوم ارکان سے جمع کی جاتی ہے۔ یہ سرمایہ ان کے مالی اور کاروباری امور میں استعمال ہوتا ہے۔

۲-ڈپازٹس:

سرمایہ کا بڑا حصہ بینک میں روپیہ جمع کرانے والوں سے حاصل ہوتا ہے۔ عام بینکوں میں یہ روپیہ مختلف مدوں میں جمع کیا جاتا ہے۔ مثلاً (۱) بچت کھاتا، (۲) چالو کھاتہ، (۳) ٹائم ڈپازٹ کھاتا وغیرہ۔ اسلامی بینکوں کے لئے بنیادی طور پر دو طرح کے کھاتے ہوتے ہیں: (۱) وہ رقوم جو کاروبار میں استعمال نہیں کی جاتیں جو کرنٹ یا سیونگ بینک کھاتہ کے طرز کی ہوتی ہیں، اور (۲) وہ رقوم جو لوگ کسی کاروبار میں استعمال کرنے کے لئے جمع کرتے ہیں، یہ انویسٹمنٹ اکاؤنٹ کہی جاتی ہیں۔

بچت یا سیونگ اکاؤنٹ

اس کھاتہ میں لوگ اپنی پس انداز کی ہوئی رقوم جمع کراتے ہیں۔ اور بینکوں کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ یہ رقوم استعمال میں لائیں، بینک سے ان کو ان کی پوری رقم کے تحفظ کی گارنٹی ملتی ہے، بینک کے کام کاج کے اوقات کے درمیان وہ کبھی بھی اپنی رقم واپس نکلوا سکتے ہیں، اگر چہ

بینک ان کو رقم کے تحفظ کی گارنٹی دیتا ہے لیکن انہیں کوئی انعام وغیرہ دینے کا پابند نہیں ہوتا۔ البتہ بعض بینک اپنے مالی سال کے اختتام پر اپنے منافع میں سے انھیں نقد انعام یا کچھ امتیازی مراعات دیتے ہیں۔ جیسے کسی چھوٹے کاروباری منصوبہ میں مالی امداد دینا، دیر پا اشیائے صرف اقساط پر دینا وغیرہ۔ یہ انعامات بینک کی مرضی پر موقوف ہوتے ہیں، اور صرف اس وقت دیئے جاتے ہیں جب بینک کو وافر منافع حاصل ہو، لیکن یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے کہ جب ان کا سرمایہ کسی طرح کے نقصان وخطرہ سے دوچار نہیں ہوتا تو بینک کے منافع میں انہیں شریک کرنا کس حد تک درست ہے۔

انویسٹمنٹ اکاؤنٹ

اس کھاتہ میں جمع کی جانے والی رقوم بینک کی طرف سے کاروبار میں لگائی جاسکتی ہیں، ان کی درجہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے: (۱) خرچ کا اختیار دیئے جانے والے کھاتے، (۲) غیر اختیاری کھاتے۔ اختیاری کھاتے میں صاحب کھاتہ بینک کو یہ اجازت دیتا ہے کہ بینک اس کی رقم کسی بھی منصوبہ میں لگا سکتا ہے۔ مقررہ وقت کے اختتام پر صاحب کھاتہ اپنا منافع حاصل کرلے گا۔ غیر اختیاری کھاتہ کے سلسلے میں صاحب کھاتہ اپنی جمع شدہ رقم صرف کرنے کے لئے خود کوئی منصوبہ منتخب کرلے گا، یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے کھاتے کی میعاد مقرر کرے، بینک اس کو طے شدہ شرح کے حساب سے منافع میں سے اس کا حصہ دے دے گا۔

اگر کسی کھاتہ میں مقررہ میعاد کے لئے رقم جمع کرائی جائے تو اس مقررہ میعاد کے گذرنے سے قبل صاحب کھاتہ کو اپنی رقم واپس لینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر وہ قبل از وقت مقررہ اپنی رقم واپس نکلوانا چاہے گا تو وہ منافع میں بالکل حقدار نہیں ہوگا۔ البتہ بینک میں اس کی رقم جمع رہنے کی مدت کے مطابق وہ بٹہ یا کمیشن کے طور پر منافع کا مستحق ہوگا۔ بیشتر کھاتہ دار اسی قسم کی اسکیموں کے کھاتوں میں اپنی رقم جمع کرانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

رقوم کا استعمال

عام بینکوں کے عمل کے برعکس اسلامی بینک سود پر قرض نہیں دیتے، اس لئے انہیں منافع کے حصول کے لئے جو نہ صرف بینکوں کے لئے ضروری ہے بلکہ کھاتہ داروں کے لئے بھی ضروری ہے، اس سرمایہ کو کاروباری مقاصد میں استعمال کرنا پڑتا ہے۔ کاروبار میں روپیہ لگانے کے جو عام طریقے اسلامی بینکوں میں مروج ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مشارکہ:

اس کو ایکویٹی پارٹی سپیشن کہتے ہیں، بینک اور ان کے کھاتے دار کسی بھی عارضی شرکت کے لئے رضامند ہوجاتے ہیں۔ یہ شرکت مشارکہ کے اصولوں کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ دونوں پارٹیاں اس کاروبار میں اس کے ذرائع، خام مال، اثاثہ، تکنیکی اور انتظامی مہارت کے لئے مختلف سطح پر سرمایہ لگاتی ہیں۔ اور پیشگی طے شدہ تناسب سے منافع حاصل کرنے پر رضامند ہوجاتی ہیں۔ اس میں کوئی مقررہ اصول نہیں ہوتے بلکہ منافع کی شرح انصاف اور مساوات کے اسلامی اصولوں کے مطابق ہر کاروبار میں اس کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف طے کی جاتی ہے۔ کاروبار میں رقم لگانے کا تعین ہفتوں اور برسوں کے حساب سے ہوتا ہے۔ طویل مدتی اور وسط مدتی امور کے لئے ایسی شرکت پر معاہدہ کیا جاتا ہے جو اختتام مدت پر خود بخود ختم ہو جائے، اس معاہدہ کے مطابق اس کے بعد پورے منصوبہ کا حق ملکیت پارٹی یا اس کے شرکاء کو منتقل ہوجاتا ہے اور بینک منافع میں سے اپنا طے شدہ حصہ حاصل کر لیتا ہے، کسی بھی تجارتی فرم یا فیکٹری یا بلڈنگ وغیرہ میں اس کے اختتام تک بینک اس منصوبہ میں شریک رہے یا اس میں عارضی طور پر اس وعدہ کے ساتھ شرکت کرے کہ وہ اپنے حصہ کی رقم اس پارٹی کے مالک یا شرکاء کو اپنا حصہ فروخت کر کے واپس لے لیگا، یا مالک یا شرکاء اس کی ادائیگی یک مشت کریں یا قسط وار

کریں اس کا باہمی معاہدہ ان کے درمیان پیشگی ہوتا ہے۔یہی طریقہ کار دوسرے کاروباری امور میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر:

(الف) لیٹر آف کریڈٹ یا ہنڈی: رقم کی ادائیگی کا یہ طریقہ بین الاقوامی تجارت میں استعمال ہوتا ہے، درآمد کنندہ فرد بینک میں برآمد کنندہ کے نام سے ایک کھاتہ کھول لیتا ہے اور برآمد کنندہ کے مقام پر واقع متعلقہ بینک کو ہدایت کردیتا ہے کہ برآمد مال کی پوری انجام دہی پر وہ اسے اس کی قیمت کی پوری ادائیگی کردے۔درآمد کنندہ بسا اوقات اس مال کی پوری قیمت کی ادائیگی سے قاصر رہتا ہے اس لئے وہ اپنے بینک سے قرض کی سہولت کی درخواست کرتا ہے۔ برآمد کنندہ کے مال کی قیمت کے تحفظ کے لئے اس لیٹر کا مصدقہ اور نا قابل تنسیخ ہونا ضروری ہے، اگر مال کی ڈلیوری کے وقت درآمد کنندہ پوری رقم کی ادائیگی نہیں کرپاتا ہے تو بینک اس تاخیر یا التوا پر اس سے کوئی سود اس رقم کا نہیں لیتا جو بینک نے اپنے پاس سے لگائی ہے، اس کے بدلہ میں بینک درآمد کنندہ کے منافع میں ایسے تناسب کا حصہ دار بن جاتا ہے جس کا تعین پیشگی کرلیا جاتا ہے، لیکن اگر درآمد کنندہ پوری رقم بینک کو ادا کردے تو اس شکل میں اسلامی بینک اس سے کوئی مطالبہ نہیں کرتے۔

(ب) جائداد کی خرید یا منجمد اثاثہ:

مضاربہ کی بنیاد پر بینک جائداد کی خریداری پر قرض دے سکتا ہے۔اس جائداد سے حاصل ہونے والی سالانہ آمدنی یا اس کے کرایہ کا تعین بینک کرتا ہے، اور اپنی لگائی ہوئی رقم کے تناسب سے پیشگی طے شدہ شرائط کے مطابق جائداد کے کرایہ یا سالانہ آمدنی میں سے اپنا حصہ تناسب حاصل کرلیتا ہے، جیسے جیسے مقروض رقم کی اقساط ادا کرتا جاتا ہے اسی تناسب سے بینک کی شرح آمدنی میں بھی کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲-مضاربہ یا قراض (ایجنسیاں):

اس قسم کی سرمایہ کاری میں بینک تمام مالی ضروریات کی کفالت کرتا ہے اور موکل اپنی محنت یا انتظامی اہلیت فراہم کرتا ہے۔ منافع حاصل ہونے پر بینک اور موکل دونوں طے شدہ تناسب سے یہ منافع آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ مضاربہ اور مشارکہ دونوں میں بینک اور موکل منافع کی رقم کی تقسیم نوعیت کے اعتبار سے کر لیتے ہیں، مضاربہ میں پارٹنر یا شریک کار اپنی کوشش اور محنت لگاتا ہے، اس کے علاوہ وہ اور کوئی رقم نہیں لگاتا، اگر عام تجارتی حالات میں بھی کاروبار میں نقصان ہوتا ہے تو بینک اس نقصان کو برداشت کرتا ہے۔ چونکہ وہ منافع میں بھی شریک ہوتا ہے اس لئے نقصان میں شریک ہونا منصفانہ بات ہے۔ اگر موکل کاروبار کی طرف سے بے پرواہ اور غافل ہو یا دانستہ ایسا کچھ کر رہا ہو جس سے کاروبار کو نقصان پہنچ رہا ہو تو اس صورت میں نقصان کا وہ خود ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہ طے کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں کہ نقصان کی وجہ موکل کی واقعی غیر ذمہ داری اور لاپرواہی ہے۔ بسا اوقات بینک موکل سے ضمانت طلب کر لیتا ہے، موکل پر نقصان کی ذمہ داری کا تعین اسلامی فقہ اور اصولوں کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

۳-مرابحہ:

اس کے مطابق موکل بینک سے درخواست کرتا ہے کہ بعض اشیائے تجارت بینک اس کو خرید کر دے۔ اس سامان کی وصولی کے بعد وہ بینک کو طے شدہ شرح سے منافع کا حصہ ادا کر دیتا ہے۔ ربا یا سود کے امکانات کو دور کرنے کے لئے بینک یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر بینک اس کا مطلوبہ سامان خرید لے تب بھی موکل اس سامان کو بینک سے لینے کا قانونی طور پر پابند نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا اس کی مرضی پر موقوف ہے، چنانچہ اس کے پیش نظر بینک کو اپنی رقم کی طرف سے اس وقت تک خطرہ لاحق رہتا ہے جب تک موکل یہ سامان بینک سے خرید لینے کے اپنے وعدہ کو پورا نہیں

کرتا۔اس امکانی خطرہ کے پیش نظر منافع میں بینک کی شرکت جائز ہو جاتی ہے۔موکل پر سامان کی خرید اور قیمت کی ادائیگی کی پابندی کے اصول مروج ہیں۔ایسا عام طور پر ہوتا ہے خصوصاً جب کسی چیز کی تیاری کے لئے خام مال کی صورت میں مختصر مدت کے لئے بینک اس میں سرمایہ لگائے۔

۴-بیع سلم:

اس میں یہ ہوتا ہے کہ بینک ادھار کی ادائیگی کے وعدہ پر کوئی مال خرید لیتا ہے لیکن اس کی قیمت کی ادائیگی بینک کو فوراً ہی کرنی پڑتی ہے یا بالفاظ دیگر خریدار کو اس کی قیمت فوراً نقد ادا کرنی پڑتی ہے جو اس کی طرف سے بینک کر دیتا ہے، اس قسم کی بکری میں بینک اشیائے خرید کی قیمت پیشگی طے کر کے ادا کر دیتا ہے، لیکن ان اشیاء کو خرید کر ایک خاص مدت کے لئے خریدار کو ان کی حوالگی ملتوی کر دیتا ہے یا تاخیر سے وہ مال حوالے کرتا ہے، اس قسم کی بکری میں کچھ شرائط پہلے ہی طے کر لئے جاتے ہیں ،مثلاً وہ مال کہاں سپرد کیا جائے گا۔ اس کے اخراجات کیا ہوں گے۔اور مال کی مقدار کیا ہوگی۔

۵-مادی سرمایہ کا ٹھیکہ یا کرایہ پر دینا:

اس کیس میں بینک مادی سرمایہ مثلاً آلات اور ساز و سامان وغیرہ خرید لیتا ہے اور کرایہ پر اسے موکل کے حوالے کر دیتا ہے۔جیسے جیسے اس سامان کی قیمت کی اقساط بینک کو ادا کر دیتا ہے اسی تناسب سے سامان کے کرایہ کی رقم میں بھی تخفیف ہوتی جاتی ہے۔یہاں تک کہ جب پوری قیمت ادا ہو جاتی ہے تو قرض کے ساتھ کرایہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ایسی سرمایہ کاری ہر طرح کے کاروبار کے لئے خصوصیت سے وضع کی گئی ہے۔لیکن عملی طور پر زمین جائداد کی خریداری اور تجارتی سیکٹر میں جس میں کرایہ پر رہائشی عمارات بھی شامل ہیں، انہیں پر زیادہ تر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

۶-طویل مدتی منصوبوں کے لئے سرمایہ فراہم کرنا:

یہ بینک لمبی مدت اور درمیانی مدّت کے منصوبوں اور خریداریوں کے لئے بھی سرمایہ فراہم کرتے ہیں لیکن عملی طور پر سرمایہ کاری کم مدّتی معاملات پر ہی ہوتی ہے۔ ایسا مقامی مارکیٹ کے رخ کے باعث ہوتا ہے۔ اس لئے بینکوں کے لئے یہ ایک بہت محتاط معاملہ ہوتا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے یہ فرض کیا جاتا ہے کہ یہ بینک طویل مدتی منصوبوں پر بھی سرمایہ لگاتے ہیں۔ اس سلسلے میں رہبرانہ ہدایات کی ضرورت نہ صرف معاشی اور مالی امور میں ضروری ہے بلکہ اسلامی اصولوں کے مطابق اس سلسلے میں یہ تمام معاہدات بہت صاف اور واضح طور پر کئے جانے ضروری ہیں۔ اسلامی بینکوں میں مضاربہ بہت مقبول عام ہے۔

۷-بونڈ اور سیکورٹیز کے ذریعہ روپیہ کی فراہمی:

الف- مقارضہ بونڈز:

اگر کسی بڑے منصوبہ کے لئے بہت بڑی رقم کے سرمایہ کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بونڈ یا تمسکات عام طور پر رائج ہیں۔ ان تمسکات کی رو سے منصوبہ کے منافع میں حصص قائم ہوجاتے ہیں۔ مضاربہ اور مشارکہ کے اصولوں کے مطابق ان تمسکات کی قیمت میں بتدریج کمی واقع ہوجاتی ہے۔ آمدنی کے تمسکات بھی اسی قسم کے ہیں، لیکن عام تمسکات سے وہ اس لئے مختلف ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سرمایہ لگانے والے کو مقررہ رقم کی ادائیگی کی گارنٹی نہیں ہوتی، تمسک بردار اس منصوبہ سے جس کی اس تمسک کے ذریعہ سرمایہ کاری کی گئی ہے حاصل شدہ منافع کا ایک مخصوص فی صد حصہ ہی حاصل کرے گا۔ یہ تمسک شرکت کی بنیاد پر معاہدہ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ ایک یا ایک سے زیادہ شرکاء جو سرمایہ لگاتے ہیں اور دوسرا جو اپنی محنت اور مہارت لگاتا ہے شرکت کا معاہدہ کرتے ہیں، اور ایک حلال تجارت میں متفقہ شرح کے مطابق منافع کو باہم تقسیم کرلیتے ہیں۔

ب-اسلامی سیکوریٹیز (مضاربہ سرٹیفکٹ):

یہ اپنی نوعیت اور آغاز کے اعتبار سے ایسے ہی ہیں جیسے اسلامی تمسکات، لیکن اسلامی سیکوریٹیز (کفالت نامے) کسی خاص منصوبہ کے لئے جاری نہیں کئے جاتے۔ اس کے بجائے مضاربہ کمپنی قائم کی جاتی ہے جو ایک کاروباری کمپنی ہوتی ہے، یہ جو سرٹیفکٹ جاری کرتی ہے وہ ایک طرح سے وصول شدہ رقم کی رسید ہوتی ہے۔ اور کمپنی یہ گارنٹی دیتی ہے کہ مقررہ تاریخ کے اختتام پر سرٹیفکٹ کی رقم کے اعتبار سے اس کے حصہ کی رقم کی ادائیگی کردی جائے گی۔ نقصان کی شکل میں سرٹیفکٹ کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ کمپنی اس جمع شدہ رقم کو داخلی تجارت یا بین الاقوامی منصوبوں پر اس شرط کے ساتھ لگاتی ہے کہ کسی بھی صورت میں شریعت کے اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہو، بین الاقوامی تجربہ کار تاجروں اور شریعت کے ماہرین کی نگرانی میں اسلامی انویسمیٹ کمپنیوں نے مختلف اقسام کے سرٹیفکٹ تیار کئے ہیں۔

قرضہ جات

(۱) قرضوں کے سرٹیفکٹ:

ان سرٹیفکٹوں کے ذریعہ مضاربہ کمپنی اسلامی قرضے حاصل کرتی ہے جو ایک خاص میعاد کے ہوتے ہیں لیکن جن پر نفع یا نقصان میں شرکت کا تذکرہ نہیں ہوتا، یہ سرٹیفکٹ ایسے افراد کے لئے ہوتے ہیں جو اپنے سرمایہ پر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے لیکن قوم کے مفاد کے لئے اپنے روپیہ کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں تاکہ اسلامی بینکوں کو غیر سودی فروغ ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کے احکامات پھیلا کر انھیں روحانی سکون حاصل ہو۔ ان سرٹیفکٹوں کی رقم کی واپسی کو فوقیت دی جاتی ہے اور اس کی گارنٹی بھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سرمایہ کار کو یہ اختیار بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنا سرمایہ اپنی خواہش کے مطابق کسی خاص کام میں لگائے اور اس پر کوئی خطرہ مول نہ لے۔

(۲) فیض رسانی کے قرضے:

یہ قرضے بینک کی طرف سے یا تو عوام کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے دیئے جاتے ہیں یا خیرات کے طور پر دیئے جاتے ہیں۔ ان قرضوں کی واپسی نہیں ہوتی۔ البتہ قرض فراہمی کی قیمت نکالنے کے لئے سروس چارج لیا جاتا ہے، لیکن اسلامی ممالک کے علاوہ (اور وہ بھی چند ہی ممالک میں) اور کسی بھی ملک میں اس قرض پر سروس چارج نہیں لیا جاتا۔ تمام کمرشیل بینک (اگر ان کے یہاں یہ قرض دینے کی مد ہے) یہ قرض بغیر کسی چارج کے فراہم کرتے ہیں، اور جہاں قرضوں پر سروس چارج لئے جاتے ہیں وہ سود سے متفرق ہوتا ہے کیونکہ یہ سود کی طرح قرض کی رقم کا فی صد حصہ نہیں ہوتا بلکہ ایک مقررہ رقم ہوتی ہے جو قرض کی اصل قیمت پر حساب لگا کر یک مشت کاٹی جاتی ہے۔ ایسے قرضے مقبول نہیں ہیں، کمرشیل بینک اس قسم کے ذاتی غیر منافع بخش قرضے اپنی بنیادیں پوری طرح استوار کرنے کے بعد اور قرض کی رقم کے مساوی اپنے کھاتہ میں رقم کی موجودگی کے بعد ہی دیتے ہیں، اس قسم کے قرضوں کے لئے مندرجہ ذیل راہنما اصول مقرر کئے گئے ہیں:

(الف) قرض لینے کی ضرورت کا مقصد کیا ہے؟

(ب) موکل کے ساتھ بینک کا تعلق کیسا ہے؟ مثلاً ایک نئے موکل کو ایر کنڈیشن خریدنے کے لئے قرض درکار ہے جب کہ ایک پُرانے موکل کو اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے روپیہ درکار ہے تو ترجیح پُرانے موکل کو دی جائے گی۔

(۳) کم مدتی میعادی قرضے:

بینکوں کے پاس مختصر میعاد کے لئے قرض بغیر کسی سود یا چارج کے دینے کی مد ہوتی ہے لیکن اس میں محدود عملی پابندیاں ہیں جن کے باعث یہ زیادہ مقبول نہیں ہیں اور کم ہی دیئے جاتے

ہیں۔اس قسم کے قرضے دینے کے لئے جو اصول ضوابط وضع کئے گئے ہیں ان کے مطابق یہ جانچ کی جاتی ہے کہ (۱) فرم کی قرض کی ضرورت کسی خاص مقصد کے لئے ہے، (۲) فرم کی ساجی اہمیت کیا ہے؟ (۳) قرض کے تحفظ کے لئے کس قسم کی ضمانت دی جاری ہے، (۴) آیا مجوزہ موکل نے اسی فرم کے لئے اس سے پہلے کوئی میعادی قرض لیا ہے یا نہیں، (۵) اس بینک میں اس فرم کے کرنٹ اکاؤنٹ کا سالانہ، ماہانہ یا ہفتہ وار گوشوارہ کیا ہے۔ اُووَرڈر افٹنگ یا بینک میں مالی حساب سے زیادہ رقم نکالنے کی ہمت افزائی نہیں کی جاتی لیکن بصورت ضرورت اس زائد رقم کی واپسی کے لئے ایک تاریخ مقرر کردی جاتی ہے۔ ان عارضی نقصانات کا کوئی منافع یا سروس چارج نہیں لیا جاتا بلکہ یہ قرض حسنہ تصور کیا جاتا ہے۔

(۴) بل آف ایکسچینج:

روزمرہ کے بڑے پیمانہ کی تجارت میں خریدار مال کی قیمت فوری ادا نہیں کرتا، مطلوبہ رقم کی ادائیگی کے لئے کچھ وقت دیا جاتا ہے۔ مال کی وصولی کے وقت وہ فروخت کے کاغذات یعنی بل وغیرہ پر اپنے تصدیقی دستخط کر کے فروخت کنندہ کو واپس کر دیتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ مال اس کو وصول ہوگیا ہے، اور اس کی قیمت وہ بعد میں ادا کر دے گا۔ اس کاغذ کو بل آف ایکسچینج کہا جاتا ہے۔ یہ اندرونی تجارت کا بھی ہوتا ہے اور غیر ملکی تجارت کا بھی، یہ بل اب مضاربہ اصولوں پر بھی ہوتے ہیں۔ بل کی ادائیگی کے لئے بینک اس شرط پر رقم مہیا کرتا ہے کہ ان اشیاء تجارت کی فروخت سے حاصل شدہ منافع کا ایک حصہ خریدار یعنی بینک کو ادا کیا جائے، کیونکہ بینک ہی فروخت کنندہ کے مال کی نقد قیمت ادا کر کے اس کا حساب صاف کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں کوئی تحریری دستاویز نہیں ہوتی ہے۔

انشورنس اور انڈر رائٹنگ

کچھ بینک ضمنی بزنس کے طور پر بیمہ کا کاروبار بھی کرتے ہیں، یہ امداد باہمی بیمہ ہوتا ہے، اس کا اصول یہ ہے کہ جو بھی نقصان ہوتا ہے اسے طرفین باہمی طور پر برداشت کرتے ہیں، بیمہ کی قسط کو کسی کاروبار میں لگانے سے جو منافع ہوتا ہے اس میں طرفین شریک ہوتے ہیں۔ بیمہ پالیسی کی مدت اور رقم پوری ہونے کے بعد موکل کو اس کی جمع شدہ کل رقم مع منافع ادا کر دی جاتی ہے، اس ضابطہ کے تحت جیون بیمہ پالیسی پر بھی عمل ہوتا ہے۔ پالیسی کی رقم پوری ہونے سے پہلے ہی اگر پالیسی ہولڈر مر جائے تو بیمہ کی رقم مع منافع کے جو اس کی اس وقت تک جمع شدہ رقم سے حاصل ہو وارثین کو ادا کر دی جاتی ہے، ایسی تمام پالیسیوں کی بقایا رقم دوسرے تمام ممبران کے چندہ سے پوری کر کے ادا کی جاتی ہے، ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ ممبران اوّل تو اپنی سماجی ذمہ داریوں کا احساس کریں، دوسرے یہ کہ اگر ایسا ہی واقعہ ان کے ساتھ بھی پیش آجائے تو یہی طریقہ اور سلوک ان کے سلسلہ میں بھی کیا جائے۔

لیزنگ یا پٹہ پر دینا

یہ طویل مدتی سرمایہ کاری کی نئی قسم ہے جو تمام ممالک میں بہت مقبول ہو رہی ہے، یہ دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) مالی لیز یا پوری قیمت کی ادائیگی کا پٹہ، (۲) آپریٹنگ لیز یا زیر عمل پٹہ۔ مالی لیز، لیز دینے والے اور پٹہ دار کے درمیان کسی ایسے مال کے لئے جو کسی صنعت کار سے منتخب کر کے خریدی جائے طے ہوتی ہے۔ پٹہ پر دینے والا چیز کی ملکیت کے حقوق اپنے ساتھ میں رکھتا ہے، اور پٹہ دار اس چیز کا قبضہ اور استعمال کا حق اپنے پاس رکھتا ہے۔ اس کے لئے ایک طے شدہ مدت تک ایک طے شدہ رقم قسط وار ادا کرتا رہتا ہے۔ اگرچہ پٹہ دہندہ قانونی طور پر اس چیز کا مالک ہوتا ہے لیکن پٹہ دار کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ پٹہ کی مدّت کے دوران اسے اپنے استعمال

میں لائے۔ لیز کرنے والی کمپنی اپنی لگائی ہوئی رقم پر منافع کے لئے مقررہ میعاد کے دوران اس کا جو کرایہ طے کرتی ہے وہ منافع کی رو سے مناسب اور درست ہوتا ہے۔ اقساط کی ادائیگی کی جو مدّت مقرر کی جاتی ہے وہ اس بات کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے کہ اس چیز کی افادیت امکانی طور پر اس میعاد کے ختم ہونے تک قائم رہے جبکہ اس چیز کا بیمہ اور اس کو ٹھیک حالت میں رکھنے کے اخراجات اور مرمت وغیرہ کا ذمہ پٹہ دار کا ہوتا ہے۔ پہلے پٹہ کی میعاد ختم ہونے کے بعد پٹہ دہندہ کو دوبارہ پٹہ کرنے کا بھی اختیار رہتا ہے۔ لیکن اس صورت میں اس کے کرایہ میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ ایسے پٹہ کی مدّت عموماً پانچ تا پندرہ سال ہوتی ہے۔ اور اس چیز کی افادیت قائم رہنے کی متوقع مدّت پر منحصر ہوتی ہے۔

آپریٹنگ لیز بالکل ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کم مدتی ہائر پرچیز (کرایہ پر سامان لینا) کا معاہدہ، اس کو بینکنگ اصطلاح میں (Non-full pay-out lease) بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کا جو کرایہ مقرر ہوتا ہے وہ اتنا کافی نہیں ہوتا کہ پٹہ دہندہ کو اپنی اصل لاگت وصول ہو جائے، اس لئے بقایا قیمت یا تو اس مال کو فروخت کر کے حاصل کی جاتی ہے یا پھر اسے دوبارہ کسی دوسرے استعمال کنندہ کو کرایہ پر دے دیا جاتا ہے۔ اس طرح کا پٹہ عموماً ایسی اشیاء کے لئے مختص ہے جیسے کمپیوٹر، موٹر کار، فوٹو کاپی کی مشین یا ایسی ہی اور دوسری اشیاء۔

پاکستانی بینک پٹہ پر دینے والی اپنی ذیلی شاخوں کے ذریعہ وسط مدتی یا طویل مدتی سرمایہ کاری ان فرموں کے ساتھ انجام دیتے ہیں جن سے ان کے پٹہ کے معاہدات طے ہوتے ہیں، یہ طریقہ کم اندیشے کا ہے، اور اس کے ذریعہ فرم کے حسابات کی پڑتال کئے بغیر ہی اپنے منافع کی مناسب رقم حاصل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن موجودہ مروجہ دستور کے برخلاف اس مال کی انشورنس کی ادائیگی پٹہ دہندہ کو ہی کرنی پڑتی ہے تاکہ اس طریقہ کار کو شریعت کے اصولوں کے مطابق بنایا جا سکے۔

ادھار لینے والے کی ضروریات کے مطابق اسلامی بینک مندرجہ ذیل دو میں سے کسی ایک طریقہ سے پیشگی رقم کی ادائیگی کرتے ہیں:

(۱) لیز ہولڈ پر چیز۔

(۲) ایکویٹی ہائر پر چیز۔

لیز ہولڈ پر چیز میں قرض دینے والا اسلامی بینک سے کسی تجارتی یا قیمتی چیز کو جس کی قیمت وقت کے ساتھ بتدریج کم ہوتی جاتی ہے خریدنے کے لئے قرض حاصل کرتا ہے جیسے کار، ٹرک اور دیگر سامان وغیرہ۔ خریدا ہوا یہ سامان اسلامی بینک کی ملکیت ہوتا ہے اور پٹہ دار کے قبضہ میں رہتا ہے جس کے ساتھ بینک اس چیز کا ماہانہ کرایہ یا پٹہ کی رقم طے کرتا ہے۔ کرایہ کی شرح مارکٹ کی حالیہ شرح کے مطابق ہوتی ہے اور ہر مہینہ بینک کو ادا کی جاتی ہے، کرایہ یا پٹہ کی رقم کے ذریعہ اس چیز کی پوری رقم بینک کو وصول ہو جانے کے بعد پٹہ دار وہ چیز بینک سے تخفیف شدہ قیمت پر خرید لیتا ہے۔ اور یہی بینک کا اس پر منافع تصور ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس چیز کا مالک پٹہ دار بن جاتا ہے۔

لیز ہولڈ پر چیز کی افادیت اور چیز کے تحفظ کے پیش نظر پٹہ دار کو دو ضامن یا کوئی چیز املاک وغیرہ پیش کرنی ہوتی ہے۔ پٹہ کی مدت کے دوران اگر اس چیز کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو پٹہ دار اسے پورا کرتا ہے، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اسلامی بینک ضامنوں سے وصول کر کے نقصان پورا کرتا ہے۔

مثال:

الف نے بیس ہزار روپے کی کار خریدنے کے لئے اسلامی بینک سے روپیہ لیا۔ اسلامی بینک اس کار کا مالک اور الف اس کا پٹہ دار ہوگا۔ بازار کے بھاؤ کے مطابق اسلامی بینک اس کا ماہوار کرایہ یا زر پٹہ ۵۰/۵۵۵ روپیہ مقرر کرتا ہے جو ۳۶ ماہ تک پٹہ دار بینک کو ادا کرتا رہے گا۔

اس رقم کے وصول ہوجانے کے بعد کار کی قیمت ۳۶ ماہ میں کم ہو کر ۶ ہزار روپیہ رہ جاتی ہے، اس لئے اب پٹہ دار کو اختیار ہوگا کہ وہ ۶ ہزار روپیہ بینک کو ادا کر کے کار کا مالک بن جائے۔ یہی چھ ہزار روپیہ بینک کا اس کار میں سرمایہ کاری کا منافع ہوگا۔

ایکویٹی ہائر پرچیز کیا ہے؟

ایکویٹی ہائر پرچیز کے تحت بینک کوئی جائداد خریدنے کے لئے جس کا نرخ یا قیمت بازار میں مختلف ہے سرمایہ فراہم کرتا ہے جیسے زمین، مکان، دوکان، پلاٹ، فیکٹری یا اشیائے ضرورت وغیرہ، اس طریقہ کے تحت روپیہ لینے والے کو وہی تمام سہولیات دی جائیں گی جن کا اوپر لیز ہولڈ پرچیز کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن چونکہ ان اشیاء کی قیمت میں تخفیف کا کوئی امکان نہیں ہوتا اس لئے پٹہ دار اس کا قبضہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے اور جتنی چاہے رقم بینک کو ادا کرتا رہے گا، اس سلسلہ میں نہ کوئی کرایہ مقرر ہوگا نہ میعاد مقرر ہوگی۔ کرایہ دار اور بینک کے درمیان مساوی حصص ہوں گے،، جب پوری قیمت کی آخری قسط ادا ہو جائے گی تو اس جائداد کی موجودہ بازاری قیمت طے کی جائے گی یا اسے بازاری قیمت کے مطابق فروخت کردیا جائے گا۔ جو بھی قیمت وصول ہوگی وہ بینک اور پٹہ دار کے درمیان نصف نصف یعنی پچاس فی صدی کے تناسب سے تقسیم ہوجائے گی، اور یہی بینک کا منافع ہوگا۔

مثال:

مسٹر الف کو زمین خرید کر اس پر مکان بنانے کے لئے دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس کے پاس صرف پچاس ہزار روپئے ہیں، دو لاکھ روپیہ وہ اسلامی بینک سے قرض لیتا ہے۔ اس طرح زمین کی قیمت اور مکان کی لاگت ڈھائی لاکھ روپیہ کی ہوئی۔

علاقہ کے اعتبار سے رقبہ کا کرایہ ہے=/ ۲۰۸۹ روپیہ۔

قیمت خرید یعنی ڈھائی لاکھ روپیہ کو دس ہزار سے تقسیم کرنے پر اکائی کی قیمت آجائے گی یعنی =/۲۵ روپیہ، کرایہ =/۲۰۸۹ کو دس ہزار سے تقسیم کرنے پر قیمت اکائی ہوگی یعنی ۲۰۸۹۹ء۰ روپیہ۔ جائداد اسلامی بینک اور مسٹر الف کی مشترک ہوگی کیونکہ دونوں نے اس پر روپیہ لگایا ہے۔

سال کے اختتام پر واجب رقوم کی فیس ادا کرنے کے بعد یہ پوزیشن ہوگی:

میعاد اختتام............جنوری ۱۹۸۷ء

خریدشدہ جائداد کی موجودہ قیمت..................

وقت خرید کی قیمت..................

اصل منافع..................

منافع کی اکائی.........تقسیم کیا گیا............سے

کل کرایہ جواب تک وصول کیا گیا............

کرایہ کی محنت اکائی..........تقسیم کی گئی............سے

اسلامی بینک کا حصہ:

جملہ اکائیاں..........تقسیم کیا گیا............سے

اس لئے منافع............

مسٹر الف کا حصہ:

جملہ اکائیاں...................تقسیم کیا گیا..............سے

اس لئے منافع.....................

اگر مسٹر الف وہ مکان بینک سے ایک سال کے اندر اندر خرید لے تو اسے مندرجہ

قیمت ادا کرنی ہوگی:

جائداد کی موجودہ بازاری قیمت.......................بصورت کرایہ بینک کو ادا کیا گیا۔

منافع میں بینک کا حصہ...........................

جائداد کی کل قیمت.....................

ان کا لگایا ہوا سرمایہ........................

میزان.....................

دوسری طرف اسلامی بینک نے مسٹر الف کو جو سرمایہ مہیا کیا ہے اس پر منافع ہوگا:

بذریعہ کرایہ آمدنی.......................

منافع میں حصہ.......................

اصل بعد منہائی.......................

منجمد سرمایہ میں بینک کا حصہ...................

میزان.......................

اسی طرح کوئی بھی قرض لینے والا جو پٹہ دار یا کرایہ دار بن جاتا ہے وہ بالآخر اس جائداد کا مالک بن سکتا ہے، اور اس سہولت کے استعمال سے اپنے منجمد سرمایہ میں اضافہ کرسکتا ہے۔

سرمایہ کاری کے دوسرے راستے

۱- استعدادی سرمایہ کاری:

اسلامی بینک چھوٹی رقوم قرض لینے والے کچھ ایسے افراد کو سرمایہ بہم پہنچا سکتا ہے جن کا اپنا کوئی ذاتی سرمایہ نہیں ہے لیکن ان میں ہمت اور ایمانداری اور اس مخصوص منصوبہ کو چلانے کی ٹیکنکل جانکاری ہے۔ اگر اسلامی بینک کو یہ تسلی ہے کہ یہ لوگ روپیہ کا صحیح ڈھنگ سے ایماندارانہ

اور کامیاب استعمال کریں گے تو ایسے جائز معاملات میں وہ مقروض سے کوئی ضمانت طلب کرنے پر اصرار نہیں کرتا۔ وہ ایک طے شدہ مدت کے لئے ان کا مالی شریک بن جائے گا۔ یہ شرکت سالوں کی بنیاد پر کم مدّت کی بھی ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ اسلامی بینک مقروض اپنے پروجیکٹ کے اثاثہ اور املاک کی بازاری قیمت کے مطابق اسلامی بینک کو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ کا کچھ حصہ قسط وار ادا کرتا رہے۔ متوقع منافع مقروض اور اسلامی بینک کے درمیان خدشہ کی بنیاد پر کئے گئے معاہدہ کے مطابق تقسیم ہوجائے گا، اور نقصان کی صورت میں نقصان کی رقم بھی دونوں کے درمیان اسی حساب سے تقسیم کردی جائے گی۔ سرمایہ کاری کی اس پالیسی کے تحت قرض لینے والے کو اس کی محنت اور وقت کے صرفہ کے مطابق ہفتہ وار یا ماہانہ گذارہ رقم بھی دی جائے گی۔ اس کی ذاتی مہارت یا اہلیت کے علاوہ اس کا اپنے کام میں زیادہ سے زیادہ وقت دینا نیز اس کی استعداد یہ ایسے غیر محسوس سرمایہ ہوں گے جن کی وجہ سے قرض لینے اور دینے والے کے درمیان سرمایہ کے خطرہ کا تناسب متعین ہوگا۔

اس قسم کی شرکت نصف نصف یعنی ۵۰، ۵۰ کے تناسب کے بنیاد پر ہوگی۔

اگر قرض لینے والا ان شرائط کے تحت قرض قبول کرتا ہے جو نمبر ۲ میں بتائی گئی ہیں تو مالی مدّت کے اختتام پر اس کے حصہ کے منافع اور نقصان کی شرح کم کردی جائے گی۔ یہ شرکت ۴۹ اور ۵۱ کے تناسب کے مطابق ہوگی۔

۲-منجمد اثاثہ:

(الف) پٹہ کی جائداد: اسلامی بینک ایسے تجارتی مرکز میں واقع ہونا چاہیے جہاں ہر آدمی شہر کے مختلف گوشوں سے آسانی سے اس کے دفتر پہنچ سکے۔

(ب) فرنیچر اور سامان: اسلامی بینک کو چاہیے کہ اپنے گاہکوں کو جلد اور اچھی خدمات پیش کرنے کے لئے اچھا فرنیچر اور دیگر سامان خریدے۔

۳-کرایہ کی جائداد:

اسلامی بینکوں کی محفوظ سرمایہ کاری کا ایک اور راستہ جائداد کی ملکیت ہے جس میں آراستہ کمرے، فلیٹ اور مکانات اور دوکانیں وغیرہ کرایہ پر دیئے جاسکتے ہیں، اس ذریعہ سے اسلامی بینک اپنی آمدنی میں دوسری مدات سے زیادہ اضافہ کرسکتا ہے۔

۴-املاک:

منافع میں اضافہ کے لئے اسلامی بینک انتظامیہ کی مرضی سے اپنی خود کی برفس قائم کرے جس کا کنٹرول پوری طرح اسلامی بینک کے ہاتھوں میں ہو۔

اسلامی بینک کی مالی درجہ بندی کا نقشہ

قسم اکاؤنٹ	متوقع منافع	کل رقم	اوسط آمدنی بعد شرح	اسلامی بینک کے حصص	گاہکوں کے حصص
کرنٹ اکاؤنٹ	....	....	....	....	....
خطرہ مول لیا جانے والا سرمایہ	....	....	....	....	....
مشترکہ مالی طور پر لگایا ہوا سرمایہ	....	....	....	....	....
پیداواری سہولیات	....	....	....	....	....
سرمایہ کی قیمت	....	....	....	....	....
اضافہ	....	....	....	....	....
تخفیف	....	....		....	....

اسلامی بینک کی آمدنی اور خرچ کا میزانیہ

آمدنی	خرچ	صارفین کے حصص
اسلامی بینک کی مالی پوزیشن		
مجموعی منافع	دفتری اخراجات......	سرمایہ......
......	منیجر......	مجموعی منافع......
......	نائب منیجر......	تخفیف......
......	خزانچی کلرک......	فیس جو اسلامی بینک کو ادا کی گئی......
......	کلرک ٹائپسٹ......	زر اصل......
......	کرایہ بلڈنگ......	اصل منافع......
......	اسٹیشنری......	اوسط شرح فیصد
......	متفرق......	
......	ذیلی میزان......	
......	نئے منافع جات......	

منافع بخشی کے تعین کا طریقہ:

تمام سرمایہ کاروں، اسلامی بینک کے شرکائے حصص، انفرادی طور پر سرمایہ لگانے والوں وغیرہ کے سرمایہ سے منافع بخشی کے تعین کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا جائے گا، فرض کیجئے کہ اسلامی بینک کو مختلف صارفین کی طرف سے مختلف تاریخوں کی مدت کے لئے ایک خاص مدتی سرمایہ میں ایک کروڑ روپیہ حاصل ہوتا ہے۔ پورا سرمایہ پہلے تو اکائیوں میں تبدیل کیا جانے لگا تاکہ ہر اکائی کی قیمت کا اندازہ کیا جاسکے۔

یعنی سرمایہ کو ''ج'' یونٹوں میں تبدیل کرنا = اکائی کی قیمت

اس لئے ایک کروڑ روپیہ اگر دس لاکھ سے تقسیم کیا جائے تو جواب آئے گا دس، جو اکائی کی قیمت ہوگی۔

جب اکائی کی قیمت دس ہے تو مذکورہ بالا سرمایہ کی کل اکائیاں دس لاکھ ہوں گی۔ ان اکائیوں کے ذریعہ کل سرمایہ مزید منافع کے لئے لگایا جائے گا، اسلامی بینک کے عملی نتائج پر انحصار کرتے ہوئے یہ اکائیاں قیمت میں بڑھ بھی سکتی ہیں اور گھٹ بھی سکتی ہیں۔

اگر مذکورہ بالا سرمایہ پر ایک ماہ میں ۱۲ فی صد منافع ہوا تو اصل سرمایہ اور منافع کو جمع کر کے اس کو موجودہ اکائیاں یعنی دس لاکھ سے تقسیم کرنے پر جواب آئے گا ۱۰ء۱۰ جو مہینہ کے اختتام پر ہر اکائی کی قیمت ہوگی۔

اگر مسٹر ''ج'' نے پچاس ہزار روپیہ کا سرمایہ اسلامی بینک کے ساتھ ۱۵ فیصدی کے خطرہ سے لگایا ہے تو ان کی کل اکائیوں کی تعداد پانچ ہزار ہوگی۔

ان کی ایک مہینہ کی آمدنی کا تخمینہ مندرجہ ذیل طریقہ سے لگایا جا سکے گا:

مسٹر ج کی کل اکائیاں ....

قیمت فی اکائی ....

میزان (یعنی زر اصل اور منافع) ....

زر اصل ....

کل منافع ....

پندرہ فی صد خطرہ کے ساتھ اسلامی بینک کا اس منافع میں حصہ ......

مسٹر ج کا اصل منافع ....

اگر قیمت کا اندازہ کرنے کے بعد کچھ رقم نکالی گئی ہے تو لگائی جانے والی رقم کے نئے سرے سے اکائیاں بنا کر ان کی موجودہ قیمت جانچی جائے گی۔

مثال کے طور پر:

کل رقم کے منافع جات...

چار لاکھ اکائیوں کے واپس لئے جانے کے بعد جن کی قیمت فی اکائی ۱۰ء۱۰ ہے۔

باقی............................ قیمت ....

اب باقی بچی ہوئی ساٹھ لاکھ ساٹھ ہزار کی رقم ۶ء۰۶ فی اکائی قیمت کے حساب سے لگے گی۔ اور اس کا جو بھی نتیجہ حاصل ہوگا اس کے مطابق فی اکائی قیمت جانچی جائے گی یعنی یا تو یہ قیمت منافع کی صورت میں ۶ء۰۶ سے بڑھے گی یا نقصان کی صورت میں کم ہوگی۔

اس طرح روپیہ لگانے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے خواہ اس میں سے رقم لگائی جائے یا اسلامی بینک کی اس رقم میں اور اضافہ وقتاً فوقتاً ہو۔ نفع نقصان سے قطع نظر یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

نا قابل واپسی قرضے

دورِ حاضر میں روزمرہ کی زندگی کی ضروریات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہیں۔ انسان کو اپنی آمدنی میں خرچ پورے کرنا مشکل ہورہا ہے۔ اس لئے لوگوں کی جائز ضروریات کے لئے نا قابل واپسی قرضوں کی ضرورت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ یہ قرضے براہ راست پیداواری نہیں ہوتے بلکہ غیر متعلقہ طور پر قوم کے مفاد کے لئے پیداواری ہوتے ہیں۔ اس لئے براہ راست شرکت کی بنیاد پر یہ قرضے دینا اسلامی بینک کے لئے ممکن نہیں۔ تجویز کیا گیا ہے کہ چونکہ امداد باہمی کی انجمنیں بھی ایسے قرضے دیتی ہیں اس لئے اسلامی بینک بھی قرض لینے والوں کے جمع شدہ سرمایہ یا ان کے منجمد سرمایہ یا اثاثہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ قرضے دیا کریں، اور جس طرح حکومت یتیم خانوں، خیراتی اور مفاد عامہ کے اداروں کے اخراجات ادا کرتی ہے اسی طرح ان بینکوں کے عملہ کے اخراجات برداشت کیا کرے۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے

حکومت جمع شدہ رقوم اور تجارتی کوشواروں پر ٹیکس عائد کرتی ہے۔ مفت سروس کی وجہ سے صنعت وحرفت اور تجارت کو ترقی ہوتی ہے اور ان کے لئے یہ ٹیکس برداشت کرنا مشکل نہیں ہے۔ اس کے نتیجہ کے طور پر معاشی ذرائع پوری طرح استعمال میں آئیں گے اور بیروزگاری ختم ہوگی، لیکن اس قسم کے کام کے لئے حکومت کو آمادہ کرنے میں طویل مدت درکار ہوگی۔ اور ہندوستان جیسے ملک میں دور حاضر میں اس کا ہونا مشکل ہے۔ اس مقصد کے لئے اسلام میں قرض حسنہ جو غیر منافع بخش قرض ہوتا ہے ایک عملی متبادل ہے۔ مقروض کو اپنا پورا قرضہ اپنے مرنے سے پہلے ادا کر دینا ہوتا ہے ورنہ گنہگار سمجھا جاتا ہے۔ بعض حالات میں قرض کے بوجھ کے اندر مرنے والوں کو گناہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اس قرض کی واپسی ضروری نہیں ہے۔

غیر سودی کاروبار کرنے والے بینک اس قسم کے قرضے ضرورت مند گاہکوں کو دینے میں محض ایک علامتی کردار ادا کر سکتے ہیں، دراصل یہ ایک مجموعی سماجی تحفظ کے پروگرام کے تحت ہونا چاہیے۔ بینکوں کو غیر منافع بخش قرض اپنے گاہکوں کو بہت مختصر مدت کیلئے بطور اوور ڈرافٹ دینا مناسب ہوگا، یہ تجویز کہ بینک زکاۃ حاصل کر کے اسے امداد یا غیر منافع بخش قرضوں کے طور پر تقسیم کر دیں مناسب نہیں ہے۔

پائیدار یا دیر تک رہنے والی اشیاء ضرورت کی خریداری کی سہولت میں غیر سودی بینک نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ خریدار ان کی قیمت آسان قسطوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو طریق کار ہیں:

الف۔ سپلائی کرنے والے کی امداد: تجارتی بینک مال سپلائی کرنے والے کی مالی امداد کر کے اس کے منافع میں شریک ہو۔

ب۔ خریدار کی امداد: بینک خریدار کو مالی امداد دے۔ اس سے بھی بینک کو فائدہ حاصل ہوگا۔ فرض کیجئے کہ ایک خریدار مسٹر الف بینک سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ایک چیز خریدنے میں

مالی امداد دے، جس کی قیمت وہ تاخیر سے ادا کرے گا۔ بینک اس کے سپلائر سے خرید کر اپنی قیمت خرید پر دو یا تین فی صد شرح کے منافع سے مسٹر الف کو فروخت کر دیتا ہے۔ سپلائر کو اس کے مال کی پوری قیمت وصول ہو جاتی ہے اور خریدار بینک کو قسط وار قیمت کی ادائیگی میں اس کا ممنون ہو جاتا ہے۔ بینکوں کو اپنے حسابات سیال رکھنے پڑتے ہیں تا کہ کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈر اگر اپنا روپیہ واپس نکلوانا چاہیں تو بینک ان کو ادائیگی کرے، اس لئے اس قسم کے قرضے دینے میں وہ مجبوری محسوس کرتے ہیں۔

تجارتی قرضے

تجارتی طبقہ کو مختصر مدتی قرضوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عموماً یہ قرضے منافع میں شرکت کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں۔ چند ہفتوں یا اس سے کم مدت کے لئے اچانک ضرورت کے تجارتی قرضوں کو "شارٹ نوٹس لونز" کہا جاتا ہے اور ان میں بینک کی شرکت ممکن نہیں ہوتی۔ تجارت میں تاجروں کے لئے غیر سودی قرضے ناگزیر بن گئے ہیں، تجویز یہ ہے کہ بینک اپنے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع شدہ حسابات کی کل رقم میں سے ایک حصہ غیر منافع بخش قرضوں کے لئے مختص کر دیں، یہ قرضے محدود طور پر دیئے جائیں گے۔ اہم مسئلہ یہ ہے کہ مطالبہ اور اس کی تکمیل کے درمیان توازن کیسے قائم رکھا جائے۔ ان قرضوں کا بیشتر مطالبہ خود مالی سیکٹر کی طرف سے ہوتا ہے، جب مالی سیکٹر سود کی تنسیخ سے سکڑتا ہے تو حجمی طور پر اس کا گھٹنا بھی قطعی ممکن ہے، پیداواری سیکٹر میں طویل میعادی سرمایہ کاری کے کل مطالبہ کا انحصار جملہ تجارتی قرضوں کے حجم پر ہوتا ہے جس میں ایک تجارتی فرم دوسری فرم کو قرض کی سہولیات دیتی ہے، ہفتوں یا مہینوں کے لئے قرض کی سہولت کا اندازہ عظیم تر سطح پر اور مطالبہ کے ہم مقدار ہونے پر جانچا جا سکتا ہے، اور جو اس قسم کے اداروں کی انجمن سازی کے ذریعہ ہو سکتا ہے اس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ اثاثہ کو دوبارہ کارآمد بنانے کی

شرح کے مطابق خوش اسلوبی سے اسے مالی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے، انفرادی بینک اپنے قابل قرض اثاثہ کو اپنی سطح پر ذیل کے اصولوں کے مطابق مختص کر سکتے ہیں:

۱۔قرض کے لئے فرم کے مطالبات زر کی مقدار۔

۲۔ان کاموں کے ساتھ سماجی اولیت کی اہمیت۔

۳۔قرض کے تحفظ کے لئے پیش کردہ ضمانت کی نوعیت۔

۴۔کیا درخواست دہندہ نے اس کام کے لئے اس سے پہلے بھی بینک سے کوئی مدتی قرض لیا تھا یا نہیں؟

۵۔اسی بینک میں درخواست دہندہ کے کرنٹ اکاؤنٹ میں سالانہ، ماہانہ یا ہفتہ وار اثاثہ کا گوشوارہ۔

اسلامی بینکنگ کے تحت تعلقات کے محرکات

غیر سودی بینکنگ میں بینکر اور ڈپازیٹر نیز بینکر اور صنعت کار کے درمیان مندرجہ ذیل تعلقات قابل توجہ ہیں:

الف-روپیہ جمع کرانے والوں کے ساتھ تعلق:

روپیہ جمع کرانے والے مجموعی طور پر (انفرادی طور پر نہیں) سرمایہ کار کا درجہ رکھتے ہیں اور بینک ان کے اثاثہ کے استعمال کا مختار کل ہے، کیونکہ اس سرمایہ کو کاروبار میں لگانے کے لئے بینک اپنے کارندے مقرر کرنے کا حقدار ہوتا ہے، بعض معاملات میں بینکوں کو نمایاں کامیابی حاصل ہوتی ہے، بعض میں اوسط اور کچھ میں نقصان بھی ہوسکتا ہے۔روپیہ لگاتے وقت بینک کو یہ جانچنا پڑتا ہے کہ جس مخصوص تجارت میں وہ روپیہ لگا رہا ہے وہ اس قابل ہے بھی یا نہیں، وہ امیدوار کو بھی پرکھتا ہے اور اس کے کام کی وسعت کی پڑتال بھی کرسکتا ہے، لیکن یہ سب جانچ لینا

کہ طویل مدت کے بعد یہ کام مالی طور پر مفید نہ ہوگا یا سماجی نقطۂ نظر سے نامناسب ہوگا یا اس میں مالی خطرہ زیادہ مول لینا پڑے گا قبل از وقت مشکل ہوتا ہے۔

ب-صنعت کاروں سے تعلقات:

بینک تمام منافع اور نقصانات کا گوشوارہ مالی سال کے اختتام پر تیار کرتا ہے، اس میں بینک کے عام اخراجات مع ملازمین کی تنخواہوں، اجرتوں، محفوظ سرمایہ وغیرہ کی تفصیل شامل ہوتی ہے، اس گوشوارہ کے مطابق جو بچت ہوتی ہے وہ بینک اور اس کے ڈپازیٹروں کے درمیان پیشگی معاہدات کے مطابق تقسیم ہوجاتی ہے۔اس کے بعد بینک کا جو حصہ ہوگا وہ بینک اور اس کے حصہ برداروں کے درمیان ان کے حصص کے تناسب سے بانٹ دیا جائے گا،مصر کے ماہر معاشیات ڈاکٹر ایم۔اے العربی نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں اس پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

ڈپازیٹروں کے تعلق میں بینک ان کے روپیہ کا استعمال کنندہ یا ان کی تجارت کا منتظم ہوتا ہے اور ڈپازیٹر سرمایہ دار کا درجہ رکھتے ہیں، البتہ صنعت کاروں کے سلسلے میں بینک سرمایہ دار اور صنعت کار اس کے روپیہ کے استعمال کرنے والے بن جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں سرمایہ داروں اور آپریٹروں کے حقوق اور ذمہ داریوں کے شرائط کا ان پر اطلاق ہوگا۔کوئی بھی منافع جو آپریٹر حاصل کریں گے وہ ان کے اور بینک کے درمیان بحیثیت سرمایہ دار پیشگی طے شدہ شرائط پر تقسیم ہوگا۔

لیکن اس تجارت میں اگر نفع یا نقصان نہیں ہوگا تو سرمایہ بینک کو جوں کا توں واپس کردیا جائے گا۔نقصان کی صورت میں اسے صرف بینک ہی برداشت کرے گا۔ اور اگر کوئی صنعت کار دانستہ ایسا کام کرتا پایا گیا ہے جس سے سرمایہ کے ایک حصہ کا نقصان ہوا ہوتو وہ حرج کا ذمہ دار ہوگا۔

مختلف صارفین کے منافع کی تقسیم کے طریقہ کار کی مثال

انفرادی یا اجتماعی طور پر صارفین کے تناسب کے تعین کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان تمام عناصر کو جو سرمایہ کے ضمن میں بتائے جا چکے ہیں زیر غور لایا جائے۔ ان کے حصہ کا تعین بھی پیداوار یا سرمایہ لگانے کی ان کی اہلیت کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر مسٹر ''الف''، تین ماہ کے لئے اسلامی بینک سے ایک لاکھ روپیہ لے کر اپنی تجارت میں لگانا چاہتا ہے، اس کے اور اسلامی بینک کے درمیان منافع کی شرح فیصد کا تعین ۷۵% یا ۲۵% کا کیا گیا ہے، ایک لاکھ روپیہ پر اسلامی بینک کا منافع تین ماہ میں ۳۶۲۵ (یعنی ۱۴.۵%) ہوگا۔

مسٹر الف کے سرمایہ کا حصہ.......... ۲۷۱۸/۷۵

ان کا کل سرمایہ جو لگا.......................... ۱۰۰۰۰/۰۰

میزان.. ۱۲۷۱۸/۷۵

اسلامی بینک نے اس کے کام میں سرمایہ لگایا ہے...... ۱۰۰۰۰۰/۰۰

اوسط.. ۹۰۶/۲۵

اگر تین ماہ میں ایک لاکھ روپیہ پر ۱۲۵۰/۰۰ (یعنی ۵ فی صدی کے حساب سے) گھاٹا ہوا۔

مسٹر الف کا نقصان.............. ۱۲۵۰/۰۰

ان کا کل سرمایہ.................... ۱۰۰۰۰۰/۰۰

ان کے سرمایہ کی قیمت رہ گئی.............. ۹۸۷۵۰/۰۰

مضاربہ اکاؤنٹ کے تحت کسی خاص موقع پر شرکاء منافع حاصل کرتے ہیں، تو اس کی تقسیم کام کی شروعات سے پہلے طے شدہ معاہدہ کے تحت ہوتی ہے، شرکت میں مالی نقصان کی

صورت میں جو اس مدت کے دوران ہوگا سرمایہ کار اس نقصان کو برداشت کرے گا، اور جو کارندہ شریک ہوگا وہ اس سے مبرا رہے گا۔ شریعت کے ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ سرمایہ کار اور کارکن شریک کے درمیان اس طرح سے حقوق اور ذمہ داریوں کی مساوات قائم ہوتی ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

اگر کسی تجارت میں نقصان ہوتا ہے تو یہ نقصان سرمایہ کار کے اثاثہ کا ہوتا ہے جب کہ اس کے کارکن شریک نے اس کام میں جو کچھ محنت اور وقت صرف کیا ہے وہ ضائع ہوتا ہے اور اس کو اپنی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملتا۔ سرمایہ کاری کے اس حساب کے مذاکرات میں اس اسکیم کے تحت اسلامی بینک اپنے آپ کو بطور کارکن شریک پیش کرتا ہے، اور اس لئے نقصان بینک کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ نقصان کی صورت میں سرمایہ کار کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی وجوہات کی جانچ کرے۔ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے وہ یا تو اسلامی قانونی کمیٹی کا سہارا لیتا ہے، یا پھر تنقیح یا آڈٹ کا، جو آزادانہ طور پر جانچ پڑتال کر کے یہ فیصلہ لیتی ہے کہ یہ نقصان بینک کی طرف سے صحیح اقدامات نہ کرنے کے باعث ہوا ہے، یا سرمایہ کاری کے طریقہ کار میں کسی غفلت کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر آڈٹ یا قانونی کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ اس نقصان کا بینک ذمہ دار ہے تو روپیہ استعمال کرنے والا اس سے بری الذمہ ہو جائے گا اور اسے برداشت کرنے کا پورا بوجھ بینک پر ہی پڑے گا۔ (غیر سودی بینک کی طرف سے سرمایہ کاری کے عمل کا چارٹ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

اسلامی بینک کی طرف سے سرمایہ کاری کے عمل کا چارٹ

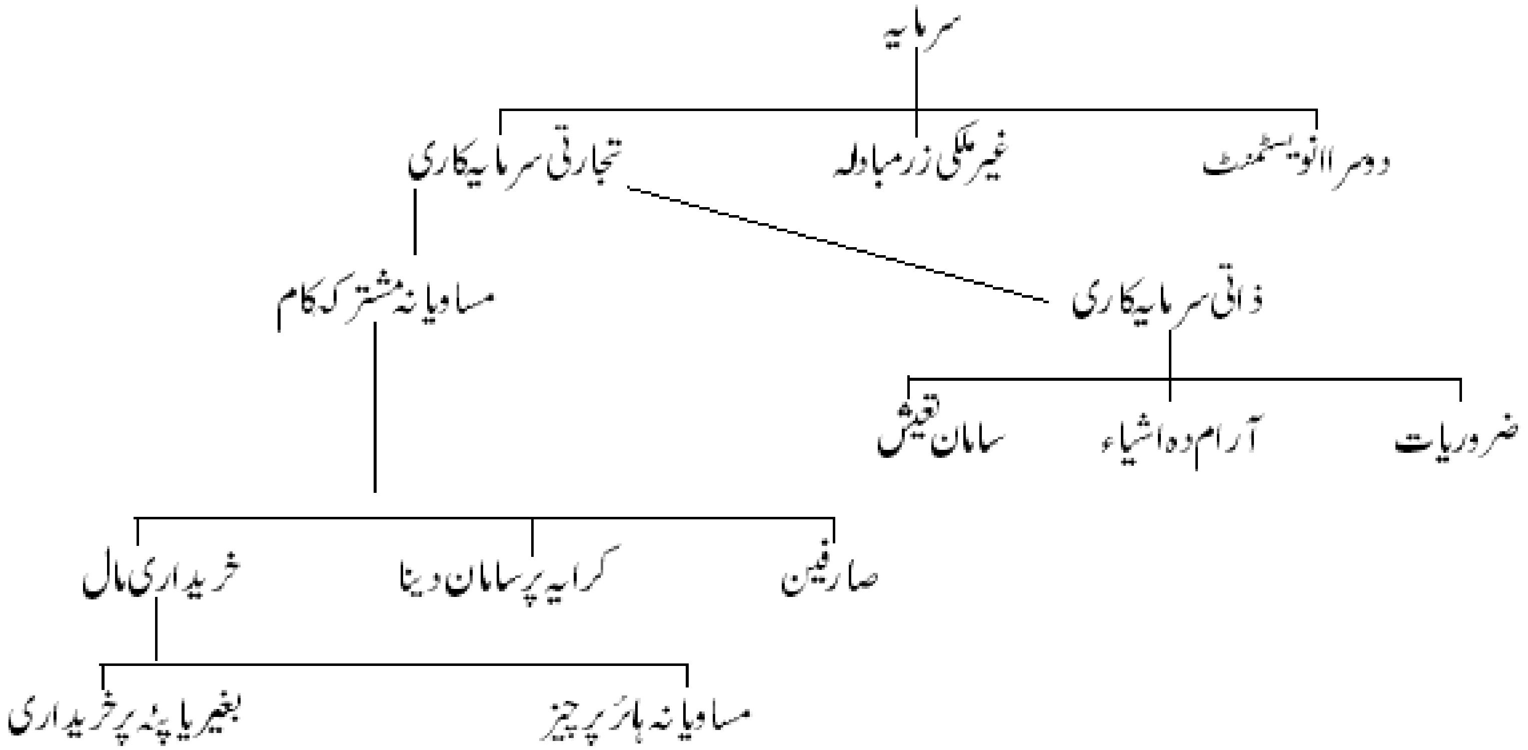

اسلامی بینک کی طرف سے پروڈکیٹو عمل کا چارٹ

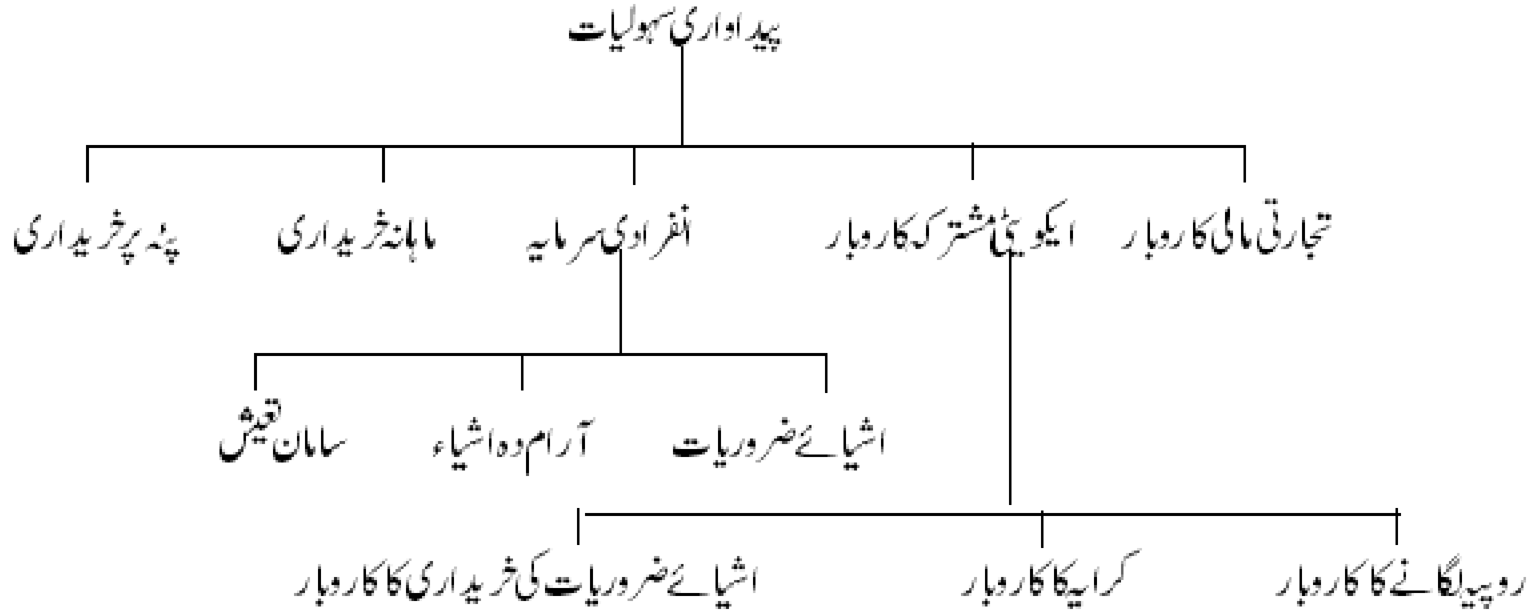

مختلف قسم کے کھاتوں اور ان میں استعمال کئے جانے والے کاغذات کی مختصر تفصیل

کھاتہ کا نام	کھاتہ کی قسم	کاغذات جو اس میں درکار ہوں گے
الف-گاہکوں کے قرض کا حساب	۱-ذاتی	۱-کھاتہ چلانے کا معاہدہ، ۲-نمونہ کے دستخطوں کا کارڈ
	۲-محدود ذمہ داری کی کمپنی	۱-کھاتہ چلانے کا معاہدہ، ۲-محدود ذمہ داری والی کمپنی کی طرف سے بینک اکاؤنٹ کھولنے کی قرارداد، ۳-نمونہ کے دستخطوں کا کارڈ
	۳-شرکت کا فارم	۱-اکاؤنٹ آپریٹ کرنے کا معاہدہ، ۲-پارٹنرشپ کا معاہدہ، ۳-نمونہ کے دستخطوں کا کارڈ
	۴-واحد ملکیت	۱-اکاؤنٹ کھولنے کا معاہدہ، ۲-فرم کے نام سے کاروبار کرنے کا اس فرد واحد کا بیان، ۳-نمونہ کے دستخطوں کارڈ
	۵-انجمن/کلب اور اوقاف	۱-اکاؤنٹ کھولنے کا معاہدہ، ۲-انجمن کلب یا وقف کی طرف سے بینک اکاؤنٹ چلانے کی قرارداد، ۳-نمونہ کے دستخطوں کا کارڈ
ب-ٹائم کریڈٹ اکاؤنٹ		۱-اکاؤنٹ کھولنے کا معاہدہ، ۲-میعادی قرض کے مطالبہ کا فارم

مختلف کھاتہ برداروں کی ضرورت کے کاغذات

۱-ذاتی اکاؤنٹ	بینک کے قوانین کے مطابق پاسپورٹ سائز کی فوٹو کاپی
۲-محدود ذمہ داریوں کی کمپنی	۱-تجارتی لائسنس، ۲-کمرشیل رجسٹریشن، ۳-کمپنی کے ضوابط وآئین، ۴-ملکی قوانین کے مطابق دیگر کاغذات
۳-شرکت کا فارم	۱-ٹریڈ لائسنس، ۲-کمرشیل رجسٹریشن، ۳-عدالت سے مصدقہ شرکت نامہ، ۴-ملکی قوانین کے مطابق دیگر کاغذات
۴-تنہا پارٹنرشپ کا فارم	۱-ٹریڈ لائسنس، ۲-کمرشیل رجسٹریشن، ۳-ملکی قوانین کے تحت کوئی اور ضروری کاغذ

اسلامی بینک میں بچت یا توفیر کے فارم کا نمونہ

پتہ اسلامی بینک بچت کا گوشوارہ	شاخ تاریخ اختتام	تاریخ قیمت کے گھٹنے کی شرح

برنس کی قسم:

تاریخ	تفصیل	ڈیبٹ	کریڈٹ	اسلامی بینک میں سرمایہ کی آمد کی رفتار		قیمت کم ہونے کی شرح
				رقم	اکائیاں	

اسلامی بینک میں نفع اور نقصان ظاہر کرنے کے نمونہ کا فارم

دی اسلامک بینک: پتہ: نفع اور نقصان کا گوشوارہ:	شاخ..............تاریخ..............حوالہ..............	
	فیسلیٹی ٹائپ	سرمایہ کی یونٹ کے حساب سے قیمت
		کھاتوں کی تعداد

بزنس کی قسم:

تاریخ	تفصیل	ڈیبٹ	کریڈٹ	اسلامی بینک میں سرمایہ کی آمد		منافع	افراد کے سرمایہ کی آمد		منافع	مضاربہ کے منافع
				رقم	اکائیاں		رقم	اکائیاں		

....

اسلامی بینک کی کارکردگی کی جانکاری کا پروفارما

نمونہ کی ایک شیٹ

موجودہ شرح	اوسط
سرمایہ کی قیمت کی مناسبت سے قرض دینے کی شرح	,,
اصل منافع کی شرح	,,
حسابات کی رقوم کی واپسی کی ٹرن اوور	,,
انوینٹری ٹرن اوور	,,
ادا کیے جانے والے کھاتوں کی ٹرن	,,

بار بار ادائیگی یا جمع کیے جانے کے اعادہ کا ریکارڈ

چیک نمبر	تاریخ	تفصیل	چیک		ڈپازٹ		بقایا
......	......	......	......	......	......	......	......

چیک بک حاصل کرنے کی درخواست کا فارم

اسلامک بینک

پتہ.................

مؤرخہ..................

جناب عالی!

مجھے/ہم کو براہ مہربانی آپ کے بینک میں مندرجہ ذیل اکاؤنٹ آپریٹ کرنے کے لئے ایک چیک بک عنایت کی جائے، میں/ہم اس چیک بک کے حفاظت کی پوری طرح ذمہ داری ہوں گے، اس صورت میں بھی اگر یہ کھو جائے اور کوئی جرائم پیشہ فرد اس کا غلط استعمال کرے۔

نام.................. اکاؤنٹ نمبر..............................

دستخط..........................

آپریٹنگ اکاؤنٹ کے نمونے کے کاغذات

اسلامک بینک..........

پتہ.........................

مورخہ.......................

اے، بی، سی کمپنی اکاؤنٹ نمبر........................

کریڈٹ:

الفاظ میں........................	

جمع ہوا بذریعہ...... پڑتال کی گئی...... میزان......

نمونہ چیک

اسلامک بینک..............................

پتہ..............................

تاریخ..............................

اکاؤنٹ نمبر..............................

برائے مہربانی ادا کیجئے جناب..............................

کو مبلغ..............................روپئے

اکاؤنٹ نمبر..............................

دستخط کھاتہ بردار..............

اسلامک بینک میں کھاتہ کھولنے کے فارم کا نمونہ

نام.................. اکاؤنٹ نمبر..............

میرے رہمارے دستخط کا نمونہ.............................. پڑتال کی گئی..................

مشترکہ کھاتہ:

() کسی ایک کا دستخط..............................

() تمام شرکاء کے دستخط..............................

اس کارڈ پر دستخط کر کے میں رہم آپ کے بینک میں کھاتہ کھولنے پر اپنی رضامندی ظاہر کرتا ہوں رکرتے ہیں، اور نیز جو شرائط کھاتہ کھولنے کے سلسلے میں ہیں ان کا پابند ہوتا ہوں ر ہوتے ہیں۔

دستخط..............................

آپریٹنگ ایگریمنٹ (فارم----) آف اسلامی بینک

شاخ	کھاتہ کھولنے کی تاریخ	ترمیم شدہ تاریخ
......	......	......

مالی اشتراک کا قاعدہ:

روایتی بینکنگ میں قرض لینے والا کسی بھی بینک سے قرض حاصل کرسکتا ہے، اور قرض کی گارنٹی کے لئے کوئی چیز یا جائداد رہن رکھ سکتا ہے یا کوئی ضمانت دہندہ پیش کرسکتا ہے یا بینک کے انتظامیہ کو محض اس بات سے مطمئن کرسکتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں دیانت دار ہے، قرض واپس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو کام وہ اس روپیہ سے کرنے جارہا ہے وہ ایک مضبوط اور عمدہ منافع بخش کام ہے۔

عموماً بینک ایسی ضمانتیں قبول کرلیتے ہیں جو بازار میں بہ آسانی فروخت کی جاسکیں، اور قرض خواہ کو قرض دے دیتے ہیں، لیکن محض ضمانت پر بھروسہ کرلینا درست نہیں کیونکہ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ضمانت کے طور پر بینک کو حصص کے جعلی سرٹیفکٹ پیش کردیئے گئے اور کافی دنوں بعد بینک کو پتہ چلا کہ اس کا سرمایہ قطعی خطرہ میں ہے۔

علاوہ ازیں موجودہ بینک بعض افراد کو ان کی پیش کردہ ضمانت کی قیمت سے بھی زیادہ رقم کا قرض دے دیتے ہیں کیونکہ اول تو مارکٹ میں ان کی ساکھ اچھی ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ وہ اپنی تجارت کو بہت کامیابی اور عمدگی سے چلاتے ہیں، بینک سے ایک مرتبہ جب قرض ایڈوانس دیدی جاتی ہے تو پھر یہ مقروض کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ یہ رقم اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے، خواہ وہ اسے جائز طور پر اپنے کاروبار میں لگائے یا کسی اور غیر قانونی کام میں خرچ

کرے، کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو بینک سے رقم ادھار لے کر اپنی مرضی سے اپنے کاروبار میں صرف کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ذاتی مہارت کی کمی، انتظامی کنٹرول کی خرابی یا خراب انتظامیہ کی وجہ سے یا مقابلہ کے کسی دوسرے مخالف صنعت کار کی وجہ سے اپنے کاروبار میں کامیاب نہیں ہوپاتے، بینک ان کے برعکس میں شاذونادر ہی مداخلت کرتا ہے یا ان کی راہنمائی کرتا ہے، مقروض یہ رقم کھو بیٹھتا ہے تو اس کے لئے اصل کا واپس کرنا تو دور کی بات ہے سود کی ادائیگی بھی مشکل ہوجاتی ہے۔

قرض لینے والوں کے اثاثہ پر عملی نگرانی نہ رکھنے کے باعث بینک خراب نقصانات سے دوچار ہوتے ہیں، تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ قرض لینے والوں کے حالات کا بغور جائزہ لینے کے باوجود دنیا کے بہت سے ممالک کے بینکوں میں قرضوں کے ذریعہ نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

لیکن چونکہ اسلامی بینک مالی شریک ہونے کے باعث مقروض کو دیئے گئے اثاثہ کا نگراں اور اس کی جدوجہد سے واقفیت بھی رکھتا ہے اس لئے اس کی رقوم کے غلط استعمال کا امکان کم ہوتا ہے بلکہ بعض حالات میں تو اسلامی بینک کسی قسم کی ضمانت بھی طلب نہیں کرتے۔

جب روپیہ قرض لینے کا اصل مقصد ایک لڑکھڑاتے ہوئے کاروبار کی مدد کرنا ہے تو سوال یہ ہے کہ بینک یہ قرض لوگوں کو ان کی حسب مرضی استعمال کے لئے کیوں دے؟ کاروبار کرنے والے کو اس کام کا عملی تجربہ ہوتا ہے اور اسلامی بینک کے پاس مالی مہارت ہوتی ہے۔ ان دونوں کے اشتراک سے بہت عمدہ نتائج برآمد ہوسکتے ہیں اور مارکٹ میں ایسا مال آسکتا ہے جس کی فروخت ان کے لئے کافی منافع بخش ہونے کے ساتھ ساتھ سماج کا معیار زندگی بھی بلند کرسکتی ہے۔

مالیات کے کنٹرول کے ساتھ اسلامی بینک کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ قرض لینے والے فرد کی تجارتی سرگرمیوں کی جانچ روزانہ یا وقتاً فوقتاً حسابات کے آڈٹ کی صورت میں کرے، اور اپنی رپورٹ بینک کے انتظامیہ کو پیش کرے۔

متوقع شریک کی مالی پوزیشن کا تعین:

اس کے لئے یہ باتیں ضروری ہیں:

(۱) فرم کا نام، (۲) مالک کا نام، (۳) پتہ، (۴) کام کی نوعیت، (۵) بینکروں کے نام۔

واضح مالیت:

(۱) موجودہ سرمایہ، (۲) موجودہ دین داری، (۳) لگے ہوئے سرمایہ کی قیمت، (۴) فہرست سامان، (۵) فروخت کی پوزیشن، (۶) فروخت سے وصول شدہ آمدنی، (۷) قابل وصول بل، (۸) قابل ادائیگی بل۔

نا قابل محسوس قیمت کا تخمینہ:

(۱) فرم کے مالک کی قابلیت، (۲) اس کی اہلیت، (۳) صلاحیت، (۴) تجربہ، (۵) وقت جو وہ صرف کرتا ہے، (۶) آمدنی اور خرچ۔

(۱) فرم کا کل منافع (۲) حصص (۳) انکم ٹیکس (۴) اصل منافع (۵) خطرہ کی شرح۔

اسلامی بینک کے پاس قرض پر سرمایہ مہیا کرنے کی مندرجہ ذیل سہولیات ہوتی ہیں:

(۱) کم مدتی قرض برائے ایک تا تین سال، (۲) وسط مدتی قرض برائے ۴ تا ۶ سال، (۳) طویل مدتی قرض برائے ۷ تا ۹ سال۔

مقررہ میعاد کے لئے اسلامی بینک کے پاس جو رقوم جمع ہوتی ہیں ان کو وہ اپنے مالی شریک کی قابلیت اور اہلیت جانچنے کے بعد مدت کی مناسبت سے کام میں صرف کرسکتا ہے، اور شرکت کا معاہدہ کرتے وقت شرکت کی شرائط طے کر کے تحریر میں لا سکتا ہے، بینک کے لگائے ہوئے سرمایہ کے تعین کا فیصلہ اس فرم کی جائداد و املاک کی مارکٹ ویلیو جانچنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔

نئے کام کے آغاز کے لئے بھی اسلامی بینک کے پاس سہولیات موجود ہیں، ان میں وہ

شرکت کے اصول پر شامل ہوسکتا ہے۔ مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق اس کی سرمایہ کاری کی مدت میں بھی کمی کی جاسکتی ہے۔

اسلامی بینک کی مجوزہ آمدنی اور خرچ کا گوشوارہ (نمونہ)

ذمہ داریاں	اثاثہ
١-عارضی کھاتے	١-نقد سرمایہ
کسٹمر کریڈٹ اکاؤنٹ، انفرادی اکاؤنٹ، دیگر کھاتے	٢-دوسرے بینکوں پر واجب رقوم
٢-طویل مدتی کھاتے۔	(سینٹرل بینک، ریزرو بینک، کوئی اور بینک)
ٹائم کریڈٹ اکاؤنٹ، انفرادی کھاتے، دیگر کھاتے	٣-گاہکوں پر واجب رقوم
٣-ٹرم انویسٹمنٹ:	(الف، ب، ج)
الف-ب-ج-وغیرہ	٤-غیر سودی زر پیشگی (ضروریات کے لئے / آرائشی
٤-منجمد کھاتے۔	چیزوں کے لئے)۔
کم مدتی، وسط مدتی، طویل مدتی	٥-سرمایہ جس پر خطرہ مول لیا جاسکتا ہے
٥-غیر ملکی زر مبادلہ	٦-سرمایہ جو کاروبار میں لگا ہوا ہے۔
قابل ادائیگی بل۔	٧-مالی شرکت (کم مدتی، وسط مدتی، طویل مدتی)
٦-حصص کا سرمایہ:	٨-املاک
١٠/روپے کی قیمت کے ایک لاکھ حصص (مثلاً)	٩-پیداواری سہولیات (لیز ہولڈ خریداریاں، ایکویٹی ہائر
٧-سرمایہ کاروں کے حصص	پرچیز)
	١٠-متوقع سرمایہ کاری میں لگایا جانے والا سرمایہ
	١١-کرایہ کی جائداد
	١٢-منجمد سرمایہ (لیز ہولڈ جائداد فرنیچر اور دیگر سامان)

پانچ فیصد کے ٹوٹل ڈپازٹوں پر خصوصیت

۱-ڈیمانڈ اور ٹائم ڈپازٹس کھاتوں کے محفوظ فنڈ ....

۲-کیپٹل اکاؤنٹ ....

جملہ ریزرو..

۱-کیپٹل اکاؤنٹ سے..

۲-نقد محفوظ سرمایہ..

۳-منجمد اثاثہ کے استعمال کے لئے..

۴-گاہکوں کے ذمہ بقایا جات..

۵-غیر سودی پیشگی رقوم یا قرضے..

(متبادل فارم)

ممبر بینکس:

اثاثہ	ذمہ داریاں
۱-نقد رقم	۱-ڈیمانڈ ڈیپازٹس
۲-کاروباری امور میں ایکویٹی	۲-مخصوص سرمایہ کاری ڈپازٹس
۳-منافع میں شرکت کے حسابات	۳-مخصوص سرمایہ کاری سرٹیفکٹ
۴-پٹہ داری کے حسابات	۴-منافع میں شرکت کے ڈپازٹس
	۵-منافع میں شرکت کے سرٹیفکٹ
	۶-پٹہ داری کے ڈپازٹس
	۷-پٹہ داری کے سرٹیفکٹ
	۸-عام سرمایہ کاری کے سرٹیفکٹ

منافع میں شرکت کے کھاتوں اور پٹہ داری کے کھاتوں میں ممبر بینک اپنا سرمایہ ایکویٹی یعنی برابری کی سرمایہ کاری کے تحت لگا سکتے ہیں، یہ ان کے اثاثہ کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔

ذمہ داریوں کے ضمن میں ممبر بینک کسی مخصوص یا عام سرمایہ کاری کے لئے، منافع میں شرکت کے لئے اور پٹہ داری کے لئے ڈپازٹس کھول سکتے ہیں، یہ ڈپازٹس یا کھاتے ان مقاصد کے لئے جن کے نام پر انہیں جمع کیا گیا ہو، زیر استعمال لائے جا سکتے ہیں، اس کے علاوہ وہ چیکنگ اکاؤنٹ میں دلچسپی رکھنے والوں کے استعمال میں بھی یہ ڈیمانڈ ڈپازٹس آسکتے ہیں۔ڈپازیٹر اپنا سرمایہ ایک مقصد کے ڈپازٹ سے دوسری نوعیت کے ڈپازٹ میں اسی وقتی محدودیت کے تحت جمع کرا سکتے ہیں جن کے تحت وہ پہلے جمع ہوا تھا۔سرمایہ واپس لینے کے لئے پیشگی اطلاعی نوٹس کی ضرورت ہوتی ہے جس میں رقم واپس نکالنے کے وقت کا تعین کیا جانا لازمی ہوتا ہے۔ممبر بینک مخصوص اور عام کھپت کے سرٹیفکٹ، منافع میں شرکت کے سرٹیفکٹ اور پٹہ داری کے سرٹیفکٹ بھی جاری کرتے ہیں، ہر قسم کا سرٹیفکٹ ایک علیحدہ اور مخصوص مدت کے لئے جس میں بچت کرنے والوں کو دلچسپی ہو، جاری کیا جاتا ہے، اور ہر سرٹیفکٹ منافع بخش ہوتا ہے اگرچہ اس کے منافع کی پیشگی قیمت کا تعین نہیں کیا جاتا۔

مختلف قابل توجہ مسائل

(۱) مختلف قابل توجہ مسائل میں سب سے اول قرض حسنہ ہے جو سروس چارج کے نام سے بھی موسوم ہے، اس کے لئے معقول تعداد میں رقم جمع کی جاتی ہے۔اس کی ضروریات آسانی سے پوری کی جا سکتی ہیں، اگر اسلامی بینک/ادارہ اپنی منافع بخش سرگرمیاں تجارتی یا سرمایہ کاری کے سلسلے میں وسیع تر کرلے۔

(۲) اصل قیمت کی اجرت کی بنیاد پر خدمات پیش کرنے کے موجودہ طریقے مختلف

اور نامکمل ہیں، اگر اصل عملی نرخ کے تخمینہ کا کوئی جامع اور یکساں سسٹم تیار کیا جا سکتا ہے تو وہ مساویانہ یا ''ایکوٹیبل چارج'' ہوگا، اس کام کے لئے بینکنگ اور مالیات کے ماہرین اور شریعت کے اسکالروں کی ایک کمیٹی بنا کر رائے لی جا سکتی ہے، بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اخراجات کو حقیقت پسندانہ بنانے کے لئے وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

(۳) بلوں کے کمیشن اور عوامل کے لئے معاہدہ کی شرائط واضح ہونی چاہئیں، اور شریعت کے ماہرین کی پیشگی منظوری حاصل کر کے ان کا اعلان کیا جانا چاہیے۔

(۴) فاضل سرمایہ بینکوں یا اسی قسم کے دوسرے عام اداروں میں رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے سود کی رقم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ دوسری طرف عام اقسام کے مختلف ذرائع سے قرض لینے کے باعث سود کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے، اس مضر اور ممنوعہ صورتحال پر قابو پانے کے لئے اس قسم کے اداروں کی ایک مرکزی وحدت قائم کی جائے جو وفاقی بنیادوں پر ہو، جہاں تمام فاضل سرمایہ منتقل کیا جائے اور اسے یہ اختیار دیا جائے کہ بوقت ضرورت غیر سودی بنیاد پر وہ اسے اپنے رکن اداروں کو دے سکے، ایسا کرنے کا طریقہ کار اور اصول ماہرین شریعت اور مالیات کے ماہرین کے مشترکہ مشورہ سے متعین کیا جا سکتا ہے۔

(۵) آسانی سے نقدی میں تبدیل ہو جانے والے سرمایہ (Liquidity) کے سلسلے میں عام بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ یا نقدی دستی کی شکل میں کافی بڑی رقم رہتی ہے، سودی کاروبار کرنے والے بینکوں کا کاروبار اول تو اس سے بہت بڑھ جاتا ہے جس سے انہیں آگے سودی کاروبار میں لگانے کا اختیار مل جاتا ہے۔ دوسرے معاملہ میں سرمایہ خواہ مخواہ رک جاتا ہے اور استعمال میں آئے بغیر پڑا رہتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چیک کی آسانی کے لئے کرنٹ اکاؤنٹ کھولے جاتے ہیں لیکن ایسے کھاتوں میں جو رقوم جمع ہوتی ہیں وہ جائز تناسب سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہیں، اس کے برعکس اگر ایسے اداروں کا سنڈیکیٹ یا کاروباری وحدت قائم کر دی جائے تو

ان محدود ہنڈیوں کے ذرائع سے جو صرف ان اداروں کے درمیان ہی ہوتے ہیں روپیہ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ بہ آسانی تبادلہ ہوسکتا ہے، سنڈیکیٹ ان ہنڈیوں کی ادائیگی کا بھی بندوبست کرسکتا ہے، سنڈیکیٹ کے کاموں کی نگرانی کے لئے ایک سہ طرفہ کمیٹی قائم کی جائے، جس میں روپیہ جمع کرنے والوں، منتظموں، اور قرض لینے والوں کے مفادات کی نمائندگی ہو، اور جس کی راہنمائی علماء شریعت اور ماہرین مالیات کریں۔

(۶) پٹہ پر دی جانے کی کارروائیوں کے سلسلے میں روپیہ لگانے والے کی شرائط اور ضروریات کے مدنظر سامان کا بیمہ ہونا چاہیے۔ شریعت کے نقطۂ نظر سے اس عمل پر خصوصی غور کیا جانا چاہیے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اس سے پٹہ دار کا یہ حق ختم ہوجاتا ہے کہ وہ اس سامان کو خرید سکے، اس کا عاقلانہ حل کیا ہے۔ حق خریداری کے قطعی خاتمہ کے بجائے پٹہ دار کو یہ مال خرید لینے کی ترجیح حاصل ہونی چاہیے۔

(۷) مضاربہ میں سرمایہ کار روزمرہ کے انتظام میں مداخلت نہیں کرتا، لیکن معاہدہ کے آغاز یا اختتام کے وقت سرمایہ کاری کی نوعیت، حجم اور اختیارات کے بارے میں کچھ شرائط رکھی جا سکتی ہیں، دوسرے یہ کہ رازداری کے نقطۂ نظر سے جو مضرت رساں نہیں ہے، سرمایہ کار کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ حسابات کی تنقیح کرے اور کاروبار سے متعلق اہم فیصلوں کی معلومات حاصل کرے۔

(۸) مضاربہ کی صورت میں نقصان ہونے پر یہ کہا گیا ہے کہ سرمایہ کار نقصان میں شریک ہونے سے انکار کرسکتا ہے۔ اس بنیاد پر کہ اس کے سرمایہ کو دوسرے کاموں میں استعمال کیا گیا اور صنعت کار کی طرف سے بدانتظامی اور لاپرواہی ہوئی، لیکن اسے اسلامی بنانے کے لئے اقدامات کے کئی راستے کھلے ہوئے ہیں، مثلاً:

(الف) آخری فیصلہ علاقہ کے قاضی صاحب کے سپرد کیا جائے۔

(ب) دوسرے علاقوں میں ماہرین شریعت اور صنعت وحرفت کے منتظم، ماہرین صنعت کاروں اور روپیہ لگانے والے یعنی سرمایہ کاروں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹی یہ کام سرانجام دے سکتی ہے۔

(ج) شرکت نامہ کی تحریر کے وقت یہ ادارہ اندرونی تنقیح کی مد بھی شامل کرے، یہ آڈٹ وہ اپنے منظور شدہ آڈیٹروں کے ذریعہ کراسکتا ہے۔

(۹) بینک اور صنعت کار کے درمیان منافع کی تقسیم کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور واضح طور پر آنے چاہئیں:

(الف) کیا اس تجارت کا کل سرمایہ بینک سے قرض لے کر لگایا گیا ہے۔

(ب) کیا اس تجارت میں بینک کے سرمایہ کے علاوہ اس نے اپنا ذاتی سرمایہ بھی لگایا ہے۔

(ج) بینک کے سرمایہ کے علاوہ بھی کیا اس نے کسی اور ذریعہ سے قرض پر سرمایہ لے کر اس میں لگایا ہے۔

(د) بینک کے علاوہ کیا کسی اور شریک یا پارٹنر کا سرمایہ بھی نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد پر لگا ہوا ہے۔

(ھ) صنعت کار کے سرمایہ کے علاوہ کیا اس کام میں کسی ایسے صنعت کا پیسہ بھی لگا ہوا ہے جو اس نے بینک سے قرض حاصل کیا ہے۔

(و) سرمایہ ذاتی ہے، کسی پارٹنر یا شریک کا ہے، یا مضاربہ کی بنیاد پر ہے۔

(۱۰) غیر سودی اداروں کو مقبول بنانے کے لئے کچھ علاقوں میں روپیہ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ کرنے کی سہولت، عارضی سیف ڈپازٹ جو آج کل روزمرہ یا ایک روزہ ڈپازٹ کہلاتا ہے، کی سہولت کے لئے بینکنگ سروس کا آغاز کیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ اصل

''کاسٹ چارجز'' پر ''سروس چارج'' کی آسانیاں بھی وسیع تر کی جائیں۔

(۱۱) غیر سودی اداروں کو حرف آخر نہ سمجھا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ادارے معاشیات اور تجارت کو ربا کی مضرت سے پاک رکھتے ہیں، لیکن اس کا اصل مقصد خصوصیت سے امت اور عام طور پر بنی نوع انسان کی بہبود ہے، ان اداروں کو مطالبہ کی بنیاد کے بجائے سپلائی کی بنیاد پر ہونا چاہیے اور یہی جذبہ انہیں اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، کاروباری اور تجارتی کامیابیوں کے امکانی اندازے مختلف طریقوں اور پروگراموں سے لگائے جاسکتے ہیں، اور ان سے لوگوں کو یہ احساس دلایا جاسکتا ہے کہ انہیں اسلامی سرمایہ کاری سے چلایا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسی اہم بات ہے جس پر غیر سودی کاروباری اداروں کو خصوصیت سے توجہ دینی چاہیے۔

۱۲۔ قرض دینے والی امداد باہمی کی انجمنوں کے سلسلے میں کثیر المقاصد یا خدمتی امداد باہمی انجمنیں بنائی جائیں، اس سے اس قسم کی تجارتی جدوجہد ہوسکتی ہے جو آمدنی بخش ہوسکتی ہے۔ سرمایہ کے اس حلال استعمال سے جو آمدنی ہو اسے انجمن قرض حسنہ کے اخراجات برداشت کرنے میں استعمال کرسکتی ہے۔ اس قسم کی انجمنوں کے انتظام میں روپیہ داخل کرنے والوں کی شرکت کی ہمت افزائی کی جائے، اسلامی اصولوں کے مطابق ان کا حصہ محفوظ رہنا چاہیے۔

۱۳۔ حصص کی قیمت کا تناسب مساویانہ اور حقیقت پسندانہ طریقہ سے اسلامی شریعت کے اصولوں پر کیا جائے، تاکہ اوپری اخراجات جیسے خط وکتابت اور آمدورفت وغیرہ کے نام پر روپیہ کا غلط استعمال یا خردبرد نہ ہو۔

۱۴۔ محاسبی یا اکاؤنٹنگ سسٹم کو غیر سودی امور کے تحت تبدیل کیا جائے۔ موازنہ کے لئے اس میں یکسانیت ہونی چاہیے۔ اثاثہ، واجبات، آمد اور خرچ کے عنوانات کو تبدیل کیا جائے تاکہ قرض حسنہ کے اخراجات واجبات کے خانہ میں لکھے جاسکیں۔ کسی بھی حالت میں کام سے متعلق واجبات کو آمدنی یا منافع کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اگر انجمن یا کمپنی قرض لینے والوں سے

کاروباری واجبات وصول کرتی ہو تو یہ اس کے لئے آمدنی کا حلال ذریعہ نہیں ہوگا (اگر وہ اسے منافع کا ذریعہ تصور کرتی ہے) کیونکہ انجمن یا کمپنی "شخص اعتباری" کا درجہ رکھتی ہے، یہ دلیل کہ آمدنی روپیہ جمع کرنے والوں یا قرض لینے والوں سے جو انفرادی اشخاص ہوتے ہیں حاصل نہیں ہوتی، اس مد کو آمدنی کا ذریعہ اور حلال سمجھنے میں معاون ثابت نہیں ہوتی، اس کو صدقہ تصور کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ کمپنی قرض لینے والوں کی ملکیت پر قابض ہو رہی ہے، اور اسی طرح ان کے پاس جو کچھ بھی ہے اسے بھی لے رہی ہے۔ اس طرح حاصل کی ہوئی چیز صدقہ کے بطور استعمال نہیں ہوسکتی۔

۱۵۔ کچھ انجمنیں اپنے پاس زائد مالی اثاثہ دکھا کر یہ رقم عام سودی بینکوں میں منجمد کھاتے میں جمع کر دیتی ہیں، جہاں ان پر سود جمع ہوتا رہتا ہے۔ اگر ان کو اس دوران اس سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ سود پر اس بینک سے قرض لیتے ہیں، اگر ان کے پاس زائد فنڈ ہیں تو انھیں قرض کی ضرورت کیوں لاحق ہوتی ہے۔ اور یہ بات کہ وہ سود ادا کرنے کے لئے سود لیتے ہیں یہ نظریہ جائز نہیں ہے، منجمد کھاتے روپیہ کے لین دین کے لئے ہوتے ہیں تاکہ ڈپازیٹروں کے روپیہ واپس نکلوانے کی درخواستیں وقت پر پوری ہوجائیں۔ اس مسئلہ پر قابو پانے کا راستہ یہ ہے کہ ڈپازٹس منافع میں شرکت کی بنیاد پر قبول کئے جائیں، روپیہ واپس نکلوانے والوں کے مطالبات بینک کے جملہ کھاتوں کی رقوم کا محض ایک معمولی حصہ ہوتے ہیں جن کی ادائیگی بینک کی دستی نقد رقم سے ہوسکتی ہے، اور اگر یہ بھی ناکافی ثابت ہو تو کسی دوسرے غیر سودی ادارے سے ادھار کے طور پر یا نئے کھاتوں کی رقم سے پوری کی جاسکتی ہے۔

حساب کتاب کے مسائل

مضاربہ ڈپازٹس مختلف رقوم اور مختلف مدتوں کے ہوتے ہیں، اس لئے منافع میں حصہ کی شرح کے فیصلہ میں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ بینک شرکت منافع کی شرح کے مقررہ مدتی

ڈھانچہ پر عمل کرتے ہیں، یہ کسی حد تک ٹھیک ہے، کیونکہ روپیہ کے لئے وقت کی ترجیح کے بجائے یہ سرمایہ کاری کی اصل پیداوارانہ نوعیت پر مبنی ہوتی ہے۔منافع میں شرکت کے سلسلے میں بینکنگ کی پوری جدوجہد جس میں مضاربہ کھاتے اور حصص کا اثاثہ لگا ہوتا ہے بینکروں اور ڈپازیٹروں کے درمیان منافع میں حصہ داری کی بنیاد تصور کی جاسکتی ہے۔

اطلاقی مسائل

اکثر تجارتی فرمیں جو بینک سے قرض لیتی ہیں اپنے صحیح کاروباری نتائج ایمانداری سے نہیں بتاتے، یا تو وہ حساب کتاب ٹھیک طرح سے نہیں رکھتے یا مختلف مقاصد کے لئے اکاؤنٹ کے مختلف رجسٹر رکھتے ہیں، گھٹتے ہوئے منافع اور بڑھتے ہوئے نقصانوں یا فرضی نقصانات دکھانے کی بہت سی بدعنوانیاں ہوتی ہیں، مثال کے طور پر آغاز ہونے والی انوینٹری میں قیمت بڑھا کر بتانا اور بند ہونے والی انوینٹری میں قیمت میں تخفیف دکھانا، منافع کم کرنے یا اسے بالکل ہی ختم کردینے کے لئے املاک کی قیمت بہت زیادہ بتانا تاکہ قیمت بتدریج کم ہوجائے۔ ڈائرکٹروں کے معاوضات بہت زیادہ بڑھا کر دینا، اور یہ ڈائرکٹر اکثر معاملات میں صنعت کار ہی کے رشتہ دار ہوتے ہیں، ان بدعنوانیوں کو آڈیٹر روک نہیں سکتے، کیونکہ وہ اخراجات کی قانونی حیثیت کو دیکھتے ہیں ان کی صداقت یا موزونیت کو نہیں، اس قسم کے موجودہ رویہ کا تعلق ٹیکس وصول کرنے والے بدعنوان کارکنوں سے ہے، لیکن اسلامی بینکنگ کے نفع اور نقصان میں شرکت کے سسٹم کے تحت براہ راست منافع کی وجہ سے یہ مجبور ہوجاتے ہیں۔

سروس چارج کا مسئلہ

دی جانے والی رقوم پر اسلامی بینک چارج عائد کیا کرتے ہیں، لیکن اس میں بہت سی عملی مشکلات ہیں۔پہلا مسئلہ تو شریعت کے قواعد کی رو سے سروس چارج کو درست اور جائز قرار

دینا ہے، یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر ڈپازیٹرس رئیس لوگ ہیں اور قرض لینے والے اوسط ذرائع کے ہیں تو سروس چارج عائد کرنے سے آمدنی اور دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ہوتی ہے۔ سروس چارج کا مطلب ہے بہت کم قیمت پر سرمایہ بہم پہنچانا، اس لئے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں سرمایہ کا فقدان ہے سرمایہ کم پیداواری امور میں منتشر ہوجائے گا، اور معاشی خوشحالی کی رفتار کو سست کرے گا، بینکوں کی دلچسپی کم ہوجائے گی، کیونکہ سروس چارج کے اس سسٹم سے ان کو بہت معمولی آمدنی ہوگی، اپنے سرمایہ پر منافع کی کمی کے مدنظر روپیہ جمع کرنے والوں کی بھی ہمت شکنی ہوگی۔ اس لئے اس سسٹم کے ان عملی خدشات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو بینک اپنے انتظامی اخراجات اپنے منافع میں سے برداشت کریں، کیونکہ بینکوں کے لئے یہ ممکن ہے، اور اس کی ان کو اجازت بھی ہے کہ وہ اپنا اثاثہ احتیاط اور دانشمندی سے کاروبار میں لگا کر اپنے منافع میں اضافہ کریں۔

ڈپازٹوں کے حصول کا مسئلہ

روپیہ کے حصول کے لئے اسلامی بینکوں کا کاروباری مقابلہ سودی بینکوں اور اسٹاک ایکسچینجوں سے ہوتا ہے۔ اسلامی بینک صرف بچت کھاتہ اور سرمایہ کار کھاتوں کے ذریعہ ہی ڈپازٹ حاصل کرپاتے ہیں، بچت کھاتوں میں دلچسپی صرف ان کو ہوتی ہے جن کے پاس یا تو فالتو روپیہ ہوتا ہے یا جو کاروبار میں خطرہ مول لینا نہیں چاہتے یا جن کو منافع کی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ سرمایہ کار کھاتوں میں صرف ان لوگوں کو دلچسپی ہوتی ہے جو اپنے سرمایہ پر خطرہ مول لینے اور منافع حاصل کرنے کی تمنا رکھتے ہیں، لیکن بچت کرنے والوں کی ایک تیسری قسم بھی ہوتی ہے، یہ لوگ اپنے سرمایہ پر خطرہ مول لئے بغیر منافع کمانا چاہتے ہیں۔ فی الحال یہ تیسری قسم کے لوگ اسلامی بینکوں کے پاس مہیا نہیں ہیں اس لئے جملہ ڈپازٹوں میں سے اسلامی بینکوں کو صرف ایک جزہی

ملتا ہے۔ اس لئے کچھ ایسی غیر سودی اسکیمیں تیار کی جانی چاہئیں جن کے تحت بچت کھاتوں میں اضافہ ہو اور اپنے محدود کاموں کے ذریعہ اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوں۔

زائد انتظامی اخراجات کا مسئلہ

سرمایہ لگائے ہوئے منصوبوں کی اسلامی بینکوں کو نگرانی کرنی پڑتی ہے یا بعض حالات میں کاروباری امور نئے سرے سے منظم کرنے پڑتے ہیں، جن سے انتظامی اخراجات میں اضافہ ہو جاتا ہے، اکاؤنٹنگ کی بدعنوانیوں کی نگرانی کے لئے بینک کی انتہائی مخلصانہ کوششوں کے باعث یہ اخراجات اور بھی بڑھ جاتے ہیں، اس لئے منصوبوں کے حساب و کتاب کی پڑتال اور مالی امور کی نگرانی کے لئے جن کی سرمایہ کاری بینک نے کی ہو، ایک جامع طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔

سرمایہ کاری کے طریقوں کے مسائل

اسلامی بینک سرمایہ کاری کے لئے عموماً مختصر مدتی منصوبے یا تجارت کو ترجیح دیتے ہیں، روپیہ کے استعمال اور منافع کے حصول کی خاطر وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں، لیکن سماجی طور پر طویل مدتی منصوبوں کی ضرورت ہے۔ جو بسا اوقات کئی گنا زیادہ پیداواری نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اسلامی بینک کو اپنی سماجی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے انتخاب کا ملا جلا انداز اختیار کرنا چاہیے۔

سرمایہ کے تحفظ کے مسائل

قرض دی گئی رقوم کے تحفظ کی ضمانت کے طور پر اسلامی بینک قیمتی اشیاء اپنے پاس رہن رکھنے پر زور دیتے ہیں، غریب عوام کے پاس ظاہر ہے کہ ایسی اشیاء نہیں ہوتیں اس لئے وہ

بینک سے قرض رقوم حاصل نہیں کر پاتے، اس وجہ سے بینک عوام کے بجائے ایک مخصوص طبقہ کے سرپرست ثابت ہوتے ہیں، ان کا طریقہ کار اس بنیاد پر مبنی ہونا چاہیے کہ کونسا منصوبہ زیادہ کارآمد اور مفید ہے، اور قرض خواہ کا قابل التفات کارآمد ثابت ہونا حکمتِ عملی سے جانچا جاسکتا ہے۔

لیکن اس طریقہ کے غلط استعمال کا بھی اندیشہ ہے۔ ایک طرف اسلامی نظریہ اس پر گہری نظر رکھتا ہے۔ دوسری طرف داخلی محاسبہ یا آڈٹ کے ذریعہ مشکوک باتوں کی نگرانی رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ آئندہ کے لئے بھی قرض کی سہولت حاصل کرنے کے لئے اسلامی بینک کی نظروں میں باوقعت بننے کی کوشش میں قرض خواہ اچھے نتائج دکھانے میں کوشاں رہتے ہیں۔

نقصان کے مسائل

اگر کوئی صنعت کار نقصان اٹھاتا ہے تو مضاربہ ڈپازیٹرس کو بینک کے نقصان میں شریک ہونے کے لئے کہا جاتا ہے لیکن اس کا اثر دوسرے ڈپازیٹروں پر اچھا نہیں پڑتا، اس کا ایک متبادل یہ ہوسکتا ہے کہ ہر قسم کے نقصان کی تلافی ایک امداد باہمی انشورنس کی صورت میں کی جائے، دورِ حاضر کے ماحول میں اس تجویز کو مقبول بنانے کے لئے دو طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں:

پہلا یہ کہ قرض لینے والوں کے اندر سماجی ذمہ داریوں کا احساس جگایا جائے تاکہ وہ اپنا کام بہت صدق دلی اور خلوص سے کریں۔

اور دوسرے یہ کہ دوسرے قرض خواہوں کو بھی ایسی اسکیم میں تعاون کے لئے آمادہ کیا جائے تاکہ انہیں احساس ہو کہ نقصان کی صورت میں وہ بھی ایسا ہی تعاون حاصل کرسکیں گے۔

اشاریہ کا عمل

کاروبار میں افراط زر کی پریشانیوں کے مقابلہ کے لئے اشاریہ کی تجویز ہے۔ لیکن ہندوستان میں یہ عملی طور پر اپنے مختلف میعادی ڈھانچ اور مختلف مقاصد کے لئے قیمتوں کے اشاریہ کے محدود ہونے کے باعث ممکن نہیں ہے۔

مشتہری

اسلامی بینک کے طریق کار کی مناسب مشتہری ہونی چاہیے تاکہ ہر طرح کے عوام اس سے روشناس ہوسکیں اور اسے اختیار کرنے کے لئے مثبت طور پر آمادہ ہوں، ایسی مشتہری کے لئے صحیح قسم کے ذرائع ابلاغ اور اخبارات کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔

دیگر امور

نظریاتی اعتبار سے مندرجہ ذیل سوالات شریعت کے ماہرین سے دریافت کئے جانے کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ کیا خالص قرضوں پر سروس چارج لیا جاسکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا تخمینہ کیسے لگایا جائے گا؟ اس چارج میں کن بالواسطہ یا بلا واسطہ مصارف کو شامل کیا جانا مناسب ہوگا؟ منافع کے امکانات کو شامل کئے بغیر مستقبل میں قیمتوں کے تعین کا اندازہ کیسے کیا جائے؟

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا سامنا اسلامی تجارتی بینک اور اسلامی ترقیاتی بینک دونوں ہی کو خالص قرضوں کی ادائیگی کے وقت کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ تجارت میں منافع کی حد کس طرح مقرر کی جائے؟ یعنی اگر بینک کسی تجارتی شے کی خریداری کے لئے رقم مہیا کرتا ہے تو وہ اس پر منافع وصول کرے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو منافع کی شرح کیا ہونی چاہیے، بہت سے معاملات میں اس قسم کی خریداریاں نقصان کے خطرہ سے خالی نہیں ہوتیں، اگر یہ سچ ہے تو بینک جو (Mark-up) چارج کرتا ہے کیا اسے منافع کہا جائے گا یا ربا؟

۳۔ مادی اثاثہ کے کرایہ کا تعین کیسے کیا جائے کہ اس میں سودی عنصر شامل نہ ہوسکے؟

۴۔ اصولی طور پر ان تصورات میں کوئی عملی مسئلہ دکھائی نہیں دیتا لیکن جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جاچکا ہے کہ جب پورے نظام کی تبدیلی کا سوال سامنے ہو تو اس قسم کے مسائل کا پیشگی

حل کیا جانا لازمی ہے۔

۵۔ ''غیر سودی مالیات'' اسلام کے فلسفہ پر مبنی ہے، اسلام غریب ضرورت مند ساتھیوں کی امداد، مساوات، امن، بھائی چارہ، اور اس دنیا اور آخرت میں بہتری پر اصرار کرتا ہے۔ اسلامی مالیات کو ضرورت مند اور سماج کے کمزور طبقوں کی معاشی بہبود کے لئے استعمال کیا جانا چاہیے، وہ اسلامی معاشرہ اور طرز حیات سے واقف ہو کر اس کی طرف اور زیادہ مائل ہوں گے۔

ادارتی سطح پر ''اسلامی مالیاتی عمل'' کی کامیابی عوام کو اسے قبول کرنے پر آمادہ کریگی اور رائے عامہ کو پورا بینکنگ سسٹم غیر سودی بنیادوں پر ڈھالنے کے لئے ہموار کرے گی، متعلقہ آئینی ضروریات بھی خود بخود سامنے آنے لگیں گی، اس کے لئے عملی مثال تصور سے زیادہ بہتر رہے گی، اس ادارے کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لئے موجودہ اداروں کی سرگرمیوں کا تفصیلی مطالعہ، ان سے نتائج اخذ کرنے اور موازناتی تجربہ کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

☆☆☆

غیرسودی بینک- ایک عملی خاکہ

سعید شنکیری، دہلی

تعارف:

عام روایتی بینک کے نظام میں دو قسم کے کھاتے ہوتے ہیں:

۱۔بچت کھاتہ (Saving Account)

۲۔رواں کھاتہ(Current Account)

ان کھاتوں کی وضاحت کئے بغیر دو جدید قسم کے کھاتے جو غیرسودی محمول ہوں گے ان کا تعارف کرانا چاہتا ہوں، مثلاً:

۱-گاہک جمع کھاتہ(Customer- Credit Account)

۲-متعینہ جمع کھاتہ(Time- Credit Account)

۱-گاہک جمع کھاتہ کیا ہے؟

یہ کھاتہ موجودہ بینک کی خدمات سے کچھ زیادہ وسیع مفہوم کے ساتھ موجودہ بینک کے بچت کھاتہ کے مشابہ ہے، یہ کھاتہ منفرد اشخاص، تاجروں، صنعت کاروں، اداروں، بینکوں اور دوسروں کے ذریعہ عمل میں لایا جاسکتا ہے، اس کھاتہ کے متعارف کرانے کا بنیادی مقصد عوام میں بچت کو عام کرنے کے لئے کفایت شعاری کی عادت پیدا کرنا ہے۔

گاہک کو اصل رقم میں کسی اضافہ یا منافع کی توقع کے بغیر ہمیشہ بچت کھاتہ میں رقم جمع

کرنے اور اس سے واپس لینے کی اجازت ہوگی، گاہک ادائیگی کا مطالبہ یا تو چیک یا تحریری مراسلہ کے ذریعہ کرسکتا ہے۔ غیر سودی بینک افراد یا تاجروں کو ضمانت حاصل کرنے کے بعد مختصر مدّت کیلئے غیر سودی قرض دینے کی سہولت بھی رکھے گا۔

وہ جمع رقم جس کو غیر سودی بینک قبول کرے گا طلب کرنے پر کسی بھی وقت واپس کی جائے گی، بینک کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں گاہک نقصانات کو برداشت نہیں کرے گا، جبکہ موجودہ نظام میں بینک کی بے قاعدگی کے مکمل بوجھ کو رقم جمع کرنے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۲-متعینہ جمع کھاتہ کیا ہے؟

یہ کھاتہ بھی موجودہ متعینہ کھاتہ کی طرح ہے جس کی رقم طے شدہ مقررہ تاریخ یا اطلاع کی ایک مدّت کے بعد واپس لی جاسکے گی۔

جمع کرنے والے کو اصل رقم (سرمایہ) کے ساتھ سود کی حیثیت سے کوئی منافع نہیں ملے گا، غیر سودی بینک روپیہ جمع کرنے والے کو اس بات کا یقین دلائے گا کہ جمع کرنے والے کا فنڈ محفوظ ہے اور ضائع ہونے کا کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ جمع کرنے والا جمع کی جانے والی رقم اور اس کے واپسی کی مدّت متعین کرسکتا ہے۔

اس قسم کی رقم جمع کرنے والے کا فائدہ صرف یہ ہے کہ دنیا میں غیر سودی لین دین کرنے والے بینکوں سے رقم حاصل کرنے کی سہولت ہوگی۔

اس جمع کے قبول کرنے کا خاص مقصد ضمانت حاصل کرنے کے بعد کمزور طبقے کو اقتصادی طور پر غیر سودی طویل مدتی قرض فراہم کرنا ہے۔

یہ اہم کھاتے نفع ونقصان سے آزاد کیوں ہیں؟

بہت سے ماہرین معاشیات کے مطابق ''منافع خطرہ مول لینے کا معاوضہ ہے''، اس لئے منافع حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کی تجارت ضروری ہے، ہر ایک تجارت خطرہ اور اکثر

اوقات غیر سودی یقینی صورتحال سے دوچار ہوتی ہے، اس لئے جتنا بڑا خطرہ ہوگا نفع یا نقصان کی اتنی ہی امید ہر ایک تجارت میں ہوگی۔

یہ واضح بات ہے کہ آمدنی عوض کا وہ بنیادی عنصر ہے جس کی تقسیم سماج میں لوگوں کے درمیان ان کی کوشش، مہارت اور پیداواری دولت کے حصہ کے مطابق کی جاتی ہے، اس لئے آمدنی پیداوار کا مقصد ہے۔

معاشیات میں پیداوار عوامل پر مشتمل ہوتی ہے جیسے: زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم (کاروباری نظم ونسق)، پیداوار کے ان عوامل کا معاوضہ (صلہ) جو بین الاقوامی سطح پر ماہرین معاشیات کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے یہ ہیں:

۱-اُجرت، ۲-منافع، ۳-لگان (کرایہ) ۴-سود۔

جہاں تک اجرت، منافع اور کرایہ (لگان) کا تعلق ہے تو میں ماہرین معاشیات کے موجودہ اصول اور نظریہ سے اتفاق کرتا ہوں، سوائے سود کے، اس لئے کہ سود ایسا عنصر ہے جو سماجی معاشیات کی تباہی کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب ہے، یہ آدمی کو لالچی اور خودغرض بننے کی ترغیب دیتا ہے، اقتصادی ترقی کا توازن بگاڑ دیتا ہے، پیداوار کی لاگت (قیمت) میں اضافہ کرتا ہے، یہ سماج میں آمدنی کی نابرابری کی تقسیم کو وجود میں لاتا ہے (نابرابری کی تقسیم سے سماج میں آمدنی کی صحیح تقسیم نہیں ہوتی ہے)، یہ بذات خود رقم کو بھی مقصد بناتا ہے جبکہ رقم اور روپیہ کی حیثیت وسائل کی ہے۔

کچھ ماہرین معاشیات ہیں جو موجودہ سماجی اقتصادی دشواریوں اور مشکلات کو حل کرنے کی غرض سے پیداوار کے عناصر سے سود کے عنصر کو ختم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

منافع پیداوار کے معاوضوں میں سے ایک معاوضہ ہے، اور یہ خطرہ مول لے کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے اگر مذکورہ بالا رقم جمع کرنے والے کسی خطرہ یا مہم والے منصوبہ میں شامل ہونا پسند نہیں کرتے تو پھر کیوں وہ منافع کے حقدار ہوسکتے ہیں؟ اور دیوالیہ ہونے کی صورت

میں کیوں وہ کسی نقصان میں شریک ہوں گے؟

غیر سودی بینک ان کھاتہ داروں کو بلا معاوضہ خدمت مہیا کریگا اور اپنی خدمات کا معاوضہ حاصل کرنے کی صورت بھی پیدا کرے گا، یہ ان کی رقم کا بڑا حصہ خود خطرہ مول لے کر تصرف میں لائے گا جبکہ ایک رقم ضرورت مندوں کو غیر سودی شرائط پر قرض بھی دے گا۔

دیوالیہ ہونے کی صورت میں غیر سودی بینک کے حصہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گاہکوں کے مطالبے کو ادا کردیں۔

اگر حصہ داران بعض دشواریوں کی وجہ سے گاہکوں کو ادا کرنے کے اہل نہ ہوں تو ان کو فنڈ کا انتظام کرنا پڑے گا اور قرض کی ادائیگی کرنی پڑے گی۔

غیر سودی بینک کے حصہ داران کس طرح اپنے قرضے کی ادائیگی کریں اگر کوئی قرض ہو؟

تمام تجارتی بینک جو کہ ہر ایک ممالک میں مرکزی بینک سے اجازت حاصل کرنے کے بعد قائم کئے جاتے ہیں، جیسا کہ ہم جانتے ہیں مرکزی بینکوں کے اہم کام یہ ہیں:

۱-نوٹ (روپئے، زر کاغذی) جاری کرنا، ۲-حکومت کے بینکر کی حیثیت سے کام انجام دینا، ۳-غیر ملکی زر مبادلہ کی شرح قائم رکھنا اور بینکوں کے بینک کی حیثیت سے کام کرنا۔ ان کی جمع و وصولی اور لین دین کا حساب اور دوسری سرگرمیاں جن کی اس کی طرف سے مقررہ اوقات پر جانچ پڑتال کی جاتی ہیں، ان کو کنٹرول کرنے اور نگرانی کے فرائض انجام دینا۔

مثال:

ایک مرکزی بینک کسی ملک میں ہر ایک بینک کو چلانے کے لیے عملی سرمایہ کم ازکم ۴۰,۰۰۰,۰۰۰/= کی رقم متعین کرتا ہے۔ اب تمام بینکوں کے لیے مذکورہ رقم کا ہر وقت ان

کے پاس ہونا ضروری ہے۔ اُس ملک میں غیر سودی بینک اپنا کام شروع کرتا ہے اور گاہک کے جمع کھاتوں اور متعینہ جمع کھاتوں کے ذریعہ مجموعی جمع رقم =/۳,۰۰۰,۰۰۰ کی حد پوری کرتا ہے۔ مجموعی رقم (تحویل) میں سے پانچ فیصدی رقم مرکزی بینک کے ضروری شرائط کے لیے محفوظ کردی جاتی ہے، جو کہ =/۱۵۰,۰۰۰ ہوتی ہے۔

اگر غیر سودی بینک کو بچت رقم =/۲,۸۵۰,۰۰۰ کا راس المال کے طور پر لگائے ہوئے طریقہ پر نقصان اٹھانا پڑتا ہے تو کیا عملی سرمایہ میں سے ان قرضوں کو ادا نہیں کیا جاسکتا ہے؟

عملی سرمایہ کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے غیر سودی بینک قرض لے سکتا ہے یا اپنے حصوں یا حصہ داروں کا اضافہ کرسکتا ہے، یا بالآخر منافع میں ضم کرسکتا ہے، چونکہ گاہک کے جمع کھاتے یا متعینہ جمع کھاتے جو کہ غیر سودی ہیں اس کی کل جمع رقم عملی سرمایہ سے زیادہ کی توقع دنیا میں کہیں بھی نہیں کی جاسکتی ہے۔ اکثر روایتی بینک میں جمع ہونے والی رقم (کھاتے) جو عام طور سے رائج ہیں، یعنی بچت کھاتے یا رواں کھاتے اکثر و بیشتر اوقات ان کی کل رقم عملی سرمائے سے کم ہی ہوتی ہے۔

۳-معینہ مدت کا راس المال (Term Investment):

(الف) عملی طور پر کسی جماعت یا سوسائٹی کے تمام افراد کے لئے اتنا آسان نہیں ہے کہ اپنے آپ کو تجارتی ذمہ داری میں مشغول کرلیں، اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ جیسے اچھی عمارتیں، پٹے پر لی جانے والی زمین کی قیمتوں، ساز وسامان، لائسنس، طلب کے قابل اشیاء، مناسب بازار، انتظامی نظم وضبط، مزدور، محنت اور وقت وغیرہ جن کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ مستحکم ادارے مذکورہ بالا عوامل سے متاثر نہیں ہوسکتے ہیں۔

موجودہ دور میں مذکورہ بالا افراد کے لئے سب سے اچھی شکل یہ ہے کہ اپنی بچی ہوئی پونجی (رقم) کو ایسے بینکوں میں جمع کریں جہاں سے ان کو سود کی اعلیٰ شرح حاصل ہو، اس نظام کے تحت جمع کرنے والے کو بلا محنت کی آمدنی اصل سرمایہ (پونجی) کے عوض میں حاصل ہوجاتی ہے

جس کا نتیجہ ملک میں افراط زر کی شکل میں سامنے آتا ہے جبکہ بینک ناقابل وصول قرض کا خاص طور سے شکار ہو جاتا ہے۔

غیر سودی بینک موجودہ نظام کی طرف راس المال والوں کو رقم جمع کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے لیکن روپے جمع کرنے والے بینک سے سود کی شرح پہلے ہی سے طے کر لیتے ہیں جبکہ غیر سودی بینک میں راس المال والوں کو خطرہ مول لینے کی شرح طے کرنا پڑے گا (یعنی نفع ر نقصان)۔

غیر سودی بینک جمع کی جانے والی رقم افراد، پرائیویٹ (ذاتی) کمپنیوں، ادارے، صنعت کاروں اور بینک وغیرہ سے قبول کرے گا اور ان کو خطرہ مول لینے کی فیصد (شرح) طے کر لینے کا مشورہ دے گا۔

غیر سودی بینک کم از کم دس فیصدی شرح کے اعتبار سے خطرہ مول لینے کی اجازت دے گا، اور راس المال والوں کی طرف سے زیادہ سے زیادہ شرح کو بھی قبول کر سکتا ہے، اس بینک میں رقم لگانے کے بعد صاحب راس المال اپنی رقم ضرورت کے تحت نکال بھی سکتا ہے، غیر سودی بینک منافع یا نقصان کا اعلان روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ، سہ ماہی کی بنیاد پر کرے گا جو کہ اس جگہ کے حالات یا راس المال والوں کی ضرورت پر منحصر رہے گا، جو بھی نتیجہ برآمد ہوگا غیر سودی بینک اور راس المال والے اپنی تسلیم شدہ متناسب شرح کے مطابق نفع یا نقصان میں شریک ہوں گے چونکہ راس المال والوں کی رقم کے ساتھ غیر سودی بینک بھی اپنی رقم شامل کرتا ہے۔ یہ سرمایہ کاری پچاس فی صد کی بنیاد پر قائم ہے۔

اگر غیر سودی بینک راس المال کے ساتھ اپنی رقم شامل نہیں کر سکتا تو غیر سودی بینک اصل سرمایہ پر پانچ فیصد راس المال سے اپنا حق خدمت وصول کرے گا اور پھر تسلیم شدہ نفع یا نقصان شرح میں حصہ رکھے گا۔ یہ سرمایہ کاری بھی پچاس فیصد کی بنیاد پر قائم ہے۔

مثال (۱):

''الف'' غیر سودی بینک میں تین مہینے کے لئے ۱۰۰,۰۰۰ روپئے لگانا چاہتا ہے۔

الف اور غیر سودی بینک کے درمیان خطرہ کی شرح پندرہ فیصدی طے ہوتی ہے۔

۱۰۰,۰۰۰ پر غیر سودی بینک نے تین مہینے کی مدّت کے لیے =/۳۶۲۵ کے منافع کا اعلان کردیا (یعنی ساڑھے چودہ فیصد کا)۔

الف کا حصہ:	۳۰۸۱=۲۵ یعنی ۱۰۰,۰۰۰ پر مکمل منافع کا ۸۵ فیصد۔
اصل سرمایہ:	۱۰۰,۰۰۰=۰۰
کل جمع:	۱۰۳,۰۸۱=۲۵

غیر سودی بینک کا حصہ ۵۴۳=۷۵ یعنی ۱۰۰,۰۰۰ پر مکمل منافع کا ۱۵ فیصد۔

مثال (۲):

اس صورت میں اگر =/۱۰۰,۰۰۰ پر تین مہینہ کی مدّت میں =/۱۲۵۰ کا خسارہ ہوگیا یعنی ۵ فیصد۔

تو الف حصہ دار ہوگا ۸۵ فیصد کا یعنی (-) ۱۰۶۲=۵۰ (خسارہ)۔

اصل سرمایہ:	(+) ۱۰۰,۰۰۰=۰۰
کل جمع:	(+) ۹۸,۹۳۷=۵۰۔

غیر سودی بینک حصہ دار ہوگا ۱۵ فیصد کا یعنی (-) ۱۸۷=۵۰ (خسارہ)۔

(ب) متعینہ مدت کے لیے روپیہ لگانے کی دوسری شکل یہ ہے کہ عملی حصہ داری کے اصول پر روپیہ وصول کر کے کھاتہ کھولا جا سکتا ہے۔ مذکورہ بالا کھاتہ اور اس طرح لگائی جانے والی رقم کے کھاتے میں یہ فرق ہے کہ غیر سودی بینک پہلی صورت میں خدمت کا معاوضہ وصول کر کے

نفع ونقصان دونوں کا حصہ دار ہوگا۔ اور دوسری شکل میں خدمت کا معاوضہ لیے بغیر غیر سودی بینک مقررہ شرح جو ابتداء ہی میں رقم لگانے والے اور غیر سودی بینک کے درمیان طے ہوجائے گی اسی کے مطابق صرف منافع میں شریک ہوگا۔ یہ سرمایہ کاری ۵۱ اور ۴۹ فیصد کی بنیاد پر قائم ہے۔

۴-معیّنہ مدت کے لیے جمع رقم کی رسید (Fixed Investment Receipt):

فنڈ کو ترقی دینے (اور اس میں اضافہ کرنے) کا خاص ذریعہ غیر سودی بینک کو چلانے کے لیے فرد یا دوسرے سے رقم لے کر معیّنہ مدت کے لیے جمع رقم کی رسید جاری کر کے ہی ہوسکتا ہے۔ رقم جمع کرنے والے کے ذریعہ اس رسید کی مدّت متعین کی جاسکتی ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل اختیارات ہوں گے:

(۱) مختصر مدت ۱-۳ سال کے لیے جمع کی جانے والی رقم۔

(۲) درمیانی مدت ۴-۶ سال کے لئے جمع کی جانے والی رقم۔

(۳) طویل مدت ۷-۹ سال کے لئے جمع کی جانے والی رقم۔

اس رسید کی قدر و قیمت ہوگی جس کی بازار میں خرید فروخت ہو سکے گی۔ وقت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اس رسید کی قیمت میں اضافہ ہوگا جب کہ یہ وصولیابی کی مدت سے قریب تر ہوتی جائے گی۔

انتظامیہ کی مرضی کے مطابق غیر سودی بینک جو منافع دے گا اس میں سے ۱۵ فیصد سے لے کر ۲۵ فیصد تک اپنی خدمات کے عوض لینے کا پابند ہوگا، اور ۷۵ فیصد روپیہ لگانے والوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔

اس قسم کے راس المال میں غیر سودی بینک کسی قسم کے خسارہ کے تاوان کو برداشت کرنے کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ روپیہ لگانے والے کو اپنے راس المال کی مکمل ذمہ داری برداشت کرنا پڑے گی۔ جیسا کہ اخلاقی بنیاد پر شرعی فتاویٰ میں بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

شریعت میں کس طرح اس بات کی اجازت دی جائے گی کہ ایک با اجرت شریک کار کسی متعینہ فیصد نفع یا نقصان کے کسی بھی خطرہ میں شریک ہو؟

عام طور پر یہ سب ہی جانتے ہیں کہ جب کوئی تاجر کسی کارخانہ (یا تجارتی نظام) کا اجراء کرتا ہے تو وہ کچھ ملازمین کو منظم کرتا ہے جو اس کی تجارت یا پیداوار میں تعاون کرتے ہیں۔ اور ان ملازمین کو تنخواہ کی شکل میں اس کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ سوسائٹی یا جماعت (قوم) میں کچھ ماہرین ہوتے ہیں جو اُجرت کی بنیاد پر متعینہ فیصد کی شرکت کے ساتھ اپنی ذاتی ملازمت کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنی قابلیت وصلاحیت اور اخلاص سے کام لے کر اپنے لیے زیادہ سے زیادہ آمدنی پیدا کرسکیں۔ کچھ ایسے بھی روپئے لگانے والے ہیں جو بذات خود براہ راست کسی تجارت میں شامل نہیں ہونا چاہتے ہیں۔ بلکہ ایسے افراد کی تلاش میں رہتے ہیں جو مذکورہ بالا مہارت کے حامل ہوں، اگر ان میں سے کسی ایک سے مطمئن ہوجاتے ہیں تو وہ کسی منتخب شدہ تجارت پر اعتماد کرکے اپنا سرمایہ لگانے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ یہ سرمایہ لگانے والے اپنے ملازمین کو اجرت کے ساتھ شریک کار ہونے کی متعینہ فیصدی دینے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ ''مضاربت کھاتے'' کے تحت اس طرح کے ساجھی دار سال کے اخیر میں منافع حاصل کرتے ہیں۔ اس منافع کو تجارتی ادارہ کے قیام کی ابتداء سے قبل طے شدہ معاہدہ کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ متعینہ مدّت میں ان سے خسارہ ہوجاتا ہے تو اس صورت میں اس طرح کے ساجھی دار کسی بھی قسم کے خسارہ سے آزاد ہوتے ہیں، اور خسارہ کا پورا تاوان (قرضے) روپیہ لگانے والے کو برداشت کرنا پڑیگا۔ اس قسم کی ساجھے داری روپئے لگانے والے کی مہربانی اور صوابدید پر منحصر ہے، کسی برابری کی بنیاد پر نہیں ہے۔

موجودہ معاشیات میں ''سرمایہ'' (Capital) کی تعریف کیا ہے؟ کس طرح کسی راس المال کے لگانے والے کے حصہ کو متعین کرنے کا طریقہ معلوم کیا جائے گا؟ جدید ماہرین معاشیات ''سرمایہ'' (پونجی) کی تعریف مندرجہ ذیل طریقہ پر کرتے ہیں:

معاشیات میں ''سرمایہ'' کی اصطلاح مختلف اور زیادہ وسیع معنی میں استعمال کی جاتی ہے، بہ نسبت عام زبان کے جس میں ''زر'' کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔

بعض ماہرین معاشیات سرمایہ کی تعریف کرتے ہیں کہ یہ آدمی کی دولت کا وہ حصہ ہے جو زمین کے علاوہ آمدنی میں اضافہ کرتا ہے، لیکن سرمایہ (Capital) کا یہ مکمل اطمینان بخش معنی نہیں ہے، اس لیے کہ آمدنی زر جو کہ سرمایہ کا ایک حصہ ہے اور یہ آمدنی میں اضافہ کرتا ہے اس وقت جب کہ سودی قرض پر اس کو دیا جائے، اس کو سرمایہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ علماء شریعت ''سرمایہ'' کی تعریف یہ کر سکتے ہیں کہ جیسے زر، مشین، خام مال، ضمانت مال اور تجارت کا مال ہے وہ سرمایہ ہے۔ یہ سب عوامل ہیں سرمایہ نہیں کہے جا سکتے ہیں، بلکہ حق ملکیت اور پیداوار کے عوامل کی نمائندگی کرتے ہیں۔

بعض ماہرین معاشیات نے میری رائے میں ''سرمایہ'' کی صحیح طور پر یہ تعریف کی ہے: Produced means of Production (پیداوار کے پیدا کئے گئے ذرائع)، اس لئے سرمایہ مشتمل ہے محسوس ذرائع پر جیسے زر، مشین، اوزار، زمین، کارخانے، نہریں، نقل وحمل کے سامان، خام مال، اسٹاک (جمع) وغیرہ۔ اور غیر محسوس ذرائع پر جیسے جسمانی (طبعی) چیزیں، وقت اور صلاحیت کے عناصر، ان میں سب ہی مزید پیداوار کی ترقی (میں اضافہ) کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔

انفرادی طور پر راس المال والوں کے حصوں کی معلومات حاصل کرنے اور تحقیق کے لیے مندرجہ بالا تمام عوامل پر غور کرنا ضروری ہے، اور ان حصوں کے مطابق پیداوار میں سے منافع معلوم کرنے کے لیے ان کے سرمائے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

ساجھے داری سرمایہ/کفالت کرنے والوں کے (نجی) حصے

(Share Capital/Sponsor's shares):

غیر سودی بینک حصوں کی خریداری (شرکت) کے لیے عوام سے درخواست کرسکتا ہے، جن کو ایک عام کمپنی کی طرح مختص کیا جاسکتا ہے (حصوں کو متعین کیا جاسکتا ہے)، ان متعینہ حصوں کا فوراً ادا ہونا ضروری نہیں ہے۔ جب ضرورت پڑے طلب کیا جاسکتا ہے عوام کے حصوں سے حاصل شدہ سرمایہ میں مزید اضافہ کی غرض سے غیر سودی بینک کے ذمہ داروں کے نجی حصے کی ایک بڑی رقم بھی لی جائے گی۔

ذمہ داروں یا کفالت کرنے والے کا (نجی) قرض یا مؤسس کے حصے اس کے حصوں تک محدود نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ کسی عام کمپنی کی حالت ہوتی ہے بلکہ قرض حاصل کیے جانے کی پوری ذمہ داری ہوگی۔ پھر بھی دوسرے حصہ داروں کا قرض (ذمہ داری) ادا شدہ حصوں تک محدود ہوگا، اگر چہ ذمہ داروں کے حصے کے قرض غیر محدود ہوں گے، لیکن ان کے منافع کا حصہ دوسرے عام حصہ داروں کے مطابق ہوگا۔

فنڈ کا استعمال (Application of Funds):

(۱) نقد رقم:

غیر سودی بینک گاہک کے جمع کھاتے اور متعینہ جمع کھاتے سے نقدی رقم کی شکل میں اپنے فنڈ کا ایک مختصر حصہ جمع کرنے والوں کے روزانہ کے طلب کو پورا کرنے کے لیے محفوظ رکھے گا۔ جب کہ فنڈ کا بڑا حصہ منافع کے حصول کے لیے استعمال میں لایا جائے گا جو آسانی سے نقدی میں تبدیل ہونے والا ہو۔

غیر سودی بینک کے مقررہ حصہ کا نقدی کی شکل میں رکھنا قانونی ضروریات اور تجربہ کی بنیاد اور اس کے عوامل پر ہوگا۔ یہ عوامل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔گاہک کے تجارتی طریقے اور علاقے میں مروجہ شرائط۔

۲۔جمع کرنے والے/روپیہ لگانے کی نوعیت۔

۳۔انتہائی مدت کے شرائط۔

۴۔خاص مواقع جیسے عید، کرسمس، اور دوسرے تہوار وغیرہ۔

۵۔گاہک کے ذریعہ بڑی رقم نکالنے کا پہلے سے فیصلہ (سمجھوتہ)۔

غیر سودی بینک صحیح فیصلہ اور رائے قائم کرکے اپنے فنڈ کو زیادہ نفع حاصل کرنے کے لیے اس طرح استعمال کرے کہ ہر وقت جمع کرنے والے یا روپے لگانے والے جب مطالبہ کریں تو اس کو پورا کرنے میں اعتبار و اہلیت نہ کھوئے۔

۲-مرکزی بینک میں محفوظ (رقم) (Central Bank Reserve):

ہر ایک ملک میں تمام چلنے والے بینک کو جمع رقم (کھاتوں) کی ایک مخصوص فیصدی کو مرکزی بینک میں محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس جمع رقم (کھاتہ) کا حساب اور تخمینہ بینکوں میں مختلف قسم کے گاہکوں کے کھاتوں کے ہر ایک مہینہ کے اخیر کے بچت کے حساب کے مطابق کیا جاتا ہے۔

متحدہ عرب امارات (UAE) مرکزی بینک اس پالیسی کے تحت تمام بینکوں کو یہ سہولت دیتا ہے کہ وہ اپنی محفوظ رقم بغیر کسی معاوضہ کے استعمال کرسکتے ہیں، لیکن کم سے کم رقم جو واجبی طور پر محفوظ رکھنے کے لئے ہر مہینہ میں مقرر کی گئی ہے، مہینہ کی پہلی تاریخ کے اعتبار سے ہر چھٹے دن ایک اوسط کی بنیاد پر باقی رکھنا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دن مقررہ حد سے کم بھی کوئی بینک رقم رکھ سکتا ہے۔ ہر چھٹے دن کے خاتمہ پر اوسط مقررہ محفوظ رقم کی حد کے برابر ہونا ضروری ہے۔

اس سہولت سے فائدہ اٹھاکر غیر سودی بینک رقم جمع کرنے والوں کی ضرورتوں کی تکمیل

کر سکتا ہے، اس صورت میں جبکہ غیر سودی بینک کے پاس فنڈ کی کمی ہو جائے۔ غیر سودی بینک کے لیے اس کی متبادل شکل یہ ہو سکتی ہے کہ جب کسی جگہ مرکزی بینک کے قوانین اور ضوابط مذکورہ بالا سہولت سے مختلف ہو تو اسی طرح کے منصوبے کا اہتمام غیر سودی بینک دوسرے بڑے بینکوں کے ساتھ مل کر اس جگہ یا علاقے میں ان کا تعاون حاصل کر کے ترتیب دے سکتا ہے۔

۳۔مراسلات کے ذریعہ واجب الاداء (ادائیگی)
:(DuebyCorrespondents)

غیر سودی بینک، شاخوں یا مراسلات کے وسیع نظام کے ذریعہ پورے ملک یا دنیا میں عوام کے لیے ترسیل زر کی سہولیات کی مختلف نوعیت کا کام انجام دے گا، جیسے مطلوبہ ڈرافٹ بذریعہ ڈاک تبادلہ (Mail Transfer) ٹیلیگراف کے ذریعہ تبادلہ وغیرہ۔

۴-غیر سودی قرضے Interest Free Advances:

(الف)ضروریات کے لیے(For Necessaries):

غیر سودی بینک افراد اور پرائیویٹ کمپنیوں کو ضمانت حاصل کرنے کے بعد انتظامیہ کے اختیارات کے مطابق غیر سودی شرائط پر قرض دینے کی سہولت فراہم بھی کرے گا۔ وہ قرض جو افراد کو دیا جائے گا ایک مدت کے ختم ہونے کے بعد قرض لینے والا اس کو قسط وار ادا کرے گا۔ وہ مدت ایک مہینہ، تین مہینے، سات مہینے، نو مہینے کی ہو سکتی ہے لیکن سال سے زیادہ کی نہیں ہوگی۔

اس قسم کے قرض دینے کا مقصد ان ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہے جن کو ہاسپٹل کے بل یا طبی بل (اخراجات) کی ادائیگی وغیرہ کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ دوسرے قرض لینے والے بھی ہوں گے جو پائیدار سامان جیسے ریفریجریٹر، کھانے پکانے سے متعلق سامان، فرنیچر ولباس وغیرہ خریدنا چاہتے ہیں۔

یہ قرض پرائیویٹ کمپنیوں کو رقم کی فوری ضرورت کو دفع کرنے کے لیے بطور مدد دیا

جا سکتا ہے اور ایک مہینے کی محدود مدت میں واپس لیا جائے گا، ان قرضوں کا مقصد واجب الادا بلوں کی ادائیگی اور واجب الادا بینک کا بر وقت ادا کرنا ہوسکتا ہے۔

اس صورت میں کسی نا قابل وصول قرض کا معاملہ پیش آتا ہے تو غیر سودی بینک اس کا پوری طرح ذمہ دار ہوگا۔

(ب) آرام رتعیش کے لیے: (تدبیر کرنا اگرچہ مشکل ہے)۔

۵- رواں راس المال (چالو کھاتہ) (Current Investments):

تحویل میں گاہکوں (روپیہ جمع کرنے والوں کی جمع کردہ رقم) کے جمع کھاتوں سے جو اضافہ ہوا وہ رقم اور محفوظ تحویل کی رقم (کھاتوں) کو محفوظہ ضروریات کی تکمیل کے بعد، اسلامی اداروں میں غیر سودی بینک کی ذمہ داری پر لگایا جائے گا۔ جیسے "شارجہ" میں اسلامک انویسمنٹ کمپنی یا اسی طرح کے دوسرے ادارے مثلاً "واڈلی" (ایم، ای) لندن۔ اس کے منافع سے امید کی جاتی ہے کہ غیر سودی بینک کے مذکورہ بالا کھاتوں (حسابات، رقم) کی ادائیگی میں جو زائد اخراجات ہوں گے پورے ہوجائیں گے۔

جو رقم جاری کھاتہ میں لگائی جائیگی وہ انتظامیہ کی منظوری پر ہے کہ مکمل تحویل کی کتنی متعینہ فیصدی غیر سودی شرائط پر ضرورت مند افراد کو قرض دی جائیگی۔ جو رقم قرض دی جائیگی وہ انتظامیہ کے اختیار اور فیصلہ پر مبنی ہے، بچی ہوئی رقم منافع میں اضافہ کے لیے لگائی جاسکتی ہے۔

۶- خطرات سے تحفظ کے لیے سرمایہ (راس المال):

وہ رقم جو متعینہ مدت کی سرمایہ کاری کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے اس کو اسلامی اداروں یا اسی طرح دنیا کی دوسری تنظیموں میں منتظمین کے فیصلہ پر دوبارہ لگائی جاسکتی ہے، اس صورت میں جبکہ غیر سودی بینک براہ راست تجارتی معاملہ انجام دینے میں فنڈ کے استعمال کرنے کے قابل نہ ہو۔

غیر سودی بینک جس مدت میں رقم کو (کسی تجارتی ادارہ میں) لگانے کے دوران رقم کی

واپسی کو محدود کرے گا کیونکہ کسی فرد کے نفع کو معلوم کرنے کی صورت میں اس پر عمل کرنا دشوار ہوگا۔اس مدت میں اگر کوئی روپیہ لگانے والا اپنی جمع کی ہوئی رقم کے کسی حصہ کو واپس کرنے پر مجبور کرتا ہے تو غیر سودی بینک کو اس کے مطالبے پر غور کرنا ہوگا۔روپیہ لگانے والے کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے غیر سودی بینک اس کی مدد کرسکتا ہے اور غیر سودی قرض دے سکتا ہے۔اس طرح سے اس کی جمع کی ہوئی رقم میں کوئی تقسیم نہیں کی جائے۔

جب کبھی رقم لگانے والا اپنی لگائی رقم واپس مانگتا ہے تو غیر سودی بینک گاہک کے جمع کھاتوں یا متعینہ جمع کھاتوں سے اس کو رقم فراہم کرسکتا ہے اگر مذکورہ بالا کھاتوں میں مقررہ حصے سے زائد فنڈ مہیا ہو۔

اگر غیر سودی بینک گاہکوں کی فوری ضرورت اور مطالبہ سے مطمئن نہیں ہوتا ہے تو گاہک کو اختیار ہے کہ اپنا حصہ بازار میں یا غیر سودی بینک کے پاس فروخت کردے۔

غیر سودی بینک بازار سے حصے خریدنے کی صورت میں:

۱۔یہ فنڈ استعمال کرے گا اگر نقدی کھاتہ سے مہیا ہو۔

۲۔گاہک کے جمع کھاتوں یا متعینہ جمع کھاتوں سے فنڈ استعمال کرسکتا ہے۔

۳۔(الف) نئی رقم لگانے والا (نیا کھاتہ)،(ب) رقم مہیا ہونے کی صورت میں غیر سودی بینک پہلے رقم لگانے والے کی مطلوبہ رقم کو واپس کرسکتا ہے۔

۴۔مرکزی بینک سے محفوظ رقم استعمال کرکے فنڈ حاصل کرسکتا ہے۔

چوتھی مثال میں غیر سودی بینک مرکزی بینک سے زیادہ رقم بھی لے سکتا ہے جب تک کہ موجودہ روپیہ لگائی ہوئی کمپنیوں سے بانٹے،یا جمع کرنے والے یا روپیہ لگانے والوں سے فنڈ حاصل کرلے۔

غیر سودی بینک روپیہ لگانے والے/حصہ داروں کے منافع کا فیصلہ کرنے کے لیے

انفرادی حیثیت سے ان کے انفرادی تحویل کی اہمیت اور تاریخ کی قیمت مندرجہ ذیل طریقہ پر طے کرے گا:

مثال:

فرض کیجئے غیر سودی بینک نے مختلف مدت کے لیے مختلف رقم جمع کرنے والوں سے معینہ مدّت کے لیے سرمایہ (کھاتے کی بنیاد پر) =/۱۰،۰۰۰،۰۰۰ حاصل کیا ہے۔ پہلے پورے سرمایہ کو اکائیوں میں ہر ایک اکائی کی قیمت معلوم کرنے کے لیے تبدیل کیا جائے گا۔ یعنی سرمایہ اتنی اکائیوں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔

اس لئے =/۱۰،۰۰۰،۰۰۰ کو =/۱،۰۰۰،۰۰۰ میں تقسیم کیا گیا تو =/۱۰ اکائی کی قیمت ہوئی جب اکائی کی قیمت =/۱۰ ہے تو مندرجہ بالا سرمایہ کی تمام اکائیوں کی تعداد ۱،۰۰۰،۰۰۰ ہوگی۔ ان اکائیوں کی صورت میں پورا سرمایہ مزید منافع کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ ان اکائیوں کی قیمت میں اضافہ ہوگا یا کمی ہوگی اس کا نتیجہ غیر سودی بینک کی کارکردگی پر منحصر ہے۔

اگر مذکورہ بالا سرمایہ پر ایک مہینہ میں ۱۲ فیصدی کا پورا فائدہ ہوتا ہے۔

یعنی.......................... =/۱۰،۰۰۰،۰۰۰

۳۰ دن میں ۱۲ فیصدی شرح سے منافع =/۱۰۰،۰۰۰

جمع.......................... =/۱۰،۱۰۰،۰۰۰

تو اصل سرمایہ اور نفع دونوں کو جوڑ کر اکائیوں کی موجودہ تعداد میں تقسیم کیا جائے گا۔

یعنی ۱،۰۰۰،۰۰۰ کو ہر ایک اکائی قیمت ۱۰۔۱۰ کے اعتبار سے پاتا ہے۔

اگر جناب (ج) نے =/۵۰،۰۰۰ غیر سودی بینک میں ۱۵ فیصدی خطرہ کی شرح کی بنیاد پر لگایا ہے تو اس کی پوری اکائیوں کی تعداد =/۵۰۰۰ ہونی چاہیے۔

مندرجہ بالا رقم جو لگائی گئی ہے ایک مہینہ کے لیے اس کا اور اس کے منافع کا فیصلہ کرنے کے لیے اس طرح حساب کیا جائے گا۔

جناب ج کی اکائیوں کی تعداد =/ ۵,۰۰۰

ہر ایک اکائی کی قیمت لگائی گئی- ۱۰،۱۰

جمع سرمایہ + منافع	=/ ۵۰,۵۰۰
اصل سرمایہ	=/ ۵۰,۰۰۰
مکمل منافع	=/ ۵۰۰

۱۵ فیصدی خطرہ کی شرح پر غیر سودی بینک کا حصہ =/ ۷۵

جناب ج کا اصل نفع =/ ۴۲,۵۰۰

اگر کچھ رقم قیمت لگانے کے بعد واپس ہوئی تو بچی ہوئی رقم جس کو لگاتا ہے پھر سے موجودہ قیمت معلوم کرنے کے لیے اکائیوں میں تقسیم کی جائے گی۔

مثال کے طور پر:

مندرجہ بالا سرمایہ اور نفع =/ ۱۰,۰۰۰,۰۰۰ سے غیر سودی بینک کی ۴۰۰,۰۰۰ اکائیاں واپسی سے متاثر ہوئیں۔

اس وقت جبکہ ہر ایک اکائی کی قیمت تھی ۱۰،۱۰ یعنی...... =/ ۴,۰۴۰,۰۰۰

بچی ہوئی رقم (سرمایہ)...................... =/ ۶,۰۶۰,۰۰۰

اب ہر ایک اکائی ۱۰،۱۰ کی قیمت کی بنیاد پر بچی ہوئی رقم =/ ۶,۰۶۰,۰۰۰ غیر سودی بینک کے ذریعہ لگائی جائے گی، اور تمام اکائیوں کی تعداد کے مطابق جیسا نتیجہ برآمد ہوگا اس کی قیمت لگائی جائے گی۔

نفع ونقصان پر اعتماد بحال رکھتے ہوئے (تجارتی ادارہ میں) رقم کو لگانے کا کام غیر سودی بینک جاری رکھے گا اگرچہ رقم کی واپسی سے متاثر ہوا یا نئی رقم جو غیر سودی بینک میں لگائی

جائے اس سے متاثر ہو۔

۷-مالیاتی ساجھے داری (Financial Partnership):

عام (روایتی) بینک کے نظام میں کوئی قرض لینے والا آسانی سے کسی بینک سے قرض لے سکتا ہے۔محسوس جائیداووں کی ضمانت پیش کر کے، یا ضمانت دار پیش کر کے، یا منیجر کو اپنی ادائیگی کی اہلیت کا اطمینان دلا کر، یا اپنی جرأت کا اعتماد دلا کر اور مقصد کی ایمان داری کا یقین دلا کر، عام طور پر بینک ایسی ضمانتوں کو قبول کرتا ہے جو بازار میں فروخت کی جا سکے، اور قرض داروں کو قرض دیتا ہے، لیکن ضمانت ہی صرف ایسی چیز نہیں ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکے، اس لیے کہ ایسے معاملات بھی سامنے آئے ہیں کہ جعلی حصہ داری سرٹیفکٹ (شہادت نامہ) ضمانت کے طور پر پیش کئے گئے اور آخر کار بینک والے کو معلوم ہوا کہ قرض مکمل طور پر غیر محفوظ تھا۔

اس کے علاوہ موجودہ بینک بعض قرض دار کو جس سے ضمانت لیتا ہے، ضمانت کی قیمت سے زیادہ مالی قرض دیتا ہے جس کا بازار میں اعتماد بہتر ہوتا ہے اور کامیاب تجارت کرتا ہے۔

ایک بار جب فنڈ بینک سے بطور قرض دیا جاتا ہے اس فنڈ کا استعمال قرض لینے والے کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ رقم کو جس طرح چاہتا ہے استعمال کرتا ہے، یا تو وہ اس کا صحیح استعمال کرتا ہے یا غیر قانونی تجارت میں لگاتا ہے۔کچھ تاجر ایسے ہوتے ہیں جو بینک سے لی ہوئی قرض کی رقم اپنی ذمہ داری پر ایمانداری سے استعمال کرنا چاہتے ہیں، لیکن ذاتی مہارت میں کمی کے سبب یا انتظامی دیکھ بھال کی کمی، کمزور انتظام یا تجارتی مقابلہ کی وجہ سے وہ تنزل کی طرف چلا جاتا ہے۔بینک بہت کم اور شاذ و نادر ہی ان کی تجارتی معاملات میں مداخلت کرتا ہے، اور ان کی رہنمائی کرتا ہے، جب فنڈ کی رقم قرض داروں کے ذریعہ ضائع کر دی جاتی ہے کسی سبب کی وجہ سے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ منافع بینک کو ادا کریں گے۔ایسی صورت میں ان میں سے اکثر کے لئے اصلی رقم کا واپس کرنا بھی ناممکن ہوتا ہے۔

قرض داروں کے مال وسرمایہ پر براہ راست گرفت میں کمی کی وجہ سے بینک کو نا قابل وصول قرضوں کا زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ تجربہ سامنے آیا ہے کہ قرض داروں کا گہرے مطالعہ کے باوجود بینک کو دنیا کے بہت سے ممالک میں نا قابل وصول قرض جمع کرنا پڑتا ہے۔

مالیاتی ساجھے دار ہونے کے استحقاق کی مناسبت سے غیر سودی بینک نے جو قرض دار کو دیا اس میں تدابیر بھی کر سکتا ہے، ان کے معاملات سے واقف بھی رہ سکتا ہے تا کہ فنڈ کا غلط استعمال نہ کر سکے۔ اس صورت میں غیر سودی بینک قرض داروں کو کسی ضمانت کے لیے مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ جب کہ رقم دینے کا بنیادی مقصد ترقی پذیر اہم کام اور تجارت میں مدد دینا ہے، کیوں نہ قرض ان کی مرضی پر استعمال کرنے کے لیے دیدیا جائے۔ تاجر ضرور عملی تجارت میں واقفیت ومعلومات کے حامل ہوتے ہیں اور غیر سودی بینک بھی ضروری مالیاتی مہارت کا حامل ہے، دونوں کی مہارت کے اشتراک سے بازار میں بہتر پیداوار اور کوئی اچھا نتیجہ سامنے لایا جا سکتا ہے جو کہ نہ صرف ان کے لیے قابل منافع ہوگا بلکہ سماج میں معیار زندگی کو بھی بلند کرے گا۔

لگائی جانے والی مالیت (سرمایہ) پر تسلط رکھنے کی غرض سے غیر سودی بینک کو چند مختار ملازمین کو مقرر کرنا پڑے گا۔ وہ روزانہ، ہفتہ وار قرض داروں کی تجارتی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں گے، اور روزانہ کے معاملات کا غیر سودی بینک کی انتظامیہ کو رپورٹ پیش کریں گے۔

متوقع ساجھے دار کا تعین (Assessment of Prospective Partner):

عنوان (دستاویز ملکیت کا نام):	Title
صاحب ملکیت:	Proprietor
پتہ:	Address
رجسٹری:	Registrations
کام (تجارت) کی نوعیت:	Nature of Venture
ساہوکار:	Banker

محسوس قدر (اشیاء جو قابل قدر ہیں) (Tangible Value):

موجودہ جائداد:	Current Assets
موجودہ قرضے:	Current-Liabilities
عملی سرمایہ:	Working Capital
اشیاء مندرجہ:	Inventry
بیع:	Sale
بیع کی قدر و قیمت:	Cost of Sale
قابل وصول بل:	Bills Receivable
واجب الادا بل:	Bills Payable

غیر محسوس (اشیاء) کی قیمت فیصدی (Intangible Value):

علمی استعداد:	Qualification
صلاحیت:	Ability
کارکردگی کی قابلیت:	Efficiency
تجربہ:	Experience
مدت:	Time
آمد وخرچ:	Income & Expenditure
مجموعی آمدنی:	Gross Profit
حصے:	Shares
انکم ٹیکس (آمدنی پر ادائیگی):	Income Tax
خالص منافع:	Net Profit
خطرہ کی شرح:	Risk Point

غیر سودی بینک مندرجہ ذیل جمع کرنے کی سہولت رکھتا ہے:

۱-مختصر مدت ایک سے تین سال تک

۲-درمیانی مدّت چار سے چھ سال تک

۳-طویل مدّت سات سے نو سال تک

جو فنڈ متعینہ مدّت کی بنیاد پر گاہکوں سے لیا گیا ہے اُس فنڈ کو غیر سودی بینک مالیاتی ساجھے دار کی حیثیت سے موجود کارخانوں (تجارتی اداروں) میں ان کی ثقاہت، صداقت و اعتبار کی تحقیق کرنے کے بعد لگا سکتا ہے۔ غیر سودی بینک اس مدّت کے بعد (جو مدت ساجھے داری قائم کرنے کے وقت طے ہوگئی تھی) اپنی شریک داری کا حساب ادا کرسکتا ہے۔

کارخانہ (تجارتی ادارہ) کی جائدادوں کی بازار کے مطابق دوبارہ قیمت لگانے کے بعد سرمایہ کے حصہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

غیر سودی بینک مالیاتی ساجھے دار ہو کر نئے کام کو ترقی دینے کی سہولت بھی رکھتا ہے، اس کے سرمایہ کا حصہ بھی کم کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

۸-ملکیت (Ownership):

غیر سودی بینک منافع کی ترقی کے لیے انتظامیہ کی رضامندی سے اپنی تجارت بھی قائم کر سکتا ہے جو کہ مکمل طور پر غیر سودی بینک کے زیر تسلط رہے گا۔

۹-پیداواری سہولیات (Productive Facilities):

یہ سہولت قرض لینے والے کو اس کی خواہش اور ارادہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ متعین سرمایہ پیدا کرنے کی غرض سے تعاون فراہم کرتی ہے۔ متعین سرمایہ مطلوبہ فنڈ کو مختص کر دیتا ہے غیر منقولہ جائدادوں کی خریداری یا تجدید کے لیے، جیسے زمین، عمارت، مشین وغیرہ۔

غیر سودی بینک کا مقصد قرض لینے والوں کو سود کے بوجھ کا سامنا کیے بغیر عام بینکوں سے مختلف صورت میں ترقی دینا ہے۔ قرض لینے والے کی ضرورت پر انحصار کرتے ہوئے غیر سودی بینک مندرجہ ذیل دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر قرض دے گا:

۱-پٹہ (اجارہ) کی بنیاد پر خریداری (Lease hold Purchase)

۲-برابری یا حصہ داری کرایہ کی بنیاد پر خریداری (Equity Hire Purchase)

پٹہ کی بنیاد پر خریداری کا مطلب:

ایک قرض لینے والا غیر سودی بینک سے کسی تجارتی یا قیمتی جائداد، فطری طور پر جس کی قیمت گھٹنے والی ہے، جیسے کار، ٹرک، ساز و سامان وغیرہ کی خریداری کے لیے رقم حاصل کر سکتا ہے،

اولاً خریدا ہوا سامان، جائداد غیر سودی بینک کی ملکیت ہوگی، اور پٹہ پر قرض لینے والے کے قبضہ میں ہوگی، غیر سودی بینک پٹہ کا اور کرایہ کی اس رقم کا جس کو پٹہ دار ماہانہ ادا کرے گا فیصلہ کرے گا، کرایہ کی قدر و قیمت (شرح) بازار کے موجودہ حالات پر منحصر ہوگی، جب خریدی ہوئی جائداد کی قیمت کی پوری رقم غیر سودی بینک وصول کرے گا تو پٹہ دار کو کہا جائے گا کہ وہ بازار کی قیمت کے مطابق یا گھٹی ہوئی قیمت کے مطابق جائداد کو خرید لے۔ جو بھی قیمت لگائی جائے گی وہ غیر سودی بینک کی آمدنی ہوگی۔ ایک بار اس قیمت کو غیر سودی بینک کے وصول کرنے کے بعد جائیداد کی ملکیت پٹہ دار یا خریدار کو منتقل کردی جائے گی۔

پٹہ کی بنیاد پر خریداری کی افادیت کی غرض سے پٹہ دار کو دو ضمانت دار یا ضمانت پیش کرنا پڑے گا، کسی حادثہ کی صورت میں خریدی ہوئی جائداد کو پٹہ کی میعاد کے دوران کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو غیر سودی بینک پٹہ دار سے اس نقصان کی قدر و قیمت کا دعوی کرے گا۔ اگر وہ دعویٰ کی تکمیل میں ناکام رہتا ہے تو غیر سودی بینک ضمانت دار کی ضمانت سے وہ رقم بے باق کر لے گا۔

مثال:

جناب ''ج'' ۲۰,۰۰۰ کی لاگت سے ایک کار خریدتا ہے اور فنڈ غیر سودی بینک سے حاصل کرتا ہے، (اس صورت میں) اب کار کا مالک غیر سودی بینک ہے اور جناب ''ج'' پٹہ دار ہے۔ بازار کی قیمت کا اندازہ کرنے کے بعد غیر سودی بینک (ماہانہ) ۵۵۵-۵۵ تین سال (۳۶ مہینوں کی مدت) میں ادائیگی کے لیے کرایہ مقرر کرتا ہے، جبکہ یہ مذکورہ مدت مکمل ہو جاتی ہے تو کار کی گھٹی ہوئی قیمت =/۶۰۰۰ ہوتی ہے۔ پٹہ دار کو اختیار ہے کہ کار کی گھٹی ہوئی قیمت پر جو غیر سودی بینک کی آمدنی ہوگی خرید لے۔

برابری حصہ داری کرایہ کی بنیاد پر خریداری کا مطلب:

غیر سودی بینک کسی جائداد جس کی قیمت بازار میں مختلف ہے، کے خریدنے کی غرض

سے فنڈ دے سکتا ہے جیسے زمین، مکانات، دکانیں، کارخانے اور ایسی اشیاء جن کی مانگ یا طلب ہو وغیرہ، اس صورت میں قرض لینے والے کو وہی سہولت دی جائے گی جیسا کہ پٹہ کی بنیاد پر خریداری کے اصول کے تحت بیان کی گئی، لیکن اس میں قرض دار کرایہ دار مہیا کردہ رقم کو قسط وار جب وہ چاہیں اور جتنی رقم (ہر قسط میں) وہ دینا پسند کریں ادا کر سکتے ہیں۔ غیر سودی بینک، کرایہ دار اور اپنے درمیان ''برابری ساجھے داری'' کے حصہ کو برقرار رکھے گا۔ آخری قسط کی ادائیگی کے بعد جائداد کی قیمت لگائی جائے گی یا بازار کی قیمت کے مطابق فروخت کردی جائے گی۔ اور جو بھی قیمت لگائی جائیگی جائداد میں لگائے گئے سرمایہ کے حصہ کے مطابق کرایہ دار اور غیر سودی بینک کے درمیان تقسیم کرلی جائیگی۔

مثال:

جناب الف ب ج کو زمین خریدنے اور اس پر کوئی عمارت تعمیر کرنے کی غرض سے =/۲۰۰,۰۰۰ فنڈ کی ضرورت ہے اس کے پاس =/۵۰,۰۰۰ کا ذاتی فنڈ ہے، زمین اور مکان کی لاگت =/۲۵۰,۰۰۰ ہے۔

غیر سودی بینک مہیا کرتا ہے	۲۰,۰۰۰=۰۰
جناب الف ب ج	۵,۰۰۰=۰۰
مجموعی رقم:	۲۵,۰۰۰=۰۰
اس علاقہ میں مروجہ کرایہ:	۲۰۸۳-۳۳

معاہدہ: مشترک ملکیت مختلف ہے۔

خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

خریداری کی قیمت (لاگت) =/۲۵۰,۰۰۰ تقسیم کی گئی =/۱۰,۰۰۰ اکائیوں میں، ہر اکائی کی قیمت ۲۵-۰۰، کرایہ ۲۰۸۳-۳۳، تقسیم کیا گیا =/۱۰,۰۰۰ اکائیوں میں، ہر ایک

اکائی کی قیمت ۳۳-۲۰۸۳۳،ختم ہوئی مدت کا سال جنوری ۱۹۸۷ء، بازار کے اعتماد سے جائداد کی خرید قیمت۔

اضافہ	۳۰۰,۰۰۰-۰۰
کمی	....
اصلی قیمت	۲۵۰,۰۰۰-۰۰
اصل منافع	۵۰,۰۰۰-۰۰
منافع کی اکائی	=/۵۰,۰۰۰

تقسیم کی گئی ۱۰,۰۰۰ کے ذریعہ=۵۰۰

مجموعی کرایہ حاصل ہوا ۶۳ء۱۹۱۹۹

کرایہ کی اکائی کی قیمت: ۶۳ء۱۹۱۹۹ جو تقسیم کی گئی ۱۰,۰۰۰ کے ذریعہ= ۹۱۶۶۶۳ء۱

غیر سودی بینک کے حصے:

مکمل اکائیاں =۱۱,۴۹۹-۹۷

تقسیم ۹۱۶۶۶۳ء۱ کے ذریعہ=۶,۰۰۰

اس لیے منافع=۵×۶,۰۰۰=۳۰,۰۰۰

جناب الف ب ج کے حصے:

مکمل اکائیاں ۰۰-۷۶۶۶ ÷ ۹۱۶۶۶۳ء۱=۴,۰۰۰

اس لیے منافع ۵×۴,۰۰۰=۲۰,۰۰۰

تاریخ	تفصیلات	غیر سودی بینک	قرض	جمع رقم	جناب الف ب ج	غیر سودی بینک		جناب الف ب ج	
جنوری	دونوں حصہ دار کے ذریعہ	200,00	----	---	50000	8000	1666.66	2000	416.67
فروری	جناب الف ب ج کے ذریعہ	190,000	----	10,000	6000	7600	1583.33	2400	500.00
مارچ	کرایہ	----	----	---	----	----	1583.33	----	500.00
اپریل	جناب الف ب ج کے ذریعہ	180000	----	10,000	70000	7200	1500.00	2800	583.33
مئی	〃	160,000	----	20,000	90000	6400	133.33	3600	750.00
جون	〃	140,000	----	20,000	110000	5600	1166.67	4400	916.66
جولائی	〃	120,000	----	20,000	130000	4800	1000.00	5200	1083.33
اگست	〃	100,000	----	20,000	150000	4000	833.33	6000	1250.00
ستمبر	〃	50,000	----	50,000	200000	2000	416.66	8000	1666.67
اکتوبر	〃	30,000	----	30,000	----	1200	250.00	----	----
نومبر	〃	10000	----	10,000	----	400	83.33	----	----
دسمبر	〃	10000	----	10,000	----	400	53.33	----	----
	کل جمع	----	----	20,0000	----	----	16499.97	----	7666.62

۱۰-جائز سرمایہ (راس المال) کی سرمایہ کاری (Eligible Investments) :

غیر سودی بینک بعض ایسے چھوٹے قرض داروں کی مالی اعانت کرسکتا ہے جن کے پاس معمولی، یا کچھ بھی فنڈ نہیں ہے لیکن ان کا کرایہ دار ہے۔ضروری ٹیکنیکل کا مالک ہے، وہ جانتا ہے کہ کام کس طرح کیا جا سکتا ہے، کسی خاص منصوبہ یا کارخانہ (تجارتی ادارہ) کو چلانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔اگر غیر سودی بینک اس بات سے مطمئن ہے کہ قرض دار اس کو کامیابی سے استعمال کرنے کی صلاحیت وقابلیت رکھتا ہے، اگر نہیں رکھتا ہے تو استحقاق کی صورت میں قرض دار کو ضمانت کے لیے مجبور کرسکتا ہے۔اس طرح کہ قرض دار کو غیر سودی بینک طے شدہ متعینہ مدت تک کے لیے بحیثیت مالیاتی ساجھے دار کے قرض دے سکتا ہے۔

بازار کی قیمت کے مطابق کارخانہ کی جائداد کی دوبارہ قیمت لگانے کے بعد غیر سودی بینک کے سرمایہ کے حصہ کی ایک متعین فیصدی کو قرض دار سال بہ سال ادا کر کے غیر سودی بینک کی ساجھے داری کو محدود کرسکتا ہے۔

متعینہ خطرہ کی شرح یا کسی نقصان کی صورت میں طے شدہ شرح کے مطابق غیر سودی بینک اور قرض دار متوقع نفع کے حصہ دار ہوں گے، اور اسی شرح پر ان کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

اس سرمایہ کاری پالیسی کے تحت قرض دار کو ہفتہ وار یا ماہانہ اس کی خدمات اور وقت کے عوض معاوضہ بھی دینا پڑے گا۔ذاتی مہارت یا قابلیت، زائد اوقات، کارکردگی کی اہلیت کا شمار غیر محسوس سرمایہ میں کیا جائے گا۔ان کے حصے کی خصوصیات اور مقدار کے مطابق خطرہ کی شرح سرمایہ کار اور قرض دار کے درمیان طے کی جائے گی۔یہ سرمایہ کاری ۵۰،۵۰ کی بنیاد پر ہوگی۔

اگر قرض دار اس کے مطابق ساجھے داری قبول کرتا ہے جیسا کہ معینہ مدت کے لیے

سرکاری دفعہ (ب) کے تحت تشریح کی گئی ہے تو مالیاتی منصوبہ کے بند کرنے کے بعد اس نفع رنقصان کے حصہ سے اس کی تمام رقم جو انھوں نے وصول کیا ہے وضع کیا جائے گا، اس قسم کی سرمایہ کاری ۴۹،۵۱ کی بنیاد پر ہوگی۔

۱۱-کرایہ کی جائداد (Rental Property):

غیر سودی بینک کے فنڈ کے استعمال کے لیے دوسرا محفوظ طریقہ جائداد کا مالک ہونا ہے، اور وہ جائداد کرایہ مثلاً فلیٹ اور مکانات کے حصول پر مشتمل ہوگی۔ اس طریقہ سے غیر سودی بینک اپنے دوسرے استعمالات کے ساتھ آمدنی کی معتد بہ رقم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

۱۲-غیر منقولہ جائداد (Fixed Assets):

(الف) پٹے پر لی ہوئی جائداد:

غیر سودی بینک کسی تجارتی مرکز میں قائم ہوگا جہاں شہر کے مختلف گوشوں سے آسانی سے آفس تک پہنچ سکتے ہیں۔

(ب) فرنیچر وساز وسامان:

غیر سودی بینک کو عمدہ اور اعلیٰ خدمت اپنے گاہکوں کو فراہم کرنے کی غرض سے اچھے قسم کے فرنیچر اور ساز وسامان خریدنا چاہیے۔

☆☆☆

غیر سودی اسلامی بینک بنانے کے لیے قانونی گنجائشیں اور دشواریاں

عبدالوہاب محمد دلوی ☆

غیر سودی اسلامی بینک کی تشکیل پر بحث کرتے وقت ہمیں قانونی گنجائشوں اور دشواریوں یا پابندیوں کے علاوہ دو بنیادی نکتوں کو مدنظر رکھنا اور ان کے دو مختلف مواقف میں امتیاز کرنا اور سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ ایسا ملک اور حالات جہاں نہ صرف نظام حیات اسلامی قوانین اور ضوابط کے مطابق چل رہا ہو اور جہاں زندگی کا ہر شعبہ شریعت اسلامیہ کا پابند ہو بلکہ ہر لحاظ سے پورا معاشرہ اسلامی ہو۔

۲۔ ایسا ملک اور حالات جہاں نہ صرف نظام حیات بلکہ قوانین اور ضوابط غیر اسلامی ہوں اور سماج اسلامی اصولوں سے منحرف ہو اور پورا معاشرہ فاسد بلکہ جہاں پورے اسلامی طور طریقوں پر زندگی گزارنا دشوار نہ سہی مگر سہل بھی نہ ہو۔ جہاں ہر مقام پر سودی کاروبار کا قبضہ ہو اور سودی سرمایہ دارانہ نظام، معاشیات، افکار، اخلاق بلکہ ہر شعبۂ زندگی پر چھایا ہوا ہو۔

مندرجہ بالا دونوں حالات میں بنیادی فرق ہے۔ پہلی شکل میں معاشرہ پہلے سے اسلامی ہے اور اس کی اصلاح کا سوال پیدا نہیں ہوتا، پورے اسلامی سماج میں صرف غیر سودی

☆ سابق ڈپٹی چیف آفسر ریزرو بینک آف انڈیا ممبئی۔

بینک کے قوانین وضوابط کا انطباق کرنا ہے۔ ایسے معاشرہ میں سود کی حرمت کا قانونی زندگی کے دوسرے شعبوں سے ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں زندگی کے ہر شعبہ کا مقصد وہی ہے جو سود کی تحریم کا ہے، اور سب کی روح اسلامی ہی ہے، یہاں سود کی حرمت کا قانون وہ سارے فائدے پہنچا سکتا ہے جن کے لیے یہ قانون وضع کیا گیا تھا، کیونکہ اس کے لیے حالات ہموار ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی قانون ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے تمام اجزاء آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور ہر جزو دوسرے جزو کے لیے زمین ہموار کرتا ہے اور اسے مکمل فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس کے برخلاف جہاں دوسرے قسم کے حالات اور نظام حیات ہو وہاں سود کی حرمت کو کسی ایک بینک پر منطبق کرنا جبکہ دوسرے تمام مالیاتی ادارے اور بینک سود کی بنیاد پر قائم ہیں اور زندگی کے اور کسی شعبہ میں اسلامی احکام جاری نہیں ہیں، دشواریاں پیدا کرتا ہے۔ ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ قوانین کی تفریق ان جملہ نتائج کو فراہم نہیں کرسکتی جو اسلامی سماج میں حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اور جن کے فوائد آسانی سے اسلامی احکام کے پورے سماج پر رائج شدہ حالات یا ماحول میں حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ان باتوں کو یہاں بیان کرنے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ہم سب غیر اسلامی احکام کے سبب سے اسلامی احکام سے معذور اور آزاد ہیں، ہم یہ بھی کہنا نہیں چاہتے کہ جب دنیا سود کے سمندر میں ڈوب چکی ہے، سود انسانی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن چکا ہے، سود کو اقتصادی ترقی کا اور تجارتی اور صنعتی کاروبار کا مداوا سمجھا جاتا ہے تو بلا سود کے بینک کی بات کرنا بے سود ہے، بلکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ عذر لنگ پیش کر کے حرمت سود کے احکام سے چھٹکارا حاصل کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔

اگر ہم کسی مقام پر یا ماحول میں معذور و مجبور رہوں تو بھی اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں سود کی حرمت کے احکام کی بقدر ہمت خود پیروی کی ضرورت نہیں ہے، بہر حال ضرورت ہے اور بقدر امکان ان احکام کے لئے ماحول کو ہموار بنانے کی سعی کرنا چاہیے۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں

شاید سارے اسلامی ممالک میں بھی اسلامی بینک کے لیے حالات سو فی صد سازگار نہیں ہیں، اسلامی ممالک میں بھی غیر اسلامی ملکوں کی کمپنیاں اور بینک کسی نہ کسی طریقے سے اپنے قدم جمائے ہوئے ہیں، اور اسلامی ماحول کو مکدّر کئے ہوئے ہیں۔

ہمارے ملک میں تو صورت حال کچھ اور ہی ہے۔ یہاں نظام حیات کے مختلف شعبوں میں تضاد و تعارض ہے۔ ایسے حالات میں غیر سودی بینک کی تشکیل کو ناممکن نہیں مگر آسان بھی نہیں ہے۔ سارے رائج احکام اور طریقے غیر اسلامی ہیں اور پورے سماج پر سودی نظام حکومت کر رہا ہے۔ ایسی جگہ اور ماحول میں ضروری ہے کہ غیر سودی اسلامی بینک وہی طریقہ کار اختیار کرے جو اس ماحول اور زمین کے احکام سے تصادم پیدا نہ کرے، اور ساتھ ہی ساتھ ہم حکومت کے ان قوانین سے جو ہمارے بینک کی بہتری کے لیے ہوں، چھٹکارا پانے کی کوشش نہ کریں۔ مثلاً آڈٹ، انسپکشن وغیرہ۔ علاوہ ازیں چونکہ اقتصادیات، معاشیات اور فکر و سیاست پر غیر اسلامی حالات اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور ہم صورت حال میں تغیر لا نہیں سکتے، ہمیں چاہیے کہ رائج الوقت احکامات اور طریقہ بینک کاری کو مد نظر رکھتے ہوئے معقول شرعی صورت کی جستجو کریں، اور جہاں تک ہو سکے موجودہ قوانین کی جو فاسد پابندیاں ہیں ان سے مبرّا رہنے کی کوشش کریں۔ مختصر یہ کہ ہم غیر سودی اسلامی بینک کے لیے جدید بینک کاری کے شرعی اعتبار سے غیر ممنوعہ اصولوں کو اپنے طریقہ کار میں اس طرح اختیار کرنے کا اہتمام کریں کہ جس سے ہمارے بینک کی ترقی اور بینکوں کے برابر ہوتی رہے۔

اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ غیر سودی اسلامی بینک کی تشکیل اُس کو صرف ایک تجارتی ادارہ نہ بنادے جہاں کاروبار ہوتا رہے اور فائدہ ہوتا رہے بلکہ وہ بینک ایک ایسا انداز اختیار کرے کہ اس بینک کو حقیقی بینک کہا جائے۔ وہ لوگوں کی اقتصادی زندگی میں وہ تمام فرائض انجام دے جو دنیا کے دوسرے بینک انجام دے رہے ہیں۔ جہاں امانتیں Deposits

بلا روک ٹوک جمع کی جاسکیں اور چھوٹے بڑے کاروبار کے لیے قرض بھی مہیا کیا جا سکے، تجارتی اور صنعتی اداروں کی بینکنگ کے طریقوں پر امداد بھی کی جا سکے، Cheque کا سلسلہ بھی رہے، اور ایسا ماحول بن جائے کہ عوام اپنے کاروباری معاملات کا رشتہ قائم کرنے میں کسی قسم کی جھجک یا رکاوٹ محسوس نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ سب کچھ کرنے کے لیے ایسے طریقے وضع کیے جائیں کہ ہمارے بینک خود کفیل ہوں، ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے ہمارے بینک کو اپنے کچھ معاملات میں امتیازی انداز اختیار کرنا پڑے اور عام بینکوں کے معاملات سے ہٹ کر وہ جہتیں تلاش کرنی پڑیں جہاں ایسا کاروبار چل سکے اور کامیابی بھی حاصل ہو، یہ راستہ عموماً اور قانوناً کئی لحاظ سے دشوار ہے، مگر ناممکن نہیں ہے۔ مثلاً گاہکوں کو بلاسود قرضے دینا، مگر بینک کو خود برداریا خود کفیل رہنے کے لیے قرضہ دینے پر ہونے والے اخراجات ان سے فائدہ کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے بلاتأمل لینا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ غیر سودی اسلامی بینکوں کی قانونی تشکیل کس قسم کی ہو۔ جہاں تک ہمارے ملک کا سوال ہے وہ یا تو کمرشیل بینک کی ہوسکتی ہے یا کوآپریٹیو بینک کی۔ تیسری قسم ڈیولپمنٹ (یعنی صنعتی ترقی یا زراعتی ترقی کے) بینکوں کی ہے۔ مگر آج ہمارا مقصد ڈیولپمنٹ بینک قائم کرنا نہیں ہے جس کا تعلق صرف صنعتی یا زراعتی کاروبار سے ہو۔ ہمارے غیر سودی اسلامی بینک ہر خاص و عام کے لیے ہو، اس لیے اس کی قانونی تشکیل اس سے پہلے درج شدہ دو قسموں میں سے یعنی کمرشیل یا کوآپریٹیو میں سے کسی ایک کی ہوگی، ان دونوں میں سے کوآپریٹیو قسم کی تشکیل ہمارے لیے مناسب تر ہوگی کیونکہ اس میں کچھ صوبائی قانون کی گنجائش بھی ہے، اور ایسے بینکوں کے لئے کمرشیل بینکوں کے مقابلہ میں قانوناً کچھ سہولتیں بھی مہیا ہیں۔ کوآپریٹیو بینک ہر صوبہ کے کوآپریٹیو قانون کے مطابق رجسٹرڈ ہوتے ہیں اور کمرشیل بینک مرکزی حکومت کے کمپنیز ایکٹ کے ماتحت رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک

بینک کی تشکیل کے بارے میں قانونی گنجائش اور پابندیوں کے بارے میں سوچیں ہم اس ملک میں بینک کی قانونی تعریف (Definiton) کیا ہے؟ اسے سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ واضح طور پر ہماری سمجھ میں آئے کہ کونسی کمپنیاں یا سوسائٹیاں یا تنظیمیں اس تعریف کے ضمن میں آتی ہیں اور کون سی نہیں۔

بینک کی تعریف B.R. ACT کے ذریعہ 5(b) اور 5(c) میں کی گئی ہے۔ دفعہ 5(b) میں بینکنگ کی تعریف حسب ذیل ہے:

"Banking means accepting deposits of money from the public for the purpose of lending and investment, repayable on demand or otherwise and withdrawable by cheque, draft, order or otherwise."

(بینکنگ کا معنی قرضے دینے اور انویسٹمنٹ (منظور شدہ سیکورٹیز) میں لگانے کے لئے عوام سے پیسوں کی ایسی امانتیں حاصل کرنا ہے جو ان کے مطالبہ پر یا متعین وقت کے بعد واپس لوٹائی جاسکیں، اور پیسوں کی ایسی امانتیں چیک، ڈرافٹ اور وتھ ڈرال سلپ کے ذریعہ واپس لی جاسکیں)۔

دفعہ 5(c) :90 اس طرح ہے:

" Banking company means any company or organisation which transacts the business of banking."

(بینکنگ کمپنی وہ تنظیم ہے جو پیشتر مندرجہ قسم کی بینکنگ کا کاروبار کرتی ہے)۔

یہاں ہمارے لیے ایک نکتہ قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ بینکنگ کی تعریف میں کہیں بھی سود کا ذکر نہیں ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ضروری نہیں ہے کہ امانتیں سود پر ہی حاصل کی جائیں یا یہ کہ

قرضوں پر سود کا لیا جانا ضروری ہے۔ گویا اس تعریف کے مطابق غیر سودی بینک جس کی ہمیں ضرورت ہے، وجود میں لائے جا سکتے ہیں۔ یہاں بینکنگ کی تعریف کے ایک اور عنصر کی جانب دھیان دینا ضروری ہے، وہ یہ کہ بینک کہلانے کے لیے کسی بھی تنظیم کا امانتوں کا عوام سے قبول کرنا ضروری ہے۔ ایسی تنظیمیں جو صرف اپنے ممبران یا شیئر ہولڈرس سے ہی پیسوں کی امانتیں قبول کرتی ہوں وہ بینک نہیں کہلا سکتیں۔ بینک کہلانے کے لیے ایک اور شرط یہ بھی ہے کہ عوام سے لی ہوئی امانتوں کا روپیہ قرضہ دینے اور انویسٹمنٹ کے لیے ہی استعمال کیا جائے۔ قرضے کسے دیئے جائیں اور انویسٹمنٹ کن چیزوں میں کیا جائے اس کا ذکر تعریف میں نہیں ہے۔ البتہ اس ضمن میں یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ انویسٹمنٹ کن چیزوں میں کرنا چاہیے اس کا خلاصہ B.R. ACT اور R.B.I.ACT کے مختلف دفعات میں کیا گیا ہے۔ اس بارے میں آگے تفصیلات ذکر کی جائیں گی۔ بینکنگ کی تعریف میں درج شدہ کاروبار کے علاوہ جو اور کاروبار بینکوں کے لیے جائز قرار دیئے گئے ہیں ان کا ذکر بھی B.R. ACT کے دفعہ نمبر ۶ میں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ Bills Collection, Bills Discounting, Divedend Colloection اور کمپنی کے شیئرز، ڈبینچرس اور بانڈز کی ایک حد تک خرید فروخت، پیسوں کی رقموں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا .M.T.O، سیف ڈپازٹ والٹ مہیا کرنا، گارنٹی دینا وغیرہ۔

گوکہ کسی بھی بینک کی مالیات کی تشکیل سرمایہ (Shares) جس کی بنیاد پر بینک قائم ہوتی ہے، اور لوگوں سے جمع شدہ امانتوں پر ہوتی ہے۔ چونکہ سرمایہ کی رقم بہت ہی قلیل ہوتی ہے اس لیے عام طور پر بینکوں کا کاروبار یعنی دیئے جانے والے قرضوں اور امانتوں کے ذریعہ آئی ہوئی چھوٹی بڑی رقموں پر ہی منحصر رہتا ہے۔ اس روشنی میں اگر دیکھا جائے تو یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ بینک کے امانت داروں اور قرض داروں کے دہرے تعلقات کا مطلب یہ ہے کہ بینک دونوں کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے جس کا کام ایک کا مال لے کر دوسرے تک پہنچا دینا ہے۔

ان امانتوں میں خود حکومت بھی قرض دار بن کر بینکوں سے اپنے سیکورٹیز کے ذریعے قرضہ لیتی ہے۔

یہاں ایک بات کا ذکر ضروری ہے، وہ یہ کہ پیسوں کی امانتیں بینکوں کے علاوہ اور کمپنیاں بھی لیتی ہیں مگر وہ ان امانتوں کے پیسے اپنے صنعتی، تجارتی وغیرہ کاروبار میں لگاتی ہیں، صرف بینکوں کو ہی ملی ہوئی امانتوں میں سے قرضے دینے کی اجازت ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بینک صرف قرضے دینے اور انویسٹمنٹ کے لیے ہی امانتیں قبول کرسکتی ہیں، بینکوں اور کمپنیوں کی ملی ہوئی امانتوں میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ بینک متحرک اور ثابت Demand and Time دونوں قسم کی امانتیں لے سکتی ہیں مگر کمپنیاں صرف ثابت امانتیں لے سکتی ہیں جنہیں متعین وقت کے بعد واپس لوٹایا جاتا ہے مگر بینک متعین وقت کی ملی ہوئی امانتیں بھی وقت سے پہلے واپس لوٹا سکتی ہیں۔

اب ہم بینکوں کے بارے میں موجودہ قوانین وضوابط کا جائزہ لیں گے۔ بینکوں کی تشکیل کے بارے میں قوانین کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ بینکوں کے کاروبار کے بارے میں قوانین B.R. ACT میں ہیں۔ اس کے علاوہ R.B.I. ACT کے کچھ دفعات میں بھی ہے۔ R.B.I Act کا دفعہ ۴۲ شیڈیولڈ بینکوں کے لئے اہمیت کا ہے، اس میں کیش ریزرو اور شیڈیولنگ اور نان شیڈیولنگ (Scheduling & non-scheduling) کے بارے میں خلاصہ ملتا ہے۔

بینک کی تشکیل کے قانون میں B.R. ACT کی دفعہ نمبر ۷ میں یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس کے نام کے ساتھ کسی حصہ میں لفظ بینک، بینکر، بینکنگ ہو، اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے ظاہراً اور باطناً تشکیل شدہ تنظیم بینک ہونا چاہئے۔ B.R.ACT کے دفعہ نمبر ۸ اور نمبر ۹ میں بینکوں پر دو پابندیاں عائد کی گئی ہیں: ایک یہ کہ بینک کاری کے کاروبار کے ساتھ کوئی اور کاروبار یا تجارت کرنا منع ہے۔ مثال کے طور پر بینک خود تجارت (Trading) یا صنعتی کام

(Manufacturing activity) نہیں کرسکتی، اسے اس قسم کے کوئی بھی کام کرنے کی مطلق اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی شخص کا صنعتی یا تجارتی کاروبار ہو جس کی ضمانت یا سیکورٹی پر قرض دیا گیا تھا قرض کی واپسی نہ ہونے کی صورت میں اگر بینک کو اس پر قبضہ کرنا پڑے اور وہ اس کی تحویل میں آجائے تو اس تجارتی یا صنعتی کاروبار کو فروخت کرکے اس سے اپنے قرض کی وصولی تک بینک خود یا کسی اور کے ذریعے اسے چلا سکتی ہے، مگر اس کے لیے بھی مدت متعین ہے۔ دوسری پابندی یہ لگائی گئی ہے کہ بینک عوام سے لی ہوئی امانتوں کی رقم غیر منقولہ جائیداد Real Estate میں سوائے اپنی ضرورت کے لگا نہیں سکتی۔ اپنی ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ بینک کے اپنے آفسوں یا اس کے ملازمین وغیرہ کے لیے غیر منقولہ جائداد Real Estate میں کچھ حد تک پیسہ لگایا جاسکتا ہے، مگر کرایہ پر دینے کے لیے ایسا انویسٹمنٹ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح کوئی بینک کمپنیوں کے شیئرز میں ریزرو بینک کی متعین کی ہوئی رقم سے زیادہ پیسہ نہیں لگا سکتی۔ اس کا ذکر B.R. ACT کے دفعہ نمبر ۱۹ میں ہے، ایسے شیئرز کی تحویل میں کل شیئرز ریزرو بینک سے متعین کی ہوئی رقم سے زیادہ ہو تو وہ شیئرز جلد از جلد فروخت کرنا بینک کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

غیر سودی اسلامی بینک کی تشکیل اگر کوآپریٹیو قانون کے مطابق ہوتی ہے یا وہ اگر کمپنی بنا کر Non-scheduled Bank کے زمرہ میں آتی ہے تو اسے B.R.ACT کے دفعہ نمبر ۱۸ کے مطابق عوام سے وصول شدہ پیسوں کی امانت میں سے تین فی صد رقم اپنے پاس نقد یا ریزرو بینک کی منظور شدہ بینک میں بطور کیش ریزرو Cash reserve رکھنی پڑے گی، ہمارے لئے دقت صرف اس بات کی ہے کہ ہماری تین فی صد رقم قرضوں میں نہ دی جاسکے گی۔ غیر سودی بینک کے لیے اتنی بڑی رقم کا بلا کسی استعمال کے مقفل ہو کر رہنا کسی بھی حد تک اس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ اگر ہم کوشش کرکے حکومت اور ریزرو بینک سے کسی حد تک اس سے مستثنی

ہو سکتے ہیں یا اس میں تخفیف کر کے لے سکتے ہیں تو ہمارے لیے بہتر ہوگا۔اگر ہمارے بینک کی تشکیل شیڈیولڈ کمرشیل بینک کے طریقے سے ہوئی تو یہی نقد رقم R.B.I. ACT کے دفعہ نمبر ۴۲ کے مطابق پندرہ فی صدر ہے گی۔

اس سے پیشتر جن پابندیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسی ہیں جن کی تعمیل سے غیر سودی اسلامی بینک کے کاروبار یا کام کاج میں کسی قسم کی دشواری یا کراہت پیش آنے کے امکانات نہیں ہیں۔مگر B.R.ACT کے دفعہ نمبر ۲۴ میں بینکنگ کے بارے میں کچھ ایسی ضروریات کا ذکر ہے جن سے سود کی قباحت پیش آتی ہے۔اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

B.R. ACT کی دفعہ نمبر ۲۴ کے مطابق ہر بینک کے لئے خواہ وہ کوآپریٹیو ہو یا کمرشیل بینک ہو،عوام سے موصول شدہ پیسوں کی امانت کا ایک مخصوص فیصد حصہ نقد، سونے کی صورت میں یا پھر حکومت کی منظور شدہ سیکورٹیز کی صورت میں ضروری ہے۔فی الحال کوآپریٹیو اور نان شیڈیولڈ (Non-scheduled) کمرشیل بینک کے لیے یہ رقم امانتوں کی رقوم کی ۳۵ فیصد ہے اور شیڈیولڈ کمرشیل بینک کے لیے ۳۹ فیصد ہے، اس سے پہلے درج شدہ کیش ریزرو (Cash reserve) کی تین فی صد رقوم کے علاوہ اگر ہم یہ رقم نقد میں رکھتے ہیں یا ریزرو بینک کے منظور شدہ کسی بینک کے اکاؤنٹ میں رکھتے ہیں تو کوآپریٹیو بینک ہونے کی صورت میں بھی ہماری ۲۸ فیصد رقم بلا کسی استعمال یا تلافی کے غیر سودی بینک کے لیے نا قابل برداشت ہوگی۔یہی رقم شیڈیولڈ کمرشیل بینک ہونے کی صورت میں ۴۴ فی صد ہو جاتی ہے۔ چونکہ ہم B.R. ACT کی دفعہ ۲۴ کے مطابق یہ رقم حکومت کی سیکورٹیز میں جو سود سے ملوث ہیں نہیں رکھ سکتے،ہمیں حکومت سے درخواست کر کے اس دفعہ ۲۴ میں ترمیم کرالینا ضروری ہے۔اس ترمیم کی صورت یہ ہو کہ حکومت بجائے اپنی سیکورٹیز کے جن پر سود ملتا ہے غیر سودی بینکوں کو گورنمنٹ کی کمپنیوں کے شیئرز میں جن Divedend ملتا ہے، انویسٹ کرنے کی

اجازت دے، یا پھر کوئی اور طریقے سے جس پر سود کا حصہ نہ ہو، رکھنے کی اجازت دے، تو ہماری امانتوں کی ۲۵ فیصد رقم کے نقصان کی کسی حد تک تلافی ہوگی, بصورت دیگر حکومت ہمیں اس ۲۵ فی صد انویسٹمنٹ کی جکڑ سے بڑی حد تک مستثنیٰ کر دے اور ہم تھوڑی سی فی صد رقم سونے میں انویسٹ کریں۔ بہر حال غیر سودی بینک کے لیے B.R. ACT کے دفعہ ۲۴ سے کسی نہ کسی طرح بچاؤ کی صورت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اب یہ بات اور ہے کہ حکومت ہماری درخواست کو کس حد تک منظور کرے گی۔

اس سے پیشتر درج کی ہوئی پابندیوں کے علاوہ ریزرو بینک ضرورتاً بینکوں کو دفعہ ۲۱ کے ماتحت ہدایات دیتی رہتی ہے۔ ان ہدایات میں سود کی شرح کے بارے میں بھی یعنی کم وبیش لینے اور دینے کے بارے میں بھی ہدایات ہوتی ہیں۔ چونکہ ہماری بینک غیر سودی ہوگی، لہذا ہم ریزرو بینک سے سود کی ہدایات کے بارے میں مستثنیٰ ہونے کی درخواست کر سکتے ہیں۔

ان سارے قوانین کے علاوہ غیر سودی بینک کو سودی بینک کی طرح ریزرو بینک سے B.R.ACT کی دفعہ نمبر ۲۲ کے ماتحت بینکنگ کا کاروبار چلانے کے لیے لائسنس ہونا ضروری ہے، ریزرو بینک یہ لائسنس دفعہ نمبر ۲۲ میں درج شدہ چند شرائط کے پورے ہونے پر دیتی ہے جن میں سے دو اہم شرائط یہ ہیں: پہلی شرط یہ کہ لائسنس کی درخواست کرنے والے بینک کی مالی حالت اس قابل ہو کہ وہ اپنے حال کے اور مستقبل میں لانے والے امانت داروں کی رقوم ان کے طلب کرنے پر واپس لوٹا سکے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا طریقہ کار مستقبل میں ہونے والے امانت داروں کے حقوق کے لیے کسی طرح سے نقصان دہ ثابت نہ ہو۔ علاوہ ازیں لائسنس کے لیے درخواست کنندہ بینک کوئی ایسی پالیسی اختیار نہ کرے جو حکومت یا ریزرو بینک کی پالیسیوں کے خلاف ہو۔ ان شرائط کے بارے میں ریزرو بینک اپنے افسران کے ذریعے درخواست کنندہ بینک کا انسپیکشن کر کے اپنی خاطر خواہ تسلی کرنے کے بعد ہی لائسنس دیتی ہے۔

دفعہ ۲۳ میں مذکوراسی قسم کے چندشرائط بینک کونئی شاخ کھولنے کے لائسنس کے لئے پورے کرنے پڑتے ہیں مگران کاخلاصہ یہاں کرناضروری نہیں ہے۔

لائسنس کے بارے میں جوشرائط ہیں وہ واجبی ہیں، اور اگرہمیں غیرسودی بینک کو تقویت بخشناہےتو ان کاپوراکرنا ہمارےحق میں مفید ہے۔

امید ہے کہ ہم یہاں درج کئے ہوئے سارےقوانین اورضوابط کوکم وبیش پوراکرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

☆☆☆

بلاسودی بینک کے قیام کی طرف
ایک تعارف

محمد منظور عالم☆

انسانی تہذیب وتمدن میں جیسے جیسے تبدیلیاں آئیں، ان کی ضروریات زندگی میں نمایاں اضافہ، سائنس اور تکنیکی ایجادات، رسل ورسائل کی سہولت، بینکنگ سسٹم، تجارت کا پھیلا ہوا دائرہ، صنعتی کمپٹیشن، تجارتی پالیسی، اور نت نئی ایجادات بھی اثر انداز ہوئیں، اسلامی برادری بھی ان اثرات سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتی ہے، ان پر اثر پڑنا فطری ہے، اور اسلامی برادری کا معاشی ارتقاء بہت حد تک موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے سے رک جاتا ہے، اسلامی برادری کی معاشی بدحالی کی راہ میں حائل دشواریوں کا سرسری جائزہ لیا جائے تو پتہ یہ چلتا ہے کہ بینکنگ نظام کو ان دشواریوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

بینکاری نظام بلاواسطہ اور بالواسطہ کسی قوم اور ملک کے اقتصادی شعبہ پر اثر انداز ہوتا ہے، اس بینکنگ سسٹم کا دائرہ صرف ملکی سطح پر ہی نہیں بلکہ غیر ملکی سطح پر بھی پھیلا ہوا ہے لہذا بینکنگ نظام کو نظر انداز کر کے اسلامی برادری کا کوئی مثبت معاشی پروگرام مرتب کرنا دشوار ہے۔

اسلامی بینک کیوں؟

چونکہ اسلام مکمل آئین حیات ہے اور انسانی زندگی کا ٹھوس دستور ہے، لہذا اسلام کے

☆ ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ آف کامرس، دربھنگہ

پیروکاروں کو اپنے معاشی نظام زندگی کو اسلامی آئین کے دائرہ میں ہی مرتب کرنا ہوگا، مسلمانوں کا بینکنگ بھی اسلامی اصول کے تحت ضروری ہے، اسلامی اصول کے مطابق بینکنگ نظام کو استوار کرنے کے بعد ہی مستحکم معاشی نظام کی تخلیق و تنفیذ ممکن ہے، جو کسی قوم وملت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بلاسودی بینکنگ نظام:

مسلمانوں کا ایک طبقہ جو پراگندہ ذہن رکھتا ہے یہ کہتا ہے کہ بلاسودی بینکنگ نظام کی بنیاد پر ایک اچھا معاشی پروگرام مرتب کرنا دشوار ہے، یہ طبقہ غیر اسلامی اصولوں پر مرتب بینکنگ نظام کا مؤید Followers ہے، ان کے ذہن میں یہ بات گھر کر گئی ہے کہ مارشل، پیگو، رکارڈو، (Marshall, Pigo. Ricardo) جیسے لوگ ہی معاشی نظام کو مرتب کر سکتے ہیں۔

بہر حال جب ہم اسلامی بینکنگ کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد شرعی احکام کی روشنی میں اقتصادی نظام کی ترویج ہوتی ہے، اور مستقبل کا بینکنگ نظام انہی شرعی اصولوں پر مرتب ہوگا جو نہ صرف اسلامی برادری کے لیے نافع ہے بلکہ پوری انسانی برادری کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

چند ممالک میں اسلامی بینک:

اسلامی بینک کی شکل وصورت اور اس کی حیثیت مختلف ممالک میں مختلف ہے، اسلامی بینکنگ کے ماڈل کی تیاری میں تو بہت سارے پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ہوگا، اس سلسلہ میں چند نکات جو کسی بینکنگ کے قیام میں اہمیت رکھتے ہیں پیش خدمت ہیں:

(i)Reserve System

(ii)Strategic Policy

(iii)Rate of Growth

(iv)Exchange Rate

(v)Tarrif Policy

(vi)Consumption Requirement

(vii)Favourable or unfavourable Balance Payment

(viii)War period

(ix)Industrial Policy

(x)Licensing Policy

(xi)Natural Resources

یہ بنیادی نکات ایک اچھا بینکنگ نظام ترتیب وتشکیل دینے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں، لہذا کسی ملک کا بینکنگ نظام کیا ہوگا یہ ساری باتیں مختلف ملک میں مختلف ہوسکتی ہیں۔مثلاً پاکستان میں کل نفع سے ایک خاص حصہ نکال لیا جاتا ہے جو بینکنگ کے اخراجات کے لئے ہے، اس کے بعد سرمایہ کاری میں ترجیحی پہلوؤں کو شامل کر کے نفع کا بٹوارہ ہوتا ہے۔پاکستانی بینک کی خامیوں کو چند سطور میں بیان کرنا مشکل ہے، اس پر مستقل گفتگو کی ضرورت ہے، مختصراً یہ کہ پاکستانی بینک قومی تحویل میں ہیں، سوڈان میں بھی کچھ یہی صورتحال ہے، کچھ بینک آمدنی کے ایک تناسب کو انتظامی اخراجات کے لئے لیتے ہیں۔بعدہ منافع کا بٹوارہ بینک اور جمع کرنے والا Depositors کے درمیان ہوتا ہے۔

ہندوستان میں کچھ مسلم سوسائٹیاں بلاسودی بینکنگ چلاتی ہیں، جو قرض لینے والوں سے آفس کے اخراجات، لاگتی اخراجات، اور کاغذات میں ہونے والے خرچ کے نام پر وصول کرتی ہیں، جسے درست اسلامی بینکنگ پالیسی کہا جاسکتا ہے۔

اشتراکی معاشی نظام میں اسلامی بینک:

جہاں تک اشتراکی معیشت Mixed Economy میں اسلامی بینک کا تعلق ہے تو یہ مسلم ممالک سے قطعی جدا ہے، اسلامی ممالک اپنے داخلی اور خارجی بینکنگ اصول کو اپنے اسلامی قوانین کے اندر مرتب کرتے ہیں، سرمایہ کاری میں بھی اس کے لیے راہیں ہموار ہیں، جیسے:

(i)Liquidity Preference

(ii)Entrance In Productive Activity

(iii)Entrance From Market

(iv)Rate of Dividend

(v)Government Industrial Support

(vi)Exchange Policy

ان سارے اصولوں پر اسلامی بینکنگ مبنی ہے، اشتراکی معیشت (Mixed Economy) میں غیر اسلامی ممالک کے لئے بلاسودی بینکنگ نظام میں چند دشواریاں ہیں، مثلاً ہندوستانی مسلمانوں کا سرکاری بینکنگ پالیسی میں عدم شمولیت، بینکنگ کا دائرہ، انتظامی امور، نئے صنعتی میدان میں سرمایہ کاری، بینکنگ کے محدود کام کا دائرہ، صنعتی پالیسی، زرمبادلہ پر کنٹرول، زرمبادلہ کا در، محدود مارکیٹ وغیرہ وغیرہ، سارے نکات ایک بلاسودی بینک کے قیام کی راہ میں دشواریاں پیدا کرتے ہیں، تاہم اس کی گنجائش باقی ہے کہ یہاں اسلامی بینک کا قیام ہو۔

المختصر چند سطروں میں مختلف ممالک کے اسلامی بینک کے مسائل کو بیان کرنا دشوار ہے۔ اس کے لئے بینک ریسرچ کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ دشواریوں کو بہت حد تک دور کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی بینک اور غیر اسلامی بینک میں موازنہ:

اسلام سختی سے سود، لاگتی اخراجات، انتظامی اخراجات کو منع کرتا ہے، ساتھ ہی روپے اکٹھا کرنے کے دوسرے طریقے جیسے اسٹاک(Stock)، شیئر (Share) بانڈ (Bond) کی اجازت دیتا ہے، تاہم ڈبنچر (Debenture)، پری فیرنس شیئر (Preference Share) وغیرہ کو منع کرتا ہے۔

دوسری طرف اشتراکی نظام، اجارہ داری نظام اور سوشلسٹ ممالک کے بینک کا اصول اس کے برعکس ہے، ان ممالک کے بینک کے نظام میں سود کو روح کی حیثیت حاصل ہے بلکہ وہ اس نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے، تاہم دوسرے مختلف نظریہ رکھنے والے بلا سودی نظام، اسلامی بینک کے طریقہ کار کو صحت مند معاشرہ کی بنیاد مانتے ہیں۔

ذیل میں ہم کینس Keyens اور مارشل Marshall کے خیالات کو ظاہر کرتے ہیں:

کنس نے Consumption اور Acceleration کی تھیوری پیش کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ سود نہ ہی اچھے معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے، نہ ہی سرمایہ کاری کو فروغ دیتا ہے، اور نہ ہی معاشی استحکام لاتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ سرمایہ کاری خرچ کرنے کے مواقع Prospensity to consume پر منحصر ہوتا ہے۔ جس کا تعلق ذیل سے ہے:

(۱) روزگار کے مواقع (Employment)

(۲) خوشحالی (Prosparity)

(۳) معاشی ترقی (Economic Growth)

(۴) سرمایہ کاری (Investment, Saving)

یہ ساری باتیں ایک اچھے معاشی استحکام کی راہ میں مفید ثابت ہوتی ہیں، ان کا کہنا ہے

کہ معاشی خوشحالی سرمایہ کاری کی وجہ سے ہے، اور سرمایہ کاری کی بنیاد بچت ہے، بچت کا رشتہ روزگار کے مواقع کی فراہمی سے ہے، اور روزگار کے مواقع کی فراہمی کا تعلق معاشی ترقی سے ہے۔

کنس، مارشل کے اس خیال سے بالکل اتفاق نہیں کرتے کہ جیسے جیسے سود کی در میں اضافہ ہوگا سرمایہ کاری میں بھی اضافہ ہوگا، مارشل کا کہنا ہے کہ سود کی در بڑھتی ہے اور اس سے معاشرے میں استحکام آتا ہے، لیکن جہاں تک معاشی استحکام، روزگار کے مواقع صنعتی ترقی، عوام کی قوت خرید میں اضافہ اور متوازن قومی ترقی کا سوال ہے تو مارشل کا نظریہ سود کی در، اور سود پر قائم معاشی نظام عدم استحکام کو تقویت دیتا ہے، ساتھ ہی سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ دیتا ہے۔

دوسری جانب کنس نے بڑی صاف گوئی سے یہ بات کہی ہے کہ جیسے جیسے لوگوں میں اشیاء کا استعمال بڑھے گا پیداوار میں اضافہ ہوگا، پیداوار میں اضافہ کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہوگی، اور سرمایہ کاری کے مواقع ملیں گے، سرمایہ کاری اور لوگوں کی بچت زیادہ ہوگی، آمدنی میں اضافہ ہوگا، روزگار کے مواقع فراہم ہوں گے، معاشرہ میں خوشحالی آئے گی، کسی قوم اور ملک کی فلاح زندگی کے ہر شعبہ میں دکھائی دے گی، لہذا سود پر مبنی معاشرہ ناپائیدار ہے، جبکہ بلاسودی نظام مثبت اور جامع ہے، چند سطور میں اس نظریہ کو بیان کرنا مشکل ہے، لہذا عملی زندگی خواہ مسلم قوم کی ہو یا غیر مسلموں کی، یہ بات واضح ہے کہ معاشی خوشحالی اور بہتری بلاسودی بینکنگ نظام کے ذریعہ ہی ممکن ہے، چودہ سو سال پہلے اسلام نے معاشرہ کو جو معاشی نظام دیا ہے آج بھی وہ عالمی معاشیات میں بہترین نمونہ ہے اور مستقبل میں بھی رہے گا۔

ہندوستان میں اسلامی بینک کا خاکہ:

جہاں تک ہندوستان میں بلاسودی نظام کا سوال ہے تو اسے چند سطور میں پیش نہیں کیا جاسکتا ہے تاہم کچھ پوائنٹ کو سامنے رکھ کر ہم اگر چاہیں تو بلاسودی اسلامی بینک قائم کرسکتے ہیں، بلاسودی بینکنگ نظام کا طریقہ کار مختلف ممالک میں مختلف ہوسکتا ہے جو وہاں کے رسم ورواج،

حکومت کی پالیسی، سرمایہ کاری کے مواقع اور دوسرے حالات کے اعتبار سے جزوی طور پر مختلف ہوسکتا ہے، کسی ملک کا بینکنگ نظام کیا ہوگا یہ وہاں کی اقتصادیات پر مبنی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بلاسودی بینکنگ نظام کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کو دھیان میں رکھنا ہوگا:

سرمایہ اکٹھا کرنے کا اصول:

ہندوستان میں سرمایہ اکٹھا کرنا اور سرمایہ کاری کرنا دوسرے ممالک سے مختلف ہے، یہاں Depositor کو جمع کی گئی رقم پر سود دینا پڑتا ہے، جس کی لالچ میں وہ پیسہ جمع کرتے ہیں، خاص طور سے غیر مسلم اس سے بہت زیادہ متاثر ہیں، لیکن ہمارے بلاسودی نظام میں صرف Depositor کو اس بات کی ضمانت دی جائے گی کہ وہ ضرورت پر روپے نکال سکیں، اسے ہم Transaction لین دین کی سہولت بھی دے سکتے ہیں، ان سہولیات کو دینے کی صورت میں بینکنگ کچھ کمیشن لے گی نہ کہ سود دے گی، پھر اس کا لائحہ عمل علاقائی وصوبائی سطح پر طے ہوگا، لیکن ہندوستان میں اس کی نوعیت دوسری ہوگی، کمرشیل Depositors کو سود دیتی ہے، مسلم Depositor تو بلاسودی بینک نظام چاہتے ہیں، لیکن غیر مسلم روپے جمع کرنے سے گریز کریں گے، تاہم مستقبل میں وہ ہمارے اس نظام کی خوبیوں کو ماننے پر مجبور ہوں گے، انشاء اللہ اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

بلاسودی نظام میں ہم اپنے یہاں Depositors کا ۵۰ فیصد ہارڈ کیش کی شکل میں ہمیشہ رکھیں گے تو Money at call کی سہولت ہوگی، تاہم ملکی قوانین اور شرح کے تصادم سے گریز ضروری ہے۔

:Borrowing Principle

قرض دینے کی صورت میں ہم Consumption اور Production دونوں طرح کے قرض یعنی کل جمع کی گئی رقم کا ۲۰ فیصد حاجتمندوں کے درمیان تقسیم کریں گے۔ یہ قرض

حاجت مندوں کے لیے مدّتی ہوگا، اور ان سے ایک پیسہ بھی زائد نہیں لیا جائے گا، تبھی بلاسودی بینکنگ نظام ہوگا، ہاں یہ بات دھیان میں رکھنی ہوگی کہ قرض دیتے وقت زرضمانت کے طور پر ان کو دی گئی رقم کے برابر پختہ ضمانت لی جائے، جو روپیہ ادا نہ کرنے کی صورت میں ضبط کرلی جائے، قرض ادا کرنے میں قسط وار قرضہ ادا کرنے کی سہولت دی جائے، پھر حتمی فیصلہ بلاسودی بینک کے منتظمین کو کرنا ہوگا، کہ وہ کن حالات میں اور کیسے وقت میں اس طرح کے مواقع فراہم کریں گے، اس کے لئے بینکنگ کی معاشی حالت، ملکی حالات اور دوسرے حالات کو مدنظر رکھ کر اصول بنانا ہوگا۔

سرمایہ کاری اصول:

آفس کی لاگت اور ساتھ ہی دوسرے بینکنگ اخراجات سے منسلک مسائل درپیش ہیں، ظاہر ہے بلاسودی بینکنگ نظام میں آمدنی کی صورت کیا ہوگی تاکہ اخراجات کو پورا کیا جا سکے، یہ اخراجات سرمایہ کاری Investmnet سے پورے ہوں گے، ساتھ ہی Liquidity Preference theory کو دھیان میں رکھنا ہوگا۔

بینک کو چاہیے کہ بانڈ جاری کرے۔ اسٹاک (Stock) کو جاری کرے جو بلا کسی طے شدہ سود کی در کے ہوگا، ہاں نفع یا نقصان کی صورت میں اس کی ادائیگی اسی لحاظ سے ہوگی، قلیل المدت سرمایہ کاری کو زیادہ فوقیت دی جائے۔ ساتھ ہی Liquidity کی اہمیت کو نظر انداز نہ کیا جائے، لوچدار (Elastic) سرمایہ کاری سے گریز کریں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے Channels میں سرمایہ کاری سے گریز کریں جو بہت زیادہ نقصان دہ اور بہت زیادہ نفع دہ نہ ہوں۔ ماہرین اقتصادیات اور کامرس کی شمولیت اس میں ضروری ہے، الغرض یہ کہ سرمایہ کاری ساجھے دار کی صورت میں ہو، اس طرح بینکنگ اور Depositor کے مابین پارٹنرشپ کا رشتہ ہو، بینک کے اراکین، ملازمین ہوں، ساتھ ہی وہ سرمایہ کاری میں بھی حصہ لیں، تبھی ٹھوس اور

مثبت لائحہ عمل مرتب ہوگا، یہ پالیسی کچھ عجیب وغریب ہوگی، یعنی سپہ سالاری Strategical Points کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

Non- Banking Services:

اسلامی بینک کے لئے آمدنی کی دوسری صورت:

بلاسودی بینکنگ نظام کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسری طرح کی سہولت بھی اپنے گاہکوں کو فراہم کرے، یہ کسی بینک کی آمدنی کا اچھا خاصہ طریقہ ہے، موجودہ اسلامی بینک ان باتوں کو بالکل نظر انداز کئے ہوئے ہے، خواہ ہندوستان کا بینک ہو یا دوسرے ممالک کا، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ Non- Banking سہولت دے، جو معاوضہ کی صورت میں کمیشن لے سکے۔

اس طرح کی سہولت میں زیورات، دستاویزات، دوسری اشیاء کا اپنے یہاں محفوظ رکھنا، تجارتی طبقے کو معلومات فراہم کرنا، شیئر اور اسٹاک کو Under- Writing کرنا وغیرہ ہے۔

دوسرے ممالک میں بینک کا اس طرح کا کام بڑے وسیع پیمانہ پر ہے، لیکن مسلم ممالک کے بینک ان کاموں سے نابلد ہیں، جو بلاسودی بینکنگ نظام کے قیام میں رکاوٹ ہے۔ لہذا اسے دور کرنا چاہیے۔

اسلامی بینک سرمایہ اور مزدور کا ایک مشترکہ ڈھانچہ:

جہاں تک اسلامی بینک کے قیام اور دائرہ کار کا سوال ہے تو یہ سرمایہ اور مزدور کے اشتراک پر قائم ہوگا، اسلامی بینک کے قیام کا مقصد مزدوروں سے تصادم کو ختم کرنا، اسٹرائک اور لاآوٹ کو دور کرنا، سرمایہ کے Collection کو روکنا اور اسلامی برابری Islamic-Socio- Economy کا نظام قائم کرنا ہے، جو متوازن معاشی استحکام، سرمایہ اور مزدور کے درمیان باہمی تال میل سے ہی ممکن ہے، ساجھے داری کی تجارت اس سمت میں زیادہ نافع ہے، مزدور اور سرمایہ

کے میل سے ایسا تجارتی فارمولا بنایا جائے جس سے کسی قوم یا ملک کی پیداواری صلاحیت بڑھے، اور معاشرے میں خوشحالی آئے۔

اس طرح بلاسودی اسلامی بینک شیئر ہولڈر، Investor Depositor کا ایک ساجھے داری نظام ہے جو نہ صرف مادی ضرورت کو پورا کرتا ہے بلکہ روحانی اور اخلاقی کردار کی طرف لے جانے میں معاون ہے، اس طرح مزدورکش پالیسی کو دور کیا جاسکتا ہے اور اچھا معاشرہ وجود میں لایا جاسکتا ہے۔

اسلامی بینک کا عالمی ڈیولپمنٹ بینک سے رشتہ:

اوپر کی باتوں پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دنیا کا کوئی بڑا بینکنگ ادارہ اسلامی اصول کو نظر انداز کر کے نہیں رہ سکتا، مزدوروں اور مالکوں کے درمیان ٹکراؤ، پیداواری راہ میں رکاوٹ اور اخلاقی بدحالی کو دور کرنے، انسانیت کے اصول، اور معاشی خوشحالی کو بروئے کار لانے کے لیے بلاسودی اسلامی بینک کا قیام ضروری ہے، اس طرح اسلامی بینک کا خاص رشتہ International Development Bank سے ہوتا ہے، کیونکہ I.D.B (انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ بینک) بھی اپنے ممبرس ممالک کو معاشی استحکام کے لئے Zero سود کی شرح پر رقم فراہم کرتا ہے، اس طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ بلاسودی نظام کی بالادستی ہر جگہ قائم ہے، لہٰذا اسلامی بینک کا رشتہ I.D.B سے الگ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے دائرہ کار کو اور وسیع بنانے کے لئے معاونت کرنی چاہیے، اور غیر مسلم ممالک میں قائم اسلامی بینک سے قطع تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کو اپنے دائرہ کار کے اندر مقام دینا چاہیے۔

عرب ممالک کے اسلامی بینک کا طریقہ کار:

جہاں تک عرب ممالک کے بینک کا سوال ہے ان پر ایک تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے

جو ابھی ممکن نہیں، تا ہم ان ممالک کے بینکنگ کا دائرہ نہ صرف اپنے ملک تک محدود ہے بلکہ عالمی سطح تک پھیلا ہوا ہے، ان کے سامنے نہ صرف ملکی تقاضا ہے بلکہ اسلامی برادری کا مضبوط رشتہ ہے، وہ اسلامی بینکنگ نظام میں مثبت رول ادا کر سکتے ہیں۔ تا ہم ان کے سامنے چند دشواریاں ہیں، جن کو خوش اسلوبی سے حل کیا جا سکتا ہے، مندرجہ ذیل چند نکات قابل غور ہیں:

(i)Strategical Activities

(ii)Favourable Balance of Payment

(iii)Cut in Consumption Goods

(iv)Avoidation from Non-Islamic Countries Product

(v)Search of Substitution

(vi)Promotion of Business with Muslim Countries

(vii)Preference of Muslim Societies Product

(viii)To Keep Pace with Dollar & Pond

(ix)Elastic Tarrif Policy

سب سے پہلے تو ان کو چاہیے کہ فائدہ مند بچت کے اصول کو اپنائیں، یعنی زر مبادلہ پر ان کی گرفت مضبوط ہو، ایسا کرنے کے لئے ان کو ایسے ممالک کے Consumption Goods پر روک لگانا پڑے گا، یہ ان کے لیے Strategy پیدا کرتا ہے، ساتھ ہی اسلامی برادری کے اشیاء کے مصارف کو فوقیت دینی ہوگی، یہاں پر پھر ہم ان کا دھیان پچھلی باتوں کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ کنس کی تھیوری یعنی Consumption میں اضافہ اور اس میں کمی سپہ سالارانہ انداز میں کرنا ہوگا، ان کو چاہیے کہ مسلم برادری کی پیداواری صلاحیت خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے پیمانہ پر Consumption کے ذریعہ فروغ دیں۔ Tarrif Policy میں سختی اور نرمی کریں۔ آسان طور سے اسلامی برادری کے سرمایہ کا دخول اور اخراج

کریں، ساتھ ہی اسلامی برادری میں سرمایہ کاری کی عادت بالواسطہ یا بلاواسطہ ڈالیں، اس کام کے لیے ان کو ایک ایسا ادارہ قائم کرنا ہوگا جو اسلامی برادری کے معاشیات کا مطالعہ کرنے کے بعد فوراً عملی اقدام اٹھائیں، انگلینڈ کا پاؤنڈ اور امریکی ڈالر ان کو اثر انداز نہیں کرسکے، جاپان کا لیرا (Lira) بھی ان کے بینکنگ نظام میں دشواری حائل نہ کرسکے۔

عالمی مسلم بینک کا قیام:

اخیر میں میں یہ کہوں گا کہ ایک عالمی مسلم بینک کا قیام عمل میں لایا جائے جو مسلم برادری کے لئے ایک چیلنج ہے، اس کا قیام جتنا جلد ممکن ہوسکے عمل میں لایا جائے، اور سارے مسلم ممالک اس کے ممبران ہوں، ماہرین کی ٹیم ہر ماہ رابطہ قائم کرے اور تجارتی وصنعتی شعبہ کے ماہرین کو اس میں شامل کرکے ایک ایسا عالمی بینکنگ نظام قائم کیا جائے جو حالات اور وقت کے تقاضوں کو پورا کرسکے، اس کے لیے ٹریڈ اور کامرس کے ماہرین کی خدمت ضروری ہے۔ ماہرین کامرس مل کر ایک مضبوط بینکنگ قلعہ بنائیں، ساتھ ہی موجودہ قدرتی وسائل کا استعمال اس طرح کریں کہ اسلامی برادری کے Consumption کو فروغ ملے۔

☆☆☆

پرائیویٹ بینکاری کی راہ میں حائل دشواریاں اور ان کے حل کے راہنما خطوط

مولانا نظام الدین رضوی ☆

کل ۱۱/ اگست ۱۹۹۱ء کو ماہرین بینک کی جو رپورٹ مجلس مذاکرہ میں پیش ہوئی ہے اس میں اسلامی بینک کاری کے سلسلے میں چند ناگزیر دشواریوں کا بار بار تذکرہ آیا۔ نیز یہ بات دہرائی گئی کہ ان دشواریوں کو حل کئے بغیر ملکی قانون کے تحت بینک نہیں چلائے جاسکتے۔ یا پھر انہیں سرمایہ کاری کے میدان میں کوئی قابل ذکر فروغ نہ مل سکے گا، جس سے ان کا وہ اہم مقصود فوت ہو کر رہ جائے گا جو ان کے قیام سے متوقع تھا، وہ دشواریاں یہ ہیں:

ا- ملکی قانون کے تحت کسی بھی پرائیویٹ بینک کو اپنی تحویل میں آئی ہوئی رقم کا 53.50 فیصد حصہ سرمایہ کاری کے طور پر ریزرو بینک اور منظور شدہ تمسکات میں لگانا لازمی ہے، اس میں سے 15 فیصد ریزرو بینک کے کھاتہ میں جمع ہوگا جس کے 12 فیصد حصہ پر 10.50 فیصد کے در سے وہ سود دے گا اور بقیہ 38.50 فیصد حصہ سود کی اوسط شرح 8 فیصد پر تمسکات میں لگے گا۔

اب پرائیویٹ بینک کے پاس صرف 46.50 فیصد حصہ باقی رہ جائے گا جسے منافع بخش کام میں لگانے سے حاصل ہونے والی آمدنی بینک کے اپنے اخراجات کے لئے بھی ناکافی ہوگی۔ اور اسلامی قانون کے تحت ہم گورنمنٹ سے سود نہیں لے سکتے۔ اس لئے اسلامی بینک چلانا

☆ خادم الافتاء دار العلوم الاشرفیہ مبارکپور۔

بیحد مشکل امر ہے۔

۲- اجارہ یا کرایہ خرید کے طور پر سرمایہ کاری کی جائے تو یہ ملکی قانون ''بینکوں کے لئے قرض رواو تجارت ممنع'' کے خلاف ہوگا، ساتھ ہی یہاں بھی سود کا خوف دامن گیر ہے۔

۳- بینک اپنی تحویل میں آئی ہوئی رقم سے مضاربت کرے تو اس میں بہت بڑی قانونی دشواری یہ ہے کہ بینک اپنے مضاربین کو 15% سے زیادہ نفع نہیں دے سکتا۔

اب ان دشواریوں کے سلسلے میں راہنما خطوط ملاحظہ فرمائیے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ ہماری دشواریوں کے قطعی حل ہیں مگر یہ حل کے راہنما خطوط ضرور ہیں، ہماری کوشش یہ ہوگی کہ یہ خطوط سب کے لئے قابل عمل ہوں۔

حکومت کے بینکوں اور تمسکات سے حاصل ہونے والی زائد رقم کی شرعی حیثیت اور اس کے حل کے راہنما خطوط

لائف انشورنس کے مسئلے میں ہم نے اس امر کی قدرے وضاحت کر دی ہے کہ یہاں کی حکومت کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں، مال مباح ہے کہ یہاں بوجہ تغلب عملی طور پر غیر مسلموں کی حکومت ہے، اور یہ غیر مسلم نہ ذمی ہیں، نہ مستأمن، اس لئے ان کا مال اصالۃً مباح ہے، اور یہی حکم موجودہ حکومت کے بینکوں کا بھی ہے، چونکہ ہم نے دستور ہند کی پابندی کا معاہدہ کیا ہے اس لئے غدر اور بدعہدی کے سوا جس طور پر بھی حکومت کا مال اس کی رضامندی سے ملے اسے لینا جائز وحلال ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

"(لأن مالهم مباح) وإطلاق النصوص في مال محظور وانما يحرم على المسلم اذا كان بطريق الغدر (فاذا لم يأخذ غدراً فبأي طريق يأخذه حل، بعد كونه برضاه" (فتح القدیر مع شرح ثلاثہ ص ۱۸۷/۶ قبل باب الحقوق)۔

تو مالیاتی ادارہ خواہ فلاحی تنظیم ہو، یا تجارتی، اسے حلال ہے کہ ریزرو بینک یا حکومت

کے کسی بھی بینک میں روپے جمع کرنے پر جو کچھ زائد رقم ملے اسے مباح سمجھ کر وصول کر لے اور جس مصرف میں چاہے خرچ کرے، یہی حکم گورنمنٹ کے منظور شدہ تمسکات میں روپے لگانے کا بھی ہے۔

علمائے مانعین کے بطور جواز کی راہ:

جو علماء بینک یا تمسکات کے ذریعہ حاصل ہونے والی زائد رقم کو سود قرار دیتے ہیں ان کے مطابق فلاحی تنظیموں کے لئے کلی طور پر، اور تجارتی تنظیموں کے لئے جزوی طور پر ''حیلہ'' اور ''طریق کار میں معمولی ترمیم'' کے ذریعہ شریعت کے حدود میں رہ کر یہ زائد رقم مصارف مخصوصہ میں لگانے کی گنجائش موجود ہے۔

(۱) اس امر پر مانعین کا بھی اتفاق ہے کہ زائد رقم کو بینک سے حاصل کر لیا جائے، اور ان کے بطور صحیح یہ ہے کہ اس کا تصدیق بلا نیت ثواب دفع خبث کے لئے واجب ہے۔ ادارہ جب فلاحی تنظیم ہو تو یہ زائد رقم ادارے کے مالکان یا امانت رکھنے والوں کو نہیں ملتی بلکہ صرف رفاہی کاموں میں ہی صرف ہوتی ہے، اور ساتھ ہی اس تنظیم کے ذریعہ مسلم معاشرہ کو بینکوں اور مہاجنوں سے سودی قرض کے لین دین سے بچایا جاتا ہے، تو رفاہی کاموں کی مصلحت اور مسلمانوں کو سودی قرض کی آلودگی سے بچانے کے پیش نظر فلاحی تنظیموں کو سود سے بچنے کے لئے حیلہ کی اجازت ہوگی، جیسا کہ کچھ ایسے ہی حالات میں فقہائے کرام نے بیع عینہ کی اجازت دی ہے بلکہ اسے مستحسن بھی قرار دیا ہے، حالانکہ یہ بیع سود سے بچنے کا ہی حیلہ ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں (بیع عینہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح القدیر ۶/ ۳۲۴ کتاب الکفالۃ)۔

''حیلہ'' یہ ہے کہ فلاحی تنظیم زائد رقم کو وصول کر کے کسی مسلمان فقیر کو اس کا مالک بنادے، ساتھ ہی اس پر قبضہ بھی دیدے، پھر وہ اپنی طرف سے رفاہی کاموں میں خرچ کرنے کے لئے فقیر کو پہلے حیلہ سے واقف کر کے اس کی طرف سے رقوم کی واپسی پر اعتماد حاصل کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس طرح رفاہی کاموں میں وہ رقم صرف کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ رسول

اللہ علیہ ﷺ کا ارشاد ہے:"ھی لھا صدقة ولنا ھدیة "(متفق علیہ)۔"ونظیرہ المشتری شراءً فاسداً إذا أباح لغیرہ ولا یطیب لہ ولو ملکہ یطیب" (ہدایہ ۳/ ۳۴۳ کتاب المکاتب)۔

لیکن تجارتی تنظیم کو یہ حیلہ کرنے کی اجازت نہیں کہ اس کا مقصد مسلمانوں کو سودی قرض سے بچانا نہیں ہے بلکہ محض اپنی کمائی اور تجارت کا فروغ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ ملنے والی زائد رقم کو فلاحی کاموں میں صرف کرنے کے بجائے بشمول اصحاب مال باہم تقسیم کر لیتے ہیں، تو یہاں حیلہ کے جواز کی ضرورت مفقود ہے۔

۲- گورنمنٹ کے منظور شدہ تمسکات کے ذریعہ جو فاضل آمدنی ہوتی ہے اس کے جواز کے لئے تمسکات کے لینے دینے کے وقت محض طریق کار میں تھوڑی سی ترمیم کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ تمسکات کو لیتے وقت یہ صراحت کردیں کہ میں یہ تمسک اتنے روپے میں خریدتا ہوں اور واقعی خریدنے کی نیت بھی رکھیں، پھر دوسرے فریق کا اسے دینا بطور تعاطی قبول قرار پائے گا، یا اس سے بھی صراحۃً قبول کرالیں اور جب جمع کردہ رقم وصول کرنا ہو تو صاف صاف کہدے کہ میں اس تمسک کو اتنے روپے میں بیچتا ہوں ــــــ واضح ہو کہ خریدتے وقت ثمن اتنے روپے بتائے جتنے روپے تمسک پر تحریر ہیں، یا اسے جتنے روپے کی ادائیگی کرنا ہے، اور بیچنے کے وقت ثمن اتنے روپے بتائے جتنے روپے اضافہ کے بعد اسے وصول ہوں گے۔ فتح القدیر میں ہے:"لو باع کاغذة بألف یجوز ولا یکرہ" (فتح القدیر مع شروح ثلاثہ ۶/ ۳۲۴ کتاب الکفالۃ)۔

یہ تاویل فلاحی اور تجارتی دونوں طرح کی تنظیموں کے لئے کارآمد ہے، ریزروبینک میں امانتوں کا کچھ حصہ اگر جمع کرنا اختیاری ہو یا اختیاری تو نہ ہو لیکن تمسکات کی خریداری کو وہ جمع کا متبادل تسلیم کرلے تو صرف تمسکات کی خرید فروخت کریں کہ یہ مجوزین ومانعین دونوں طبقے کے علماء کے نزدیک بالاتفاق جائز بھی ہے اور دونوں طرح کی تنظیموں کے لئے کارآمد بھی۔

۳- علاوہ ازیں اگر موجودہ دور کے علماء کا فقہی اختلاف لائق اعتناء ہو، اور ہونا

ی چاہیے، تو مسئلہ دائرہ کے حکم امتناعی میں کافی تخفیف ہو جائے گا، اور زائد رقم کا استعمال حرام ہونے کے بجائے محض غیر اولی ہوگا کہ اختلاف علما باعث تخفیف ہوتا ہے، اور حدیث پاک میں تو اسے ''رحمت'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا: "اختلاف أمتی رحمة للناس" (أورده ابن الحاجب في المختصر وقال ملا علي القاري: ان السيوطي قال: أخرجه نصر المقدسي في الحجة، والبيهقي في الرسالة الا شعرية بغير سند، ورواه الحليمي والقاضي حسين وامام الحرمين وغيرهم ولعلّه خرّج في بعض كتب الحفاظ التي لم تصل الينا الخ (ردالمحتار ۱/۴۶))۔ درمختار میں ہے: "يندب للخروج من الخلاف'' (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ۱/۹۹ عند مسئلۃ نقض الوضوء بمس الذکر)۔

ایسے دور میں کہ بینکوں میں روپے جمع کرنا اور ملکی تمسکات میں روپے لگانا ابتلاء عام کی شکل اختیار کر چکا ہے اور بہت سے امور میں یہ ہمارے لئے ناگزیر بھی ہے۔ زیر بحث زائد رقم کو حرام قرار دیکر عامۂ اہل اسلام کو گنہگار، فاسق اور مرتکب کبیرہ بنانے کے بجائے اختلاف علماء کے پیش نظر نرمی و آسانی کی راہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے کہ ایک تو خود ابتلاء عام موجب تخفیف ہے، اور دوسرے یہ مسئلہ بجائے خود غیر منصوص ومختلف فیہ ہے، لہذا ہمیں تنگی کے بجائے کشادگی ہی فراہم کرنا چاہئے۔" یر يد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر '' (سورۂ بقرہ ۱۸۵)۔"وما جعل عليكم في الدين من حرج"(سورۂ حج: ۷۸)۔''المشقة تجلب التيسير" ۔" الامر اذا ضاق اتسع "(الاشباہ والنظائر/ ۹۵ -۱۰۷)۔

وجوہ اربعہ سے جواز کی گنجائش نہیں نکلتی:

زیر بحث زائد رقم کے سود ہونے کی تقدیر پر فلاحی تنظیموں کے مصارف میں اس کے استعمال کے جواز کے لئے جو چار وجوہ پیش کی گئی ہیں ان سے جواز کی گنجائش نہیں نکلتی، کیونکہ سود لینا اور اس کا استعمال بہر حال حرام ہے گو کہ تنظیم کا اصل مقصود سود کمانا نہ ہو، اور بلا ارادہ وہ خود مل جائے کہ قصد و ارادہ نہ ہونے سے شئی کی حقیقت نہیں بدل جاتی، جب وہ مال اپنی ماہیت کے

اعتبار سے سود ہے تو وہ بہر حال سود ہی رہے گا، خاص طور پر اس صورت میں کہ ''جمع وتمسکات'' کے ذریعہ سود کا حصول عرفاً معلوم ہے جو مشروط کے درجہ میں ہے: ''**المعروف کالمشروط**'' (الاشباہ والنظائر ۱۲۰، المبحث الثالث من القاعدۃ السادسۃ) قرآن پاک میں بغیر کسی تفصیل کے مطلقاً ارشاد فرمایا گیا: ''**وحرم الربوا**''۔

ملکی قانون کے تحت اگر یہ ''جمع'' یا ''تمسک'' ایسا لازمی ہو کہ اکراہ کی صورت متحقق ہو جائے تو اس سے مکرہ کے لئے صرف جمع وتمسک کا جواز حاصل ہوگا جس میں کوئی اختلاف نہیں مگر اس سے سود کے لینے اور مصارف میں اس کے استعمال کرنے کا جواز نہ ثابت ہوگا کہ ملکی قانون نے نہ تو ہمارے لئے سود لینا لازمی گردانا ہے اور نہ ہی اس کے استعمال کے لئے ہم پر کوئی دباؤ ڈالا ہے، ہمیں اس کے لینے یا نہ لینے کا کلی اختیار ہے۔

''کرایہ خرید'' کے جائز طریقے:

''کرایہ خرید'' کا معاملہ در اصل ''بیع بشرط اجارہ'' ہے، اور بعض علماء کے مطابق ''اجارہ بشرط بیع'' ہے، اور بہر حال ناجائز ہے کہ بیع کے ساتھ اجارہ کی شرط، یا اجارہ کے ساتھ بیع کی شرط تقاضائے عقد کے خلاف ہے جس میں احد المتعاقدین کے لئے نفع ہے، نیز یہ ایک ہی عقد میں دو عقد ہے جس سے حدیث پاک میں ممانعت فرمائی گئی ہے، مگر اس معاملہ کے طریقہ کار میں تھوڑی سی ترمیم کردی جائے تو یہ بہر حال جائز ہو جائے گا، ترمیم یا جواز کے دو طریقے ہیں:

۱- بینک اپنے سامان کو اپنی قیمت خرید مع لاگت پر ایک معین نفع بتا کر بطور ''مرابحہ'' یا لاگت اور نفع کا ذکر کئے بغیر کچھ بھی نفع کے ساتھ دام مقرر کر کے بطور ''بیع مطلق'' خریدار کے ہاتھوں ادھار قسطوں پر بیچ دے، اور بہر صورت اسے اختیار رہے کہ جتنا چاہے نفع لے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ کے بینکوں کے شرح سود کے مطابق نفع جوڑ کر اپنے سامان کا دام بتائے۔ مثلاً ایک سامان کی قیمت خرید مع لاگت =/2000 روپیہ ہے، جس کا سود 22 مہینے

میں 242/65 روپے ہے، اسلامی بینک اپنے خریدار سے معاملہ یوں طے کرے کہ ہمیں یہ سامان =/2000 روپے کا پڑا ہے، ہم نے اسے 242/65 روپے کے نفع کے ساتھ 2242/65 روپے میں بیچا، اور خریدار اسے قبول کر لے، یہ "بیع مرابحہ" ہے، یا چاہے تو لاگت اور نفع کی مقدار بتائے بغیر یوں بیع کرے کہ ہم نے یہ سامان تمہارے ہاتھ 2242/65 روپے میں بیچا، اور وہ قبول کر لے، یہ "بیع مطلق" ہے۔ بہر صورت جتنے مہینے کے ادھار پر یہ بیع ہوئی اتنے مہینوں پر پورے دام کو تقسیم کر کے ہر ماہ کی قسط کا تعین کر دے۔

اگر دام کی وصولی مشتری سے کسی وجہ سے متعذر ہو جائے اور یہ گمان غالب ہو کہ اب رقم ڈوب جائے گی تو بینک کو اجازت ہے کہ اپنے دین کی مقدار رقم اس سے بجبر حاصل کر لے خواہ وہ اس کے دین کی جنس سے ہو، یا غیر جنس سے۔ البتہ یہ اشد ضروری ہے کہ اپنے دین سے ایک ذرہ بھی زیادہ نہ لے، اور اگر خود شئ مبیع کو اپنی تحویل میں لے کر بیچے تو بازار بھاؤ سے کم میں ہرگز نہ بیچے، اور قدر دین سے زیادہ جتنی بھی رقم فاضل بچ جائے وہ سب مشتری کو واپس کر دے کہ مال غیر میں تصرف حرام ہے، علاوہ ازیں صحت بیع کے لئے بھی فاضل رقم کو اسے واپس کرنا ضروری ہے، کیونکہ اغلب یہ ہے کہ وہ اس بیع کی اجازت نہ دے گا اس لئے وہ بیع فضولی ہوگی، اور جب وہ اس مبیع کے ثمن سے کچھ قبول کر لے گا تو یہی دلالت اس کی طرف سے ہوگی اور بیع نافذ و درست ہو جائے گی، فتاوی رضویہ میں ہے:

"جو نیلام باجازت مالک ہو مطلقاً جائز ہے، یا بعد بیع مالک اجازت دیدے، مثلاً سو روپے قرض تھے ایک سو دس میں نیلام ہوا، دس کے زائد تھے مالک کو دئے گئے اور اس نے قبول کر لئے تو اب یہ جائز ہو گیا اگر چہ ابتداءً ناجائز تھا،" فإن للإجازة اللاحقة كالوكالة السابقة"، یہ درمختار (۷/ ۱۳) میں ہے۔

اسی طرح شامی (۵/ ۹۵) میں جو تفصیل درج ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بیع مرابحہ کے طور پر ہو یا بیع مطلق کے طور پر بہر حال جائز ہے اور ساتھ ہی خاطر خواہ نفع کا ذریعہ

بھی ، اور چونکہ یہ غیر سودی ادھار بیع ہے جو ایک طرح کا قرض ہے اس لئے یہ "بینکوں کے لئے تجارت منع قرض روا" کے اصول کے عین مطابق بھی ہوگا۔

۲- سامان کو بیچنے کے بجائے اجارہ کا ایجاب وقبول کر کے اسے کرایہ پر دیدے، تفصیل بالا کے مطابق لاگت ونفع جوڑ کر مجموعی میزان کو مدت اجارہ کے مہینوں پر تقسیم کر کے حاصل قسمت کو ماہانہ کرایہ مقرر کردے، مثلاً سامان کی کل لاگت مع نفع =/2000 روپے ہے، بیس ماہ کے لئے کرایہ پر دیا تو ماہانہ قسط =/100 روپے مقرر کردے، یا جو طریقہ آسان ہو وہ عمل میں لائے، ماہانہ قسطوں کے تعین کے ساتھ جب ایجاب وقبول کے ذریعہ "عقد اجارہ" مکمل ہوجائے تو اس کے بعد بینک کرایہ دار سے یہ معاہدہ کرسکتا ہے کہ "کرایہ کی تمام قسطوں کے ادا ہوجانے کے بعد تمہیں حق ہوگا کہ =/1 روپیہ کے عوض تم یہ سامان خرید لو"، یا اگر تم نے ماہ بماہ تمام اقساط کی ادائیگی کردی تو میں تمہارے ہاتھ اسے بیچ دونگا، اور بینک حسب وعدہ میعاد مقررہ پر کرایہ دار کے مطالبہ کی صورت میں وہ سامان اس کے ہاتھ بیچ دے کہ ایفائے عہد لازم ہے۔

اس معاملہ کی شکل ٹھیک "کرایہ خرید" کی ہے مگر اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں کہ یہاں شرط بیع عقد اجارہ کے مقارن نہیں ہے، اور مفسد وہ شرط ہوتی ہے جو عقد کے مقارن ہو یعنی عقد کا وجود اسی شرط کے ساتھ مقترن ہوکر ہو، جیسے کرایہ خرید کا رائج معاملہ کہ اس میں عقد کا وجود بیع کی شرط کے ساتھ مقترن ہوکر ہی ہوتا ہے، ایک دوسرے سے منفک وجدا نہیں ہوتا، مگر یہاں ایسا نہیں، کیونکہ یہاں تو عقد اجارہ پہلے ہی موجود ہوچکا ہے پھر بعد میں بیع کا معاہدہ ہوا ہے تو یہ عقد اجارہ سابق کی شرط نہ ہوا، بلکہ یہ الگ سے ایک وعدہ بیع ہے جس کا اجارہ سے کوئی قطعی لگاؤ نہیں، اس لئے یہ معاملہ اجارہ بشرط بیع نہ ہوا، بلکہ خالص اجارہ ہوا، چونکہ بعد میں مالک نے کرایہ دار سے مشروط طور پر وعدہ بیع بھی کرلیا ہے، جس کا ایفاء اس پر لازم ہے، اس لئے اسے بھی "کرایہ خرید" کہا جاسکتا ہے، اور یہ شرعی کرایہ خرید ہوگا۔

طریق کار میں تھوڑی سی ترمیم کرنے سے اجارہ بھی جائز ہوگیا ساتھ ہی خاطر خواہ نفع

بھی مل گیا، اور رائج معاملہ کرایہ خرید سے کسی کرایہ دار کا جو مقصود ہوسکتا ہے وہ بھی حاصل ہوگیا، درمختار میں مذکور "ولا بیع بشرط" کے ذیل میں شامی نے تفصیل سے بحث کی ہے (ملاحظہ ہو: ردالمحتار ۴/ ۱۴۰-۱۴۱)۔

ہدایہ میں ہے: **الاجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع الخ** (۳/ ۲۵۸)۔

کاغذات کی خانہ پری:

اسلامی بینک کو یہ اختیار رہے کہ قانون شکنی سے بچنے اور اپنے آمدنی کھاتہ کو قیمت کے عظیم خلل سے بچانے کے لئے کاغذات کی خانہ پری جس طور پر چاہے کرے، ہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ خانہ پری ایسے موزوں ومحتمل الفاظ سے ہو کہ کام بھی چل جائے اور کذب بھی نہ لازم آئے، مثلاً یوں لکھے:

''فلاں سامان، فلاں شخص کو بطور کرایہ خرید دیا گیا، سامان کا پورا دام وصول ہونے کے بعد اسے حق ہوگا کہ سامان کو ایک روپیہ دے کر خرید لے، اور بینک اپنے وعدہ کے مطابق اسے ملکیت منتقل کرنے پر مجبور ہوگا'' (یا اس کے مثل کوئی اور عبارت)۔

اس میں کوئی بات جھوٹ نہیں ہے اور قانونی گرفت سے پاک بھی ہے، کیونکہ لفظ ''کرایہ خرید'' کی حقیقت سے ہماری مراد اپنی مخصوص شرعی اصطلاح ہے جس کی حقیقت رائج ''کرایہ خرید'' کی حقیقت سے مختلف ومتباین ہے، اس لئے سچ ہے، اور قانونی گرفت اس لئے نہ ہوسکے گی کہ حکومت کے بطور کرایہ خرید کا معاملہ قرض ہے، تجارت نہیں ہے۔ ''پورا دام وصول ہونے'' سے مراد پورا کرایہ ہے، یہ اس لئے سچ ہے کہ جو رقم پورا کرایہ ہے وہ سامان کا پورا دام بھی ہے، یعنی قیمت خرید مع لاگت ونفع۔

ہاں دام میں نفع نہ جوڑیں تو طے شدہ کرایہ، دام سے کچھ زیادہ ہوگا، مگر زائد میں قلیل تو لازمی طور پر موجود ہوتا ہے، لہٰذا اب بھی سچ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی پر دس روپے قرض ہوں

اور وہ یہ کہے کہ مجھ پر پانچ روپے قرض ہیں تو وہ کاذب نہ ہوگا کہ دس میں پانچ تو داخل ہی ہے، علاوہ ازیں دام عین کا ثمن ہوتا ہے اور کرایہ نفع عین کا، اس لئے بھی کرایہ کو مجازاً دام کہنا صحیح ہے، اور چونکہ کاغذ میں یہ کرایہ شئی مستعمل کا دام درج ہے اس لئے آمدنی کھاتہ میں کچھ بھی خلل واقع نہ ہوگا، نیز کرایہ کی وصولی متعذر رہونے کی صورت میں بینک کو اپنا سامان واپس لینے کا مکمل اختیار بھی ہوگا۔

بیع مطلق و بیع مرابحہ کی صورت میں بھی معاہدہ کی صورت یہی ہوگی اور اسی تفصیل کے مطابق وہاں بھی کوئی بات جھوٹ نہ ہوگی، ثمن یا دام پر لفظ ''کرایہ'' کا اطلاق مجازاً درست ہے جیسے کہ ''کرایہ'' پر دام کا اطلاق درست ہے تو وہاں ''کرایہ خرید'' کا معنی ''قیمت خرید'' ہوگا اور یہ ''کرایہ خرید'' دونوں صورتوں میں بینک کی نئی اصطلاح قرار پائے گا۔

جواز کے یہ دونوں طریقے ''رائج کرایہ خرید'' کے جائز متبادل ہیں، اور دونوں میں سے ہر ایک پر عمل جائز و درست ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے طریقہ پر عمل کریں کہ اس میں سہولت و آسانی زیادہ ہے۔

مضاربت کی دشواری کا حل:

مضاربت کے جواز اور صحت کے لئے یہ کافی ہے کہ نفع اور نقصان دونوں میں شرکت ہو، اور یہ شرکت شائع ہو یعنی فیصد کے لحاظ سے نفع، نقصان مقرر ہو خواہ نفع کا یہ طے شدہ فیصد رب المال اور مضارب میں مساوی ہو، یا کم و بیش، پھر کمی بیشی کی بھی کوئی حد مقرر نہیں، نفع کا فیصد کسی بھی فریق کے لئے کم سے کم بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی، تو مضارب کے لئے اگر 15 فیصد نفع میں شرکت طے ہو تو اس میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی خرابی نہیں، ہاں عمل میں دشواری ہوسکتی ہے ممکن ہے کہ اتنے قلیل نفع پر شرکت میں کام کرنے کے لئے کوئی آمادہ نہ ہو، اس کا حل یہ ہے کہ بینک اور مضارب جتنا چاہیں باہمی معاہدہ سے نفع میں شرکت زبانی طور پر طے کرلیں مگر

کاغذات کی خانہ پری میں مضارب کا حصہ 15 فیصد ہی درج کریں۔

یہ جھوٹ نہ ہوگا کیونکہ کثیر میں قلیل داخل ہوتا ہے اور بینک پر حسب معاہدہ نفع کا طے شدہ فیصد ادا کرنا لازم ہوگا کہ اعتبار زبانی معاہدہ کا ہے، نہ کہ اس کا جو کاغذ میں درج ہوا، فتاوی خیریہ میں ہے:" الاعتبار بما تلفظا ، لا بما کتب فی الصک "۔

☆☆☆

غیر سودی بینکاری - مسائل اور ان کا حل

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ☆

غیر سودی بینکاری عصر حاضر کی ایسی ملی ضرورت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس پر غور کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ سود کی اصل حیثیت پر بھی نگاہ ڈال لی جائے۔ یہ طے ہے کہ سود کی حرمت فروعی واستنباطی نہیں ہے بلکہ منصوص وقطعی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''و أحل الله البيع و حرم الربا'' (سورۂ بقرہ: ۲۷۵)۔

اور حرمت ربا کی آیت کے نزول کے بعد سود کا بقایا وصول کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے اور اسے ایمان کے لئے بمنزلہ شرط قرار دیا گیا۔

''يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا مابقي من الربا إن كنتم مؤمنين'' (سورۂ بقرہ: ۲۷۸)۔

(اور جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئیں ان کے لئے خدا کی طرف سے اعلان جنگ ہے)۔

''فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تُظلمون'' (سورۂ بقرہ: ۲۷۹)۔

(تم تائب ہو جاؤ تو تمہارے لئے راس المال ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے)۔

☆ ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

''الذین یاکلون الربوا لا یقومون إلا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس'' (سورۂ بقرہ:۲۷۵)۔

(جولوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے خبطی بنادیا ہو)۔

اس سے بھی زیادہ شدید وعید اور سودخوار کے لیے نارجہنم کی تیاری اس طرح بیان کی گئی ہے:

''یا أیها الذین امنوا لا تأکلوا الربا أضعافاً مضاعفةً واتقو الله لعلکم تفلحون، واتقو النار التی أعدت للکافرین'' (سورہ آل عمران:۱۳۰)۔

(اے ایمان والو! سود بڑھا چڑھا کر مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاسکو، اور ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔

اس آیت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں یہ سب سے زیادہ خوفناک آیت ہے:

کان أبو حنیفة یقول : هی أخوف آیة فی القرآن حیث أوعد المؤمنین بالنار المعدة للکافرین إن لم یتقوه فی اجتناب محارمه (تفسیر مدارک التنزیل ۱/۱۴۱)۔

(حضرت امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت قرآن میں سب سے زیادہ خوف میں ڈالنے والی ہے۔ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے اس آگ کا وعدہ کیا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اگر وہ لوگ اللہ کے محارم سے نہ ڈریں)۔

سود کی حرمت جس طرح قطعی ہے اسی طرح مطلق بھی ہے اور موبّد بھی۔ حضرت عمر فاروقؓ سے آیت حرمت ربا ''أحل الله البیع وحرم الربا'' کے بارے میں روایت ہے:

''إن آخر ما نزلت آیة الربا وان رسول الله ﷺ قبض ولم یفسرها

لنا، فدعوا الربوا و الريبة" (رواہ ابن ماجہ والدارمی-مشکوۃ المصابیح ۶/۲۴۳)۔

(سب سے آخر میں آیت ربوا نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر ربوا کی پوری وضاحت ہمارے لیے نہیں فرمائی، پس ربوا اور شبہ ربوا کو چھوڑ دو)۔

علامہ طیبی اس ذیل میں تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی "إن هذه آية ثابتة غير منسوخة غير مشتبهة فلذلك لم يفسرها النبي ﷺ فاجروها على ما هي عليه و لا ترتابوا فيها و اتركوا الحيلة في حل الربوا" (حاشیہ مشکوۃ المصابیح نقلاً عن اللمعات والمرقات ۶/۲۴۳)۔

(یعنی یہ آیت کریمہ ثابت ہے، منسوخ نہیں ہے اور نہ مشتبہ ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ لہذا اسے اپنی حالت پر باقی رکھو اور اس میں شک نہ کرو، اور ربوا کو حلال قرار دینے والا حیلہ چھوڑ دو)۔

یہ آیات اور اس ذیل کے آثار صراحتاً دلالت کر رہے ہیں کہ سود حرام ہے۔ اس لیے ہر حال میں اس سے بچنا لازم ہے۔ اور جہاں سود کے بارے میں اشتباہ پیدا ہوا سے بھی سود کے حکم میں داخل کر کے اس سے احتیاط ضروری ہے، اور یہ کہ اس بارے میں حیلہ تلاش کرنا تقاضۂ ایمان کی منافی ہے۔

علامہ ابن رشد نے "ربا" کی دو قسم کی ہے: "ربا الدیون" اور "ربا البیوع"۔ اور لکھا ہے کہ ربا الدیون "ربا الجاہلیۃ" ہے (بدایۃ المجتہد ۲/۱۲۸)۔ اس وقت یہی "ربا" عام طور پر رائج تھا۔ امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں آیت ربا کے ذیل میں لکھا ہے:

"والربا الذي كانت العرب تعرفه وتفعله إنما كان قرض الدراهم والدنانير إلى أجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به هذا كان المتعارف المشهور بينهم، ولذلك قال الله تعالىٰ: وما آتيتم من رباً ليربوا في أموال الناس فلا يربوا عند الله فأخبر أن تلك الزيادة إنما كانت ربا في المال

العين لأنه لا عوض لها من جهة القرض '' (أحکام القرآن للجصاص ۱/ ۴۶۵)۔

(اور ربوا جو اہل عرب کے نزدیک معروف ومروج تھا اس کی صورت یہ تھی کہ دراہم ودنانیر ایک مدت کے لیے قرض پر لیے جاتے پھر اصل رقم کے ساتھ کچھ اضافہ کر دیا جاتا جس پر فریقین رضامند ہوتے، یہی طریقہ ان کے نزدیک متعارف ومشہور تھا، اور اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اور جو تم سود دیتے ہو کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے اموال میں زیادتی ہوگی لیکن اللہ تعالی کے نزدیک اس میں بڑھوتری نہیں ہوتی۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ ربوا عین مال میں ہوتا تھا، اس لیے کہ قرض کی جہت سے اس کا عوض نہیں ہوتا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایام جاہلیت میں قرض بشرط الزیادہ رائج تھا، اور یہی وہ ربا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ختم کرنے کا اعلان ان الفاظ میں کیا تھا:

''ألا إن ربا الجاهلية موضوع وأول رباً أضعه ربا العباس بن عبد المطلب'' (بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۲۸)۔

اس لیے آثار میں قرض دینے والے کو کہا گیا ہے کہ وہ قرض لینے والے سے نہ تو ہدیہ لے اور نہ اس کی سواری پر چڑھے، الا یہ کہ پہلے سے ہدیہ لینے دینے کی عادت ہو۔

''قال رسول الله ﷺ :إذا أقرض أحدكم قرضا فأهدى له، أو حمله على الدابة فلا يركبها ولا يقبله إلا أن يكون جرى بينه وبينه قبل ذلک'' (ابن ماجۃ کتاب الاحکام، باب القرض)۔

بلکہ جس جگہ سود کا شیوع عام ہو جیسے کہ اس زمانہ میں بالخصوص ہندوستان جہاں ہر چیز میں سود ہے، ایسی جگہ تو قرض دینے پر کسی قسم کا فائدہ ربا میں داخل ہوگا۔ امام بخاری نے ابوبردہ سے روایت کیا ہے:

''قال: أتيت المدينة، فلقيت عبد الله بن سلام رضي الله عنه، فقال: ألا تجئ فأطعمک سويقاً وتمراً وتدخل في بيت ثم قال: إنک بأرض (يقصد

العراق) الربا بها فاش، إذا كان لك على رجل حق فأهدى إليك حمل تبن أو حمل شعير أو حمل قتّ فلا تأخذه فإنه ربا'' (بخاری: کتاب المناقب، باب مناقب عبداللہ بن سلامؓ) (انہوں نے کہا کہ میں مدینہ آیا تو عبداللہ بن سلام سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے ستو اور کھجور پر اپنے گھر مدعو کیا۔ پھر فرمایا کہ آپ ایسے ملک (یعنی عراق) میں رہتے ہیں جہاں ربا عام ہے، اگر کسی آدمی پر آپ کا کوئی حق ہے اور وہ آپ کو گھاس، جو یا بھوسہ کا کوئی گٹھر ہدیہ میں دے تو اس کو مت لیں، اس لئے کہ یہ ربا ہے)۔

اسی لیے فقہاء نے یہ اصول تحریر کیا ہے کہ "كل قرض جرّ منفعة فهو ربا''، اور اس بارے میں حضرت علی، ابی بن کعب، ابن عباس اور ابن مسعود سے آثار بھی منقول ہیں۔ بلکہ حضرت علی سے مرفوعاً مذکورہ الفاظ میں منقول ہے (کنز العمال ۶/ ۱۴۳)۔ علامہ ابن قدامہ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

''كل قرض شرط فيه أن يزيده فهو حرام بغير خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادة أو هدية فأسلف على ذلك إن أخذ الزيادة على ذلك ربا، وقد روى عن أبي بن كعب وابن عباس وابن مسعود أنهم نهوا عن قرض جر منفعة'' (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۳۶۰)۔

(ہر وہ قرض جس میں زیادتی مشروط ہو حرام ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر مسلف (قرض دینے والا) نے مستسلف (قرض لینے والا) پر زیادتی یا ہدیہ کی شرط لگائی پھر اس کے ساتھ قرض کا معاملہ کیا تو اس پر زیادتی کا لینا ربو قرار پائے گا۔ ابی بن کعب، ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ان حضرات نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جو منفعت کا سبب بنے)۔

امداد باہمی سوسائٹیاں:

ہندوستان میں ''ربا'' کے عموم کو دیکھتے ہوئے ماضی میں علماء ہند نے چھوٹے پیمانے پر

امداد باہمی سوسائٹیوں کے قیام کے ذریعہ کوشش کی تھی کہ مسلمانوں کو سودی لعنت سے نجات دلائی جائے، وہ اس طرح کہ اس میں لوگوں کی امانتیں جمع کی جائیں اور ضرورت مندوں کو غیر سودی قرضے دیئے جائیں، اور اس قسم کے ادارہ چلانے پر جو اخراجات آئیں ان کو قرض خواہوں سے فارم برائے قرض کی فروختگی سے حاصل شدہ آمدنی سے پورا کیا جائے، اس سلسلہ میں استفتاء اور جواب کو یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ جسے ۱۹۲۵ء میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی مونگیریؒ نے تحریر کیا تھا اور علماءِ عصر نے اس کے جوابات دیئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

سوال: اگر کمیٹی قائم ہو جس کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست رکھے اور مہاجنوں کے ظلم سے محفوظ رکھے، اور اس مقصد سے مسلمانوں کو بلاسودی قرض دے اور اس کے حسب ذیل اصول مقرر کرے:

۱۔ یہ کمیٹی اپنا کاغذ تیار کرتی ہے جس کی قیمت مقدار قرض کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ مثلاً دس روپے کے لیے چار آنے، پچیس روپے کے لیے آٹھ آنے، پچاس روپے کے لیے ایک روپیہ، علیٰ ہذا القیاس، جس طرح سرکاری اسٹامپ کاغذ پر وثیقہ لکھا جاتا ہے، اگر چہ بلاسودی کیوں نہ ہو۔

۲۔ جو شخص اس کمیٹی سے یہ کاغذ خریدے گا، اس کو کمیٹی اس کی طلب پر قرض دے گی۔

۳۔ یہ کمیٹی اپنا ایک (مسجل) رجسٹرار مقرر کرتی ہے جس کے یہاں اس وثیقہ کی رجسٹری ہوگی، اور رجسٹری کرانے کی ایک قلیل رقم مقروض کو رجسٹرار کے یہاں داخل کرنی ہوگی تاکہ رجسٹرار کے دفتر کا خرچ اس سے چل سکے۔

۴۔ یہ کمیٹی اپنا ضابطہ یہ بھی مقرر کرتی ہے کہ سال بھر سے زیادہ مدت قرض نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی مدیون قرض کو اپنے ذمہ رکھتا ہو تو یہ جدید قرض سمجھا جائے گا اور اس کو نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

تو اب سوال یہ ہے کہ اس کمیٹی کا ان ضوابط کے ساتھ قائم کرنا شرعاً جائز ہے اور یہ معاملہ درست ہے یا نہیں۔ اس استفتاء کا جواب مولانا محمد سہول عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ:

کمیٹی مذکورہ بالا مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہے اور اس میں شرعاً کوئی خرابی نہیں ہے اور یہ معاملہ شرعاً جائز ہے۔ اور کمیٹی کا کاغذ مذکورہ بالا کو بیع کر کے قرضہ دینا بیع جر منفعۃ ہے قرض جر منفعۃ نہیں ہے۔ جیسا کہ شامی جلد ۴ صفحہ ۱۹۴ میں ہے:

فإن تقدم البيع بأن باع المطلوب منه المعاملة من الطالب ثوباً قيمته عشرون دينارًا بأربعين ديناراً ثم أقرضه ستين ديناراً أخرى حتى صار له على المستقرض مائة دينار وحصل للمستقرض ثمانون ديناراً ذكر الخصاف أنه جائز، وهذا مذهب محمد بن سلمة إمام بلخ (إلى أن قال) وكان شمس الأئمة الحلواني يفتي بقول الخصاف وابن سلمة ويقول هذا ليس بقرض جر منفعة بل هذا بيع جر منفعة وهي القرض انتهى''۔

اسی استفتاء پر حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب تحریر کیا ہے:

اس کمیٹی کا سرمایہ غالباً چندہ سے حاصل کیا جائے گا، پس اس کے کاغذوں کی قیمت کا منافع اور رجسٹرار کی فیس کا بچایا ہوا روپیہ اگر محض دفتری کاروبار کو چلانے کے لیے رکھا جائے اور مالکان سرمایہ کو حصہ رسدی تقسیم نہ کیا جائے، نہ از روئے قواعد ان کو طلب کرنے کا حق دیا جائے اور فاضل منافع کو کسی وقت بھی مالکان سرمایہ کا حق قرار نہ دیا جائے بلکہ کمیٹی کا کاروبار ختم کرنے کے بقیہ منافع کو غرباء پر تقسیم کرنے کا قاعدہ مقرر کر دیا جائے، اور کوئی صورت اس میں شخصی انتفاع بالقرض کی نہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا (کفایت المفتی ۸/۱۲۱-۱۲۳)۔

اس فتوی پر مختصر تائیدی کلمات کے ساتھ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا نثار احمد صاحب مفتی آگرہ، حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تصدیقی دستخط بھی ہیں۔ لیکن اس پر غور کیا جائے تو

معلوم ہوگا کہ یہ فتوی استفتاء کی تمام صورتوں پر حاوی نہیں ہے۔ البتہ مفتی محمد سہول عثمانی صاحب کے جواب کے مقابلہ میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا جواب زیادہ قیود وشرائط کے ساتھ ہے اور محتاط طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں بنیادی سوال یہ ہے کہ ایک کمیٹی جو غیر سودی قرضے دیتی ہے۔ وہ اس طرح ایک مستقل کاروبار کرتی ہے۔ اور پھر دین وقرض کے تناسب سے قرض خواہوں کے لیے فارم گراں قیمت میں خریدنا لازم قرار دیتی ہے۔ اور ایسا اس کے منشور میں شرط کے درجہ میں داخل ہے، پھر مدت قرض کے گزرنے پر اگر قرض لینے والے نے رقم واپس نہ کی تو اس کی طرف سے تاجیل کے بدلہ نیا قرض قرار دے کر یا تو فارم خریدنے کے لیے کمیٹی کہے گی یا فارم فروخت کیے بغیر نئی رقم اس کے نام پر چڑھا دے گی۔ جواب میں اس شق کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

اس طرح کے ایک سوال کا مفتی نظام الدین صاحبؒ نے کچھ زیادہ قیود وشرائط کے ساتھ جواب دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر فارم ایک ہی نوعیت وکاغذ کا ہے تو پھر قرض کے تناسب سے اس کی رقم مقرر کرنا ''کل قرض جر نفعا فھو ربوا'' میں داخل ہے۔ البتہ اگر جداگانہ نوعیت کا فارم ہو اور اسے قرض کے لیے فروخت کیا جائے تو یہ جائز ہوگا (ماہنامہ دارالعلوم ص ۱۷، مارچ ۱۹۹۰)، پھر اسی سوال کے دوسرے شق کے بارے میں مفتیان دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ومفتی حبیب الرحمن خیرآبادی نے یہ کہا ہے کہ مدت گذرنے پر اگر مستقرض قرض ادا نہ کرے تو جدید قرضے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ قرض ادا کرے پھر فارم خرید کر از سر نو معاملہ کرے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں (ماہنامہ دارالعلوم، ص ۱۹، مارچ ۱۹۹۰ء)۔

حیلہ قابل غور ہے:

لیکن یہ تمام حیلے شرعاً ربوا کے لیے ازدیاد کا موجب ہیں۔ سود کے دروازہ کا انسداد کرنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر قرض پر ہر وہ زیادتی جو قولاً مشروط ہو یا عملاً

متعارف ہو، ناجائز ہے۔ حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثمانیؒ نے ردالمحتار کا جو جزئیہ پیش کیا ہے وہ اصلاً امام بلخ شیخ محمد بن سلمہ کا عمل ہے۔ اس طرح حیلہ کے ذریعہ قرض دینے کو وہ جائز کہتے تھے جبکہ دیگر مشائخ بلخ ان کے اس عمل وقول کو صحیح خیال نہیں کرتے تھے۔ فتاوی ہندیہ میں محیط کے حوالہ سے منقول ہے:

''ایک شخص نے دوسرے سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ سو دینار کا معاملہ کرے، چنانچہ مطلوب نے طالب کے ساتھ ایک کپڑا فروخت کیا چالیس دینار میں، جس کی قیمت بیس دینار تھی۔ پھر اس نے ساٹھ دینار قرض لیا، اس طرح مقرض کا مستقرض کے ذمہ سو دینار ہو گئے اور مستقرض کو سو میں سے صرف ۸۰ دینار حاصل ہوئے، خصاف نے ذکر کیا ہے کہ اس طرح کا معاملہ جائز ہے، اور یہ بلخ کے امام محمد بن سلمہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ ان سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک سامان تھا۔ جب ان سے کوئی قرض کا مطالبہ کرتا تو پہلے اس کے ہاتھ زیادہ قیمت کے ساتھ سامان فروخت کرتے پھر ضرورت کے مطابق اسے دنانیر دیتے، اور اکثر مشائخ اس طرح کے عمل کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ قرض نفع کا سبب بنا ہے، اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ایک مجلس میں مکروہ ہے اور دو مختلف مجلسوں میں کوئی حرج نہیں ہے، شمس الائمہ حلوانی خصاف اور محمد بن سلمہ کے قول کے مطابق فتوی دیتے تھے''۔

شیخ محمد بن سلمہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قرض دینے سے پہلے اس طرح خرید فروخت پر مرتب ہونے والا قرض ''بیع جرّ نفعاً'' ہے ''قرض جرّ نفعاً'' نہیں ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نے مسلم فنڈ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں یہی دلیل دی ہے (فتاوی محمودیہ ۱۴؍ ۳۳۳)۔ لیکن جن مشائخ نے اس حیلہ کو صحیح نہیں قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر چہ بیع قرض سے پہلے ہے مگر قرض کے لیے شرط ہے، اس لیے "کل قرض جر نفعاً فھو ربوا" میں داخل ہے۔

ہندوستان میں رائج اس طرح کی امداد باہمی کی سوسائٹیاں محدود پیمانے پر یہ کاروبار کرتی ہیں اور قرض خواہوں سے وہ مقدار قرض کے تناسب سے رقم لیتی ہیں، مقروض افراد کی تعداد کے اعتبار سے نہیں، اور اس شکل میں شبہ ربا دوسری صورت کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اور بعینہ یہی صورت حال بڑے پیمانے پر ''اسلامی ترقیاتی بینک جدہ'' کو درپیش ہے جو غیر ممالک کو ۱۵ر سے ۳۰ر برس کی مدت کا بڑا قرضہ دیتا ہے، اگرچہ اس رقم پر سود کے نام سے وہ کچھ نہیں لیتا ہے لیکن ادارتی خدمات کے عوض اور خرچ کے طور پر ایک تقریبی رقم دو یا تین فیصد حالات وظروف کے اعتبار سے لیتا ہے، اور مدت کی کمی بیشی کی بناپر فیصد رقم میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے۔

اسلامی ترقیاتی بینک جدہ کے ایک سوال کے جواب میں **مجمع الفقہ الاسلامی جدہ** نے ۱۹۸۵ء میں یہ تحریر کیا تھا:

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ جو سورہ بقرہ میں وارد ہے:

''وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تُظلمون'' (سورۂ بقرہ/۲۷۹)۔

(کہ اگر تم تائب ہوجاؤ تو تمہارے لیے راس المال ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے)۔

اس آیت میں صراحت کردی گئی کہ زیادتی چاہے کم ہو یا زیادہ حرام ہے جیسا کہ اگر قرض خواہ رب الدین کے ساتھ ٹال مٹول کا معاملہ کرے تاکہ اصل قرض میں سے کچھ کم کردیا جائے تو یہ بھی حرام ہے۔ ابوداؤد نے سلیمان بن عمرو عن ابیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے تمام سودی کاروبار منسوخ کردیئے گئے، اب تمہارے لئے صرف رأس المال ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے توبہ کی شرط کے ساتھ اصل اموال ان تک

واپس کئے جانے کا حکم فرمایا اور ان سے کہا گیا کہ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہر زیادتی حرام ہے۔

اور قواعد شرعیہ میں ہے کہ مماثلت میں شک بھی کمی زیادتی کے تحقق کے برابر ہے، اور اخراجات کے تخمینہ کو سالانہ متعین مقدار کے ساتھ جوڑنا جیسا کہ ہم نے بیان کیا، ایک ایسا اضافہ ہے جس کا بینک تقاضہ کرتا ہے اگر چہ اس کا نام اجرت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اضافہ کو قرضہ کی رقم کی مقدار کے ساتھ متعین کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے، اس لئے کہ بینک دستاویزات اور بینک کے اخراجات کے نام پر نیز رقم کی وصولی کے سلسلہ میں آنے والے اخراجات کا تخمینہ ایک قرض اور دوسرے قرض کے درمیان تناسب کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس بارے میں کوئی بھی تفریق غیر عادلانہ ہوگی۔

علاوہ ازیں پہلے اور دوسرے سال میں بعد کے سالوں کے مقدار میں فرق کی بھی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے کہ پہلا سال جیسا کہ سوال میں درج ہے دیکھ ریکھ پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اسی ایک قیاس پر لانا بھی درست نہیں ہے لہذا بینک کو چاہئے کہ وہ اخراجات کے بارے میں صحیح اور دقیق تر طریقہ اختیار کرے جو تمام نوع کی خدمات پر تقسیم ہو۔

بہر حال اس طرح کے امدادی اداروں کا ادارتی اخراجات کے نام پر فیصد تناسب کے اعتبار سے قرض خواہوں سے رقم لینا چاہے وہ فارم فروختگی کے حیلہ سے ہو، مکروہ تحریمی ہے اور ''کل قرض جرّ نفعا فهو ربا'' میں داخل ہے، اس لئے کہ فارم کی خریداری حصول قرض کے لئے شرط کے درجہ میں ہے، نیز اس طرح کے کاروبار سے ربوا کا دروازہ بند ہونے کے بجائے کھلتا ہے۔ اور اس جگہ اس بارے میں کسی طرح کی چھوٹ مفاسد کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہوگی، قرض کے بارے میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ضرورت مندوں کو قرض دینا تبرع ہے، اور کسی عمل تبرع کے لئے ربوا یا شبہ ربوا کے عمل کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

رہ گیا یہ سوال کہ پھر ایسی غیر سودی امدادی سوسائٹیاں اپنے انتظامی اخراجات کس طرح پوری کریں؟ اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ موجودہ معاشی نظام سود سے وابستہ ہے اور بینک جو اس نظام کی نمائندگی کرتا ہے اس کا سارا کاروبار بھی سود سے وابستہ ہے، وہ روپیہ سے روپیہ بڑھانے کے طریقہ پر قائم ہے، جبکہ دوسری طرف اس کے یہاں تجارت ممنوع ہے اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے زر میں اضافہ کے لئے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام، اس لئے جب تک امدادی سوسائٹیاں رائج بینکنگ کے بنیادی نظام کو نہ چھوڑیں گی اور تجارت کے طریقہ کو نہ اختیار کریں گی ان کا نظام صحیح بنیادوں پر استوار نہیں ہوسکتا ہے، اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی ہیں، یا وہ جہاں قائم ہیں وہاں مضاربت وشرکت کے طریقہ پر کاروبار کے مواقع نہیں ہیں، تو پھر وہ حاجت مندوں کو جس طرح قرضے دیکر کارثواب کرتی ہیں اسی طرح اصحاب خیر سے عطیات وصول کرکے اپنے انتظامی اخراجات پوری کریں، اور ایسا کرنا مستبعد نہیں ہے۔

غیر سودی بینک کا طریقہ کار:

رہ گیا یہ سوال کہ غیر سودی بینک کاری کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ اور کس طرح کے کام غیر سودی بینک انجام دے سکتے ہیں؟ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ غیر سودی بینک بھی وہ تمام کاروبار بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں جو سودی بینک کرتے ہیں، بشرطیکہ یہ بینک ایسے ممالک میں قائم ہوں جہاں سود کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہو، اور ایسے ممالک جہاں سود کی نہ صرف اجازت ہو بلکہ پورا معاشی نظام سود ہی پر قائم ہو وہاں دشواریوں کا آنا ناگریز ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سودی بینک کاری ناممکن ہے بلکہ یہ ممکن الواقع ہے، سودی بینک مندرجہ ذیل کاروبار کرتے ہیں:

۱۔ امانتی رقوم حاصل کرنا اور سود دینا۔

۲۔ حاجت مندوں کو مقررہ سود پر قرضہ دینا۔

۳۔ معاوضہ لے کر گاہکوں کے لئے مندرجہ ذیل خدمات انجام دینا:

(الف) زیورات، قیمتی اشیاء ودستاویزات مقفل بکس میں بطور امانت رکھنا، اور ان کی حفاظت کے صلہ میں اجرت لینا۔

(ب) درآمدی اموال کی قیمت دے کر تاجروں کے نمائندوں کی حیثیت سے حاصل کرنا اور اس پر اجرت وصول کرنا۔

(ج) تاجروں وصنعت کاروں کو صنعتی مشورے دینا اور ان پر اجرت وصول کرنا اور ان جیسے دیگر امور۔

یہ تمام امور غیر سودی بینک بھی انجام دے سکتے ہیں، اسی طرح سودی بینک میں جس طرح جاری کھاتہ (Current Account) اور بچت کھاتہ (Saving Account) کھولے جاتے ہیں غیر سودی بینک میں بھی کھولے جائیں گے۔

امانتی رقم کا حکم:

غیر سودی بینک کا مقصد جدید سودی نظام سے نجات دلانا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ غیر سودی بینک زیادہ سے زیادہ امانتی رقوم جمع کر کے ایسے منافع بخش کاروبار میں اسے لگائے جس سے نہ صرف غیر سودی بینک کاری کو فروغ حاصل ہو بلکہ رب المال (سرمایہ دار) کو منافع کا اتنا حصہ بھی ملے جو موجودہ شرح سود کے مقابلہ میں زیادہ ہو تاکہ اس طریقہ کار کو بیش از بیش استحکام ملے۔

بینک میں کھاتہ داروں کی طرف سے جو امانتی رقوم جمع ہوتی ہیں وہ حکماً قرض ہوتی ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پھر ان رقوم میں کسی طرح کا تصرف بینک کی طرف سے جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ امانت کا حکم یہ ہے کہ اسے بعینہ باقی رکھا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے، اور جب امانت رکھنے والا مطالبہ کرے تو اسے واپس کیا جائے (بدائع الصنائع ۸/ ۳۸۸۸)۔

اور اگر امانت کو بعینہ نہ رکھا جائے، خرچ کردیا جائے یا دیگر رقوم کے ساتھ ملا دیا جائے تو پھر وہ قرض کے حکم میں ہوگا (ایضاً ۸/۳۸۹۵)۔

امانت اور قرض کے حکم میں فرق یہ ہوتا ہے کہ امانت کی اگر موتمن (امانت رکھنے والا نے حفاظت کی اور وہ پھر ضائع ہوگئی، یا چوری ہوگئی تو اس کا تاوان نہیں دینا پڑے گا، اسے صاحب امانت کا نقصان قرار دیا جائے گا، جبکہ قرض کی صورت میں مقروض ہر حال میں دین ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے (مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ، ۳/۷ ۸۰)۔

بینک میں جمع شدہ رقم کو قرض قرار دینے میں رقم جمع کرنے والے کی رقم بھی محفوظ رہتی ہے اور بینک کو بھی اعتبار واستحکام ملتا ہے، اور چونکہ رقم جمع کرنے والا اگر چہ رقم امانت کے طور پر جمع کرتا ہے مگر وہ بینک کے قاعدہ وتعامل کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ بینک اسے استعمال کرے گا اور پھر جب یہ بینک سے طلب کرے گا اسے مل جائے گا۔ لہذا یہ اس کی طرف سے قرض ہی سمجھا جائے گا۔

مضاربت کا طریقہ:

بہر حال غیر سودی بینک میں جو لوگ کرنٹ اکاؤنٹ میں اپنی رقوم امانۃً جمع کرائیں گے وہ قرض کے حکم میں داخل ہوں گی، اور رقم جمع کرانے والے کو اختیار رہوگا کہ وہ جب چاہے اپنی رقم واپس لے سکتا ہے، لیکن اس رقم کی حفاظت پر بینک کسی طرح کا معاوضہ نہیں لے گا، اس لئے کہ یہ قرض ہے، اور قرض خواہ مقرض کی رقم میں کمی یا زیادتی نہیں کرسکتا ہے، ایسا کسی حال میں جائز نہ ہوگا۔ کرنٹ اکاؤنٹ والوں کے علاوہ جو لوگ بینک کی شرائط پر (یعنی مقدار رقم کے معاملہ میں) بڑی رقم جمع کرانا چاہیں گے بینک ان سے مضاربت پر رقم لے گا، اور پھر بینک یا تو براہ راست مختلف صنعتی و پیداواری امور میں سرمایہ لگائے گا یا دیگر صنعتی اداروں و تجارتی کمپنیوں کو مضاربت پر سرمایہ دے گا اور نفع میں بینک رب المال اور عامل طے شدہ شرائط پر حصہ پائیں گے، لیکن اس سلسلہ میں ضروری ہوگا کہ مضاربت کے شرعی احکام کی پوری

رعایت کی جائے، مالک سرمایہ سے مضاربت کی صراحت کے ساتھ رقم لی جائے اور اگر بینک کسی دوسرے کو مضاربت پر سرمایہ دینا چاہے تو اس کی بھی صراحت رقم لیتے وقت کرا دینی ہوگی (بدائع الصنائع ۶/۹۹، الدر المختار ۴/۵۰۹)، اسی طرح بینک ایسے پیداواری امور میں رقم لگائے گا جس میں رقم ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہوتا کہ مالک کا سرمایہ ختم نہ ہونے پائے۔

مرابحہ کے مسائل:

مضاربت کے علاوہ شرکت اور مرابحہ کے طریقہ پر غیر سودی بینک کاری ہوسکتی ہے، مرابحہ کی بنیاد امانت پر ہے جس کی سادہ شکل یہ ہے کہ فروخت کرنے والا اپنی قیمت خرید یا لاگت بتا کر یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسے لاگت پر متعین فیصد منافع مطلوب ہے، اور خریدار اسے منظور کرتا ہے، عام طور پر مرابحہ خرید وفروخت میں نہیں بلکہ ادھار کی صورت میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے گراہک غیر سودی بینک سے کسی سامان کی خریداری کی بات طے کرتا ہے اور بینک اسے مطلوبہ سامان خرید کر لاگت پر نفع لے کر اسے ادھار دیتا ہے، اور چونکہ بیع مرابحہ میں اصل قیمت یا لاگت بتا کر نفع لینا جائز ہے اس لئے یہ کہا جاسکتا کہ بینک کا اس طرح کاروبار کرنا درست ہے، رہ گئی یہ بات کہ ادھار کی صورت میں نفع کچھ زیادہ لیا جاتا ہے تو کیا اسے بینک یا بائع کی طرف سے گراہک کا استحصال کرنا کہا جائے گا؟ میرے خیال میں جبکہ بیع مؤجل میں اجل معلوم ہو اور قیمت بھی متعین ہو اور بائع کی طرف سے یہ نہ کیا جائے کہ نقد کی قیمت یہ ہے اور ادھار کی یہ ہے تو جائز ہے (مجمع الانہر ۲/۸)۔ عام طور پر ادھار خرید وفروخت میں قیمت زیادہ ہوتی ہے اور یہ عادۃً ہوتا ہے، اس میں مدت (اجل) کی تعیین ہوتی ہے، لیکن قیمت کی تعیین کے وقت اجل ونقد کی شرط ہوتی ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۳/۷۰۹)، لیکن مرابحہ میں اگر بینک خود سامان کی خریداری کرتا ہے یا کسی وکیل کے ذریعہ کراتا ہے تو وہ گراہک سے اس طرح کرسکتا ہے، لیکن اگر بینک نے گراہک ہی کو خریداری کی ذمہ داری دے دی کہ وہ سامان خریدے اور پھر بینک مرابحہ کے نام

پر متعینہ رقم کا اضافہ کر کے گا ہک سے وصول کرے تو یہ جائز نہ ہوگا، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"**وليس للوكيل بالبيع أن يبيع من نفسه لأن الحقوق تتعلق بالعاقد فيؤدّى إلىٰ ان يكون الشخص الواحد في زمان واحد مسلّما و متسلما وهذا محال ، وكذا لايبيع من نفسه وإن أمره المؤكل بذلك لما قلنا**" (البدائع۶/۲۸)۔

یہ کہنا کہ گراہک دو حیثیت رکھتا ہے، اولاً وہ بینک کی طرف سے وکیل ہے پھر مشتری ہے، عقلاً ونقلاً صحیح نہیں ہے۔

مرابحہ میں بینک اور خریدار (گراہک) کے مابین خرید فروخت کی بات ہوتی ہے مگر صورتحال یہ ہوتی ہے کہ بینک کے پاس وہ مال موجود نہیں ہوتا ہے جس کی وہ فروختگی کر رہا ہے اس لئے اس پر مبیع معدوم کا شبہ ہوتا ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ خرید فروخت کی یہ گفتگو بیع نہیں ہے بلکہ معاہدہ بیع ہے تو پھر اشکال جاتا رہتا ہے، لیکن اس صورت میں مشتری (گراہک) کو معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے، البتہ عام حالات میں جبکہ مبیع کے اندر کوئی عیب نہ ہو گراہک کے لئے اس معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہ ہوگی۔

☆☆☆

غیر سودی بینکاری

مولانا شفیق احمد مظاہری

یہ حقیقت ہے کہ کائنات کا وجود انسان کے لئے ہے لہذا انسان تمام کائنات کا حاصل ہے، اب انسان اور کائنات کی بھلائی، سماجی ومعاشی خیریت، اقتصادی توازن کا قیام، حق و انصاف کی بقا، عبد ومعبود کی نسبت جن اصول وضوابط کو بروئے کار لانے میں ہے اور جن راستوں کو اپنانے میں ہے وہ ہمارا خالق ہی اپنے پیغامبر کی معرفت بتاتا ہے اسی کا نام اسلام ہے۔ اسلامی اصول وضابطے ہی انسان کے تمام شعبہ حیات کے لئے ابدی اور ہر کسی جگہ کے لئے موزوں ہوسکتے ہیں، چنانچہ شریعت کے ضابطے پوری انسانیت کے ضامن ہوتے ہیں، اس میں صرف شخصی مفاد یا کساد ملحوظ نہیں ہوتے۔

تجارت ومعاملات، صنعت وزراعت ضرورت کا جزء لا ینفک ہیں، بھلا شریعت انہیں نظر انداز کیوں کرسکتی تھی، چنانچہ شریعت نے تجارت ومعاملات کے وہ راستے جو بالکل صاف ستھرے اور واضح غیر مضر تھے قائم رکھا، جیسے بیع وشراء، اجارہ، مضاربت، شرکت، بیع سلم وغیرہ۔ ان معاملات سے متعلق قواعد وجزئیات سے کتب فقہ بھری پڑی ہیں۔

مختلف ممالک میں غیر سودی بینک کاری نظام کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اکیڈمی کی جانب سے اس سلسلے کے دو سوال کئے گئے ہیں جواب بالترتیب درج ذیل ہیں:

ہمارے شہر آسنسول کے حلقہ پر نپور ضلع بردوان مغربی بنگال میں مسلم ویلفئر سوسائٹی کے نام سے چھوٹی بچت کا غیر سودی بینک (ادارہ) کام کررہا ہے، اس کی تفصیلی صورت حال یہ

ہے کہ کھاتہ دار یومیہ یا ہفتہ میں ایک دن چھوٹی بڑی رقم بصورت قرض امانت بغرض بچت اس بینک میں پس انداز کرتے ہیں، بعض علاقوں میں بینک کی طرف سے مقرر کیا گیا عملہ وصولیابی کے لئے دربدر محلوں اور دوکانوں پر کھاتہ داروں تک پہنچ کر کھاتہ داروں کی مرضی کے مطابق رقم وصول کرکے اپنی یادداشت ڈائری پر اور کھاتہ داروں کے کھاتہ پر اندراج کرتے ہیں۔

بعدہ اصل رجسٹر پر بینک جاکر جمع کردہ رقوم محسوب کرتے ہیں۔ اس طرح امتداد زمانہ کے ساتھ ایک خطیر رقم پس انداز ہوجاتی ہے، کھاتہ دار بوقت ضرورت جب چاہے عام بینک کے اصول کے مطابق براہ راست حاصل کرسکتا ہے، اس رقم کا کوئی معاوضہ، منافع یا سود نہیں دیا جاتا ہے، اور اگر کھاتہ دار اپنی جمع شدہ رقم سے زیادہ رقم بطور قرض حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے بینک (ادارہ) کی تین شرطیں ہوتی ہیں:

ا۔ قرض صرف ایسے کھاتے داروں کو فراہم کیا جائے جس کا کھاتہ چالو حالت میں ہو یعنی ادخال رقم کا سلسلہ یا ادخال واخراج کا سلسلہ قائم ہو بند نہ ہو۔

۲۔ مطلوبہ قرض کی مقدار سے قدرے زائد قیمت کا سونا یا چاندی بطور ضمانت بینک (ادارہ) کے حوالے کرنا ہوگا۔

۳۔ قرض حاصل کرنے کے لئے معاہدہ نامہ (ایگریمنٹ فارم) ۲ روپے سیکڑہ کے حساب سے متعینہ کاؤنٹر سے خرید کر خانہ پری کرکے داخل کرنا ہوگا، واپسی قرض کا پہلا معاہدہ زائد سے زائد تین ماہ کی مدت کا ہوتا ہے، اگر اس سے بھی مزید مہلت درکار ہو تو تین ماہ کی مدت پوری ہونے کے بعد پھر مذکورہ شرح دوروپے سیکڑہ کے حساب سے مطبوعہ فارم (معاہدہ نامہ) خرید کر مہلت کی درخواست کی شکل میں داخل کرنا لازم ہوگا، اگر کوئی مقروض ادائیگی قرض سے سرتابی کرے یا تجدید معاہدہ نہ کرے تو اسے نوٹس NOTICE کے ذریعہ وارننگ WARNING دی جاتی ہے اور ایک مدت مقرر کرکے انتظار کیا جاتا ہے، اگر مقررہ مدت تک مقروض حاضر نہیں ہوتا تو بینک کو ایگریمنٹ (معاہدہ نامہ) کے مطابق ضمانت کا

سامان فروخت کر کے اپنا قرض وصول کر لینے کا حق ہوتا ہے۔

بینک کے پاس کھاتہ داروں کی کثیر رقم جمع ہوتی ہے جس سے کچھ تو واپس طلب کرنے والوں کو ادا کرنے کا سلسلہ رہتا ہے اور رقم کا ایک حصہ مذکورہ بالا صورت پر بطور قرض دیا جاتا ہے، اور ایک بڑا حصہ ہمیشہ سرکاری بینکوں میں پڑا رہتا ہے، چونکہ بچت کا سلسلہ نکاسی کی نسبت سے زیادہ ہوتا ہے، صورت کذائی میں خاصی رقم سرکاری بینک سے سودی حاصل ہوتی ہے جسے ذمہ داران حضرات اپنی مرضی سے بلانیت ثواب رفاہ عام میں خرچ کرتے ہیں، اور جو رقم قرض لینے والوں سے معاہدہ نامہ یا درخواست فارم کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اسے بینک کے کارکنوں (عملہ) پر اور دیگر ضروریات پر صرف کی جاتی ہے۔

تبصرہ: پہلی بات یہ ہے کہ اس مختصر اور محدود پیمانہ پر غیر سودی بینک کاری انجام دینے والا ادارہ (بینک) کی کامیابی اور ترقی سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارا مسلم معاشرہ اس گئے گذرے دور میں بھی اس کا خواہش مند اور متمنی ہے کہ ہماری بچت کاری غیر سودی طریقہ پر ہو ورنہ قدم قدم پر سودی بینک، بچت اسکیم کے ادارے (جس میں بچت کے ساتھ سود کی شکل میں منافع یقینی ہے) ہونے کے باوجود مذکورہ غیر سودی بینک کاری میں مسلم تجار، مزدور، ملازمین کثیر تعداد میں شامل ہیں اور کچھ غیر مسلم بھی۔

لیکن خود اس ادارے کا طریقہ کار کئی اعتبار سے محل نظر ہے:

۱- اس میں ایسا کوئی نظام نہیں جس میں ہمہ گیری ہو اور جس سے رقم منتقل کرنے کا کام انجام پا سکے، اور نہ ہی اسکے ذریعے دوسری خدمات انجام پاتی ہیں جو نفع آور ہوں۔

۲- کھاتے داروں کی رقم ادارہ کے ذمہ محض قرض ہے، رقم شرکت ومضاربت کے شرعی اصول پر کسی کاروبار میں نہیں لگائی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ نظام محدود ہو کر رہ گیا اور کھاتے داروں کو اصل رقم کے سوا کچھ ملنے کا سوال نہیں ہوتا۔

۳- یہ ادارہ عوام کھاتہ داروں سے غیر سودی قرض حاصل کرتا ہے دوسری طرف سودی بینکوں میں جمع رکھ کر نفع کماتا ہے اگر چہ یہ نفع کی رقم رفاہی کاموں میں خرچ کی جائے لیکن سودی نظام میں معاونت ہے اور یہ مقصد کے خلاف بھی ہے نیز عوام کے براہ راست ایسے بچت بینکوں میں رکھنے میں اور اس ادارہ کے رکھنے میں کوئی فرق نہیں۔

۴-قرض کی رقم حاصل کرنے کے لئے رقم کی مقدار کے مطابق مطبوعہ ایگریمنٹ فارم کی قیمت قرض کی مناسبت سے کم وبیش ہر تین ماہ کے لئے وصول کیا جانا اور مقروض کا ادا کرنے کی شرط خود فقہی نقطۂ نظر سے قابل تحقیق اور مخدوش ہے، گرچہ یہ ایک حیلہ ہے شکلاً جو بھی ہو لیکن حقیقتاً سود کے مماثل ہی ہے، اور اس غیر اسلامی حکومت میں اس کے بغیر چارہ ہی کیا ہے ایسے نظام میں، البتہ اس ادارہ سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ جہاں صاحب ثروت کو بچت کرانے کا آسانی سے موقع فراہم ہوتا ہے وہیں معمولی آمدنی کرنے والے چھوٹے چھوٹے دوکانداروں، مزدوروں، ملازمین کو بھی ادارے کے گشتی محصلین کے ذریعہ دو، پانچ روپئے کر کے یومیہ پس انداز کرنے کی آسانی ہوتی ہے، اس طرح ایک دن میں خاطر خواہ رقم جمع ہوتی ہے، اور ضرورت کے وقت ایسے افراد کو سودی قرض حاصل کرنے سے بچاتی ہے کہ موجودہ زمانہ میں غیر سودی قرضوں کا ملنا تقریباً معدوم ہو گیا ہے۔

شرکت ومضاربت کی بنیاد پر غیر سودی بینکاری کا نظام:

اس قسم کے غیر سودی اداروں کی کچھ اصلاح کر لی جائے تو میرے خیال میں موجودہ بینکاری نظام کا متبادل غیر سودی بینک کاری کا نظام چل سکتا ہے، غیر اسلامی ممالک جہاں سودی بینک کا نظام عام ہے اور سود کی حلت وحرمت سے کوئی بحث نہیں، ایسے ممالک میں غیر سودی بینک کاری کے قیام میں گرچہ دشواری تو ضرور ہوگی لیکن ناممکن العمل نہیں ہے، تجربات شاہد ہیں کہ ایمانی جذبہ رکھنے والے حضرات ایسے بینکنگ سے یقیناً دلچسپی رکھتے ہیں اور اسلامی ممالک

میں غیر سودی بینکاری کا نظام بڑی آسانی سے عام طور پر نافذ کئے جاسکتے ہیں اور اس کی افادیت موجودہ نظام سے کچھ کم نہیں ہوگی بشرطیکہ سودی کاروبار پر بالکلیہ پابندی عائد کردی جائے۔

غیر سودی بینکاری کا ابتدائی خاکہ:

ایسے بینک میں ابتداءً تین قسم کے شرکاء اور کھاتے دار ہوسکتے ہیں: (۱) وہ شرکاء ہوں گے جن کا سرمایہ شرکت العقود کی بنیاد پر لگا ہوگا، یہ سرمایہ مساوی اور غیر مساوی دونوں ہی طرح کے ہوسکتے ہیں، شرکاء کی تحدید بھی کی جاسکتی ہے اور مرتبہ کے مطابق شرکت کی عام اجازت بھی، جمع شدہ رقم سے شرکاء یعنی یہ بینک براہ راست تجارتی کمپنیاں، صنعتی ادارے، کل کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرسکتا ہے، دیگر تجارتی مفید صورتیں باہمی مشوروں سے اختیار کی جاسکتی ہیں، تجارتی کمپنیوں کو مضاربت کے اصول پر قرض فراہم کیا جاسکتا ہے، کل کارخانوں کے حصص (SHARES) خریدے جاسکتے ہیں، اسی طرح مضاربت وشرکت کے اصول پر دوسری تجارتیں اپنائی جاسکتی ہیں، اس قسم کے شرکاء بینک کے ہوں گے، نفع شرکاء کے مابین حصے کے مقدار اور تناسب سے تقسیم کئے جاسکتے ہیں، اور نقصان ہوا تو سرمایہ پر تقسیم ہوگا، حساب بے باق کرنے اور جائزہ لینے کے لئے ایک مدت متعین کردینا مناسب ہوگا تا کہ نفع ونقصان کا اندازہ ہوسکے، اگر کوئی اپنی شرکت ختم کرنا چاہے تو اسے اصل سرمایہ کے ساتھ نفع ونقصان سمجھایا جاسکے۔

اس بینک کے نظام کو پھیلانے کے لئے مشترک کاروبار کی جانب سے شرکت اور مضاربت کے اصول پر مزید سرمایہ دار بچت کاروں سے قرض وصول کئے جاسکتے ہیں (اس قسم کے بچت کار دوسرے نمبر کے کھاتے دار ہوں گے اس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی) تا کہ تجارت و صنعت میں توسیع کی جاسکے، بینک کی ضرورت پوری کرنے کی معاہدہ کے ذریعے تمام شرکاء کی جانب سے اجازت ہوگی۔

موجودہ بینک نفع حاصل کرنے کے لئے بہت سے ایسے طریقے پر گامزن ہے جس کی

آمدنی پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا ،مثلاً خدمات بالمعاوضہ جس کی فہرست بہت لمبی ہو سکتی ہے، جیسے امانتیں رکھنے کا معاوضہ، رقم ایک جگہ سے دوسری جگہ بذریعہ ڈرافٹ، چیک، اعتمادی خطوط منتقل کرنے کی فیس، کمیشن وغیرہ، اسی طرح مال و اسباب برآمد و درآمد کرانے میں گراہکوں کی نمائندگی کرنا، گراہک تک پہنچانا یہ سب اور اس طرح کی دوسری خدمات بالمعاوضہ غیر سودی بینک بھی انجام دے سکتا ہے، ان آمدنیوں سے بینک سے متعلق ضروریات آسانی سے پوری ہوں گی اور شرکاء کو نفع بھی میسر ہوگا۔

مضاربت کی بنیاد پر قرض کا حصول:

بینک عام پبلک اور بچت کاروں کو اس بات کی دعوت دیگا کہ وہ اپنا سرمایہ مضاربت کے اصول پر بینک کو دیں، بینک اس سرمایہ سے وہ کاروبار کرے گا جس کی تفصیل اوپر گذری ہے، اس کاروبار کے ذریعہ جو نفع ہوگا اس میں طے شدہ نسبت کے مطابق ایک حصہ بینک کو ملے گا اور باقی نفع بچت کاروں کے لگے ہوئے سرمایہ کی مناسبت سے ان کو ملے گا، ایسے کھاتہ داروں کے ساتھ معاہدہ ہوگا کہ بینک ایسے سبھی سرمایہ کو اپنے سرمایہ کے ساتھ کاروبار میں لگائے گا، ان لگے ہوئے سرمایہ میں جو مجموعی نفع حاصل ہوگا اسے سرمایہ پر تقسیم کیا جائے گا، اس تقسیم کے نتیجہ میں کسی کھاتہ دار کے سرمایہ پر جتنا نفع آئے گا اس کی ایک طے شدہ شرح کے مطابق (نصف چوتھائی، ثلث وغیرہ) بینک کو ملے گا، بقیہ کھاتے دار کو، بینک کو کسی کاروبار میں مجموعی طور پر خسارہ ہوگا تو اس کاروبار میں لگے کل سرمایہ پر خسارہ منقسم ہوگا، اس خسارہ کے نتیجہ میں اگر کسی کھاتے دار کا تمام سرمایہ سوخت ہوجائے تو اب خسارہ اس سرمایہ سے متجاوز کر کے کھاتے دار پر عائد نہیں ہوگا، بلکہ اب بینک برداشت کرے گا۔ نفع وخسارہ محسوب کرنے کے لئے تین ماہ کی مدت یا کم و بیش معین ہوگی، مدت کے اختتام پر کھاتے دار کو پوزیشن کی اطلاع کردی جائے گی، ایک خسارہ کی دوسرے نفع سے تلافی کھاتے دار کی مرضی پر کی جاسکتی ہے۔

ایسے کھاتے داروں کا سلسلہ قائم رکھا جا سکے گا لیکن حساب کی مدت متعینہ پر ہی رقم کاروبار میں لگایا جائے کہ حساب بے باق کرنے میں آسانی ہوگی۔

کھاتہ دار جب چاہے اپنے سرمایہ کا مطالبہ کرسکتا ہے لیکن حساب کی مدت تک انتظار کرنا تاکہ نفع ونقصان محسوب ہوسکے مناسب ہوگا، بصورت دیگر گذشتہ مدت کے حساب سے رقم کی واپسی ہوگی۔

قرض حسنہ:

بینک کاروبار میں توسیع کے لئے ایسے بچت کاروں سے بھی رابطہ قائم کرے جس کی رقم محض قرض حسنہ کے طور پر بینک کے ذمہ ہوگی، اس کی ایک صورت یہ ہوگی کہ بینک کچھ ایسے ملازمین رکھے جو بازاروں میں دوکانوں اور گھروں میں جاکر ملازمین، مزدوروں اور تاجروں سے رابطہ قائم کرے اور یومیہ چھوٹی چھوٹی بچت کی ترغیب دے کر کھاتے کھلوائے، ایسے کھاتے دار کافی تعداد میں ملیں گے، کھاتے داروں کو یہ آسانی ہوگی کہ بلا تکلف روزانہ دس پانچ روپے پس انداز ہوتا جائیگا اور رفتہ رفتہ خطیر رقم جمع ہوجائے گی جو وقت ضرورت انہیں یکمشت مل سکتی ہے، ایسے کھاتہ داروں کو نفع کی شکل میں تو کچھ نہیں ملے گا البتہ ان کو یہ سہولت ہوگی کہ بینک وقت ضرورت انہیں متعین مدت تک کے لئے قرض حسنہ فراہم کریگا جس کا کوئی نفع یا سود طلب نہیں کیا جائے گا، لیکن بینک ضرورت محسوس کرے تو ضمانت طلب کرسکتا ہے، ایسے قرضوں کے لئے بینک کچھ ایسے ضابطے مقرر کرسکتا ہے جس میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہو اور بینک کے حق میں مفید ہو، اس رقم کو بھی بینک اپنے کاروبار میں لگائے گا، اس کے منافع ونقصانات کا مالک بینک ہوگا، کھاتہ دار کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، یہ رقم بھی کھاتے دار کی طلب پر فوری واپس کی جائے گی، لیکن تجربات شاہد ہیں کہ رقم جمع ہونے کی نسبت سے واپسی بہت کم ہے، لہذا اس رقم سے خاطر خواہ منافع آنے کی قوی امید ہے، اس بابت کام کرنے پر جو اخراجات آئیں گے بہ آسانی پورے

ہوتے رہیں گے، لہذا کسی قرض کے ضرورت مند سے کسی قسم کی کوئی رقم کسی حیلہ سے وصول کرنے کی ضرورت درپیش نہیں ہوگی۔

کچھ ضروری مشورے:

بینک کے بہت سے کھاتے ہوں گے، ان میں سے کسی وقت کوئی اپنا جمع سرمایہ یا قرض ایمرجنسی طلب کرسکتا ہے جس کی ادائیگی لازم بھی ہوسکتی ہے، اس لئے بینک کے پاس ہر وقت رقم کا ایک حصہ نقد محفوظ ہونا چاہئے۔

منافع کی تقسیم میں مناسب یہ ہے کہ شرکاء کے درمیان تمام منافع تقسیم نہ کئے جائیں بلکہ ہر قسط میں سے طے شدہ مقدار محفوظ کیا جائے کہ کبھی اچانک کوئی حادثہ یا کسی طرح خسارہ ہوجائے تو اس کی فوری تلافی کی جاسکے تاکہ کاروبار متاثر نہ ہو۔

موجودہ بینکنگ نظام میں منافع حاصل کرنے کے بہت سے طریقے، صورتیں وپالیسیاں اور حکمتیں ایسی ہیں جن میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، ایسی تمام تر پالیسیاں غیر سودی بینک کاری نظام میں بھی اپنائی جاسکتی ہیں۔ غیر سودی بینک کاری نظام کو کامیاب بنانے کے لئے کچھ سالوں تک کے لئے ماہرین معاشیات وماہرین فن علماء کی کمیٹی بنائی جائے جو اس کی نگرانی کرے اور پیش آنے والی دشواریوں اور مسائل کو بر وقت حل کرے، جب اس طرح نظام کچھ دنوں تک چلتا رہے گا تو تمام جزوی مسائل حل ہونے کے ساتھ ہی ضابطے تجربات کی روشنی میں سامنے آئیں گے جو دوسرے ایسے بینکوں کے لئے شمع راہ ہوں گے۔

☆☆☆

اسلامی بینکوں میں مالی وسائل کا استعمال

پروفیسر اوصاف احمد

مالی وسائل کے استعمال میں اسلامی بینک اپنے پیش رو سودی بینکوں سے زیادہ مختلف ہیں۔ استعمال کی حد تک یہ اختلاف مالی وسائل کے حصول سے کہیں زیادہ نمایاں ہے، ایسا ہونے کے کئی قرین قیاس اسباب ہیں۔ سودی بینکوں میں مالی وسائل کے استعمال کا بس ایک واحد طریقہ ہے: سود پر قرض دینا، جس کو مختلف مالیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مختلف طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلامی بینک تحریم ربا کے باعث اس طریقے کو استعمال میں نہیں لا سکتے۔ چنانچہ اسلامی بینکوں کو سرمایہ کاری (Financing) کے ایسے طریقوں کی تلاش ہوئی جن میں ربا کا شائبہ نہ ہو، جن کے ذریعہ سرمایہ کاری کی مختلف النوع ضروریات کی تسکین ہو سکے اور وہ بینکوں کے لیے معقول اور محفوظ آمدنی کا ذریعہ بن سکیں۔

اس ضمن میں اسلامی بینک کاروں اور ماہرین اقتصادیات نے اسلامی فقہ کی عظیم روایت سے استفادہ کیا اور بیع کے مختلف معاہدوں کو، جو اسلامی دنیا کے بڑے حصے میں صدیوں سے متداول رہے ہیں، جدید لباس پہنایا، بیع کے یہ معاہدے فقہاء نے اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے وضع کیے تھے۔ مالیاتی دنیا میں ان کا اطلاق ایک جدید اجتہاد ہے۔

ذیل میں ہم ان طریقوں کو بیان کریں گے جو اسلامی بینکوں میں مالی وسائل کے استعمال کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

بنیادی طور پر بیع کے سات ایسے طریقے ہیں جن کا اطلاق مالیاتی میدان میں کیا گیا

ہے، اوران کوسرمایہ کاری کے اسلامی طریقے قرار دیا جا سکتا ہے، وہ طریقے یہ ہیں:

۱۔مرابحہ

۲۔بیع مؤجل

۳۔مشارکت

۴مضاربت

۵۔ایجار یا اجارہ

۶۔اصل کاری

۷۔قرض حسن

کچھ ضروری تبدیلیوں کے ساتھ کم وبیش یہی طریقے پاکستان اور ایران میں بھی رائج ہیں۔ پاکستان میں بینک دولت پاکستان نے بارہ ایسے طریقوں کی نشاندہی کی ہے جنہیں سرمایہ کاری کے غیر سودی طریقے قرار دیا گیا ہے۔ ایران میں غیر سودی سرمایہ کاری کے دس طریقے زیر استعمال ہیں۔ ان صفحات میں ہم پہلے چھ بنیادی طریقوں کی وضاحت کریں گے اور اس کے بعد پاکستان وراایران میں رائج بقیہ طریقوں کا مطالعہ کریں گے۔

۱-مرابحہ:

لفظ مرابحہ عربی لفظ 'ربح' سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی فائدے کے ہیں۔ مرابحہ سے مراد وہ بیع یا فروخت ہے جو فائدے کے ساتھ کی جائے، اس کی کلاسیکی صورت درج ذیل ہے:

زید کے پاس کوئی شے ہے جسے بکر خریدنا چاہتا ہے، اس کی مرابحہ فروخت کی صورت یہ ہے کہ زید، بکر کو یہ بتلائے کہ اس نے کتنی قیمت پر یہ شے خریدی تھی اور وہ کتنا منافع لے کر اس شے کو فروخت کرے گا، یہ بھی ضروری ہے کہ شے مذکور زید کی اپنی ملکیت ہو، اس پر اسے قبضہ مالکانہ حاصل ہو، یعنی اسے فروخت کرنے کا حق ہو، نیز معاملہ مذکور بیع صالح کی دوسری تمام شرائط

کو بھی پورا کرتا ہو۔

بیع کی دوسری تمام کلاسیکی شکلوں کی طرح بیع مرابحہ بھی دو افراد کے درمیان اشیاء کی خرید وفروخت کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اس کی موجودہ شکل میں اس کا اطلاق کاروباری اداروں (یعنی بینکوں) پر کیا گیا ہے، اور اجناس کے بجائے سرمایہ کاری کے میدان میں استعمال کیا جارہا ہے۔ بیع مرابحہ کی موجودہ شکل کو "بیع المرابحة للآمر بالشراء" کہتے ہیں (تفصیلات کے لئے دیکھئے: ''استراتیجیة للاستثمار فی البنوک الاسلامیة" المجمع الملکی للبحوث فی الحضارة الاسلامیة عمان، اردن جس میں مرابحہ کے موضوع پر منعقد ایک بین الاقوامی سمینار میں پڑھے جانے والے مقالات شامل ہیں)۔ سرمایہ کاری کے ایک غیر سودی متبادل کی شکل میں اس طریق کار کو اسلامی بینکوں میں کافی مقبولیت حاصل ہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی بینکوں کے مالیاتی اعمال ۸۰ سے ۹۰ فیصد تک مرابحہ پر منحصر ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم مرابحہ کے فقہی پہلوؤں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے عملی پہلو پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے۔

اسلامی بینکوں میں مرابحہ پر مندرجہ ذیل طریقے سے عمل کیا جاتا ہے:

۱- فرض کیجئے کہ کوئی بیوپاری (یا صنعت کار جو بینک کا گاہک ہے) کسی خاص چیز کو خریدنا چاہتا ہے۔ یہ چیز مشینری، کچا مال، تعمیری سامان، جیسے سیمنٹ، لوہا، یا آلات جیسے کمپیوٹر، یا دیرپا اشیائے صرف جیسے موٹر کار، کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ گاہک کے پاس اس چیز کو خریدنے کے لئے وافر روپیہ نہیں ہے، اور وہ اس مقصد کے لئے اسلامی بینک کے پاس آتا ہے کہ اسلامی بینک اس کو ضروری سرمایہ فراہم کردے تاکہ وہ کچھ وقت کے بعد اس کو واپس کرسکے۔

۲- اگر اسلامی بینک اس تجویز سے اور گاہک مالی حیثیت سے مطمئن ہو تو وہ شئے مذکورہ کی صفات، اس کی بازار میں موجودگی، قیمت اور فراہم کاروں Suppliers کے بارے میں معلومات اکٹھا کرے گا۔ یہ کام بینک خود کرسکتا ہے یا اپنے کسی ایجنٹ سے کراسکتا ہے۔ یہ

تمام معلومات بینک گاہک کو فراہم کرنے کے ساتھ اسے درکار شے کی بازاری قیمت سے اور اس منافع سے آگاہ کرے گا جو بینک اس سودے پر لینا چاہتا ہے، اگر یہ تمام شرائط گاہک کو قابل قبول ہوں تو وہ بینک سے مرابحہ اعمال مکمل کرنے کی ایک درخواست کرے گا۔ بعض حالتوں میں معلومات اکٹھا کرنے کی ذمہ داری خود گاہک کو سونپی جاسکتی ہے۔ بینک کو اس بات کا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ ان معلومات کو جوں کا توں قبول کرے یا اپنے ذرائع سے ان کی تصدیق کرائے۔

۳- بینک اپنی مرضی کے کسی بائع سے شے مذکورہ خریدے گا جس کی خریداری کی درخواست گاہک کی جانب سے کی گئی ہے۔ بینک اس چیز کی قیمت کی نقد ادائیگی براہ راست فراہم کنندہ کو کرے گا۔ اگر مذکورہ شے کی فروخت کا رجسٹریشن قانوناً ضروری ہو (مثلاً کار یا مکان، یا کاروباری بلڈنگ) تو رجسٹریشن بینک کے نام پر ہوگا۔

۴- بینک کے نام شئے مذکورہ کی ملکیت منتقل ہوجانے کے بعد بینک اس چیز کو ایک طے شدہ قیمت پر گاہک کے ہاتھ فروخت کردے گا۔ اس مرحلہ پر بینک اور گاہک کے درمیان ایک معاہدہ ہوگا جس میں اس چیز کی اصل قیمت (جو بینک کے لئے لاگت ہے)، بینک کے منافع اور نئی قیمت (لاگت + منافع) جس پر گاہک اس چیز کو خرید رہا ہے، سب واضح طور پر درج کئے جائیں گے۔ یہ بیع، قیمت کے التوا (Differed payment) کی بنیاد پر ہوگی یعنی گاہک مستقبل میں کسی معینہ وقت پر ادا کرے گا۔ یہ ادائیگی یک مشت بھی ہوسکتی ہے اور بالاقساط بھی۔ قسطوں کی صورت میں ہر قسط کی ادائیگی کی مدت یا تاریخ بھی طے کی جائیگی۔

اسلامی نقطۂ نظر سے مرابحہ فروخت کے معاہدے کے صالح ہونے کے لئے بعض شرائط اور بھی ہیں: اولاً یہ ضروری ہے کہ گاہک کو اس چیز کی اصل قیمت اور بینک کے منافع دونوں سے واضح طور پر آگاہ کیا جائے اور منافع کا فیصلہ فریقین کی باہمی رضامندی سے ہو۔ ثانیاً شے

مذکور دیا اشیاء جو مرابحہ کی بنیاد پر فروخت کی جاتی ہیں، نہ صرف بینک کی ملکیت میں ہوں بلکہ ان پر بینک کا قبضہ مالکانہ بھی ہو، گاہک کو فروخت کئے جانے سے پہلے اشیاء کا بینک قبضہ میں آجانا ضروری ہے۔ ثالثاً بینک اور فراہم کار کے درمیان معاملہ کا بینک اور گاہک کے معاملہ سے الگ اور آزاد ہونا ضروری ہے۔مرابحہ کی صحت کے لئے دو معاملے ضروری ہیں، اسی لئے بعض اسلامی بینک مرابحہ فروخت کے معاملات کو دو مراحل میں مکمل کرتے ہیں اور اس کے لئے دو الگ الگ معاہدوں کے فارم استعمال کرتے ہیں۔ پہلے مرحلہ میں گاہک بینک سے مرابحہ کا معاملہ کرنے کے لئے درخواست کرتا ہے، اس معاہدے میں گاہک یہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر بینک نے وہ شے خرید لی جو اس کو درکار ہے تو وہ اس شے کو بینک سے خریدے گا۔ یہاں یہ امر محل نظر ہے کہ وعدے کی کوئی ایسی حیثیت نہیں ہے جسے قانوناً نافذ کیا جا سکے، چنانچہ گاہک کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا ارادہ بدل دے۔اس صورت میں بینک اس خطر انگیزی (Risk) کا سامنا کرتا ہے کہ اگر گاہک نے اپنی درخواست کردہ شے نہ خریدی تو بینک کو نقصان سے دو چار ہونا پڑے گا۔ دوسرا مرحلہ وہ معاہدہ ہے جو بینک اور گاہک کے درمیان قیمت کے التوا کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ در اصل مرابحہ فروخت کا معاہدہ ہے جس میں پرانی قیمت، بینک کا فائدہ اور نئی قیمت اور اس کی ادائیگی کی شرطیں واضح طور پر بیان کی جاتی ہیں۔

اسلامی مالیاتی ادارے مرابحہ کی بنیاد پر وضع کئے جانے والے سرمایہ کاری کے طریقوں کو مختلف ناموں سے استعمال کر رہے ہیں، مثلاً پیداوار افزائش پروگرام (Production Support) قصیر مدت کی سرمایہ کاری (Short term-Financing) یا معاہدہ خرید و فروخت (Sale & Purchase Contract) وغیرہ مرابحہ کا استعمال مختلف طریقوں کی سرمایہ کاری کے لئے کافی بڑے پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔مختلف زمروں کی مالی ضروریات مرابحہ کے ذریعہ پوری کی جاتی ہیں، مثلاً صارفین کے لئے دیرپا اشیائے صرف، کار، ریفریجریٹر اور دوسری اشیاء کی خریداری، مکانوں کی خریداری کے لئے سرمایہ کی فراہمی، پیداواری زمرے میں مشینری

آلات اور کچا مال فراہم کرنے کے لئے سرمایہ کی فراہمی وغیرہ، لیکن مرابحہ کا زیادہ تر استعمال قصیر مدتی تجارت کو سرمایہ فراہم کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

ذیل میں مرابحہ طریق سرمایہ کاری کے بعض اہم اطلاقات بیان کئے گئے ہیں:

(الف) پروانۂ قرض جاری کرنے میں مرابحہ کا اطلاق:
(Application of Murabaha in Letter of Credit)

مرابحہ کا ایک اہم استعمال پروانۂ قرض (Letter of Credit) جاری کرنے میں ہوتا ہے۔ مرابحہ کی بنیاد پر پروانۂ قرض کو کس طرح جاری کیا جاتا ہے اس کی مثال دبئی اسلامی بینک سے دی جاسکتی ہے:

اول: گاہک ایک درخواست کے ذریعہ بینک سے درخواست کرتا ہے کہ بیرون ملک سے کچھ اشیاء درآمد کرنے کے لئے اس کے حق میں پروانۂ قرض جاری کیا جائے، وہ اپنی درخواست کے ساتھ تمام ضروری دستاویزات منسلک کرتا ہے۔

دوم: درخواست کا جائزہ لینے کے بعد اور ضروری ضمانتوں کے حصول کے بعد بینک گاہک کے نام پر ایک پروانۂ قرض جاری کر دیتا ہے اور اس کی نقول برآمد کنندہ اور اس کے بینک کو ارسال کر دی جاتی ہیں۔

سوم: گاہک بینک کے ساتھ ''وعدہ خریداری'' (Promise to buy) کے معاہدہ پر دستخط کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ درآمد مال خریدنے کا وعدہ کرتا ہے۔ اشیاء کی قیمت اور ڈلیوری کی دوسری تفاصیل باہمی گفت وشنید کے ذریعہ طے ہوتی ہیں۔

چہارم: پروانۂ قرض کی نقول ملنے کے بعد غیر ملک میں برآمد کنندہ تمام دستاویزات اور برآمد کیا جانے والا مال بینک کے حوالے کر دیتا ہے، اشیاء روانہ کر دی جاتی ہیں اور اس کے دستاویز بیرونی بینک کے ذریعہ اسلامی بینک کو روانہ کر دیئے جاتے ہیں۔

پنجم: اسلامی بینک درآمد شدہ اشیاء کا قبضہ لینے کے بعد گاہک (درآمد کنندہ) کے

ساتھ بیع مرابحہ کا معاہدہ کرتا ہے۔

(ب) مرابحہ کے بعض دوسرے اطلاقات:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ مرابحہ اسلامی بینکوں کے درمیان سرمایہ کاری کا ایک مقبول ترین طریقہ ہے اس لئے اس کا اطلاق مختلف زمروں میں کیا جارہا ہے، ذیل میں مرابحہ کے بعض ایسے اطلاقات بیان کئے جارہے ہیں جن کا استعمال اردنی اسلامی بینک میں کیا جاتا ہے:

(الف) مرابحہ کا استعمال ان اشیاء کی خریداری کو سرمایہ فراہم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے جن کو رہن رکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بینک کے پاس اس درخواست کے ساتھ آتا ہے کہ بینک کار خریدنے کے لئے اس کو سرمایہ فراہم کرے۔ بینک اس شخص کی طرف سے کار خریدے گا اور وہ شخص اس بات کا وعدہ کریگا کہ وہ اس کار کو بینک سے خریدے گا۔ بینک ڈیلر کے نام بل جاری کرتا ہے اور کار کا رجسٹریشن بینک کے نام کیا جاتا ہے۔ ڈیلر ضروری دستاویزات بینک کو دکھا کر اپنی قیمت وصول کرلیتا ہے۔ اب بینک اس کار کو گاہک کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، اس مرحلہ پر رجسٹریشن گاہک کے نام پر ہوتا ہے۔ فروخت کا یہ معاہدہ قیمت کے التوا کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ بینک ضروری ضمانت حاصل کرلیتا ہے۔ ضمانت میں یہ شق بھی شامل ہوسکتی ہے کہ گاہک بینک کے پاس کار رہن رکھ دے۔ اراضی اور عمارتوں کی خریداری کے لئے بھی مرابحہ کا طریقہ اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے، لیکن فرق صرف یہ ہے کہ معاہدہ کی لاگت میں اضافہ ہوجائے گا، کیونکہ اراضی اور عمارتوں کا دوبار رجسٹریشن کرانے میں کافی خرچ ہوتا ہے۔

(ب) اردنی اسلامی بینک افراد کو ان چیزوں کی خریداری کے لئے بھی سرمایہ فراہم کرتا ہے جن کو رہن نہیں رکھا جاسکتا۔ جیسے بجلی کے اشیاء اور گھریلو استعمال کی دیرپا اشیاء، اس کے لئے جو طریقۂ سرمایہ کاری اپنایا جاتا ہے وہ تقریباً ویسا ہی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ فرق صرف اتنا ہے

کہ خریدار کے ذریعہ قیمت کے التوا کی بنیاد رہن کے بجائے ایک پرمیسری نوٹ (Promissary Note) ہوتا ہے جس کو مرابحہ کی شرائط کے مطابق لکھا جاتا ہے۔

اسلامی بینکوں میں مرابحہ کے کامیاب استعمال سے متاثر ہوکر بعض سودی بینکوں نے بھی اس طریقۂ سرمایہ کاری کا استعمال شروع کردیا ہے، اس کے لئے وہ اسلامی بینک کاری کا ایک شعبہ قائم کردیتے ہیں جس کو بینک کاروں کی اصطلاح میں ''اسلامک ونڈو'' (Islamic Window) کہا جاسکتا ہے، اس کے ذریعہ مالی وسائل ایسے طریقوں سے اکٹھے کئے جاتے ہیں اور ان کا استعمال بھی ایسے طریقوں میں کیا جاتا ہے جن میں سود کی آمیزش نہ ہو۔ پاکستان میں گرانڈلیز بینک اور لندن میں بی سی سی آئی نے ایسی اسلامک ونڈوز کھول رکھی ہیں (یہ مضمون بی سی سی آئی Bank of Credit Commerce Internatoinal کے خلاف بنک آف انگلینڈ کے اقدام سے پہلے لکھا گیا تھا، تادم تحریر اس بینک کے اعمال معطل ہیں)۔

سعودی عرب کے سب سے بڑے تجارتی بینک نیشنل کمرشیل بینک (البنک الأهلي التجاري) نے ایک بین الاقوامی تجارتی فنڈ قائم کیا ہے جو مرابحہ کے اصولوں پر کام کرتا ہے۔ یہ فنڈ اکائیوں (Units) پر مشتمل ہے۔ اصل کاروں کو ان اکائیوں کی فروخت کے ذریعہ فنڈ کے لئے مالی وسائل اکٹھا کئے جاتے ہیں، ہر اکائی فنڈ کی اصل کاری میں ایک حصہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ فنڈ کے مالی وسائل کا استعمال، مرابحہ کے ذریعہ بین الاقوامی بازار میں اشیاء کی خرید کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، یہ اشیاء خریداروں کو قیمت میں التوا کی بنیاد پر فروخت کردی جاتی ہیں، ان اعمال سے حاصل ہونے والا منافع فنڈ کے راس المال میں شامل کردیا جاتا ہے جس سے اکائیوں کی قیمت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ فنڈ کے ذریعہ زیادہ تر قصیر مدتی سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے کیونکہ کسی ایک کاروباری عمل کے لئے فراہم کئے گئے سرمایہ کی زیادہ سے زیادہ مدت ایک سال مقرر کی گئی ہے۔

۲- بیع مؤجل:

بیع مؤجل بھی ایک کلاسیکی تکنیک ہے۔ اس کو عربی میں بیع بالثمن الآجل بھی کہتے ہیں، یعنی ایسا سودا جس میں قیمت کی ادائیگی تاخیر سے کی جائے۔ اسلامی فقہ کی رو سے ایسی بیع جائز قرار دی جاتی ہے جس میں شے کی ادائیگی تو فوری طور پر کی جائے لیکن قیمت کی ادائیگی کو ایک مقررہ مدت تک ملتوی کر دیا جائے۔ فقہاء کی رائے میں ایسی صورت میں زیادہ قیمت وصول کی جاسکتی ہے۔

کچھ اسلامی بینکوں میں سرمایہ فراہم کرنے کے لئے بیع مؤجل کا استعمال کیا جارہا ہے۔ ان میں سے بینک اسلام ملیشیا قابل ذکر ہے۔ ذکریا مان کے بیان کے مطابق بینک اسلام ملیشیا میں بیع مؤجل کا استعمال مندرجہ ذیل طریقے سے ہوتا ہے:

''پہلے تو بینک گاہک کی ضروریات، مدت اور ادائیگی کے طریقے کا تعین کرتا ہے۔ پھر بینک گاہک کو درکار چیز خریدتا ہے اور اس کے ہاتھ طے شدہ قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ قیمت میں لاگت اور بینک کا منافع دونوں شامل ہوتے ہیں۔ بینک کے منافع مدت اور چیز کی نوعیت کے لحاظ سے متعین کئے جاتے ہیں'' (ذکریا مان: ملیشیا میں اسلامی بینک کاری کا تجربہ، دیکھئے: محمد عارف: جنوبی ایشیا میں اسلامی بینک کاری، صفحہ ۷۶ (انگریزی))۔

پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی بیع مؤجل کو سودی قرضوں کا ایک متبادل تسلیم کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی کونسل نے یہ بھی آگاہی دی ہے کہ اس طریقہ کار کو احتیاط سے استعمال کیا جانا چاہئے ورنہ پچھلے دروازوں سے سود کے در آنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے (اسلامی نظریاتی کونسل: معیشت سے سود کا خاتمہ کرنے پر رپورٹ، دیکھئے: ضیاء الدین احمد وغیرہ، (Money and Banking in Islam) صفحہ ۱۱۸۔ تاہم اس آگاہی کے باوجود پاکستان میں تجارتی بینک کثرت سے بیع مؤجل کا استعمال کرتے ہیں (دیکھئے: نوازش علی زیدی: حوالہ سابق صفحہ ۱۹)۔

۳-مشارکت:

اسلامی بینک کاری کے نقطۂ نظر سے مشارکت کو مرابحہ کے مقابلہ میں سرمایہ کاری کا ایک بہتر طریقہ تسلیم کیا جاتا ہے۔لفظ مشارکت عربی لفظ شرکت سے ماخوذ ہے،جس کے معنی حصہ داری کے ہیں۔اسلامی فقہ کے ماہرین کے مطابق،مشارکت کی تشریع،آیات قرآنی،سنت اور علماء کے اجماع سے ثابت ہے (دیکھئے: سید سابق: فقہ السنہ ۳/۲۷۷تا۳۸۰)۔

اسلامی بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے ''شرکت عنان'' اور ''شرکت وجوہ'' کا استعمال آسانی سے کرسکتے ہیں،کیونکہ شرکت کی یہ اقسام دوسری اقسام کے مقابلہ میں زیادہ لچک دار ہیں۔

اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری کے لئے مشارکت کا استعمال مندرجہ ذیل طریقے سے ہوتا ہے:

ایک یا ایک سے زائد کارانداز کسی مشروع کے لئے سرمایہ حاصل کرنے کے لئے اسلامی بینک کے پاس آتے ہیں۔بینک دوسرے تمام کارانداز وں کے ساتھ مل کر پروجیکٹ کے لئے درکار پورے سرمایہ کا بندوبست کرتا ہے۔بینک اور دوسرے تمام شرکاء کو پروجیکٹ کے انتظام میں شامل ہونے کا حق ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شریک چاہے تو اپنے اس حق سے دستبردار ہوسکتا ہے۔ نفع ایسے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا جو سب کی رضامندی سے پہلے سے طے شدہ ہو،لیکن نقصان میں سب اسی تناسب سے شریک ہوں گے جو ان کے لگائے گئے سرمایہ کے درمیان ہو۔مشارکت کی مندرجہ ذیل قسمیں اسلامی بینکوں کے درمیان مقبول ہیں:

(الف) مستقل مشارکت:

اس طریقہ میں اسلامی بینک مختلف کمپنیوں کے حصص میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں اور اپنے سرمایہ کے تناسب سے نفع میں سے حصہ پاتے ہیں۔شرکت کی اس صورت میں معاہدہ ختم ہونے

کی مدت کا تعین نہیں کیا جاتا ہے، اس لئے شرکت کا معاہدہ اس وقت تک جاری رہ سکتا ہے جب تک کہ شرکاء چاہیں، اسی لئے اسے مستقل مشارکت کے نام سے پکارتے ہیں۔

(ب) مشارکت متناقصہ:

شرکت کی یہ ایک خاص قسم ہے جس کے دوران شریک غالب کا حصہ بتدریج کم ہوتا جاتا ہے اور بالآخر صفر رہ جاتا ہے، جبکہ دوسرا شریک پروجیکٹ کا مالک بن جاتا ہے۔ اس کی عملی صورت مندرجہ ذیل ہے:

بینک کسی پروجیکٹ میں ایک مالی شریک کی حیثیت سے حصہ لیتا ہے۔ پروجیکٹ سے ہونے والی متوقع آمدنی کا پیش قیاسی (Fore castin) کے ذریعہ تعین کرلیا جاتا ہے۔ بینک اور شریک کے درمیان ایک معاہدہ قرار پاتا ہے جس کی رو سے بینک ایک شریک کی حیثیت میں منافع کا حصہ دار بنتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی معاہدہ کی ایک دوسری شق کی رو سے پروجیکٹ کی خالص آمدنی (Net Income) کا ایک حصہ بینک کو اس کے راس المال کی ادائیگی کے لئے دیا جاتا ہے۔ بقیہ آمدنی دوسرا شریک رکھتا ہے۔ اس طرح پروجیکٹ میں بینک کی حصہ داری رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے اور دوسرے فریق کا حصہ بڑھتا رہتا ہے، بالآخر فریق ثانی پروجیکٹ کا مکمل مالک بن جاتا ہے اور اسے بینک کو کسی قسم کی کوئی ادائیگی نہ کرنا ہوگی۔

اردنی اسلامی بینک نے مشارکت متناقصہ کی تکنیک تجارتی اور رہائشی عمارتوں کی تعمیر کو سرمایہ فراہم کرنے کے لئے کامیابی سے استعمال کی ہے۔ ان پروجیکٹوں کو اس بنیاد پر سرمایہ فراہم کیا گیا کہ بینک کو شراکت دار کی حیثیت سے خالص منافع کا ایک حصہ اور راس المال کی ادائیگی کی قسط کا دوسرا حصہ ملے گا، جب بینک کی دی گئی رقم کی پوری طرح ادائیگی ہوچکتی ہے تو ملکیت فریق ثانی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور بینک کا کوئی دعویٰ باقی نہیں رہتا۔ اردنی اسلامی بینک نے اربد میں ایک تجارتی کمپلیکس اور زرقا میں ایک ہسپتال کی تعمیر اسی اصول پر کرائی ہے۔

(ج) داخلی تجارت میں مشارکت کا اطلاق:

البرکہ اسلامی بینک (سوڈان) داخلی تجارت اور مقامی بازار میں اشیاء کی خرید اور فروخت کے لئے مشارکت کا استعمال کررہا ہے، یہ تکنیک مندرجہ ذیل طریقے سے کام کرتی ہے:

بینک کسی تاجر کے ساتھ مقامی اشیاء کی خرید وفروخت کے لئے شرکت کا معاہدہ کرتا ہے۔ اشیاء کی کل لاگت خرید کو تمام شرکاء کے درمیان تقسیم کردیا جاتا ہے، اور ہر حصہ دار اپنے حصہ کی رقم فراہم کرتا ہے۔ معاہدے پر دستخط ہوجانے کے فوراً بعد خاص اس معاملے کے لئے ایک مشارکت کھاتہ کھولا جاتا ہے جس میں تمام لین دین کا اندراج کیا جاتا ہے۔ تاجر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اشیاء کی خرید وفروخت کا انتظام کرے۔ منافع کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقے سے عمل میں آتی ہے:

پہلے تو خالص منافع کا ایک طے شدہ فیصد حصہ اس تاجر کو دیا جاتا ہے جو انتظام وانصرام کا بار اٹھاتا ہے، بقیہ مشارکت معاہدے کے حصہ داروں میں ان کے سرمایہ کے تناسب سے تقسیم کردیا جاتا ہے، نقصان ہونے کی صورت میں تمام حصہ دار اپنے سرمایہ کے تناسب سے نقصان میں شریک ہوتے ہیں۔

(د) درآمدی تجارت میں مشارکت کا اطلاق:

سوڈان کا البرکہ اسلامی بینک اشیاء کی درآمد کو سرمایہ فراہم کرنے کے لئے بھی مشارکت کا استعمال کرتا ہے۔ یہ معاہدہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ویسا ہی ہوتا ہے جس کی وضاحت داخلی تجارت کے ضمن میں اوپر کی گئی، لیکن بعض تفصیلات میں فرق ہے۔ درآمد کنندہ بینک سے بعض اشیاء کی درآمد اور فروخت میں حصہ لینے کی درخواست کرتا ہے۔ درآمد کی کل لاگت کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور فریقین کے سرمایہ کے تناسب کا تعین کیا جاتا ہے۔ عام طور پر درآمد کی کل لاگت غیر ملکی کرنسی یا امریکی ڈالروں میں بتائی جاتی ہے۔ معاہدے پر دستخط ہوجانے

کے فوراًبعد درآمد کنندہ اپنے حصہ کی رقم کی ادائیگی کردیتا ہے اور اسے اس معاملہ میں مخصوص مشارکت کھاتہ میں جمع کردیا جاتا ہے۔درآمد کنندہ اپنے ذمہ کل رقم میں سے ایک حصہ کی ادائیگی بھی کرسکتا ہےاور بقیہ رقم بالاقساط بلوں کی وصولیابی پر ادا کی جاتی رہیں گی۔بعد ازاں بینک درآمد کنندہ کے نام پروانہ قرض (Letter of Credit) جاری کرتا ہے اور اشیاء کی روانگی کی دستاویزات وصول ہونے کے بعد برآمد کنندہ کو مکمل ادائیگی کردیتا ہے۔اشیاء کی بیمہ لاگت مشارکت کھاتہ کے اخراجات میں درج کی جاتی ہے۔اشیاء کی درآمد، کسٹم سے منظوری اور ان کی فروخت کی ذمہ داری درآمد کنندہ پر ہوتی ہے۔خالص منافع شرکاء کے درمیان پہلے سے طےشدہ تناسب کے مطابق اورنقصان سرمایہ کے تناسب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

(ھ)مشارکت کے اصول پر پروانہ قرض کا اجراء:

مشارکت کے اصول پر پروانہ قرض جاری کرنے کا تجربہ بینک اسلام ملیشیا نے کیا ہے،اس کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

تاجر بینک کو اپنے پروانہ قرض کی ضروریات سے آگاہ کرتا ہے ۔ اس کے بعد مشارکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرنے کی شرائط طے کی جاتی ہیں۔تاجر ودیعت کے اصول کے تحت درآمد کی جانے والی اشیاء کی لاگت کا ایک حصہ بینک کے پاس جمع کراتا ہے۔بعد ازاں بینک پروانہ قرض جاری کرتا ہے اور اپنے جوڑی دار بینک کو پوری ادائیگی کردیتا ہے،جس میں بینک کا سرمایہ اورتاجر کی جمع شدہ رقم دونوں شامل رہتے ہیں، اس کے بعد دستاویزات تاجر کے حوالے کردی جاتی ہیں۔

تاجر اشیاء کا قبضہ حاصل کرتا ہے اور ان کو معاہدے کی شرائط کے مطابق فروخت کرتا ہے۔اس عمل کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے منافع معاہدے کی شروط کے مطابق تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(و) زرعی زمرے میں مشارکت کا اطلاق:

سوڈان میں اسلامی بینکوں اور خاص طور پر سوڈانی اسلامی بینک نے مشارکت کے اطلاق کے لئے زرعی زمرے کا انتخاب کیا ہے جس میں اسلامی ممالک میں زرعی اور دیہی ترقی کے بے پناہ امکانات پوشیدہ ہیں۔ سوڈانی اسلامی بینک کاشتکاروں کو مشارکت کے ذریعہ سرمایہ فراہم کرنے کے تجربے کر رہا ہے اور اس مقصد کے لئے بینک نے دیہی ترقی کا ایک الگ شعبہ قائم کیا ہے۔

زرعی زمرے میں مشارکت کا اطلاق درج ذیل طریقے سے ہوتا ہے:

سوڈانی اسلامی بینک اور کاشت کار مشارکت کا ایک معاہدہ کرتے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت بینک کاشتکار کو مستقل اثاثے (Fixed Assets) مثلاً ہل، ٹریکٹر، سینچائی پمپ، اور دوسرے زرعی آلات، نیز چالو سرمایہ (Working Capital) جیسے ایندھن، تیل، بیج، جراثیم کش دوائیں، کیمیاوی کھاد وغیرہ فراہم کرتا ہے، کاشتکار آراضی، محنت اور انتظامی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔ کاشتکار کو نقد روپیہ فراہم نہیں کیا جاتا ہے۔ مشارکت کا معاہدہ ہونے کی وجہ سے ضمانتوں، یا رہن وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، صرف شخصی ضمانت کافی سمجھی جاتی ہے۔ منافع کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو خالص منافع کا تیس فیصد حصہ کاشتکار کو اور بینک کے امور کی اجرت کی حیثیت سے دیا جاتا ہے اور باقی ستر فیصد حصہ کاشتکار کو اس کے انتظامی امور کی اجرت کی حیثیت سے دیا جاتا ہے، اور باقی ستر فیصد حصہ کاشتکار اور بینک کے درمیان ان کے سرمایہ کے تناسب سے تقسیم ہوتا ہے۔

۴ - مضاربت:

مضاربت کو قراض یا مقارضہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، کلاسیکی طور پر یہ سرمایہ اور محنت کے درمیان تعاون کا ایک معاہدہ ہے جس میں ایک فریق سرمایہ اور دوسرا محنت اور انتظامی

صلاحیت فراہم کرتا ہے۔ دوسرے معاہدوں کی طرح مضاربت بھی افراد کے لئے وضع کیا گیا تھا اور اس کا خاص میدان تجارت تھا۔ اداروں پر اس کا اطلاق اور مالیاتی زمرے تک اس کی وسعت دورجدید کے اجتہادات ہیں۔

مضاربت کے نظریاتی اور فقہی پہلوؤں کا احاطہ اس سلسلہ مضامین کے اس حصے میں کیا جاچکا ہے جس میں اسلامی بینک کاری کی نظریاتی بنیادوں کا جائزہ لیا گیا ہے، اس لئے یہ حصہ صرف اس کے عملی پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔

گو کہ مسلم ماہرین اقتصادیات کی رائے میں مضاربت پر قائم بینک کاری کو سودی بینکاری کے مقابلہ میں زیادہ کارگذار ثابت کرنے والی تحقیقات بھی سامنے آئی ہیں، اس کا اہم عصر اطلاق دشواریوں سے خالی نہیں ہے، مثلاً ملک کا قانونی نظام رب المال کو ایسے تحفظات فراہم کرے جو مضاربت کی بنیاد پر پروجیکٹوں کی سرمایہ کاری کے لئے تیار ہو۔

ان اور بعض دوسرے اسباب کی بناپر مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرنے والے اسلامی بینکوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ مزید برآں ان چند اسلامی بینکوں کے درمیان جنہوں نے مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کی جرأت کی ہے، اعمال کی تعداد یا سرمایہ کاری کی رقم کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں ہے۔

اردنی اسلامی بینک ان چند اسلامی بینکوں میں سے ایک ہے جو مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ بینک کا قانون دوقسم کی مضاربت کی نشان دہی کرتا ہے: انفرادی مضاربت اور مشترک مضاربت -انفرادی مضاربت کے تحت اردنی اسلامی بینک کسی ایک فرد یا کمپنی کو نفع اور نقصان میں شرکت کے اصول پر سرمایہ فراہم کرتا ہے، اور مشترک مضاربت اصل کاروں اور بینک کے درمیان تسلسل کی بنیاد پر ہوتی ہے، اصل کار اپنا سرمایہ ایک مخصوص فنڈ میں رکھتے ہیں جن کا استعمال بینک اپنے سرمایہ کاری کے اعمال میں کرتا ہے، اصل کاروں کو حاصل شدہ منافع کا ایک حصہ دیا جاتا ہے، خواہ وہ اسکیمیں جن میں ان کا سرمایہ لگا ہو مکمل ہو چکی

ہوں یا نہ ہوئی ہوں۔

بعض اصل کار کمپنیاں (Investment Companies) تجارتی کمپنیوں کے حصص کی خریداری کو بھی مضاربت کی ایک شکل قرار دیتی ہیں۔ اس صورت میں اصل کار اپنا سرمایہ کمپنی کے حوالے کر دیتے ہیں اور کمپنی اپنی صوابدید کے مطابق ان رقوم کو اسٹاک حصص میں لگاتی ہے۔ کمپنی کو مضارب کی حیثیت سے نفع کا ایک حصہ ملتا ہے۔

ایران میں مضاربت کو بینکوں اور دکانداروں کے درمیان قصیر مدتی تجارتی حصہ داری (شراکت) قرار دیا جاتا ہے۔ پروجیکٹ کی تمام مالی ضروریات بینک پوری کرتا ہے اور کارانداز پروجیکٹ کا انتظام وانصرام کرتے ہیں۔ مضاربت معاہدے کے دونوں فریق پروجیکٹ سے حاصل ہونے والے منافع میں پہلے سے طے شدہ تناسب کے مطابق شریک ہوں گے۔ ایران کے مالی حکام نے بینکوں کو ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ امدادِ باہمی اداروں کو اپنے مضاربت کے اعمال میں فوقیت دیں۔

۵- ایجار یا اجارہ (پٹے داری):

اسلامی شریعت اس بات کی بھی اجازت دیتی ہے کہ کسی اثاثے کا مالک اپنے اثاثہ کو کرایہ پر دے سکتا ہے، اور کرایہ دار کو اثاثے سے حاصل ہونے والی منفعت کے بدلے میں پہلے سے طے شدہ اثاثہ حاصل کر سکتا ہے۔ عقد ایجار کو بھی عقود (معاہدوں) کی دوسری تمام شرعی شرطوں کو پورا کرنا چاہئے، جیسے معاہدہ واضح ہو، باہمی رضامندی سے کیا گیا ہو اور فریقین کی ذمہ داریاں اور ان کو حاصل ہونے والی منفعت واضح طور پر معاہدے میں شامل کی گئی ہوں۔

موجودہ دور میں اسلامی بینک ایجار کو سرمایہ کاری کے ایک طریقہ کے طور پر استعمال کرنے لگے ہیں، اس کی مثال درج ذیل ہے:

بینک کچھ آلات یا مشینری خریدتا ہے جس کی کسی کارانداز کو کسی صنعتی پروجیکٹ میں

ضرورت ہے، بینک اس مشینری کو کار انداز کو پٹے داری پر دے دیتا ہے، پٹے داری کی مدت کم از کم تین ماہ سے لے کر زیادہ سے زیادہ پانچ برس تک ہوسکتی ہے۔ معاہدوں میں مہلت کی مدت شامل ہوسکتی ہے، لیکن اگر فریقین اس کی ضرورت نہیں سمجھتے تو اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ پٹے داری کے معاہدہ کے وقت فریقین کی رضامندی سے کرایہ کی ادائیگی کا ایک جدول تیار کیا جاتا ہے جس میں پٹے داری کی مدت اور بینک کے ذریعہ کی گئی اصل کاری کی رقم کا لحاظ رکھا جاتا ہے، بینک کو اس کا اختیار رہتا ہے کہ وہ دوسرے اصل کاروں کو بھی پٹے داری میں شرکت کے لئے مدعو کرسکے۔ ایسا عام طور پر ان پروجیکٹوں میں کیا جاتا ہے جن میں کافی بڑی رقم کی اصل کاری کی ضرورت ہو۔ مثلاً ایک اسلامی بینک بحری جہاز خرید کر کسی کمپنی کو پٹے داری پر دینا چاہتا ہے جس کے لئے کئی ملین ڈالر کی ضرورت ہوگی۔ اس پروجیکٹ میں اسلامی بینک کئی اصل کاروں کو شامل کرسکتا ہے اور تمام حصہ دار کرایہ کی آمدنی سے ہونے والے منافع میں شریک ہوسکتے ہیں، بینک کسی حصہ دار کے حصص دوبارہ خریدنے کے حقوق محفوظ رکھ سکتا ہے۔

بینک اسلام ملیشیا ان چند اسلامی بینکوں میں ہے جو سرمایہ کاری کے لئے پٹہ داری کا استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان میں بھی پٹے داری کو ایک منظور شدہ طریقہ سرمایہ کاری کی حیثیت حاصل ہے۔ بینک دولت پاکستان نے تجارتی بینکوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ زرعی زمرے میں ٹیوب ویل، ٹریکٹر، ماہی گیری کی کشتیاں، ٹرانسپورٹ کی مشینری اور شمسی توانائی کی مشینری وغیرہ پٹے داری پر دے سکتے ہیں۔

اجارہ یا پٹے داری کی قابل ذکر قسمیں درج ذیل ہیں:

(الف (اجارہ واقتناع):

اس معاملہ کے پس پشت یہ خیال ہے کہ ایک اثاثہ کسی کرایہ دار کو پٹے داری پر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی کرایہ دار کو یہ سہولت بھی دی جائے کہ اگر وہ چاہے تو اس اثاثے کو طے شدہ قیمت پر خرید لے۔ اس تکنیک کو عربی میں اجارہ واقتناع اور انگریزی میں (Lease

(Purchase Scheme کہتے ہیں، کئی اسلامی بینک مختلف طریقوں سے اس تکنیک کو استعمال کرتے ہیں جن میں سے بعض یہاں بیان کی جاتی ہیں:

البرکہ انوسٹمنٹ کمپنی، کثیر سرمایہ والی اشیاء مثلاً بڑی عمارتوں، صنعتی مشینری اور بھاری انجینئرنگ مشینری کو سرمایہ فراہم کرنے کے لئے اجارہ واقتناع کا استعمال کرتی ہے، اصل کاروں کو کرایہ کی رقم میں سے ماہانہ قسطیں دی جاتی ہیں۔ پٹے داری کی مدت ختم ہونے پر کرایہ دار اثاثے کو خرید لیتا ہے۔

بینک اسلام ملیشیا بھی اجارہ واقتناع کی تکنیک استعمال کرتا ہے، طریقہ کار تقریباً وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ معاہدے کے وقت کرایہ دار اور بینک کے درمیان معاہدے میں یہ شق شامل کی جاتی ہے کہ پٹے داری کی مدت ختم ہونے کے بعد کرایہ دار طے شدہ قیمت پر اثاثہ کو خریدے گا، اور کرایہ کی رقم، جو اس مدت کے دوران ادا کی گئی، قیمت کا ایک حصہ تصور کی جائے گی۔

ایران کے اسلامی بینک میں بھی درکار مشینری، آلات، نیز منقولہ وغیر منقولہ جائداد کاروباری اداروں کو کرایہ پر دیتے ہیں، معاہدے کے وقت کاروباری اداروں کو یہ ضمانت دینا ہوتی ہے کہ اگر معاہدہ فریقین کے لئے قابل قبول ہوتو وہ اثاثے پر فوراً قبضہ لینے کے لئے تیار ہیں، پٹے داری کی مدت اثاثے کی مفید مدت حیات (Useful Life) سے زیادہ نہیں ہوسکتی ہے جس کا تعین بینک مرکزی ایران کرتا ہے، مزید برآں ۱۹۸۳ء کے غیر ربوی بینک کاری قانون کی شق نمبر ۱۰ کے مطابق بینکوں کو مجاز کیا گیا ہے کہ وہ وزارت برائے تعمیر مکانات وشہری ترقی کے تعاون سے کم لاگت والے مکانات تعمیر کریں اور ان کو اجارہ واقتناع کی بنیاد پر عوام کے ہاتھ فروخت کریں۔

(ب) پاکستان میں خریداری بالاقساط اسکیم:

پاکستان میں خریداری بالاقساط اسکیم (Hire purchase Scheme) اجارہ و

اقتناع کے اصولوں پر ہی مرتب کی گئی ہے، بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں میں چنداں فرق نہیں لیکن بعض عملی تفاصیل میں فرق ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ اس اسکیم کو علیحدہ سے بیان کیا جائے۔

جب کوئی شخص اس اسکیم کے تحت کسی پاکستانی بینک سے رابطہ قائم کرتا ہے اور سرمایہ کاری کی درخواست کرتا ہے تو اس کے نام خریداری بالاقساط کا ایک خاص کھاتہ کھولا جاتا ہے۔ اثاثے کی قیمت اور کرایہ کی رقم اس میں درج کر لی جاتی ہے۔ کرایہ دار کی اقساط کے دو واضح اجزاء ہوتے ہیں: کرایہ کی رقم جو طے ہوئی ہو، اور منافع کا ایک جزء۔ اثاثہ اس وقت تک بینک کی ملکیت میں رہتا ہے جب تک کہ تمام اقساط کی مکمل ادائیگی نہ ہوگئی ہو، ادائیگی مکمل ہوجانے کے بعد ملکیت خریدار کی طرف منتقل کر دی جاتی ہے۔ اقساط اس طرح طے کی جاتی ہیں کہ اس کی پوری قیمت اثاثہ کی مفید مدت حیات کے اندر ہی ادا ہوجائے۔

۶- براہ راست اصل کاری (Direct Investment):

عام تجارتی بینکوں کے برخلاف اسلامی بینک اپنے مالی وسائل کی براہ راست اصل کاری بھی کرتے ہیں، اس صورت میں اسلامی بینک، مالیاتی ثالثی کے ایک ادارہ کے بجائے ایک اصل کار کمپنی کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ عام تجارتی بینکوں کے مقابلہ میں اسلامی بینک براہ راست اصل کار کے ذریعہ سماجی فلاح وبہبود کے کام میں زیادہ سرگرمی دکھا سکتے ہیں۔ اسلامی بینکوں کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ منتخب زمرہ کار میں، اپنی پسند کے پروجیکٹوں میں براہ راست اصل کاری کرسکیں۔ وہ وسائل کو اس طرح کام میں لا سکتے ہیں جس کو وہ زیادہ مفید سمجھتے ہیں۔

براہ راست اصل کاری کے کئی طریقے ہیں، زیادہ تر اسلامی بینکوں نے ذیلی کمپنیاں قائم کی ہیں۔ نظریاتی طور پر کسی بھی قسم کی کمپنی قائم کی جاسکتی ہے، لیکن اب تک اسلامی بینکوں نے

اصل کاری، بیمہ، تجارتی اور تعمیری کمپنیاں قائم کرنے میں زیادہ دلچسپی دکھائی ہے۔

براہ راست اصل کاری کا ایک دوسرا طریقہ دوسری قائم شدہ کمپنیوں کے حصص اور سرمایہ میں شرکت کرنا ہے، اس کے علاوہ اسلامی بینک کسی پروجیکٹ کو اپنا سکتے ہیں اور اس میں اصل کاری کر سکتے ہیں۔

ایران میں اسلامی نظام بینک کاری کے تحت تجارتی بینکوں کو معیشت کے کسی بھی زمرے میں براہ راست اصل کاری کرنے کی اجازت دی گئی ہے، غیر ربوی بنک کاری قانون ۱۹۸۳ء کی شق ۸ کے ذریعہ بینکوں کو پیداآوراور ترقیاتی پروجیکٹوں میں اصل کاری کرنے کو کہا گیا ہے بشرطیکہ ان میں نقصان ہونے کی امید نہ ہو۔ یہ منصوبے ریاست کے سالانہ بجٹ کا ایک حصہ ہوں گے۔ اسی شق کے ذریعہ بینکوں کو سامان تعیش اور غیر ضروری اشیائے صرف کی پیداوار میں اصل کاری کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی براہ راست اصل کاری پر کچھ پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں، مثلاً ایرانی بینکوں کو نجی زمرہ کار کے ساتھ کسی پروجیکٹ میں براہ راست اصل کاری کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۷۔ قرض حسن:

چونکہ قرضوں پر سود لینا ممنوع ہے، اس لئے اسلامی اصولوں کے مطابق دیا گیا قرض، قرض حسن ہوتا ہے، عام طور پر یہ کسی مالی دشواری پر قابو پانے کے لئے اعانت کی غرض سے دیا جاتا ہے چونکہ اسلامی بینک بنیادی طور پر تجارتی ادارے ہیں جن کا بنیادی مقصد اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں کے لئے مناسب منافع کا حصول ہے، یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں قرض حسن دینے کی زیادہ گنجائش نہ ہو لیکن اس تجارتی رول کے علاوہ اسلامی بینکوں کا ایک سماجی رول بھی ہے۔ اس رول کو نظر میں رکھتے ہوئے بیشتر اسلامی بینک قرض حسن دینے کا انتظام کرتے ہیں۔

مختلف اسلامی بینک قرض حسن کی سہولت کس طرح دیتے ہیں، اس میں بینکوں کے درمیان ان کے حالات اور ضرورت کے مطابق فرق پایا جاتا ہے- فیصل اسلامی بینک (مصر) اپنے ان کھاتہ داروں کو جنہوں نے بینک میں چالو اور اصل کاری کھاتے کھول رکھے ہیں غیر سودی قرض لینے کی سہولت دیتا ہے، اس کے علاوہ یہ بینک بعض ضرورت مندوں جیسے طالب علموں کو بھی اپنے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی ہدایات اور شرائط کے مطابق قرض حسن دیتا ہے۔ دوسری طرف اردنی اسلامی بینک معاشی طور پر کمزور لوگوں کو پیداآور مقاصد کے لئے قرض حسن دیتا ہے تاکہ وہ آزادانہ معاشی زندگی گذار سکیں، نیز اپنی آمدنی بڑھا کر اپنا معیار زندگی بلند کرسکیں۔

ایران میں تجارتی بینکوں کے لئے یہ لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے وسائل کا ایک حصہ مختص کر دیں تاکہ چھوٹے پیمانہ کے پیداکاروں، کاراندازوں، کاشتکاروں، نیز ضرورت مند صارفین کو قرض حسن دیا جاسکے۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ایران میں بینکوں کو ان قرض پر ایک کم سے کم حق خدمت (Service Charge) لینے کی جازت ہے تاکہ ان قرضوں پر کئے گئے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

ادھر پاکستان میں تمام قرضوں اور قرض حسن میں امتیاز برتا جاتا ہے، عام قرضے تو حق خدمت کے ساتھ دیئے جاتے ہیں لیکن قرض حسن پر کوئی حق خدمت وصول نہیں کیا جاتا۔

☆☆☆

غیر سودی بینکاری - چند تجاویز

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

ہندوستان کے مختلف علاقہ کے مسلمانوں نے اسلامی اصولوں کو سامنے رکھ کر بینکنگ کا جو نظام قائم کیا ہے ان میں عام طور پر قرض حاصل کرنے کے لیے فارم خریدنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

(الف) فارم کی قیمت کے کم وبیش ہونے کے ساتھ ساتھ فارم کا کاغذ بھی عمدہ اور معمولی ہونے کے اعتبار سے مختلف ہونا چاہیے۔

(ب) فارم کی فروخت اور قرض دینے کا کاؤنٹر الگ الگ ہو۔

(ج) قرض خواہ پہلے فارم خرید لے، اس کے بعد قرض کا معاہدہ لکھ کر قرض دیا جائے۔

(د) فارم کی قیمت سے مقصود منافع کمانا نہ ہو بلکہ ادارہ کی ضروریات کی کفالت بقدر حاجت مقصود ہو۔

(ھ) جوں جوں ادارہ کی آمدنی بڑھتی رہے فارم کی قیمت میں کمی کر دی جائے۔ اور اگر کسی ایسی مستقل آمدنی کا بندوبست ہو جائے جس سے ادارہ کا خرچ بآسانی چل جائے تو قرض خواہ سے صرف وہی خرچ لینے پر اکتفا کیا جائے جو لاگت آئی ہو۔

قرض کی تجدید میں درج ذیل شرائط پر عمل کیا جائے:

☆ ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور، اعظم گڑھ۔

(الف) قرض کی مدت پوری ہوتے ہی پہلا معاہدہ بالکل ختم کر دیا جائے اور پھر سے نیا معاہدہ ہو، اور اس کی صورت یہ ہو کہ مستقرض ہر مدتِ قرض کی ابتداء میں بذاتِ خود یا اپنے وکیل کے ذریعہ (کسی سے بھی وقتی ادھار لے کر) سابقہ قرض ادا کرے۔

تجدید کے لیے وقتی ادھار اسلامی بنک بھی دے سکتا ہے، پھر نئے فارم پر دوبارہ معاہدہ لکھا جائے، اسلامی بینک کے کسی کاؤنٹر سے وہی روپے اس کو دوبارہ دے دیئے جائیں اور دوسرے کاؤنٹر سے آج والا قرض وصول کرلیا جائے۔

اس صورت میں مستقرض کو مدت ختم ہونے پر تجدید کے لیے خود آنا ضروری ہے۔ اور اگر تجدید کے لیے کسی کو اپنا وکیل بنا دے تو خود آنے کی ضرورت نہیں رہے گی، وکیل اسلامی بنک کے کسی کلرک وغیرہ کو بھی بنا سکتا ہے۔ قرض والے فارم پر ہی یہ عبارت درج کردی جائے:

"تجدید قرض کے لیے میں نے فلاں ابن فلاں صاحب کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے، وہ مدت قرض ختم ہونے پر کسی طور پر بھی روپے کا انتظام کر کے تجدید کرالیں، میں اس رقم کا ذمہ دار ہوں گا"۔

اس عبارت کے نیچے مستقرض کے دستخط و تاریخ ہوں اور اس شخص کے بھی جس کو وکیل بنایا ہے۔

(ب) تجدید کے لیے فارم ہونا ضروری ہے۔ اگر سابقہ فارم پر ہی مدت بڑھا دی گئی ہو اور فارم کی قیمت وصول کی گئی ہو تو سود ہو جائے گا۔

(ج) سابقہ معاہدہ بصورت مذکورہ ختم کیے بغیر محض توسیع قرض کے لیے نئے فارم کی قیمت وصول کرنا سود ہے اور بلاشبہ اس پر "کل قرض جر نفعاً فهو ربوا" (شامی باب الربوا) صادق آئے گا۔

(د) ہر معاہدہ قرض کے لیے، خواہ پہلے پہل کا معاملہ ہو یا تجدید کا، پہلے سے فارم خریدنا ضروری ہے یعنی فارم پہلے خرید لے، معاہدہ قرض بعد میں لکھا جائے، اس کے بعد قرض دیا جائے۔

(ھ) ایسے اداروں میں مدت قرض تین ماہ ہے، تین ماہ پورے ہوجانے پر تجدید کرائی ہوتی ہے، یا تو یہ مدت بڑھادی جائے یا فارم کی قیمت بس واجبی سی انتظام ادارہ کی ضرورت کے حساب سے رکھی جائے۔ اور انتظام ادارہ کا جوں جوں بندوبست ہوتا جائے فارم کی قیمت کم کی جاتی رہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ حساب لگانے لگیں کہ سودی بینکوں میں سود کا جو سالانہ فیصد پڑتا ہے وہی یا اس کے قریب قریب یہاں بھی ہوگیا، فرق اتنا ہے کہ اس رقم پر سود کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اور بینک کو دی جانے والی رقم شرعاً سود ہوتی ہے، لیکن یہاں بھی بے چارے غریب مسلمان کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا کیونکہ زیرباری تقریباً وہی رہی۔

اسلامی مالیاتی اداروں میں عام طور پر زیورات رہن رکھ کر قرض دیا جاتا ہے، یہ ادارے بغرض حفاظت ان زیورات کو کسی سرکاری بینک کے لاکر میں رکھتے ہیں اور لاکر کا کرایہ ادا کرتے ہیں، اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ ہر حال میں یہ کرایہ اسلامی مالیاتی اداروں پر ہی عائد ہوتا ہے۔ اگر کوئی ادارہ یہ خرچ مستقرضین سے حاصل کرنے لگے تو جائز نہ ہوگا۔

''واعلم أنه لا يلزم شيء منه لو اشترط على الراهن، قهستاني عن الذخيرة۔ درمختار، وفي الجوهرة لو شرط الراهن للمرتهن أجرة على حفظ الرهن لا يستحق شيئاً لأن الحفظ واجب عليه" (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد ۵، ص ۳۱۴)۔

ایک مسئلہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ مالیاتی ادارے، جمع شدہ رقم کہاں رکھیں، ان کی حفاظت کیسے کریں؟ ہوتا یہ ہے کہ وہ ایسے سرکاری بنکوں میں جمع کردیتے ہیں اور اس پر بنکوں کے ضابطہ کے تحت سود ملتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس سودی رقم کو کہاں خرچ کریں؟ اور خرچ کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ لوگ جن کی جمع شدہ رقم پر سود ملا ہے؟ یا وہ ادارہ جس نے یہ رقم بنک میں جمع کی ہے؟

اس کا آسان حل یہ ہے کہ پاس بک میں درج ذیل عبارت چھپوالی جائے اور جمع کرنے والوں سے اس پر دستخط کرالئے جائیں:

''میں (کھاتہ دار) مسلم بینک کو اجازت دیتا ہوں کہ اگر قانون یا حالات کی مجبوری کے پیش نظر میری رقم سرکاری بنک میں جمع کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو اس سے ملنے والے سود کو اسلامی بنک، سود کے شرعی مصارف میں خرچ کر دے''۔

اس ضمن میں ایک سوال یہ ہے کہ جمع شدہ رقوم کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے، پھر وہ دوسروں کو قرض کیسے دی جاسکتی ہے کیونکہ امانت میں اس قسم کا تصرف جائز نہیں؟

جواب یہ ہے کہ اسلامی بنکوں کا اہم مقصد یہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو معاشی اعتبار سے مستحکم اور مضبوط کرنے کے لیے غیر سودی قرض دیں، اور یہ بات عام طور پر ان کے اصول وضوابط اور اغراض ومقاصد میں لکھی ہوتی ہے اور سبھی کھاتہ دار بالعموم اسے جانتے بھی ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہماری ہی جمع شدہ رقمیں متقرضین کو قرض دی جاتی ہیں، ان سب باتوں کو جاننے کے بعد کھاتہ کھولنا اور رقم جمع کرنا گویا دلالۃً اس بات کی اجازت دینا ہے کہ اسلامی بینک اپنے اغراض ومقاصد کے تحت اس رقم میں تصرف کرے۔ البتہ ہماری رقم ڈوبنی نہیں چاہیے، ہم جب طلب کریں مل جائے، عام طور پر اسلامی بنک عندالطلب رقم ادا بھی کر دیتے ہیں بعض جگہوں پر بڑی رقموں کی واپسی کے لیے ایک دو دن کی مہلت بھی لی جاتی ہے، اور یہ بات بینک کے ضوابط میں پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے کہ اتنی رقم نکالنے کے لیے ایک دن پہلے اور اتنی رقم نکالنے کے لیے دو دن یا تین دن پہلے درخواست دینا ضروری ہے۔

مزید احتیاط کے طور پر پاس بک میں ہی درج ذیل عبارت چھپوا لی جائے اور کھاتہ دار سے دستخط کرالئے جائیں۔

''میں (کھاتہ دار) مسلم بینک کو اجازت دیتا ہوں کہ مسلم بینک میری رقم ضرورتمندوں کو قرض دے، لیکن میری ضرورت پر مجھے مل جائے''۔

اس صورت میں دینے کی صراحۃً اجازت مل جائے گی۔

بعض مالیاتی اداروں کے ضوابط میں یہ بات بھی نظر سے گزری کہ جو شخص روزانہ رقم جمع

کرنے والے فارم کو بھرے وہ اگر برابر ایک ہفتہ تک روزانہ رقم نہ جمع کرے تو کھاتہ بند کر دیا جائے گا، اور آئندہ کھاتہ جاری کرانے کے لیے یا جمع شدہ رقم واپس لینے کے لیے پنالٹی دینی پڑے گی جسے منیجر یا آرگنائزنگ سکریٹری طے کرے گا۔

اس پنالٹی کی بات غلط ہے، مالی جرمانہ جائز نہیں ہے۔

''والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال'' (حوالہ سابق ۱۷۹/۳)۔

یہ بات اسلامی بنکوں کے مقاصد کے بھی خلاف ہے، ایک آدمی کسی طرح روزانہ رقم جمع کرنے کا وعدہ کرے، پھر وہ پورا نہ کر سکے تو پنالٹی لگا دی جائے، یہ اس کے ساتھ تعاون نہیں ہوا، اگر کوئی شخص رقم جمع کرتے کرتے کسی وجہ سے یا یوں ہی جمع کرنے کا سلسلہ بند کرنا چاہتا ہے تو اسلامی بنکوں کی طرف سے جبر وا کراہ یا جرمانہ میرے خیال میں شرعی اصول سے میل نہیں کھاتا۔ ہاں! اس کا کھاتہ بند کر دیا جائے، اور دوبارہ کھاتہ کھولنے کے لیے دوبارہ اسے پاس بک خریدنی پڑے اس کی گنجائش نظر آتی ہے۔

ماہانہ سیونگ اکاؤنٹ کے متعلق یہ اصول نظر سے گذرا کہ'' اس قسم کا اکاؤنٹ کھولنے کے لیے کم از کم =/۱۰، =/۱۵، =/۲۰، =/۳۰، =/۴۰، =/۵۰، =/۷۵، =/۱۰۰ تک ہر ماہ جمع کرنا ہوگا۔ یہ اکاؤنٹ کم از کم چھ ماہ یا اس سے زائد کے لیے کھولا جا سکتا ہے، دو قسط جمع نہ کرنے کی صورت میں /۱۰ روپے وضع کر کے بقیہ رقم واپس کر دی جائے گی۔

یہاں بھی مالی جرمانہ والی بات پیدا ہو گئی، اور جس قسم کے کمزور طبقہ کے لوگ بالعموم یہ قسطیں جمع کریں گے اگر وہ کسی وجہ سے دو قسطیں نہ جمع کر سکے تو ان پر جرمانہ لگا دیا جائے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆

اجارہ اور کرایہ داری

محمد حسین کھٹکھٹے، ممبئی

اجارہ اور کرایہ خریداری (قسطوں پر خرید) اشیاء کے حصول کے دو مروج طریقے ہیں۔ بظاہر یہ دونوں ایک جیسے محسوس ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت میں جہاں تک قانونی نکات کا تعلق ہے یہ دونوں ایک دوسرے سے قطعی مخالف ہیں۔ ٹیکس کی ادائیگی اور حسابات کی تیاری میں بھی دونوں کو الگ الگ طریقے سے ظاہر اور پیش کیا جاتا ہے۔

اجارہ (Leasing) - مطلب واقسام:

اجارہ دراصل کرایے پر دینے کا دوسرا نام ہے۔ یہ اصطلاح عام طور پر کسی شی کو طویل عرصے تک عموماً (ایک سال سے زیادہ) کرایے پر دینے کے ضمن میں استعمال کی جاتی ہے۔ اجارہ کے ذریعہ زمین، مکانات، فیکٹریاں، فلیٹس وغیرہ، اور طویل المدتی مشینری مثلاً پلانٹ، مشین، گاڑیاں، پانی کے جہاز، ہوائی جہاز، تیل کے کنویں، اور دفاتر میں استعمال میں آنے والے اشیاء مثلاً کمپیوٹر، فوٹو کاپی مشین، پرنٹر، فرنیچر، ایئر کنڈیشنز وغیرہ حاصل کی جاتی ہیں۔ استعمال میں آنے والی دوسری قسم کی اشیاء کو پٹے پر حاصل کرنا ''آلات کا اجارہ'' کے نام سے ہندوستان میں جانا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے اواسط سے ہی آلات کا اجارہ ہندوستان میں اہمیت حاصل کرتا جارہا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ پیداواری ساز وسامان کا حصول آسان ہے، کچھ غیر ممالک میں ۴۰ فیصد تک نئے سامان اجارہ کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں۔

اجارہ کی دو اقسام ہیں: مشین خود چلانے کا اجارہ اور مالی اجارہ – سامان خود چلانے (استعمال کرنے) کا اجارہ اسوقت ہوتا ہے جب فریق اول یعنی اجیر (جو سامان پٹے پر دیتا ہے) خود ہی مشینری وغیرہ کے چلانے کا انتظام کرتا ہے (اپنے ملازمین یا ایجنٹ کے ذریعے)، دوسری جانب مالی اجارہ میں فریق اول محض رقم کی فراہمی کرتا ہے جس کے ذریعے وہ ساز وسامان خریدا جا سکے جس سے کاروبار کیا جائے گا۔ فریق اول مشین کے چلانے کا انتظام نہیں کرتا۔ فریق ثانی یعنی مستاجر (سامان کو پٹے پر لینے والا) بذات خود یا اپنے ملازمین کے ذریعے اس سامان کو استعمال میں لاتا ہے۔ سامان کی فراہمی کے نقطۂ نظر سے خود چلانے کا اجارہ (Operating lease) اتنا اہم نہیں، اور یہ عام طور پر پانی کے جہازوں، ہوائی جہازوں، بڑے بڑے بجلی کے جنریٹروں، تعمیراتی مشینیں اور اسی قبیل کی اشیاء کے اجارہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ ان میدانوں میں مالی اجارہ بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک اصول ہے کہ خود چلانے کا اجارہ، مالی اجارہ سے کم عرصے کے لئے کیا جانے والا معاہدہ ہوتا ہے۔

اجارہ کے عناصر:

عام طور پر اجارہ میں مندرجہ ذیل باتیں شامل ہوتی ہیں:

۱- مستأجر (leassee یعنی پٹے پر حاصل کرنے والا) اشیاء اور ان کے مینوفیکچرر کی نشاندہی کرتا ہے جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے، بعد ازاں وہ مینوفیکچرر سے پرفورما انوائس فریق اول کے نام سے حاصل کرتا ہے جس پر سودے کی تمام تفصیلات درج ہوتی ہیں۔

۲- بعد ازاں فریق اول اور فریق ثانی کے درمیان مندرجہ ذیل امور پر تفصیلات کو حتمی شکل دی جاتی ہے:

(الف) اجارہ کے انتظام کے تعلق سے فیس۔

(ب) اجارہ کے لئے زرضمانت۔

(ج) اجارہ کی مدت۔

(د) ماہانہ یا سہ ماہی کرایے کی رقوم۔

(ھ) شی کی دوبارہ فروخت (Resale) قیمت۔

۳۔ اجارہ کا معاہدہ نامہ تیار کیا جاتا ہے اور اس پر فریقین اپنے دستخط ثبت کرتے ہیں، معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد فریق ثانی (مستاجر) فریق اول (اجیر) کو زرضمانت ادا کرتا ہے۔

۴۔ فریق اول معاہدہ کے مطابق سامان کا آرڈر (مینوفیکچر یا سپلائر) کو دیتا ہے۔

۵۔ سامان (Asset) عام طور پر فریق اول کی ہدایت پر (مینوفیکچر یا سپلائر کے ذریعہ) فریق ثانی کے پتے پر پہنچایا جاتا ہے۔

۶۔ فریق ثانی معاہدہ کے مطابق کرایے کی ادائیگی کرتا رہتا ہے اور شے مذکورہ کو اپنے استعمال میں لاتا ہے۔

۷۔ اجارہ کے معاہدے کی مدت کے ختم ہونے کے بعد فریق ثانی سامان فریق اول کو لوٹا دیتا ہے اور زرضمانت کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، فریقین کے درمیان طے کی جانے والی قیمت پر سامان فریق اول کو فروخت کر دیا جاتا ہے جس کو جمع شدہ زرضمانت میں سے جہاں تک ہو ادا کرنیکی کوشش کی جاتی ہے۔ دوبارہ فروخت قیمت یا تو معاہدہ کی ابتداء میں یا اجارہ کی مدت ختم ہونے کے بعد طے کی جاسکتی ہے۔

اجارہ کے انتظام کے تعلق سے فیس:

یہ فیس معاہدہ کی مدت کے دوران ایک بار وصول کی جاتی ہے، اس کا مقصد فریق اول کے ذریعے اس سلسلے میں کئے گئے انتظامات واقدامات کے اخراجات مثلاً اجارہ کے پروپوزل کا مطالعہ، قانونی کاغذات کی تیاری کے اخراجات، کلرکوں کے اخراات، پروپوزل کا استحکام

اور فریق ثانی کی ساکھ کے بارے میں تفتیش وغیرہ۔ یہ فیس عام طور پر سامان کی کل قیمت کا ایک سے دو فیصد یا مناسب رقم تک ہوتی ہے۔

اجارہ کے لئے زرضمانت:

فریق اول فریق ثانی سے ایک مخصوص زرضمانت کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ اس کے پاس کم از کم کچھ رقم ہمیشہ محفوظ رہے تاکہ فریق ثانی مستقبل میں وقت پر کرایے کی قسطوں کی ادائیگی کر سکے۔ اس کے علاوہ فریق اول یہ مطالبہ بھی کر سکتا ہے کہ فریق ثانی مزید اضافی ضمانتوں، قانونی ورہن کے کاغذات، بینکوں یا دوسرے مالی اداروں کے فائنانشیل کاغذات یا ضمانتی دستاویزات وغیرہ بھی جمع کرے۔ معاہدے کی شرطوں کے مطابق فریق اول جمع کی گئی رقم پر کچھ مزید رقم کی واپسی پر راضی بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا ہے۔ زرضمانت صفر سے ۵۰ فیصد تک مقرر کیا جاسکتا ہے۔ اس کے تعین کی بنیاد پر فریقین کا ایک دوسرے پر اعتماد، ان کے تعلقات کی نوعیت اور مجوزہ کاروبار میں ان کے مفادات کی نوعیت ہے۔ اجارہ کی مدت کی تکمیل کے بعد اور تمام بقایا جات کی ادائیگی کے بعد زرضمانت فریق ثانی کو واپس کردیا جاتا ہے، اگر کچھ بقایا جات موجود ہیں تو زرضمانت میں سے یہ رقم منہا کرنے کے بعد بقیہ ادا کیا جاتا ہے۔

اجارہ کی مدت:

یہ وہ مدت ہے جس کے لئے فریق ثانی سامان استعمال کے لئے حاصل کرتا ہے۔ یہ مدت کسی شے کی کل فطری زندگی تک یا اس کے ایک حصے تک محیط ہوسکتی ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں اس کو واضح طور پر مہینوں اور برسوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ کبھی اس مدت کو دو حصوں میں ابتدائی اور ثانوی میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ فریق ثانی کو کبھی کبھی یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ثانوی مدت کے لئے سامان کو پٹے پر حاصل کرے (وقت پر کرایے کی ادائیگی اور دیگر شرائط کی پابندی کو مدنظر رکھتے ہوئے) یا نہ کرے۔ عام طور پر ثانوی مدت اجارہ کے دوران پٹے کا کرایہ ابتدائی

مدت کے مقابلے بہت کم ہوتا ہے۔اجارہ کی مدت عام طور پر دو سے دس برس کے درمیان ہوتی ہے جبکہ تین سے سات برس کے اجارہ معاہدے زیادہ رائج ہیں۔

اجارہ کا کرایہ:

اجارہ کا کرایہ فریق اول سے فریق ثانی کے پٹے پر کوئی سامان استعمال کیلئے حاصل کرنے کے بعدلاگو ہوتا ہے۔اس سلسلے میں سامان کی قیمت، سامان کی امکانی زندگی، اجارہ کی مدت، زرضمانت کی رقم، اور دوبارہ فروخت کے معاہدے (اگر معاہدے میں یہ شق شامل ہے) جیسے امور کا خیال رکھتے ہوئے اجارہ کا کرایہ مقرر کیا جاتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ اجارہ کی تمام مدت کے دوران ادا کئے جانے والے ماہانہ کرایہ کی رقم یکساں ہو، بلکہ معاہدہ کے وقت یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ کچھ مدت کے لئے ایک شرح ہو اور دوسری مدت کے لئے دوسری شرح ہو، کرایے کی رقم کے تعین میں پائی جانے والی یہ لچک اس سودے کی خصوصیات میں سے ایک ہے، جبکہ کرایہ خریداری یا مدتی قرضے میں ایسا نہیں ہوتا۔

اگر فریق ثانی یہ محسوس کرتا ہے کہ ابتداء میں اس کی مالی حالت نسبتاً کمزور ہے اور اجارہ پہ حاصل کئے گئے سامان کے استعمال سے اس کی مالی حالت میں بہتری آئے گی تو وہ کرایے کی رقم میں آہستہ آہستہ اضافہ کرسکتا ہے اور ابتداء میں کم کرایہ ادا کرسکتا ہے، وہ یہ بھی طے کرسکتا ہے کہ شروع میں وہ کرایہ مثلاً چھ مہینے نہیں دے گا، اس کے بعد سے شروع کرے گا۔اسکے برخلاف اگر فریق ثانی کی مالی حالت مستحکم ہے، کاروبار میں نفع حاصل کررہا ہے، اعلیٰ ٹیکس بریکٹ میں ہے، یا اسے یہ توقع ہے کہ مستقبل میں اس کے پاس رقم کی کمی ہوگی تو وہ اس امر کا مجاز ہے کہ ابتداء میں نسبتاً زیادہ کرایہ ادا کرے، اور مستقبل میں کم کرایہ ادا کرے، دونوں ہی صورتوں میں کرایے کی رقم (چاہے وہ کچھ بھی ہو) اور اس کی ادائیگی کا وقت (تاریخ وغیرہ) باضابطہ اور واضح طور پر درج کی جاتی ہیں۔

اجارہ کے روایتی طریقوں میں اگر وقت پر ادائیگی نہیں کی جا رہی ہے تو اس کوتاہی کے تاوان کے طور پر بقایا رقم پر اعلیٰ زخوں پر سود وصول کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فریق اول سامان کی قیمت کا حصہ یا کل رقم مینوفیکچرر کو ادا کردے (اور سامان پر فی الفور قبضہ کرلے)، دونوں ہی طریقوں کے غیر شرعی ہونے کے باعث ایسی تنظیمیں جن کی بنیاد شرعی اصول ہیں، ان سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں۔

دوبارہ فروخت قیمت(Re sale Price):

یہ وہ قیمت ہے جس پر اجارہ کے معاہدے کی مدت ختم ہونے کے بعد اور ذمہ میں باقی رقومات (کرایہ وغیرہ) کی مکمل وصولیابی کے بعد فریق اول سامان مذکورہ فریق ثانی کو فروخت کر دیتا ہے (یعنی اس کی ملکیت منتقل کر دیتا ہے)۔ یہ شق معاہدے کا لازمی حصہ نہیں ہے، اور اجارہ کے معاہدہ کو تحریری شکل میں لاتے وقت یہ ضروری نہیں کہ اس امر کا تذکرہ کیا جائے یا اس سلسلے میں کسی قسم کی پابندی کا ذکر کیا جائے۔

درحقیقت ہندوستان میں اگر اجارہ کے معاہدہ میں واضح طور پر اجارہ کی مدت کے دوران یا اس کے بعد ملکیت کے حقوق کی منتقلی کا واضح ذکر ہوتا ہے تو محکمہ ٹیکس اس سودے کو کرایہ خریداری کا درجہ دیتا ہے اور اس پر ٹیکس لگا دیا جاتا ہے۔ یہ یا تو فریق اول یا فریق ثانی یا دونوں کے لئے ہی نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ عام طور پر اجارہ کمپنیاں معاہدے کی ابتداء ہی میں دوبارہ فروخت کے معاملہ پر راضی ہوجاتی ہیں، لیکن اس سے متعلق معاہدہ ایک علیحدہ کاغذ پر تحریر کیا جاتا ہے اور اجارہ کے معاہدے میں اس کا ذکر بھی نہیں ہوتا ہے۔ عام طور پر دوبارہ فروخت قیمت شے کی اصل قیمت حصول کا ایک سے پانچ فیصد تک مقرر کیا جاتا ہے، اور اجارہ معاہدے کی مدت کے خاتمے کے بعد ایک الگ دستاویز اس سلسلے میں تیار کی جاتی ہے۔ دوبارہ فروخت قیمت زرضمانت میں سے منہا کر کے بقیہ رقم اور سامان کی ملکیت کا حق فریق ثانی کو دے دیا جاتا ہے۔

کرایہ خریداری(Hire Purchase):

کرایہ خریداری (قسطوں پر اشیاء کی خرید) بھی اجارہ کی مانند ایک ایسا سودا ہے جس کے ذریعے طویل المدتی اشیاء کو ایک مقررہ عرصہ کے درمیان قیمت کی ادائیگی کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔ ان دونوں سودوں میں فرق یہ ہے کہ اجارہ بنیادی طور پر کرایے پر سامان دینے کا ایک سودا ہے جبکہ کرایہ خریداری میں سامان کی خرید فروخت شامل ہے۔ اس طرح کرایہ خریداری میں فائنانسر سامان سپلائر سے خریدتا ہے۔ اور یہ سامان گاہک کو ایک طے شدہ عرصے کے دوران قسطوں میں سامان کی کل قیمت کی ادائیگی کے معاہدے کے تحت فروخت کرتا ہے۔

گاہک کے ذریعے ادا کی گئی کل رقم میں تمام قسطوں کی رقم کا جوڑ، اس کے علاوہ ایڈوانس یا ابتدائی ادائیگی اور اس کے علاوہ فیس وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔ اس طرح کرایہ خریداری ایک قسم کا مرابحہ معاہدہ ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ مرابحہ میں سامان کی قیمت کی ادائیگی سے قبل (عام طور پر سامان اس سودے میں خام مال ہوتا ہے) سامان کو استعمال (کر کے ختم) کیا جاسکتا ہے جبکہ کرایہ خریداری میں سامان اپنی شکل میں قائم رہتا ہے۔

خرید سے قبل گاہک کے سامان میں اپنی دعوے داری ثابت کرنے کے لئے دستاویزات پر دستخط کئے جاتے ہیں اور گاہک فائنانسر کو ایک رقم بطور ایڈوانس یا ابتدائی ادائیگی کے طور پر ادا کرتا ہے۔ بقیہ رقم کو برابر حصوں کی ماہانہ یا سہ ماہی (جیسا بھی معاہدے سے قبل فریقین کے درمیان طے ہوجائے) قسطوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ سامان براہ راست سپلائر گاہک تک پہنچاتا ہے۔ ادائیگی کا نظام الاوقات سامان کی فراہمی سے منسلک نہیں ہوتا ہے، اور فراہمی میں سپلائر کی جانب سے کسی قسم کی تاخیر کے لئے فائنانسر ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔

اس طرح کرایہ خریداری میں ادا کی جانے والی قسطوں کی نوعیت ایسی ہے جیسی کہ قرض حاصل کرنے کے بعد اس کی قسطوں میں ادائیگی کی جائے۔ ٹیکس اور حسابیات کے عملی اصولوں کی رو سے سامان گاہک کی ملکیت ہوتا ہے۔ قانونی طور پر ملکیت کا حق تمام اقساط کی ادائیگی کے بعد

منتقل ہوجاتا ہے۔ اس ادائیگی کا زیادہ تعلق فائنانسر سے حاصل قرض کی ادائیگی سے ہے لیکن عملی طور پر گاہک ہی اصالۃً مالک ہوتا ہے۔ لہذا ایک مرتبہ سامان کی ڈلیوری کے بعد اگر اس میں کسی قسم کی خرابی واقع ہوتی ہے یا نقصان ہوتا ہے تو یہ گاہک کا اپنا نقصان ہے اور اس کا اثر فائنانسر پر نہیں پڑتا۔ کرایہ خریداری کے روایتی طریقے کے مطابق اگر گاہک قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو فائنانسر سود کی اعلیٰ شرحوں پر تاوان کے طور پر رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسلامی کمپنیاں اور اسلامی بینک تاخیر ہونے کی صورت میں اضافی رقومات کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں۔

قبل از وقت معاہدہ کا ختم ہوجانا:

روایتی کرایہ خریداری اور اجارہ میں بھی پٹے پر سامان حاصل کرنے والا اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ تمام اقساط کی ادائیگی کرے، چاہے یہ سامان اس کے لیے سودمند ثابت ہو رہا ہو یا نہیں، اور چاہے وہ سامان کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہو یا نہیں۔ اگر چہ کرایہ خریداری میں یہ انتظام قابل فہم ہے کیونکہ اس کی بنیادی خریداری ہے (صرف قیمت کی ادائیگی قسطوں میں ملتوی کی جاتی ہے) کرایہ خریداری یا اجارہ جس میں فریق ثانی تمام اقساط کی ادائیگی کے لئے پابند ہوتا ہے اسلامی نقطہ نظر سے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسا کہ کسی سامان کی خریداری کے لئے مدتی قرض حاصل کیا جائے۔ حالانکہ فریق ثانی کو یہ سہولت اور اختیار ہونا چاہیے کہ اگر ایک سو اس کے لئے دلچسپی کھو چکا ہے تو اجارہ کا معاہدہ ختم کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں اس نکتے کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ فریق ثانی کے ذریعہ استعمال کی گئی شے (چاہے کتنے ہی کم مدت کے لئے استعمال کی جائے) واپس کئے جانے کی شکل میں سیکنڈ ہینڈ ہوجاتی ہے۔ اس شے کو فروخت کرنے کے بجائے اگر دوبارہ کسی اور سے اجارہ کا معاہدہ کیا جائے تو اس کا کرایہ بھی نئے سامان کے مقابلے بہت کم ملنے کا امکان ہے۔ اس کے علاوہ سامان کی خریداری بھی فریق اول کی مرضی کے مطابق اور اس کے اشارہ ونشاندہی پر کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں فریق اول کے

مفادات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ایک امکانی صورت یہ ہے کہ فریق ثانی کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ قبل از وقت سامان واپس کردے اور بقیہ مدت کا کرایہ ادا نہ کرے، لیکن معاہدہ کی مدت کے ختم ہونے سے قبل سامان واپس کرنے کی وجہ سے اس سے اضافی چارجز کا مطالبہ کیا جائے۔ قبل از وقت معاہدہ ختم کرنے کے چارجز ابتداء میں ہی وضاحتًا بیان وتحریر کئے جاسکتے ہیں۔ اس کا تعین کرتے وقت شے مذکورہ کی اصل قیمت میں آنے والی کمی کو دھیان میں رکھا جاسکتا ہے۔ اضافی چارجز کا یہ مطالبہ اس صورت میں مزید اہمیت کا حامل ہے جب اجارہ کی مدت شے مذکورہ کی زندگی سے کم ہے اور شے کی دوبارہ فروخت قیمت معاہدہ کے اختتام پر طے کی جاتی ہے۔

ایک متبادل شکل یہ ہے کہ فریق ثانی کی مالی حیثیت مستحکم ہوچکی ہے اور وہ اجارہ کے سامان کو خرید کر اپنی ملکیت بنانا چاہتا ہے، اس صورت میں فریقین آپسی افہام وتفہیم کے ذریعے قیمت متعین کرسکتے ہیں۔

اجارہ کے برخلاف کرایہ خریداری میں اگر پہلے سے طے کئے گئے سودے کو ختم کرتے ہوئے یکمشت ادائیگی کرکے سامان کی حق ملکیت اپنے نام کرنے کی کوشش کی جائے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس سے مسائل کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ کیونکہ کرایہ خریداری میں بقایا قسطیں پہلے سے ادھار حاصل کی گئی رقم کی ادائیگی کی قسطیں ہیں جن کو ایک مخصوص مدت کے دوران ادا کرنا ہے۔ لہذا اگر مستقبل میں ادا کی جانے والی اقساط کی یکمشت ادائیگی کی جائے تو پہلے (اتنے ہی عرصہ کے لئے) ادا کی گئی اقساط سے یہ رقم کم ہوگی جو کہ سود کی ایک شکل تصور کی جاسکتی ہے۔ کاروبار میں بسا اوقات یہ گاہک کے لئے سودمند ہوسکتا ہے کہ وہ یکمشت ان اقساط کی ادائیگی کردے جنکی ادائیگی کا ابھی وقت نہیں آیا ہے، اور سامان کو اپنی ملکیت میں بنالے۔ اس شکل میں کیا خریدار قیمت میں کسی کمی کی توقع کرسکتا ہے؟ کن حالات میں قیمت میں اس کمی کی اجازت ہوسکتی ہے اور یہ کمی کس حد تک کی جاسکتی ہے؟

اجارہ کرایہ اور کرایہ خریداری کی قسطوں کے نظام الاوقات کی ترتیب نو:

روایتی اجارہ اور کرایہ کی اقساط کی ادائیگی میں ہونے والی تاخیر کا نتیجہ سود کی ادائیگی ہوتا ہے۔ اسلامی مالیاتی ادارے سود طلب نہیں کرسکتے۔ بسا اوقات اسلامی مالیاتی اداروں سے اجارہ پر سامان حاصل کرنے والے حقیقی مسائل میں الجھ جاتے ہیں (مثلاً کیش کی کمی، کسی دوسرے ضروری سامان کی خریداری کے اخراجات، طلب کی کمی یا بازار کے حالات میں عدم توازن) جس کی وجہ سے وہ وقت پر قسطوں کی ادائیگی نہیں کرپاتے، اس صورت میں اسلامی مالیاتی اداروں کو تاخیر سے کی جانے والی ادائیگی کے باعث ہونے والے نقصان کی تلافی کس طرح ہو۔ کرایہ خریداری میں قسطوں کی رقم کے قرض کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی ہے جبکہ اجارہ میں ادائیگی سامان کے استعمال کے باعث عمل میں آتی ہے، لہذا یہ ممکن ہے کہ اگر اقساط کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی ہے تو مستقبل کی اقساط کی رقم میں اضافہ کرکے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے یا ذمہ میں باقی قسطوں میں سے ایک نسبتاً بڑی رقم حاصل کی جائے تاکہ تاخیر کی تلافی ہوسکے۔ اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ تاخیر سے کی جانے والی ادائیگی پر کسی قسم کا سود نہیں لگایا جاسکتا، صرف ایک اور متبادل صورت یہ ممکن ہے کہ فریق اول سامان کو اپنے قبضے میں لے جو کہ فریقین میں سے کسی کے بھی مفاد میں نہیں ہے اور کم از کم فریق ثانی کے تو بالکل نہیں۔

اخراجات اور خطرات میں حصہ داری:

کرایہ خریداری میں سامان پہلے ہی خریدا جا چکا ہے محض اس کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی ہے، لہذا سامان کی ڈلیوری کے بعد تمام خطرات خریدار کے حصے میں آجاتے ہیں۔ تمام نقصانات اور خطرات (ان کے علاوہ جو گارنٹی اور وارنٹی وغیرہ سے دور کئے جاسکیں) خریدار کے ذریعہ برداشت کئے جاتے ہیں۔ اس طرح ڈلیوری کے بعد چونکہ سامان خریدار کے قبضے میں اور استعمال میں رہتا ہے لہذا اس میں آنے والی معمولی خرابیوں، ٹوٹ پھوٹ، دیکھ بھال، پرزوں کی

تبدیلی، یا ختم ہونے والے پارٹس کے اخراجات وغیرہ خریدار کو برداشت کرنا ہوتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ تمام خطرات اور نقصانات فائنانسر کو اٹھانا چاہئیں۔ اس وقت تک جب تک سامان کی ڈلیوری فریق ثانی کو نہ کردی جائے، جبکہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ڈلیوری سے پہلے کے خطرات وغیرہ بھی خریدار ہی کو اٹھانے پڑتے ہیں۔

اجارہ میں حالانکہ ملکیت کی منتقلی نہیں ہوتی ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ بعض اخراجات فریق اول کو برداشت کرنے چاہئیں۔ نان آپریٹنگ اجارہ میں نقصانات، خرابی (چاہے وہ کسی ان دیکھے خطرے کے باعث ہی کیوں نہ ہو) اور انشورنس وغیرہ فریق ثانی کو برداشت کرنا ہوتے ہیں۔ اسی طرح چند ٹیکس مثلاً روڈ ٹیکس، لائسنس فیس وغیرہ بھی فریق ثانی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

دوسری جانب اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ زیادہ مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ملکیت سے متعلق کمیاں اور نقصانات (ان دیکھے خطرات) اور انشورنس کے اخراجات (چاہے اختیاری ہو یا لازمی) اور ملکیت سے متعلق ٹیکس نہ کہ استعمال سے متعلق مثلاً گاڑیوں کا روڈ ٹیکس وغیرہ فریق اول کو برداشت کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ سامان پٹے پر دے رہا ہے نہ کہ رقم۔ کچھ اور اخراجات بھی ہیں جو کہ فریق ثانی کے حساب میں ہونا چاہئیں۔ (جیسا کہ ملک کے اسلامی مالیاتی اداروں کا عمل ہے)۔ یہ وہ اخراجات ہیں جو کہ سامان کے استعمال سے متعلق ہیں، مثلاً:

(الف) استعمال کے تعلق سے (دوسرے تعلق سے نہیں) لائسنس فیس اور ٹیکس۔

(ب) تیسرے فریق کے ذریعہ نقصان یا حادثے کے باعث کئے جانے والے مطالبے کے دعوے مثلاً ماحول، اور دوسروں کی صحت، زندگی اور جائداد کو نقصان پہونچانے کے واقعات۔

(ج) باقاعدہ دیکھ بھال سے متعلق اخراجات مثلاً صفائی، پینٹنگ، تیل ڈالنا، اوور ہالنگ، ٹیوننگ، کالی براسٹنگ وغیرہ، جن کی ضرورت وقتاً فوقتاً سامان کو بہتر حالت میں رکھنے اور اس کو اچھی طرح استعمال کرنے کے لئے پڑتی رہتی ہے۔

(د) استعمال ہو کر ختم ہونے والے ضروری آلات و پرزوں سے متعلق اخراجات مثلاً ٹائر، شاک آبزرورس، بریک، لائٹنگ، بیٹریاں، تار، مائع لبری کینٹ وغیرہ۔

(ھ) بجلی یا ایندھن جو کہ سامان کو چلانے کے لئے ضروری ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے اس امر پر یہ بحث کی جاسکتی ہے کہ فریق ثانی کے قبضے اور استعمال کے دوران ہونے والے حادثات کے بعد سامان کو پہلی جیسی بہتر حالت میں لانے اور اس کی کارکردگی کو پہلے جیسا بنانے کے لئے جو اخراجات ہوں گے ان میں فریق اول اور فریق ثانی کے درمیان اس ذمہ داری کے اخراجات کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔

اجارہ (Lease) کا معاہدہ:

اجارہ کا یہ معاہدہ ممبئی میں بتاریخ................. برکت لیزنگ اینڈ فائنانشیل سروسز لمیٹڈ، ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی جو کہ کمپنیز ایکٹ 1956 (دفعہ ایک 1956) کے تحت قائم ہے اور جس کا رجسٹرڈ شدہ دفتر 4/سعید ہاؤس، پہلی منزل 63/65، ایس وی ایس روڈ، ماہم ممبئی 400016 میں ہے، جو فریق اول ہے اور جسے اب The Lessor (پٹے پر دینے والا) کے نام سے پکارا جائے گا۔ اور................. ولد.............. ممبئی کے ہندوستانی نژاد مقیم باشندے عمر............ مقیم................. ممبئی 400000، جو فریق ثانی ہے او جسے اب The Lessee (پٹے پر لینے والا) کے نام سے پکارا جائے گا، کے درمیان طے پاتا ہے۔

پٹے پر دینے والے (Lessor) کا کاروبار یہ ہے کہ وہ آلات، پلانٹ، مشین اور گاڑیاں وغیرہ پٹے پر دیتا ہے۔

پٹے پر لینے والے (Lessee) کو چونکہ کاروباری ضرورت کے باعث ایک گاڑی کی ضرورت تھی لہذا اس نے پٹے پر دینے والے (Lessor) سے درخواست کی کہ اسے ایک گاڑی جس کی تفصیلات پہلے شیڈول میں درج ہیں اور جسے اب محض گاڑی (Vehicle) کے نام

سے پکارا جائے گا، خرید کر پٹے پر...... برس کے لئے دی جائے۔ پٹے کی مدت اس وقت سے مانی جائے گی جس تاریخ کو Lessor کے ذریعہ سپلائر کو دیئے جانے والے ڈیمانڈ ڈرافٹ کی رقم اس تک منتقل ہوجاتی ہے۔

Lessor نے پٹے پر لینے والے کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے اس کی ضرورت کی گاڑی خریدنے پر اپنی منظوری ظاہر کردی ہے، اور یہ لین دین ان شرائط اور اصول وضوابط کے تحت عمل میں آئے گا جس کا ذکر ذیل میں درج ہے:

۱-مدت اجارہ:

Lessor پٹے یا کرائے پر اس گاڑی کو دیتا ہے جس کی تفصیلات پہلے شیڈول میں درج ہیں، اور Lessee (پٹے پر حاصل کرنے والے) کو اس سے متعلق شرائط وضوابط منظور ہیں، لہذا یہ معاہدہ برسوں کے لئے اس تاریخ سے ہوتا ہے جس تاریخ کو Lessor کے ذریعے سپلائر کو دیئے جانے والے ڈیمانڈ ڈرافٹ کی رقم سپلائر کو منتقل ہوجاتی ہے۔

۳-امکانی کرایہ:

مندرجہ بالا امر کو مدنظر رکھتے ہوئے Lessee (پٹے پر حاصل کرنے والا) Lessor (پٹے پر دینے والا) کو یہ کرایہ اس شرح پر ادا کریگا جو کہ دوسرے شیڈول میں درج ہے اور جو کہ پٹے کی تمام مدت کے لئے رہے گا۔ یہ کرایہ پٹے پر لینے والے کے ذریعے ادائیگی کی تاریخ کے سات دنوں کے اندر اندر ادا کردیا جائے گا۔ پٹے کا کرایہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو ادا کرنا ہوگا جبکہ پہلی قسط پٹے کی مدت شروع ہوتے ہی قابل ادائیگی ہوگی۔ یہ امر بخوبی اور واضح طور پر فریقین کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس معاہدے کی روح 'وقت' (ادائیگی وغیرہ کا بلا تاخیر اور بروقت ہونا) ہے جو کہ معاہدے کی شرائط وضوابط کے عین مطابق ہے۔

۳-ثانوی اجارہ حق انتخاب(Secondry Lease Option):

اجارہ کی مدت میں اس مخصوص عرصے کے لئے ان شرائط پر جن پر فریقین اتفاق کرتے ہیں، توسیع کی جاسکتی ہے۔(عام) شرائط وضوابط جو کہ توسیع کے معاہدہ سے متعلق ہیں تیسرے شیڈول میں درج ہیں، لیکن اس توسیع کے لئے یہ لازمی ہے کہ پہلے پٹے کی مدت ختم ہونے سے کم ازکم ایک کلینڈر ماہ قبل پٹے پر شے حاصل کرنے والا پٹے پر سامان دینے والے کو اپنے اس ارادے سے مطلع کردے۔ اس طرح توسیع کی مدت کے لئے تمام شرائط وضوابط بشمول ضمانت، ملکیت، تاوان وہرجانہ، مرمت، انشورنس، خامیاں، اصلاح کی کوششیں، نوٹس، دست کشی، ثالثی اور عدالتی کارروائی، پٹے کی شرائط کے مطابق ہی ہوں گی۔

۴-اجارہ کے لئے زرضمانت:

پٹے پر شے مذکورہ حاصل کرنے والا اس معاہدے پر دستخط کرتے وقت (جسکی تفصیل چوتھے شیڈول میں درج ہے) پٹے پر شے دینے والے کو ایک رقم ......روپے (الفاظ میں بھی) بلاسود زرضمانت کے طور پر ادا کرے گا۔ پٹے کی مدت ختم ہونے کے بعد یہ رقم واپس کردی جائے گی۔

۵- پٹے کے انتظامی امور سے متعلق فیس اور اسٹامپ ڈیوٹی:

پٹے پر شے حاصل کرنے والا، پٹے پر شے دینے والے کو ایک رقم ....روپے (الفاظ میں بھی) پٹے کے انتظامی امور سے متعلق فیس کے طور پر، اور ایک رقم ....روپے (الفاظ میں بھی) اسٹامپ ڈیوٹی کے طور پر اس معاہدہ پر عمل درآمد ہونے سے قبل ادا کرے گا۔

۶-مزید ضمانت:

پٹے پر شے حاصل کرنے والا اس امر سے اتفاق کرتا ہے کہ وہ......روپے یا اس سے زیادہ رقم کے ایکویٹی شیئر سرٹیفکیٹ گاڑی کی مزید ضمانت کے طور پر پٹے پر شے دینے والے کے

پاس رکھوائے گا، یہاں تک کہ اس معاہدے کی مدت ختم ہو جائے۔

۷ - معاہدے کی مدت ختم ہونے سے قبل معاہدے کو ختم کرنا:

کسی بھی وجہ سے اگر معاہدے کی ابتدائی مدت کے ختم ہونے سے قبل ہی پٹے پر شے حاصل کرنے والا اجارہ کے اس معاہدے کو ختم کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں پانچویں شیڈول میں مذکور رقم ''معاہدے کے ختم ہونے کے اخراجات'' کے طور پر پٹے پر شے حاصل کرنے والا Lessor کو ادا کرے گا اور گاڑی واپس کردے گا، علاوہ ازیں اگر مدت کی تکمیل سے قبل ہونے والے معاہدے کی صورت میں پٹے پر شے حاصل کرنے والا اگر کسی بھی شخص کو گاڑی فروخت کردیتا ہے تو پھر اسے حاصل ہونے والی رقم سے بقیہ کرایہ ادا کرنا ہوگا۔ چاہے اس شکل میں لیز کی کل مدت کے لئے دئے جانے والے کرایے کی کل رقم سے زیادہ حاصل ہوا ہو، تمام رقم Lessor کو ادا کی جائے گی۔

۸ - ضمانت:

پٹے پر شے حاصل کرنے والے نے گاڑی کا انتخاب اپنی صوابدید کے مطابق کیا ہے اور اس کی خرید سے قبل lessor کے کسی بیان یا کسی توجیہ پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اپنی مرضی کا اظہار کیا ہے اور اس کی مرضی کے مطابق ہی گاڑی خریدی گئی ہے۔ Lessor نے اپنی مرضی رائے یا تجویز اس کی افادیت (اور استعمال کے بعد اس کی فروخت آسانی سے کی جاسکتی ہے یا نہیں) وغیرہ کے بارے میں نہیں دی ہے۔ Lessor کسی قسم کی مرمت، اس سے متعلق سروس کے حصول یا گاڑی کی کسی کمی یا خامی کے لئے قطعی ذمہ دار نہیں ہوگا۔ حالانکہ Lessor اس امر پر اتفاق کرتا ہے کہ گاڑی بنانے والی فرم (مینوفیکچرر) کے ذریعہ دی جانے والی ضمانتوں وسہولتوں کو حاصل کرنے کا اختیار پٹے پر شے لینے والے کو ہوگا۔

۹ - گاڑی کی ملکیت:

گاڑی کے حصول سے کسی قسم کی ملکیت کا حق پٹے پر لینے والے کو منتقل نہیں ہوگا۔ اس معاہدہ کی شرائط وضوابط پر پوری طرح راضی اور عمل درآمد کرنے کے باعث پٹے پر لینے والے کو پٹے کی پوری مدت کے لئے گاڑی اپنے پاس رکھنے اور اسے استعمال کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ پٹے پر دینے والے کو اس امر کا اختیار ہوگا کہ وہ گاڑی پر لگائی جانے والی پلیٹوں اور نشانات کو اس طرح گاڑی پر لگوائے جس سے اس کے مفادات کا اظہار ہو۔

فریقین اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ گاڑی ہر وقت پٹے پر دینے والے کی ملکیت تصور کی جائے گی۔ پٹے پر لینے والا اس امر پر بھی راضی ہوتا ہے کہ وہ اسے فروخت نہیں کرے گا، کسی دوسرے کو کرایے وغیرہ پر نہیں دے گا اور نہ کوئی ایسا کام کرے گا جس سے فریق اول کے مفادات پر ضرب پڑے۔ نہ ہی فریق اول کی تحریری اجازت کے بغیر گاڑی کو ریاست مہاراشٹر کی حدود کے باہر لے جایا جا سکے گا۔ ضرورت پڑنے پر فریق اول حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بہ آسانی اس بات کی اجازت دے سکتا ہے۔ پٹے پر دی جانے والے گاڑی مینوفیکچرر یا سپلائر کے ذریعے اس مقام پر پہنچائی جائے گی جس کی نشاندہی فریق ثانی کرے گا۔ فریق اول ڈلیوری سے پہلے یا اس کے بعد ہونے والے کسی قسم کے نقصان کے لئے ذمہ دار نہیں ہوگا۔ پٹے کا کرایہ فریق ثانی تک گاڑی پہنچنے کی تاریخ سے ہی شروع ہو جائے گا، چاہے گاڑی پہنچانے میں سپلائر یا مینوفیکچرر کی طرف سے کسی قسم کی تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔

گاڑی کے تمام حصے، اس سے متعلق پرزے اور آلات وغیرہ فریق اول کی ملکیت تصور کئے جائیں گے۔ اگر گاڑی کا کوئی حصہ غائب ہو جاتا ہے، چوری کر لیا جاتا ہے، تباہ و برباد ہو جاتا ہے، اور اس کی مرمت یا درستگی ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں فریق ثانی فی الفور پٹے کی پوری مدت کا کرایہ (اگر توسیعی مدت کا معاہدہ بھی کیا گیا ہے تو اس مدت کا کرایہ بھی) فریق اول ادا کرے گا، اور فریق اول گاڑی کی ملکیت وغیرہ کے تمام حقوق فریق ثانی کو منتقل کر دیگا حالانکہ

اگر مطالبہ انشورنس حاصل ہوتا ہے تو اس پر حق فریق اول کا ہوگا۔

۱۰- فریق اول اس امر پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے کہ گاڑی کی وقتی ملکیت اور اس کے استعمال کے نتیجے میں پیش آنے والے واقعات ومعاملات سے متعلق تمام قانونی امور کا ذمہ دار وہ خود ہوگا اور فریق ثانی اس سلسلے میں اس کی کسی قسم کی مدد یا وکالت نہیں کرے گا۔ اگر فریق اول کسی قسم کی فیس، ٹیکس یا دیگر قانونی اخراجات کی ادائیگی نہیں کرتا ہے اور فریق ثانی کو یہ ادائیگی کرنا پڑتی ہے تو فریق اول پر اس کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اگر فریق اول کے علاوہ کسی اور کے ذریعے گاڑی اپنے قبضے میں لی جاتی ہے یا کسی قانونی چارہ جوئی کے باعث گاڑی کسی اور کے قبضے میں دی جاتی ہے (فریق اول کے علاوہ) تو ایسی صورت میں اس کی تمام تر ذمہ داری فریق ثانی پر ہوگی، اور وہ فریق اول کو تمام اخراجات وغیرہ کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ گاڑی سے کسی قسم کے حادثے جس کے نتیجے میں کسی کو زخم آئے یا موت ہوجائے اس کا بھی پورا ذمہ دار فریق ثانی ہی ہوگا۔ جب یہ معاہدہ ختم ہوجائے گا تو اس حصے کی شرائط کا اطلاق بھی ختم ہوجائے گا۔

۱۱- فریق ثانی گاڑی کو مینوفیکچر رسپلائر کے ذریعے دیئے گئے ہدایت نامے کی روشنی میں ہی مناسب طریقے سے اور بزنس کے لئے استعمال کرے گا، اور اس سلسلے میں تمام حکومتی ضوابط کا لحاظ بھی رکھے گا۔ فریق اول کو اس امر کا اختیار ہوگا کہ وہ کسی کام کے دن (Working Day) میں کام کے عام اوقات (Normal Business Hours) کے دوران فریق ثانی کے احاطے (مکان وغیرہ) میں داخل ہو اور گاڑی کی موجودگی، اس کی حالت اور اس کی صحیح دیکھ بھال کا خود مشاہدہ کرے۔

۱۲- مرمت، نقصان یا خرابی:

پٹے کی پوری مدت کے دوران (اور اس کی توسیعی مدت کے دوران) فریق ثانی کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ضرورت پڑنے پر گاڑی کی مرمت کرائے اور اس کے پارٹس مہیا کرائے اور

اسے عمدہ حالت میں رکھے۔

۱۳-انشورنس:

پٹے کی پوری مدت کے دوران کے لئے (یا اس کی توسیعی مدت کے لئے بھی) فریق ثانی ان تمام حادثات (چوری، آگ سے نقصان وغیرہ) جو عام طور پر پیش آتے ہیں اور جو اس مخصوص تجارت سے متعلق ہیں جن کے لئے یہ گاڑی حاصل کی گئی ہے، اس کے لئے انشورنس کرائے گا اور اس کی قسطوں کی ادائیگی کرے گا، جبکہ تمام انشورنس پالیسیاں فریق اول کے نام سے ہوں گی۔

۱۴-مزید یقین دہانیاں:

(الف) فریق اول اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ گاڑی اس کی ملکیت ہے، اس کو وہ نہ فروخت کرے گا نہ اس کو کسی اور شخص کو منتقل کریگا اور نہ اس کو رہن وغیرہ پر دے گا۔

(ب) فریق اول یہ سمجھتا ہے کہ فریق ثانی پٹے کی پوری مدت کے دوران گاڑی کو اپنے کاغذات (بیلنس شیٹ وغیرہ) میں اپنی ملکیت نہیں دکھائے گا اور ملکیت سے متعلق کسی قسم کی مراعات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا، اور گاڑی پٹے کی مکمل مدت اور توسیعی مدت کے دوران فریق اول کی ملکیت ہی رہے گی۔

(ج) فریق اول اس امر کا بھی اقرار کرتا ہے کہ وہ اس گاڑی کو کسی مالیاتی ادارے یا بینک وغیرہ سے قرض حاصل کرنے کے لئے (پٹے کی مدت کے دوران) ضمانت کے طور پر استعمال نہیں کرے گا۔

(د) شق ''ج'' میں درج تفصیل کے برخلاف اگر فریق اول اس گاڑی کو بینک یا کسی مالیاتی ادارے سے قرض وغیرہ حاصل کرنے کے لئے ضمانت کے طور پر استعمال کرتا ہے تو وہ اس امر کو لازمی بنائے گا کہ اس سے متعلق فیس، اخراجات اور قسطیں وغیرہ وہ وقت پر ادا کرتا رہے، اور

ایسا نہ کرنے کی صورت میں اگر فریق ثانی کو ان کی ادائیگی کرنا پڑتی ہے تو یہ رقم کرایے کی رقم میں سے کم کردی جائے گی، اور یہ مان لیا جائے گا کہ یہ رقم فریق ثانی نے فریق اول کو ادا کردی ہے قرض کے معاہدے کی رو سے بینک وغیرہ اس گاڑی کو اپنے قبضے میں نہیں لے سکیں گے اور یہ گاڑی بدستور فریق ثانی کے قبضے میں رہے گی۔

۱۵-حوالگی:

پٹے کی مدت کے ختم ہونے کے بعد یا قبل از وقت منسوخی کی صورت میں فریق اول کی جانب سے طے شدہ مقام پر فریق ثانی گاڑی کو عمدہ قابل مرمت حالت میں اور صحیح کام کرنے کی حالت میں (گاڑی کے استعمال میں رہنے سے ہونے والی معمولی تبدیلی یا خرابی کو نظر انداز کرتے ہوئے) فریق اول کو سونپ دے گا۔

۱۶-کوتاہی وغفلت:

کوتاہی یا غفلت اس شکل میں مانی جائے گی جب فریق ثانی:

(الف) کرایے کی قسط یا اس کا حصہ یا دوسری واجب الادا رقم وقت ہونے کے بعد دس دن کے اندر ادا نہیں کرتا ہے، اس مدت کے بعد فریق اول کی طرف سے ایک تحریری نوٹس بھیجا جائے گا۔یا

(ب) کوئی دوسری لازمی اور ضروری شرط کی پابندی نہیں کرتا ہے یا معاہدے کی کسی شق کی خلاف ورزی کرتا ہے اور یہ خلاف ورزی دس دن تک جاری رہتی ہے تو اس مدت کے بعد فریق اول کی طرف سے اسے ایک تحریری نوٹس بھیجا جائیگا۔یا

(ج) فریق اول کی اجازت کے بعد گاڑی کو منتقل کرنے فروخت کرنے، کسی اور کے سپرد کرنے، ذیلی کرایے پر دینے یا اس کا قبضہ کسی اور کو دینے وغیرہ کی کوشش کرتا ہے۔یا

(د) کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے وہ دیوالیہ ہوجائے، اور اس گاڑی کو فریق اول کے

مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے فریق ثانی کے قرضوں وغیرہ کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا جائے۔

۱۷-تدارک وتلافی:

اگر کوتاہی یا غفلت کا کوئی عمل سرزد ہوتا ہے تو ایسی صورت میں فریق ثانی کے ذریعے پٹے کی پوری مدت کے لئے ادا کرنے والی کل رقم (بشمول کسی توسیعی مدت کے اگر اسکا معاہدہ بھی کیا گیا ہے تو) فوری طور پر واجب الادا ہوگی، اور اگر فریق ثانی چار دنوں کے اندر اندر یہ ادائیگی نہیں کرتا ہے تو فریق اول مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ اقدامات کرسکتا ہے:

(الف) فریق ثانی کو ایک نوٹس دیکر اس معاہدے اور اس کی تمام شقوں کو منسوخ کر سکتا ہے۔

(ب) اس امر کا مطالبہ کرسکتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری اور خرچ پر گاڑی فریق اول کو صحیح شکل میں (عام معمولی خرابیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے) اس مقام پر جس کی نشاندہی فریق اول کرے واپس لوٹا دیگا اور سات دنوں کے اندر ایسا نہیں ہوتا ہے تو فریق اول کو اس امر کا اختیار رہوگا کہ وہ فریق ثانی کے قبضے سے خود یا اپنے ایجنٹ کے ذریعے گاڑی کو لے جائے یا اس مشینری سے علیحدہ کر کے لے جائے جس میں یہ جوڑی گئی ہو، اس کے لئے نہ کوئی تحریری اجازت کی ضرورت ہوگی اور نہ فریق ثانی کی جائداد کے احاطے میں اس کام کے لئے بلا اجازت داخل ہونے پر اس کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی کی جا سکے گی۔

(ج) گاڑی کو فریق ثانی کو کسی قسم کی اطلاع دیئے بغیر عوامی یا ذاتی طور پر فروخت کرسکتا ہے، یا کسی دوسری طرح اس کو استعمال میں لاسکتا ہے، اپنے قبضے میں لے سکتا ہے، خود چلا سکتا ہے، دوسروں کو پٹے پر دے سکتا ہے، یا اپنے پاس بغیر استعمال کئے رکھ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کے خلاف فریق ثانی کو کوئی حق حاصل نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے لئے وہ فریق ثانی کو کسی قسم کی

ادائیگی وغیرہ کا ذمہ دار ہوگا۔

(د) تحریری طور پر نوٹس دیکر فریق ثانی سے ایک مخصوص رقم (سودے کے نقصانات کے طور پر، سزا کے طور پر نہیں) کا مطالبہ کرسکتا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ تک پٹے کی مدت کا پورا کرایہ (اور اگر توسیعی مدت کا معاہدہ کیا گیا ہے تو اس مدت کا کل کرایہ بھی) ادا کردے۔یا

(ھ) موجودہ قوانین کی روشنی میں کسی اور قسم کا جائز مطالبہ یا تدارک کی تدبیر اختیار کرے تو اس سلسلے میں کی جانے والی قانونی چارہ جوئی کے اخراجات کی کل رقم بھی فریق ثانی کے ذمہ واجب الادا ہوگی بشمول گاڑی کے دوبارہ قبضے کی کوشش کے، مندرجہ بالا تمام اقدامات حتمی نہیں ہیں۔فریق اول ان کے علاوہ بھی قانون کے مطابق کوئی دوسرا اقدام اٹھا سکتا ہے۔

۱۸-مزید تدارکی اقدامات:

اگر تین یا زائد قسطیں وقت پر ادا نہیں کی جاتی ہیں اور ۱۵؍دن یا اس سے زیادہ کی مدت گذر جاتی ہے تو فریق اول ان کی وصولیابی کے لیے کسی دوسرے شخص کو نامزد کرسکتا ہے اور اسے رقم کی وصولیابی کا اختیار دے سکتا ہے، اور اس سلسلے میں ہونے والے تمام اخراجات بھی فریق ثانی کے ذمے واجب الادا ہوں گے جب تک کہ تمام رقم وصول نہیں ہوجاتی ہے۔

۱۹-حقوق سے دستبرداری:

اگر فریق اول کی جانب سے کسی قسم کی غفلت یا کوتاہی کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی تو اس معاہدے کے تحت تمام حقوق اور اختیارات فریق اول کے پاس ہی رہیں گے، اور اس چشم پوشی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسری تمام غفلتوں یا کوتاہیوں کو بھی نظر انداز کیا جائے گا، یا اسی قسم کی غلطیوں کو مستقبل میں بھی نظر انداز کیا جائیگا جب تک کہ فریق اول کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی تحریر نہیں دی جاتی ہے۔

۲۰- نوٹس:

کسی قسم کا نوٹس یا مطالبہ جس کے دینے کی ضرورت پڑے، وہ فریقین ایک دوسرے کو تحریری طور پر اور رجسٹر ڈپوسٹ (اکنالجمنٹ کے ساتھ) کے ذریعے دستی طور پر ان پتوں پر بھیجیں گے جن کا ذکر فریقین کی طرف سے کیا گیا ہے یا مستقبل میں اگر پتہ بدلا جاتا ہے تو ان بدلے ہوئے پتوں پر۔

۲۱- ترمیم، اختتام:

اس معاہدے کو یا اس کی شقوں کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ختم کیا جا سکتا ہے، اور فریق اول کی ملکیت حتمی تصور کی جائیگی، اور نہ ہی اس معاہدے میں اس وقت تک ترمیم کی جا سکتی ہے جب تک کہ تحریری طور پر فریقین یا ان کے ورثاء یا نامزد فرد راضی نہ ہو جائیں۔

۲۲- ثالثی:

تمام تنازعات، جھگڑوں، اختلافات، دعووں اور سوالات کے لئے جو کہ اس پٹے کے معاہدے کی مدت کے دوران یا اس کے بعد سامنے آتے ہیں، دو ثالثوں کے سپرد کر دئے جائیں گے جنہیں دونوں فریق کی جانب سے مقرر کیا جائے گا۔ اس سلسلے کی تمام کارروائی ثالثی ایکٹ 1940 یا کسی اور موجودہ قانون کی روشنی میں کی جائے گی۔

۲۳- عدالتی کارروائی:

اس سلسلے کی تمام عدالتی کارروائی شہر ممبئی کی عدالت میں بھی کی جائے گی، کیونکہ پٹے کا یہ معاہدہ ممبئی میں ہی تیار کیا گیا اور عمل میں لایا گیا ہے۔

۲۴- اس معاہدے کے عنوانات محض سہولت کی خاطر درج کئے گئے ہیں، اس عمل سے ان کی معنویت محدود نہیں ہوتی اور نہ انہیں کسی دوسری طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

یہ معاہدہ گواہوں کی موجودگی میں تیار کیا گیا ہے، اورفریقین کے لئے اس کی دفعات اس دن (اور اس سال) سے لاگو ہوں گی جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلا شیڈول

گاڑی کی تفصیلات

گاڑی کی کل قیمت.................روپے (الفاظ میں بھی)

رجسٹریشن نمبر.........................

چیسس رسیریل نمبر...................

تیاری کا سال...........................

تیار کردہ...............................

رجسٹریشن کی تاریخ....................

سپلائر......................................

سپلائر کا پتہ...............................

دوسرا شیڈول

ماہانہ (پٹے کا) کرایہ

پہلے سال........................روپے+سیلس ٹیکس (ان کرایوں پر جہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے)

دوسرے سال....................روپے

تیسرے سال....................روپے

چوتھے سال....................روپے

....

تیسرا شیڈول

مزید پٹے کی سہولت

۱۔ پٹے کے انتظامی امور سے متعلق فیس...... (کچھ نہیں)

۲۔ سہ ماہی پٹے کا کرایہ.........................روپے

۳۔ پٹے کا زرضمانت...............................کچھ نہیں

۴۔ پٹے کی مدت...............................برس

چوتھا شیڈول

بلاسودی ضمانتی رقم.................................روپے

بلاسودی ضمانتی رقم کی ادائیگی کی تاریخ: اس معاہدے کے شروع ہوتے ہی فوری طور پر۔

پانچواں شیڈول

پٹے کی مدت کے ختم ہونے سے قبل استعمال کا عرصہ	قبل از وقت خاتمے کے سلسلے میں لگائے جانے والے اخراجات
................ماہ سے..............ماہ تک	20.0
................ماہ سے..............ماہ تک	15.0
................ماہ سے..............ماہ تک	10.0
................ماہ سے..............ماہ تک	5.0
................ماہ سے..............ماہ تک	کچھ نہیں

دستخط فریقین وگواہان وغیرہ..............................

☆☆☆

مضاربہ ڈپازٹس اور ہندوستان کے سیاق وسباق میں ان کے متبادلات

تعارف:

اس ملک میں تاجروں اور اصل کاروں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو غیر سودی اور منافع میں شرکت کی بنیاد پر اپنا کاروبار کرنے اور اپنے سرمایہ کو لگانے کے خواہشمند ہیں، ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ ہندوستان میں یہ کس حد تک ممکن ہے کہ منافع میں شرکت کی بنیاد پر عوام سے سرمایہ اکٹھا کر کے اسے اس قسم کے کاروبار میں استعمال کیا جائے، غیر ممالک میں واقع اسلامی بینکوں میں اس صورت حال کا جو معیاری حل ہے وہ ایک جانب تو مضاربہ کے اصولوں کے مطابق سرمایہ فراہم کرنا ہے، اور دوسری جانب مضاربہ کے معاہدہ اور کسی حد تک مالیاتی کمپنیوں کے ساتھ بذریعہ مضاربہ اس فنڈ کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اگر چہ اس وقت ضرورت، مصلحت اور مجبوری کے تحت اسلامی بینکوں میں مضاربہ کو ہی موزوں ترین تصور کیا جاتا ہے لیکن اسلامی تصورات کے مطابق اس کو ہمیشہ ہی مشتبہ نوعیت کا سمجھا گیا ہے، اور ایک طرف تو اس پر اسلامی بینکنگ کے اصولی ماہرین کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں، اور دوسری جانب یہ مغربی بینکوں کے مضحکہ کا ہدف بنا ہوا ہے جس کی وجہ اس کی ظاہری سوفسطائیت یا مغالطہ آمیزی ہے، لیکن اس کے برعکس مضاربہ اسلامی بینکنگ کی صحیح روح کو پیش کرتا ہے، اس لئے ہندوستان کے سیاق وسباق میں مضاربہ کے استعمال کی اہمیت کے مطالعہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اگر سرمایہ کے پھیلاؤ کے لئے مضاربہ کو قبول کرلیا جائے تب بھی اسلامی

بینکوں میں واجباتی امور میں مضاربہ کو ہی استعمال کرنا پڑے گا، اور اسی سیاق وسباق میں آج ہم اس مضمون پر غور کریں گے، سرمایہ یا مالیہ کی نوعیت میں مضاربہ پر علیحدہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مضاربہ ڈپازٹوں کی مالیاتی خصوصیات:

بیشتر اسلامی بینکوں کی بیلنس شیٹ بتاتی ہیں کہ ان کے عملی سرمایہ کا بیشتر حصہ غیر مناسب انداز سے متفرق انواع کے ڈپازٹوں کے بجائے مضاربہ کے ذریعہ ہی فراہم ہوا ہے، اس سے قطع نظر کہ ان رقوم کو اتفاقی واجبات کی صورت میں درج کیا گیا ہے، یا پورٹفولیو انتظامیہ یا میعادی (Termed) کے طور پر لکھایا گیا ہے، ان تمام اقسام کے فنڈ وں کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ (بجز امانت یا چالو کھاتوں کے جو صحیح معنوں میں ڈپازٹس ہیں) وہ بینک پر اس ذمہ داری کی گارنٹی عائد نہیں کرتے کہ زر اصل سرمایہ پورے کا پورا واپس ہوگا یا واپسی کی کوئی مقررہ شرح ہوگی، واپسی کی شرح خواہ وہ مثبت ہو یا منفی، متفرق ہوتی ہے، اور ان فنڈ وں کے طریقہ استعمال سے وابستہ ہوتی ہے، بینک بھی یا تو منافع میں سے ایک حصہ لیتا ہے (نقصانات میں شرکت نہیں ہوتی) یا فنڈ وں کے انتظام کے سلسلہ میں ایک مقررہ فیس وصول کرتا ہے، اور چونکہ یہ فنڈ کم مدتی نوعیت کے ہوتے ہیں اس لئے یہ اپنے مالکین کو بینک کے معاملات میں حق رائے دہی یا حق ملکیت کا مستحق نہیں بناتے۔

ایک دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ان بیشتر ممالک میں جہاں اسلامی بینک کام کر رہے ہیں ملکی قوانین کے تحت ان فنڈ وں پر منافع کو یا تو بینک کے تحت امانت تصور کیا جاتا ہے یا بینک کے منافع جات پر محتاجانہ سمجھا جاتا ہے، یعنی اسے بینک کے منافع جات پر تصرف تصور نہیں کیا جاتا، اس لئے بینک کے منافع کی مانند یہ قابل ٹیکس نہیں ہوتا، یہ انداز ادارہ کی نشوونما اور کامیابی کے لئے دوررس اثرات کا حامل ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک طرف تو بینک کو مثبت وسائلی قوت بخشتا ہے

اور دوسری طرف اس کے ساتھ ساتھ مضاربہ فنڈوں کو ٹیکس کی ایک زائد سطح سے بھی محفوظ رکھتا ہے (جو کہ ایکویٹی پر عائد ہوتا ہے)، اس کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ یہ بینک کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ ان تمام فنڈوں کو یکجا کر کے خود اپنے حسب مرضی اصل کاری میں استعمال کرے، یہ مشترکہ اصل کاری نہ تو کوئی علیحدہ قانونی وجود کا درجہ رکھتے ہیں اور نہ مخلوط ہستی یا وجود کے طور پر ان پر کوئی ٹیکس عائد ہوتا ہے، اس کے باوجود بینک اپنے نام سے ان کے تمام فنڈوں کی مشترکہ اصل کاری کرسکتا ہے۔

ہندوستان میں مضاربہ ڈپازٹوں کے ممکنہ متبادل:

آغاز ہی میں ہم آپ کو بتادیں کہ فی الحال ہندوستان میں مضاربہ ڈپازٹوں جیسے مالی انتظامات مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ ممکن نہیں ہیں، اس لئے اس کے جو متبادل انتظامات ہم کو میسر ہیں ان میں سے ہم کو سب سے زیادہ مفید اور قابل عمل اور جاذب متبادل یا طریق کار کی شناخت کرنی چاہئے۔ ہندوستان میں فنڈ فراہم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل مختلف ممکن طریقے ہیں:

۱-بطور پارٹنر یا شریک سرمایہ کی فراہمی۔
۲-ایکویٹی شیئرز (مساوی حصص) جاری کرنا۔
۳-ترجیحی حصص (پریفرینس شیئرز) جاری کرنا۔
۴-تمسکات (قرض نامے یا ڈبینچر) اور بانڈ جاری کرنا۔
۵-ڈپازٹس قبول کرنا۔
۶-انتظامیہ پورٹفولیوز قبول کرنا۔
۷-قرضے حاصل کرنا۔

ان میں سے سب سے پہلے کا اطلاق صرف پارٹنر یا شریک پر ہوتا ہے جب کہ اس کے

بعد کے تین کا اطلاق کمپنیوں پر اور آخری تین کو دونوں اقسام کے ادارے یعنی پارٹنر ز اور کمپنیاں دونوں طریقوں میں اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ایکویٹی اور پارٹنر شپ سرمایہ:

بنیادی طور پر اول الذکر دونوں طریقے یکساں اور مماثل ہیں کیونکہ دونوں ملکیتی سرمایہ کی نمائندگی کرتے ہیں، اور جہاں تک جوکھم اور منافع کا تعلق ہے اسلامی معیار پر پورے اترتے ہیں، اس قسم کے فنڈ ز اکٹھے کرنے کی حد بندیاں عملی اور مالیاتی نوعیت کی ہیں، ایک پارٹنر شپ میں زیادہ سے زیادہ حد صرف بیس ارکان کی ہے، اس کے برعکس ایک پبلک لیمٹیڈ کمپنی کے ارکان کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے، لیکن یہ بہت اونچے کارپوریٹ ٹیکسوں کا شکار ہے، اور عموماً اس پر پچاس فیصد سے بھی زیادہ ٹیکس عائد ہوتا ہے، اس لئے کسی کمپنی کی صرف ایکویٹی کی بنیاد پر کارکردگی مالی طور پر منفعت بخش نہیں، البتہ فرم پر ٹیکس کی شرح کافی کم ہے یعنی 15 تا 20 فیصد، لیکن یہ سرمایہ کی بڑی رقم اکٹھی کرنے سے معذور ہے کیونکہ اس میں پارٹنر شپ (اشتراک) کرنے والے افراد کی تعداد بہت محدود ہے، اشتراک کا سرمایہ اکٹھا کرنے میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ شرکاء (پارٹنروں) پر لامحدود ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، اور مصلحت اندیشی کا تقاضا ہے کہ پارٹنر شپ کے ارکان کو بہت قریبی اعزہ، ساتھیوں اور دوستوں تک ہی محدود رہنا چاہئے۔

ترجیحی شیئر زاور قرضے:

ترجیحی حصص کے سامنے بھی وہی دشواریاں اور ناموافق باتیں ہیں جو عام حصص (ایکویٹی شیئر ز) کے سامنے ہیں، علاوہ ازیں ان پر جو مقررہ منافع جات ہیں اور جن کے کئی برسوں تک جمع ہوتے رہنے کی سہولت اور گنجائش ہے، اس سے ان کی شکل غیر سودی قرض کے ذریعہ کے مماثل ہوجاتی ہے قرضے عموماً بینک اور مالی امدادی ادارے فراہم کرتے ہیں اور لامحالہ

یہ سودی نوعیت کے ہوتے ہیں، صرف شاذ ونادر معاملات میں فروغ کار یا ڈائریکٹرز محدود اور معینہ مدت کے لئے اپنی کمپنیوں کو غیر سودی قرض دے سکتے ہیں، لیکن عام اطلاق کے نمونہ کے طور پر ان پر مباحثہ میں غور کرنا بے سود ہے۔

پورٹفولیو فنڈز:

کوئی بھی کاروبار خصوصاً مالی ادارہ اپنے موکلوں سے (امانت پر) بطور پورٹفولیو فنڈز قبول کرسکتا ہے اور ان کو منافع بخش مہموں میں لگا سکتا ہے، اور ان پر یا تو مقررہ فیس وصول کرسکتا ہے یا اس کے منافع میں سے حصہ لے سکتا ہے یا دونوں ہی صورتیں اختیار کرسکتا ہے، یہ بندوبست چھوٹے انفرادی مسلمان اصل کاروں کے لئے لاجواب ہے، خصوصاً ان افراد کے لئے جو اپنا سرمایہ اسٹاک مارکٹ یا پٹہ کے قابل معمولی قیمت کے اثاثہ پر لگانے کے خواہشمند ہوں، لیکن یہ ایسے تجارتی کاروبار کی ضروریات پورا کرنے کے لئے ناکافی ہوتا ہے جس کے لئے دوتین لاکھ روپیہ درکار ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ٹیکس قوانین کے تحت انفرادی اصل کاروں کے اس قسم کے فنڈز کو مشترک کر کے ایک پول کے طور پر کسی کام میں نہیں لگایا جاسکتا (پول یعنی ایسوسی ایشن آف پرسنز، افراد کی انجمن یا AOP)، کیونکہ ایسا کرنے پر بھاری ٹیکس جو کہ 55 فیصد تک کا ہوتا ہے اس پر لگا دیا جاتا ہے۔

تاہم اس مسئلہ کا ایک عملی اور ذیلی متبادل نوعیت کا حل ہے، وہ حل یہ ہے کہ خاص مالیہ کی فراہمی کی غرض سے 19 یا 20 مختلف پورٹفولیو اصل کاروں کی ایک شراکت کی (پارٹنرشپ) فرم بنادی جائے، اس صورت میں اس فرم کا سرمایہ کسی مخصوص منصوبہ (پروجکٹ) پر بھی لگایا جاسکتا ہے، اور مختلف تجویزوں پر بھی لگایا جاسکتا ہے، غالباً ادارہ کی اس شراکتی فرم میں شرکت کی ضرورت ہوگی، فرم کے شراکت نامہ میں یہ وضاحت کردی جائے گی کہ اصل کار پارٹنروں میں سے کسی کا بھی فرم کی عملی کارکردگی سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، ان کا کام صرف اس حد تک محدود ہوگا کہ وہ سرمایہ مہیا کریں اور منافع حاصل کریں، فرم کے کاروبار کی ذمہ داری صرف بینک کی ہوگی،

تمام پارٹنروں کو اسی بات کا نا قابل تنسیخ مختار نامہ فرم کے حق میں لکھ کر دینا ہوگا اور شراکت نامہ میں بھی وضاحت کے ساتھ یہی بات شامل کرنی ہوگی، اس صورت میں زیادہ بڑی رقم بھی جمع کی جاسکتی ہیں، تاہم اس سے اجنبی افراد کے ایک فرم میں شریک ہونے اور اس کے معاملات کے لئے لامحدود ذمہ داریاں اختیار کرنے کے تلخ امکانات (اگر چہ وہ بڑی حد تک کم کر دیئے جاتے ہیں) باقی رہتے ہیں، فرم اپنی سطح پر انکم ٹیکس کی ادائیگی کی بھی ذمہ دار ہوگی، اس طرح ٹیکس عائد ہونے کی ایک اور سطح جو اگر چہ بہت معمولی نوعیت کی ہوگی برداشت کرنی پڑے گی۔

شرکت منافع کے ڈپازٹ، تمسکات اور بانڈز:

تمسکات/بانڈز اور عوام سے حاصل کردہ ٹائم (فکسڈ) ڈپازٹس بہت حد تک باہم مماثل ہیں، ٹائم ڈپازٹس کمپنیاں جاری کرسکتی ہیں اور فرمیں بھی، لیکن تمسکات اور بانڈز صرف کمپنیاں ہی جاری کرسکتی ہیں، ایک اور فرق یہ ہے کہ تمسکات اور بانڈز قابل نقل (Transferable) ہوتے ہیں لیکن فکسڈ ڈپازٹوں پر جاری کردہ رسیدیں اور سرٹیفکیٹ قابل نقل نہیں ہوتے۔

ایک اور اہم پہلو بھی ہے جس کا تعلق درحقیقت سرمایہ جاری کرنے والی تنظیم سے ہے، جب کہ کمپنیوں کی طرف سے جاری کردہ تمسکات/بانڈز اور ڈپازٹ سے حاصل سرمایہ کی مقدار، شرائط اور منافع کے تعین کے سلسلے میں ریزرو بینک آف انڈیا، کمپنی قوانین اور ساتھ ہی ساتھ (ایک مخصوص تعداد سے زیادہ کی صورت میں) کنٹرولر آف کیپٹل ایشوز کے زیر اہتمام ضابطۂ عمل میں آتے ہیں، لیکن پارٹنرشپوں اور فرموں پر صرف اس حد تک پابندی ہے کہ وہ 250 (ڈھائی سو) افراد سے زیادہ سے ڈپازٹس وصول نہیں کرسکتے، کمپنیوں کے ڈپازٹس، تمسکات/بانڈز کمپنی کی اصل قیمت یا حیثیت کی ایک تہائی سے زیادہ کی مالیت کے نہیں ہوسکتے (اس سے زیادہ کا صرف پٹہ اور مکانات کی فائنس کمپنیوں کو ہی استحقاق ہے)، نیز یہ ایک سال سے کم مدت کے لئے جاری نہیں کئے جاسکتے، اور ان پر منافع 14 فیصد سے زائد نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ بات نوٹ کرنی مناسب ہوگی کہ ان ضابطوں کے تحت نہ تو کمپنیوں پر اور نہ فرموں پر یہ پابندی ہے کہ وہ اپنے قرضہ جات پر منافع کی کسی مخصوص شرح کا تعین کریں، یہ شرح صفر بھی ہوسکتی ہے یا کسی مثبت نوعیت کی بھی ہوسکتی ہے یا منافع جات تک بھی محدود ہوسکتی ہے، تاہم کمپنیوں کے لئے ایک نسبتاً زیادہ نیچی بالائی شرح کا تعین کیا گیا ہے، فرموں کے سلسلے میں کوئی مخصوص بالائی شرح نہیں ہے، لیکن امکان یہ ہوتا ہے کہ گنجائش اخراجات (یعنی وہ اخراجات جو نفع اور نقصان کے حساب پر چارج کئے جاتے ہیں یا کھاتہ میں ڈالے جاتے ہیں) کے نام پر ٹیکس افسران عموماً ایسے کسی رٹرن کی اجازت نہیں دیتے جو ترجیحی اتھارٹی کے اختیار تمیزی پر 18 تا 24 فیصد سے زیادہ ادا کیا گیا ہو، تاہم کسی بھی حال میں نقصان میں شرکت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کم سرمایہ کی ضرورت (یعنی تقریباً ایک کروڑ روپیہ تک) اور اچھا منافع ادا کرنے کی توقع پر فرموں کے ذریعہ ٹائم ڈپازٹوں کی صورت، وسائل کی فراہمی، فرموں اور ڈپازیٹروں دونوں کے لئے مالی طور پر بھی مفید ہے اور شرکت منافع کے ڈھانچے کے اندر بھی ہے، اس کے برعکس زیادہ اونچے سرمایہ کی ضرورت کے سلسلے میں (یعنی جب ضرورت ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ کی ہو) جب کہ منافع کی صورت میں ڈپازیٹروں کو زیادہ بلند امیدیں نہ ہوں تو شرکت منافع کی بنیاد پر کمپنی کے محدود حجم کے تحت وسائل کی فراہمی کے امکانات کم ہوتے ہیں، تاہم کمپنی کی خالص مالیت کے ایک تہائی کے برابر وسائل کی فراہمی کی پابندی کے پیش نظر بجز لیزنگ اور ہاؤسنگ فائنانس کمپنیوں کے (جو اپنی خالص مالیت کے دس گنا کے برابر ڈپازٹس وصول کرسکتی ہیں) دیگر کمپنیوں کے لئے یہ پورا انتظام زیادہ مفید اور جاندار ثابت نہیں ہوسکتا۔

نتیجہ:

یہ غور کرنا ضروری ہے کہ شرکت منافع کی بنیاد پر ڈپازٹوں کے حصول کا امکان اس

تصور کے تحت ہوتا ہے کہ وہ کاروبار منافع بخش ہے، نقصان کی صورت میں قانونی طور پر وہ کاروبار ڈپازیٹروں اور تمسکات / بانڈز ہولڈروں کو نقصان کا کوئی بھی حصہ برداشت کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا، اس لئے یہ بندوبست شریعت کی رو سے صرف اس حد تک جائز ہوسکتا ہے کہ وہ کاروبار منافع میں چلتا رہے، اور شریعت کی رو سے ایسا معاہدہ فی نفسہ ناقص ہے، عملی طور پر جب تک ایک اچھا انتظامیہ نقصان کے احتمال کے تدارک کا تیقن کرسکتا ہے اس وقت تک یہ شریعت کے منافی نہ ہوگا، تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ شرکت منافع کا یہ کامیابی سے قریب ترین متبادل ہے جو اپنے عام اطلاق کے سلسلے میں فی الوقت ہندوستان میں قابل عمل ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

اسلامک بینکنگ کی راہ میں درپیش دشواریاں

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، علی گڑھ

۱-مختلف اسلامی بینکوں کا آپس میں عدم تعاون:

مختلف اسلامی بینکوں کا آپس میں جو تعاون ہونا چاہئے وہ نہیں پایا جارہا ہے، مشترک سرمایہ کاری، ریسرچ و تحقیق اور اس طرح کے دوسرے بہت سے میدانوں میں اسلامی بینک تعاون کرکے ایک دوسرے کو مضبوط کرسکتے ہیں مگر ایسا نہیں ہورہا ہے۔

۲- بینکوں کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے جو ذیلی ادارے ہوتے ہیں ان کی کمی، مثلاً انشورنس کی سہولتوں کا نہ ہونا، بینکوں کا باہمی لین دین، اس کی شاخوں کا نہ ہونا وغیرہ۔

۳-اخلاقی دیوالیہ پن کا خطرہ:

یعنی مضارب ایسے اقدامات کرسکتا ہے جو رب المال کو گوارہ نہ ہوں، مثلاً وہ نفع کو پورے طور پر ظاہر کرنے کے بجائے کچھ چھپالے۔ اس سے بنک کی نفع بخشی میں کمی آجاتی ہے، اسلامی ماہرین معاشیات اس کو Moral Hazard کا نام دیتے ہیں۔

۴-قرض وقت پر واپس نہ کرنے والوں سے نپٹنے کے لئے کوئی طریقہ نہ ہونا:

عام روایتی بنکوں کے مقابلہ میں اسلامی بنکوں کے ساتھ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، روایتی

بینکوں میں سود کی وجہ سے ایسے اشخاص خود بخود زیر بار ومز لیاب ہوتے رہتے ہیں، لیکن اسلامی بینک اس طرح کے نادہندوں سے کسی طرح کا جرمانہ وصول کرنے کے حقدار نہیں سمجھے جاتے۔

۵-طویل المعیاد مشاریع کی سرمایہ کاری کا مسئلہ:

بینک زیادہ تر قصیر المیعاد سرمایہ کاری کو ترجیح دیتے ہیں، اسلامی بینک اس ضرورت کو مرابحہ سے پورا کرتے ہیں۔ طویل المیعاد پروجیکٹوں کو غیر اسلامی نظام میں سیکورٹی مارکٹ (حصص وسندات کا بازار) سے پورا کرتے ہیں۔ اسلامی نظام میں اس بازار کا بدل مہیا نہیں ہے، اور نہ سیکورٹی مارکیٹ کا اچھی طرح قیام ہے، جب تک اس کمی کو پورا نہیں کیا جاتا اسلامی بینک سودی اداروں کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔

۶- ان ممالک میں جہاں اسلامی بینک سودی بینکوں کے ساتھ ساتھ قائم ہیں وہاں ان پروجیکٹوں میں جو بڑے کامیاب اور یقینی طور پر نفع بخش ہوں ان کو چلانے والے سودی اداروں سے معاملہ کرنا پسند کرتے ہیں لیکن جن مشاریع میں نفع بخشی اتنی یقینی نہیں ہوتی وہ نفع نقصان میں حصہ داری کے اصول پر مبنی اسلامی بنکوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۷- معاصر بینکوں کے پاس سرمایہ کاری کے طرح طرح کے ذرائع ہوتے ہیں جبکہ اسلامی بنکوں کے پاس صرف چند روایتی انواع سرمایہ کاری ہیں، جس کی وجہ سے ان کی مسابقت کمزور پڑ جاتی ہے۔

۸- مذکورہ بالا وجہ کے ساتھ ساتھ حصص کا ثانوی بازار ترقی یافتہ نہ ہونے اور بالکل فوری سرمایہ کاری کے ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی بینکوں کے پاس ضرورت سے بہت زیادہ نقد رسیالیت (Excess Liquidity) رہتی ہے یا رکھنا پڑتا ہے، جس سے وہ خاطر خواہ نفع نہیں کما سکتے۔

۹- مختلف اسلامی بینک اپنے حساب کتاب کے مختلف طریقے اپناتے ہیں اور ابھی تک کوئی معیاری اور یکساں طریقہ حساب (Accounting) نہیں فروغ پا سکا، مثال کے طور پر مرابحہ کا طریقہ مختلف بینک مختلف طور پر استعمال کرتے ہیں۔

۱۰- نفع کی حصہ داری کے تناسب میں شفافیت (Transparency) کی کمی پائی جاتی ہے، سرمایہ کار، حصہ دار، مختلف طرح کے حسابات رکھنے والوں کے درمیان کس طرح نفع کی تقسیم عمل میں آ رہی ہے یہ سب کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اعتماد و وثوق میں کمی پائی جاتی ہے۔

۱۱- شرعی ماہرین کی کمی اور علماء کی تشفی بخش نگرانی کا نہ ہونا۔ اسلامی مالیاتی اداروں کی شرعی رہنمائی اور نگرانی بڑی ضروری ہے، لیکن عام طور پر ایسے ماہرین کم ہیں اور ان کا اچھا انتظام نہیں ہوتا۔

۱۲- ٹیکسوں کی زیر باری:

اکثر ملکوں میں ٹیکس کے سلسلہ میں سود اور نفع دونوں کے ساتھ برابر کا معاملہ نہیں ہے۔ سود بڑی حد تک ٹیکس سے مستثنی اور ہر نفع پر ٹیکس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے سودی معاملات کی ہمت افزائی اور نفع نقصان کی بنیاد پر حصہ داری والے معاملہ کی ہمت شکنی ہوتی ہے۔

۱۳- ملکی قوانین کی رکاوٹ:

بہت سے ملکوں میں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ غیر سودی قرضے یا امانات رکھے یا دیئے جائیں، اس طرح اسلامی بینک کے قیام میں مرکزی بینک کے قوانین بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔

۱۴- سنٹرل بینک کی نگرانی اور سرپرستی کی کمی:

عام طور پر تجارتی بینکوں پر مرکزی بنک کی نگرانی اور مشکل میں مدد کرنے کی ذمہ داری

سے تجارتی بینکوں کے لئے اعتماد اور ہمت سے کام کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اسلامی بینک اس معاملہ میں محروم ہیں۔ اسلامی تجارتی بینک اور مرکزی بینک کے درمیان روابط غیر واضح اور غیر متعین ہیں۔ بہت سے ملکوں میں اسلامی بینک مرکزی بینک کے بجائے اوقاف وغیرہ کی نگرانی کے تحت آتے ہیں۔ مرکزی بینک مشکل کے وقت ان کی مدد کی ذمہ داری بھی نہیں لیتے۔ اس لئے اسلامی بینک ان فوائد سے محروم رہتے ہیں، جو مرکزی بینک سے ربط ہونے کی شکل میں مل سکتے تھے۔

۱۵ -محدود ملکیت کی اساس:

اس وقت دنیا میں دو ہی بڑے گروپ ہیں، دلّہ اور دار المال، جو اسلامی بینکوں کے بیشتر حصوں کے مالک ہیں، اس کی وجہ سے عدم استقرار کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے، اگر خدانخواستہ ان میں سے کسی گروپ کے کسی بنک پر کوئی مصیبت آئے تو اس کا سلسلہ اس گروپ کے سارے بینکوں تک پہنچ گا۔

۱۶ -برانچ بینکنگ کی کمی:

اسلامی بینکوں کا وجود صرف چند ایک جگہوں پر ہی ہوتا ہے، ان کی شاخوں کے ہر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو وہ روایتی بینکوں کی طرح سے رقمیں جمع کر پاتے ہیں اور نہ مارکیٹ میں انکی توسیع وترقی ہو پاتی ہے، اور مسابقت میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تحریر میں کچھ خاص خاص مسائل کی طرف مختصراً اشارہ کردیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک مسئلہ کو تفصیل سے بحث کرنے اور ان کا حل ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

اسلامی مالیاتی ادارہ کے اخراجات

حکیم ظل الرحمن، دہلی

یہ مسئلہ بہت اہم ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے کے اخراجات کس طریقے سے پورے کیے جائیں۔ اس سلسلے میں مختلف حضرات نے مختلف تجاویز پیش کی ہیں مثلاً:

۱۔فروخت فارم۔ اختتام مدت پر تجدید قرض کے لیے نئی درخواست فارم۔

۲۔تعمیرات مکانات کے ذریعہ کرایہ داری۔

۳۔سروس چارجیز اور لاکرس کا کرایہ۔ بنک کمیشن برائے ترسیل زر۔

۴۔بروقت عدم ادائیگی کی صورت میں تادیبی وصولیابی (Penalty)۔

اس موضوع پر فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں درج ذیل امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہوگا:

بینکنگ کی قانونی تعریف:

بینک ریگولیشن ایکٹ کی دفعہ ۵(b) کے تحت بینکنگ کی تعریف درج ذیل ہے:

Banking Means accepting deposits of money from the public for the purpose of lending and investment repayable on demand or otherwise, and withdrawable by Cheques, draft, order, or otherwise.

بینک کے معنی قرضہ جات دینے اور انویسٹمنٹ (منظور شدہ سیکورٹیز میں) لگانے کے لیے عوام سے پیسوں کی ایسی امانتیں حاصل کرنا جو ان کے مطالبہ پر یا متعین وقت کے بعد واپس

لوٹائی جاسکیں اور پیسوں کی ایسی امانتیں چیک، ڈرافٹ اور واپسی سلپ کے ذریعہ واپس لی جاسکیں (مجلہ فقہ اسلامی سمینار ۳، صفحہ ۵۶۷)۔

دفعہ ۵(C) اس طرح ہے:

Banking Company means any company or organisation which transacts the business of banking.

بینکنگ کمپنی وہ تنظیم ہے جو بینکنگ کا کاروبار کرتی ہے۔

Reserve Bank of India Act کی دفعہ ۷ میں تحریر ہے کہ ایسی ہر کمپنی کے نام کے ساتھ لفظ بنک بینکر یا بینکنگ شامل ہونا ضروری ہے۔

اسی ایکٹ کی دفعہ ۸ اور ۹ میں ایسے بینکنگ اداروں پر درج ذیل دو پابندیاں عائد کی گئی ہیں:

(۱) ایسا ادارہ بینک کاری کے ساتھ کوئی اور کاروبار یا تجارت نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی صنعتی کام (Manufacturing Activity) میں حصہ لے سکتا ہے، البتہ اس کے لیے قرض دے سکتا ہے۔

(۲) دوسری پابندی یہ لگائی ہے کہ بینک عوام سے لی ہوئی امانتوں کو غیر منقولہ جائداد میں سوائے اپنی ضرورت کے نہیں لگا سکتا ہے۔

اس مالیاتی ادارے پر درج ذیل قوانین کا مزید اطلاق ہوگا:

۱- Industrial dipute Act کے تحت یہ ادارہ انڈسٹری شمار ہوگا، اور ملازمین یا مالکان کے مقدمات صرف لیبر کورٹ ہی میں جاسکیں گے جس کی اپیل کا اختیار سماعت صرف سپریم کورٹ کو ہی ہے ماسوا مخصوص حالات کے۔

۲- Payment of wages Act ادائیگی اجرت ایکٹ

۳- Minimum wages Act کم سے کم تنخواہ کی ادائیگی کا ایکٹ

۴- Gratuity Act گریٹیویٹی ایکٹ

۵- Provident Fund Act پراویڈینٹ فنڈ ایکٹ

۶-Bonus Act بونس ایکٹ

ان حالات میں ملازمین کی تنخواہیں اور دوسری سہولیات اپنے مماثل اداروں کے برابر ادا کرنا ضروری ہوگا۔ حال ہی میں سپریم کورٹ آف انڈیا نے پبلک اسکولوں (جو اسکول حکومت کی امداد کے بغیر چلائے جاتے ہیں) کے اساتذہ کے مقدمہ میں فیصلہ کیا ہے کہ انہیں کم از کم سرکاری اسکولوں کے مدرسین کے برابر تنخواہیں اور دیگر سہولیات دینا ہوں گی، اور اگر کوئی ادارہ یہ نہیں کرسکتا تو اسے ختم ہوجانا چاہئے۔

مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر یہ سوچنا کہ اسلامی ادارے کے ملازمین دوسرے اداروں سے مختلف ہوں گے اور ان کو اخلاقی اقدار اور تربیت سے کنٹرول کیا جاسکے گا، ناممکن سی باتیں ہیں۔ آج محلوں اور بنگلوں میں رہنے کی تمنا اور ضروریات زندگی کی خوشحالی کی حد تک تکمیل معاشرہ کے ہر فرد کی خواہش ہے، اور اس کے لیے وہ قانون کی ہر گنجائش استعمال کرنے کو تیار ہے، اس لئے یہ طے کرلینا ہوگا کہ ادارہ کی تنخواہیں اور دیگر سہولیات کے اخراجات بہت زیادہ ہوں گے، اور ان کا صرف ۱، ۲، ۳، ۴، کی مدات سے ہونے والی آمدنی سے پورا ہونا ممکن نہیں ہوسکے گا۔ ان مدات کے جواز اور عدم جواز کے معاملات الگ ہیں۔ ہم ان مدات کی مختصر مالیاتی تفصیل ذیل میں پیش کررہے ہیں جس سے ان مدات سے ہونے والی آمدنی کا اندازہ ہوسکے گا:

۱۔فروخت فارم:

اکثر فقہاء کی رائے کے مطابق اس کی موجودہ صورت جو مسلم فنڈ دیوبند اور مسلم فنڈ نجیب آباد میں رائج ہے حرام ہے، فارم کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک دو روپیہ رکھی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کی لاگت ۵۰ پیسے فی فارم سے زائد نہیں آئے گی۔

بقیہ رقم محفوظ رکھنے اور نکال کردینے کا حق الخدمت شمار کی جاسکتی ہے، لیکن اس صورت میں یہ بہت مختصر آمدنی کا ذریعہ ہوگا۔ توسیع مدت پر دوسرا فارم بھروانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہوگا،

صرف سادہ درخواست پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ادائیگی کی مدت میں توسیع کی اجازت دی جاتی ہے۔ توسیع واپسی کی موجودہ صورت بالکل ایسی ہی حیلہ سازی ہے جیسی مدارس عربیہ میں زکوۃ کے ساتھ کی جاتی ہے، یعنی کسی مستحق زکوۃ ملازم کو یہ رقم دے کر اس سے واپس لے کر مدرسہ میں جمع کر لی جاتی ہے اور انما الاعمال بالنیات والی حدیث کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔

۲-تعمیرات مکان اور کرایہ داری:

اس سلسلہ میں ریزرو بینک کی طرف سے مذکورہ پابندی ہے، اور ادارہ صرف ایسے مکانات کو خرید سکتا ہے جو اس کے قرض کے عوض اسے ملیں اور ان کی کرایہ کی آمدنی ملنے والے سود سے زاید ہو۔ ریزرو بنک کی پابندی کی صورت میں یہ مد بھی کسی بڑی آمدنی کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔

۳-سروس چارجز:

یہ تین قسم کے ہوسکتے ہیں:

۱- بنک کمیشن بذریعہ ترسیل زر یعنی ڈرافٹ، ہنڈی، بلٹی وغیرہ کی رقومات متعلقہ اداروں سے وصول کر کے متعلقہ اشخاص کو ادا کرنا۔

۲-لاکرس کا کرایہ۔

۳-قرض خواہوں سے مناسب حق الخدمت۔

پہلی شکل بلاشبہ ایک وقیع آمدنی کا ذریعہ بن سکتی ہے، لیکن یہ جب ہی ممکن ہے جب یا تو ملک کے ہر کاروباری شہر میں اپنی شاخیں ہوں اور اپنے مرکزی دفتر کے توسط سے متعلقہ شہر کی شاخ اس کی ادائیگی بعد وضع کمیشن کرے، یا پھر بنکوں کے کلیرنگ اکاؤنٹس جو بالعموم اسٹیٹ بنک آف انڈیا میں ہوتا ہے، کا رکن بنا جائے اور اس میں ایک مخصوص رقم ہمہ وقت جمع رہے، یا پھر کسی ایسے بنک کہ جس کی شاخیں ہر بڑے شہر میں موجود ہوں، سے یہ معاہدہ کیا جائے کہ وہ ایسے تمسکات کی رقم وصول کر کے مالیاتی ادارے کو دے۔ پہلی صورت کہ ہر بڑے شہر میں مالیاتی ادارے

کی شاخ ہو عملاً ممکن نظر نہیں آتی، اور دوسری شکل میں دوسرا بنک اپنا کمیشن وصول کرے گا، اور مالیاتی ادارہ کو ملنے والے کمیشن کی رقم بہت تھوڑی ہوگی اس لئے اس مد کو بھی کسی بڑی آمدنی کا ذریعہ شمار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ کمیشن کی شرح عام بنکوں کی شرح سے زیادہ نہیں طلب کی جاسکتی۔

لاکرس کا کرایہ:

اس سلسلے میں عرض ہے کہ لاکرس کا استعمال رقومات رکھنے کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ زیورات اور دستاویزات کے تحفظ کے لیے کیا جاتا ہے، جن لوگوں کو بنکوں کے حالات سے باخبری ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ لاکرس بنکوں کے لئے کوئی بہت بڑا ذریعہ آمدنی نہیں ہے بلکہ صرف بنک سے ایک تعلق پیدا کرنے کی ایک ترغیب کا ذریعہ ہے۔

۳۔قرض خواہوں سے مناسب حق الخدمت:

مالیاتی ادارہ کا بنیادی مقصد غیر سودی قرضے فراہم کرنا ہے، ایسی حالت میں اگر بنک کے تمام اخراجات یا اخراجات کا بہت بڑا حصہ قرض خواہوں سے وصول کیا جائے گا تو قطع نظر اس کی شرعی حیثیت کے یہ از خود ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگا، اور اس سود سے کہیں زیادہ ہوگا جو انہیں کسی بنک کو دینا پڑتا، ایسی صورت میں ادارہ کے قیام کا کوئی فیض نہیں ہے، اور اگر سروس چارجز مناسب اور قابل برداشت حد تک ہی وصول کئے جائیں تو یہ بہت محدود آمدنی ہوگی۔

۴۔بروقت عدم ادائیگی قرض پر تادیبی وصولیابی۔

یہ بھی کسی بڑی آمدنی کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ لوگ اس سے بچنے کے لیے بروقت ادائیگی کے عادی ہوجائیں گے۔

اب رہ جاتا ہے سوال بقیہ دو مدات کی آمدنی کا، یعنی مذکورہ بالا ۵ اور ۶ جو بلاتردد اور شبہ کے ناجائز اور حرام ذریعہ آمدنی ہے لیکن اسلامی مالیاتی ادارہ ملت کی ایک شدید ضرورت اور اس کے اخراجات کا کوئی مناسب متبادل انتظام نہ ہونے کی بنا پر قابل غور ہیں۔

تیسرا باب

علماء کرام کی تحریریں اور تجاویز

سوالنامہ:

غیر سودی بینکاری
ضرورت اور طریقہ کار

۱- کیا یہ شرعاً روا ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کسی ایسی کاروباری اکائی میں اپنا سرمایہ لگائے جس میں پہلے سے ہی سود پر حاصل کی ہوئی رقم لگی ہوئی ہو؟

۲- اگر کوئی کاروباری اکائی سود پر قرض حاصل کردہ سرمایہ سے شروع ہونے کی منزل میں ہو تو کیا اس کاروباری اکائی میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے؟ (ہر دو صورتوں میں وہ کاروبار جس میں سرمایہ لگانا مقصود ہے فی نفسہ غیر شرعی نہیں ہے)۔

۳- بینک میں جمع شدہ ڈپازٹ (کھاتوں) کی رقموں کا 15 فیصد کے جبر سے ریزرو بینک آف انڈیا میں جمع کروانے کا لزوم ہے، اس کے 12 فیصد حصہ پر ریزرو بینک آف انڈیا ایک متعینہ شرح سے سود ادا کرتا ہے (بقیہ 3 فیصد پر کوئی سود نہیں دیا جاتا)، اس کے علاوہ ہر بینک کو اپنے کل سرمایہ کا 38.5 فیصد کے بقدر قیمت کے سرکاری تمسکات لازماً خریدنے ہوتے ہیں جن پر ایک متعینہ شرح سے سود دیا جاتا ہے۔

اس کی متبادل صورت یہ ہے کہ اس 38.5 کے بقدر سرمایہ کو بینک اپنی تحویل میں مستقلاً نقد محفوظ رکھے اور اس کے کسی جز کو بھی کسی طرح اپنے تصرف میں نہ لائے، اس طرح گویا اسلامی بینک کے پاس نفع آور سرمایہ کاری کے لئے اس کے کل فراہم کردہ سرمایہ کا صرف 46.5 فی صد

حصہ رہ جاتا ہے جو بہت قلیل ہے، اور اس سے سرمایہ کاری کر کے جو تقسیم شدنی نفع کمایا جا سکے گا وہ بہت قلیل ہوگا، جس کے باعث دوسرے بینکوں سے جن کو ریزرو بینک سے ملنے والے سود اور سرکاری تمسکات پر ملنے والے سود کی آمدنی ہوتی ہے، اسلامی بینک کسی طرح مسابقت نہیں کر سکے گا، اور لوگ اس سے مقابلتاً بہت قلیل منافع ملنے کے باعث اسلامی مالیاتی ادارے میں رقم جمع کرانے میں بہت تامل کریں گے۔ مزید یہ کہ اگر بہ عنوان سود ملنے والی اس رقم سے استفادہ نہ کیا جائے تو اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے اپنے رواں اخراجات کو پورا کرنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ:

(الف) کیا مندرجہ بالا وجوہ کے پیش نظر اسلامی مالیاتی ادارہ کو اس کے 53.5 کے بقدر سرمایہ پر ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ جو رقم بہ عنوان سود ملتی ہے اس کو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے رواں اخراجات اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کر سکتا ہے؟

(ب) کیا اس طرح ملی ہوئی رقم کو کھاتہ داروں میں تقسیم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(ج) کیا اس رقم کو محفوظ سرمایہ قائم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ جس کا قائم کرنا قانوناً لازم ہے جو بینک کی ساکھ اور اس کی کارکردگی کے تعلق سے لوگوں میں اعتماد پیدا کرنے کا بھی سبب ہوتا ہے۔

(د) مالیاتی ادارے معمولاً جو اور جس طرح سے سروس چارج (اجرت خدمت) کھاتہ داروں سے لیتے ہیں، کیا اس کی شرح میں قدرے اضافہ کر کے اس اضافی رقم سے محفوظ سرمایہ قائم کیا جا سکتا ہے جس کا قائم کرنا قانوناً لازم ہے۔

۴- ملکی قانون کی رو سے کسی بھی مالیاتی ادارے میں رقم ڈپازٹ کرنے والا صرف نفع میں حصہ دار ہوتا ہے، نقصان میں نہیں، ادارہ کو نقصان ہونے کی صورت میں بھی اس کے ڈپازٹ کی پوری رقم اس کو لازماً ادا کرنی ہوتی ہے، تو:

(الف) کیا یہ کیا جاسکتا ہے کہ کھاتہ داروں سے ایک علیحدہ اقرار نامہ اس بات کا لے لیا جائے کہ نقصان کی صورت میں ادارہ کو حق ہوگا کہ اس کے اصل سرمایہ میں سے نقصان کو منجملہ اس کے حصہ بتناسب کی حد تک کمی کر دی جائے۔

(ب) ادارہ کے پروموٹرس (مؤسسین) یا دوسرے ہمدردان (بہ استثناء کھاتہ داروں، وادارہ خود) اس بات کی ذمہ داری لیں کہ بصورت نقصان وہ اس نقصان کی پابجائی ادارہ میں لگے ہوئے اپنے سرمایہ سے کریں۔

(ج) ڈپازیٹروں سے اس بات کی اجازت حاصل کر لی جائے کہ اس کے کل تقسیم شدنی منافع کے ایک جزء کو ادارہ اپنے پاس رکھ لے، اور اس جمع ہونے والی رقم کو کسی سال نقصان ہونے کی صورت میں اس کی تلافی کے لئے استعمال کیا جاسکے۔

۵- ملکی قانون کے تحت کوئی بھی مالیاتی ادارہ اپنے کھاتہ داروں کو ایک مقررہ شرح سے زیادہ نفع تقسیم نہیں کر سکتا (فی الحال یہ شرح 15 فیصد ہے)، خواہ کمپنی کو منافع اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوا ہو، سوال یہ ہے کہ کیا اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حسب ذیل متبادل صورتیں روبہ عمل لائی جاسکتی ہیں:

(الف) ادارہ کھاتہ داروں سے جو معاہدہ کرے اس میں ہی اس بات کی صراحت کر دی جائے کہ تقسیم شدنی منافع، سرکاری تحدیدات کی پابندی کرتے ہوئے ہی ادا کیا جائے گا۔

(ب) ادارہ منافع تقسیم شدنی کے تعین کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے حقیقی منافع تقسیم شدنی اگر منافع کی تقسیم کے لئے سرکاری مقرر کردہ انتہائی شرح سے زیادہ بھی ہو تو اس حساب کے طریقہ کو اختیار کرنے سے منافع تقسیم شدنی سرکاری مقرر کردہ شرح سے بڑھنے نہ پائے، مثلاً معاہدہ اس طرح کیا جائے کہ ایک مقررہ حد تک منافع بہ شرح 14 فیصد تقسیم کیا جائے گا، اور اس کے اوپر شرح منافع میں تدریجاً کمی ہوتی چلی جائے گی، اس طرح کہ بالآخر منافع 15 فیصد سے بڑھنے نہ پائے۔

(ج) ایک متبادل صورت یہ ممکن ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کے کھاتہ دار بھی وہی ہوں جو اس ادارہ کے حصص بھی خریدیں (حصص خریدنے والا اپنے حصص کی مالیت کی حد تک ادارہ کی ملکیت میں بھی شریک ہوتا ہے، اس طرح حصص کے مالک کی حیثیت ''شریک'' کی ہوتی ہے)، گویا ایک شخص اس ادارہ میں دو حیثیتوں سے داخل ہوتا ہے، ایک تو کھاتہ دار کی حیثیت سے اور دوسرے مالک حصص (شریک) کی حیثیت سے۔

یہ کھاتہ داری اور حصص کی خریدی مثلاً ایک اور پانچ کے تناسب سے ہو، اس صورت میں اگر ادارہ کو اتنا نفع ہو کہ تقسیم شدنی منافع 15 ر فیصد یعنی سرکار سے مقرر کردہ شرح سے زیادہ ہو تو نفع 15 ر فیصد کی شرح سے تو کھاتہ دار کو ادا کردیا جائے اور جو مزید منافع تقسیم شدنی باقی بچ جائے وہ اسی شخص کو مالک حصص (شریک) کی حیثیت سے ادا کردیا جائے (مالک حصص کو نفع کی تقسیم کسی حد سے محدود نہیں ہے)۔

٦- ا۔''الف'' اسلامی مالیاتی ادارہ سے خواہش کرتا ہے کہ ادارہ اسے ایک شئی جو بازار میں مثلاً ایک سو روپیہ کی مل رہی ہے اپنے سرمایہ سے خرید کر اسے دے، جس کی قیمت وہ نقد نہیں بلکہ ایک مقررہ مدت (مثلاً تین ماہ) کے بعد ادا کرے گا۔ ادارہ اس پر راضی ہوکر ''الف'' سے کہتا ہے کہ وہ مطلوبہ مال اپنے سرمایہ سے خرید کر اور اس پر ضروری مصارف اور اپنا کچھ منافع قیمت خرید میں شامل کرکے اس کے حوالہ کرے گا، اور رقم تین ماہ بعد لے گا، کیا معاملہ کی یہ صورت شرعاً جائز ہے؟

۲-''الف'' اپنا کچھ مال ''ب'' کو فروخت کرنے کا معاہدہ کرتا ہے، جو دوسرے شہر (یا ملک) میں رہتا ہے، ''الف'' اس مال کو بذریعہ ریل یا ٹرک روانہ کرکے اس کی بلٹی اسلامی مالیاتی ادارہ کو بغرض فروخت پیش کرتا ہے، ادارہ اس بلٹی میں درج شدہ قیمت (مثلاً ایک سو روپئے) سے کچھ کم رقم (مثلاً نوے روپئے) میں وہ بلٹی خرید لیتا ہے، اور اس بلٹی کی بنیاد پر ''ب'' کو مال وصولی ہوجانے پر ''ب'' سے ایک سو روپئے وصول کرلیتا ہے، کیا یہ صورت معاملہ جائز ہے؟

۶- کیا اسلامی مالیاتی ادارہ اس طرح عمل کرسکتا ہے کہ وہ کسی مال کی خریداری کے خواہشمند کو ہی اپنے ایجنٹ (وکیل) کے طور پر اپنے ہی لئے اپنی پسند سے مال خریدنے کے لئے سرمایہ اس شرط سے فراہم کرے کہ مالی ادارہ کے سرمایہ سے وہ شخص مال مطلوبہ خریدے اور پھر قیمت خرید پر کچھ اضافہ کے ساتھ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنے ہی کو فروخت کردے اور وہ قیمت فروخت ادارہ کے حوالہ کردے۔

۷- کیا اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے سرمایہ سے کسی ایسی کمپنی کے ''ایکویٹی شیئر'' (یعنی ایسے حصص جن پر پہلے سے طے شدہ شرح سے منافع (سود) نہیں ادا کیا جاتا بلکہ صرف کمپنی کو ایک مالی سال میں منافع ہونیکی صورت میں حصہ بتناسبہ سے منافع تقسیم کیا جاتا ہے، اور بصورت خسارہ وہ حصہ بتناسبہ سے نقصان میں شریک ہوتا ہے) خرید سکتا ہے جو کمپنی اپنے کاروبار کے لئے سود پر سرمایہ فراہم کرتی ہو جب کہ وہ کاروبار جو وہ کمپنی کرتی ہے فی نفسہ خلاف شرع نہ ہو۔

۸- بعض کمپنیاں ابتداءً ایسے ڈبینچرز (سود بردار حصص) جاری کرتی ہیں جن پر ایک مختصر مدت تک تو مقررہ شرح سے سود دیا جاتا ہے، اور اس مدت کے ختم ہوجانے کے بعد ان ڈبینچروں کو ایکویٹی شیئر میں (جس کی تعریف اوپر کی جاچکی ہے) تبدیل کیا جاسکتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسے ڈبینچروں کا خریدنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے شرعاً جائز ہوگا جو ایک مختصر سے عرصہ کے بعد ایکویٹی حصص میں تبدیل ہوجانے والے ہوں جب کہ ادارہ کی نیت یہ ہو کہ اس عبوری عرصہ تک اسے ان ایکویٹی حصص میں تبدیل ہوجانے والے ڈبینچروں پر جو سود ملے گا وہ اس سود سے کوئی استفادہ نہ کرے گا۔

۹- بعض دفعہ صنعت کاروں یا تاجروں کو اپنے کاروبار کے لئے خطیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے جو بینکوں سے سودی قرض پر حاصل کرتے ہیں، اسلامی مالیاتی ادارہ کسی بھی وجہ سے اگر مطلوبہ سرمایہ خود فراہم نہ کرنا چاہے تو وہ یہ کرسکتا ہے کہ قرض خواہ کو اپنی ضمانت پر کسی دوسرے

بینک سے قرض دلوا دے، اور اس خدمت کے عوض اسلامی مالیاتی ادارہ کو کمیشن ملتا ہے، کیا اس طرح کمیشن حاصل کرنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے جائز ہوگا؟

۱۰ - بینکوں کو اچھی خاصی آمدنی غیر مالی ضمانتوں کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، مثلاً اس طرح کہ ایک ٹھیکیدار حکومت سے کسی تعمیراتی کام کا ٹھیکہ لیتا ہے، ٹھیکہ کی شرائط کے تحت ٹھیکیدار کو اس بات کی ضمانت دینی ہوتی ہے کہ وہ ٹھیکہ پر لئے ہوئے کام کو ٹھیکہ کی شرائط کے مطابق اور مدت مقررہ کے اندر پورا کر دے گا۔ بینک ٹھیکیدار کی طرف سے ان باتوں کی ضمانت دیتے ہیں جنہیں حکومت قبول کر لیتی ہے، اس طرح کی ضمانت دینے پر بینکوں کو معقول کمیشن ملتا ہے، کیا اس طرح کی ضمانت دے کر اس کے عوض ٹھیکیدار سے کمیشن لینا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے جائز ہوگا؟

۱۱ - حسب ذیل معاملہ کے بارے میں علماء کی کیا رائے ہے؟

ایک شخص ٹرک خریدنے کے لئے اسلامی بینک سے قرض لینا چاہتا ہے، بینک یہ رقم اس طرح دے کہ ابتداء ہی سے قرض خواہ کو ٹرک کی ملکیت میں شریک متصور کرے اور ٹرک اپنے سرمایہ سے خرید کر اس شخص کو مقررہ ماہانہ کرایہ پر دے دے، وہ شخص علاوہ رقم قسط کے ماہانہ کرایہ بھی ادا کرے، اس طرح گویا ہر قسط کی ادائیگی کے ساتھ اس حد تک اس ٹرک کی ملکیت میں شریک ہوتا چلا جائے گا اور ماہانہ کرایہ جو اس کی طرف سے اداشدنی ہے اس کی شرح بھی اسی نسبت سے کم ہوتی چلی جائیگی، تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب وہ ٹرک مکمل طور پر اس شخص کی ملکیت ہوجائے گا، اور اس عرصہ میں کرایہ کی شکل میں جو رقم بینک کو ملی وہ اسکی سرمایہ کاری کا صلہ یا منافع ہوگا، کیا اس صورت معاملہ میں قرض اور ربا کا عنصر شامل سمجھا جائے گا؟

☆ کیا اس رقم کو مد محفوظ پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے جو بینک کے لئے ممکن العمل ہونے میں اعتماد کا باعث ہوگا اور ان کا ہونا قانوناً بھی ضروری ہے؟

۱۲ - پچھلے عرصہ میں حکومت کے طرز فکر میں تبدیلی آئی ہے اور حکومت کا رجحان اس طرف

ہوگیا ہے کہ ملک کی معیشت کو رفتہ رفتہ سودی بنیاد سے ہٹا کر غیر سودی بنیاد پر قائم کیا جائے، اس مقصد کی پیش رفت میں حکومت نے کچھ نئے مالیاتی ادارے قائم کئے ہیں، مثلاً میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ وغیرہ، حکومت ان اداروں کی طرف سے حصص کی فروخت کے ذریعہ سرمایہ اکٹھا کرتی ہے اور سرمایہ کاری کرتی ہے۔

فی الحال اس سرمایہ کے 80 فیصد حصہ سے مشہور اور مستحکم کمپنیوں کے ایکویٹی شیئرز (نفع ونقصان میں شرکت والے حصص) خریدے جاتے ہیں، اور سرمایہ کے بیس فیصد حصہ سے سود بردار حصص خریدے جاتے ہیں، حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ رفتہ رفتہ اس اسکیم کے تحت اکھٹا کرتے ہوئے کل سرمایہ کو ایکویٹی شیئرز یعنی نفع ونقصان میں شرکت والے حصص کے خریدنے ہی میں لگائے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ایسے میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ کے حصص خریدنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے شرعاً جائز ہوگا؟

ایک دوسرا اشکال اس بارے میں یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کو اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ جن کمپنیوں کے حصص میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ خریدے گا وہ کمپنیاں جو کاروبار کررہی ہیں وہ کاروبار فی نفسہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور مزید یہ کہ وہ کمپنیاں اپنے کاروبار کے لئے سرمایہ سودی قرض پر حاصل کرتی ہیں یا نہیں؟

۱۳ - مندرجہ بالا سوال نمبر 3 کے تحت اسلامی مالیاتی ادارہ کو از روئے قانون (جبراً) اپنے کل سرمایہ کا 15 فیصد ریزرو بینک میں مستقلاً رکھنا ہوگا اور 38.5 فیصد کے تمسکات خریدنے ہوں گے، اور ان دونوں پر ادارہ کو سود ملے گا، دوسری طرف از روئے قانون کوئی قرض دہی بلا سود نہیں ہوسکتی، ایسی صورت میں کیا یہ شرعاً روا ہوگا کہ ان دونوں سود کی رقوم کا یعنی ان رقوم پر جو قانون کے جبر سے ریزرو بینک میں رکھوائی گئی رقم پر اور سرکاری تمسکات پر وصول ہو اور جو سود قرض دہندگان سے وصول ہو، کا ایک سودی حساب رکھا جائے، اس طرح عام حالات میں

صورت حال یہ ہوگی کہ دونوں ذرائع سے سود کے تحت ملنے والی رقوم مساوی ہوجائیں گی، اس بارے میں علماء کرام رائے دیں۔

۱۴- اجارہ (LEASING) کے معاملہ کی شریعت میں اجازت ہے، لیکن اس کے موجودہ طریقہ کار کے تحت کسی اثاثہ کو اجارہ پر لینے والے کے لئے دو شرائط کی پابندی ضروری ہوتی ہے، ایک تو اسے پورے رقم پر ایک پہلے سے طے شدہ شرح سے سود ادا کرنا ہوگا، خواہ وہ شخص اس وقت تک کتنی ہی قسطیں کیوں نہ ادا کرچکا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ ایک بار اجارہ کا معاملہ کرنے کے بعد اس شخص کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اجارہ کی مدت کے مکمل ہونے سے قبل کسی بھی عذر سے اجارہ کے معاہدہ کو ختم کرسکے۔

سوال یہ ہے کہ کیا قسط کی ادائیگی میں کمی کی صورت میں اسلامی مالیاتی ادارہ جس نے اس اجارہ کے معاملہ میں سرمایہ کاری کی ہے اس شخص پر کچھ رقم بطور تاوان عائد کرنے کا معاہدہ کرسکتا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی مالیاتی ادارہ اجارہ کا معاہدہ کرتے وقت معاہدہ میں یہ شرط شامل کرسکتا ہے کہ اجارہ کی مدت کے مکمل ہونے سے قبل اجارہ دار اجارہ کے معاہدہ سے دستبردار نہیں ہوسکتا بلکہ اس کو اجارہ کی مدت لازماً پوری کرنی ہوگی، اور اس مدت تک تمام قسطیں لازماً ادا کرنی ہوں گی۔

۱۵- جب کسی شخص کے (چھوٹے) کاروبار میں اسلامی مالیاتی ادارہ نفع ونقصان میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ لگاتا ہے تو منجملہ دیگر ایک اندیشہ یہ ہے کہ کاروبار کرنے والا شخص بالآخر حاصل ہونے والے منافع سے کم بتائے (اسلئے کہ چھوٹے کاروبار کی صورت میں کاروبار کے حساب کتاب کی تنقیح کرتے رہنا اور اس پر نگرانی رکھنا بہت مصارف کا باعث ہوگا) تو ادارہ کو اسکے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ اس کو تسلیم کرلیا جائے۔ اس سے محفوظ رہنے کا ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ سرمایہ فراہم کرتے وقت ہی کاروبار کرنے والے شخص سے مجوزہ کاروبار کی تفصیلات معلوم کرکے باہمی

گفتگو سے اس کاروبار میں کتنا منافع متوقع ہے اس کا تخمینہ لگا لیا جائے، اب اگر بالآخر حاصل ہونے والے منافع کو وہ شخص اس سے کم بتائے جتنے کا تخمینہ اس شخص سے مشورہ کے بعد لگایا گیا تھا تو اس تخمینی منافع ہی کو حقیقی منافع مان کر اسی کے مطابق منافع کی باہمی تقسیم بموجب معاہدہ عمل میں لائی جائے، کیا یہ طریقہ شرعاً جائز ہوگا؟

☆☆☆

اکیڈمی کا فیصلہ:

غیر سودی بنکاری
ضرورت اور طریقہ کار

[تیسرا فقہی سمینار بنگلور کے مشہور دینی ادارہ دار العلوم سبیل الرشاد میں ۸/تا ۱۱/ جون ۱۹۹۰ء میں منعقد ہوا، ہندوستان کے مختلف مراکز و مسالک اور بیرون ہند سے شرکاء کی تعداد ۱۲۰ سے متجاوز تھی۔ ''غیر سودی بینکنگ، مرابحہ، حقوق کی بیع'' یہ سمینار کے زیر بحث موضوعات تھے، علماء اور جدید علوم کے ماہرین نے چار روزہ اجتماعی غور و مباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز و فیصلوں کو منظوری دی]۔

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کر کے مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ بھی فراہم ہوتا ہے، اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ مزید برآں بینکنگ ادارے متعدد ایسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں جو تجارت، صنعت اور زراعت کے لئے ناگزیر ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی معاشی جد وجہد اور سرمایہ کاری بھی اس امر کی محتاج ہے کہ وہ موجودہ بینکوں کی طرف رجوع کریں مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سودی نظام غیر عادلانہ اساس پر قائم ہے۔ سود پر مبنی عقد، سرمایہ داری کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں ایک متعین شرح پر منافع وصول کرے، جبکہ

صاحب العمل (Entreneur) کا منافع اس کی اقتصادی جد وجہد کی کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے، کیونکہ یہ ظلم پر مبنی ہے۔ اسکے علاوہ سود موجودہ زمانہ میں تفریق دولت اور ترکیز سرمایہ (Concentration of wealth) کا مؤثر ترین ذریعہ بن گیا ہے، اس کے نتیجہ میں موجودہ معاشرہ میں قرض پر دئے جانے والے سرمایہ (Loan Capital) کو جو تسلط اور قاہرانہ حیثیت حاصل ہوگئی ہے اس کا شعور تقریباً سارے ہی اصحاب فکر کو کسی نہ کسی درجہ میں حاصل ہوگیا ہے۔

سود کے مفاسد کا یہ ایک مجمل بیان ہے، اس کے مضر اور ظالمانہ اثرات کا حصر یہاں ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت انسان کی معاشی جد وجہد کی اہمیت کی نہ صرف یہ کہ منکر نہیں ہے بلکہ وہ اس جد وجہد کو ابتغاء فضل اللہ قرار دیتی ہے۔ یہ شریعت انسانوں کے معاشرہ میں بالعموم اور معاشی جد وجہد کے میدان میں بالخصوص عدل ورحمت، دیانت اور امانت کی نہ صرف مقتضی ہے بلکہ وہ ایسے احکام، اصول اور قرار بھی فراہم کرتی ہے جن پر ایک صحتمند، عادلانہ اور مشفقانہ نظام معیشت قائم ہوتا ہے، سود کی حرمت فی الحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اسلامی نظام معیشت ظالمانہ مقابلہ اور تنافس کے بدلے باہمی اخوت، عدل اور مساوات اور عام انسانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وسیع بنیادوں پر قائم ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کو بھی انہیں بنیادوں پر استوار کریں تاکہ ایک طرف وہ اس نظام عدل ومساوات کے داعی بن سکیں، اور دوسری طرف اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو بہتر اور مضبوط بنیادوں پر قائم کرسکیں۔

غیر سودی بنیادوں پر بینکنگ کے نظام کے قیام کے لئے شریعت حقہ نے جو اصول اور ضوابط عطا فرمائے ہیں وہ موجودہ دور کے مسائل کا بہتر حل پیش کرتے ہیں، بلکہ ہمارا یقین ہے کہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے وہ موجودہ طریق تنظیم سے افضل ہیں، ان کے اختیار کرنے سے مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوگی اور ایسا عادلانہ معاشرہ قائم ہوگا جس کا ہمارا ملک بدرجہ

اولی محتاج ہے، یہ سمینار سمجھتا ہے کہ مضاربت (Equity Participation) مشارکت (Partnership) اور مرابحہ (Mark up Pricing) جیسے بنیادی اصولوں پر مبنی ایک قابل عمل اور بہتر نظام بینکنگ قائم کیا جاسکتا ہے۔ ایسا نظام مالیات اور سرمایہ کاری جو ملک کے لئے ایک پیغام بھی ثابت ہو اور قابل عمل نمونہ بھی، البتہ اس سمینار کو اس بات کا مکمل شعور ہے کہ موجودہ عصر کے متعدد مسائل اور سرمایہ کاری کے متعدد وسائل اور معاملات کے پیش نظر ان اصولوں کے انطباق کے لئے انتھک جد وجہد کرنا ہوگی۔

اسلامی نظام بینکنگ کا خاکہ مرتب کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولی ہدایات کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

(۱) اسلام سودی نظام تعاقد کی ہر شکل کو حرام قرار دیتا ہے۔

(۲) اسلام مالیاتی اور اقتصادی عقد میں جانبین کے لئے عدل کو ضروری شرط قرار دیتا ہے، جس کا مقتضی یہ ہے کہ صاحب المال اور صاحب العمل دونوں کے ساتھ عدل ہو، صاحب المال منافع میں شریک ہو اور سرمایہ کے نقصان کا مکمل ذمہ دار قرار دیا جائے، جبکہ صاحب العمل (مستقرض) نفع میں شریک ہو اور بصورت نقصان وہ اپنی محنت کے اجر سے محروم ہو۔

(۳) زر کو وسیلہ سمجھا جائے نہ کہ مطلوب بالذات، جس طرح بضائع ضروریہ اور عیش وراحت کے سامان ہوتے ہیں۔

(۴) سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھا جائے اور اس کے ذمہ دار انسانوں کی حقیقی ضرورت اور ان کی مالی اور اقتصادی استعداد میں اضافہ کا ذریعہ بنایا جائے۔ برعکس موجودہ طریق تصرف کے کہ جہاں سرمایہ کو صاحب المال اور بینک اپنی ازدیاد دولت کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

(۵) سرمایہ کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ کمزور اور پسماندہ طبقات کی معاشی حالت میں بہتری ہو اور نامنصفانہ تقسیم اور تفریق دولت میں کمی واقع ہو، اس اصول کے پیش نظر اسلامی

بینکوں کو سرمایہ کی تقسیم اور فراہمی کرتے وقت ضروریات، تحسینیات اور کمالیات میں اول الذکر کو ترجیح دینا ہوگا، اور شرح منافع کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا کہ ملت کے کمزور اور ضعیف صاحبان استعداد کی ہمت افزائی کی جائے۔

(۶) ان تمام وسائل تمویل سے احتراز کرنا ہوگا جو اگرچہ عصر حاضر میں مروج ہیں لیکن خیانت، دھوکہ اور کتمان حقیقت کے شاہ کار ہیں۔

(۷) ان اصولی ہدایات اور اسلامی نظام معیشت ومعاشرت کے عمومی مقاصد اکی اخلاقی روح، دیانت وصداقت کی عمومی اقدار کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا، تاکہ یہ کوشش محض ایک میکانکی مشق نہ بن جائے بلکہ حقیقی معنوں میں جاری نظام منافست، لوٹ کھسوٹ، نفسانیت کی جگہ پر نظام رحمت اور باہمی خیرسگالی اور تعاون کا آئینہ دار ہو۔

اسی مقصد کے پیش نظر سمینار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ماہرین اور علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو شریعت کے مذکورہ اصول اور اس کے عمومی ہدایات ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مسائل کے پیش نظر ایسا نظام مالیات تجویز کرے جو مسلمانوں کی امنگوں اور ان کی پسندیدہ اقدار کا آئینہ دار بھی ہو اور ان کے حقیقی معاشی مسائل کا حل بھی۔

غیر سودی بینکنگ:

کمیٹی کی تفصیلی رپورٹ پیش ہوئی، اس رپورٹ کی تلخیص اردو زبان میں جناب عبدالحسیب صاحب سابق ڈائرکٹر ریزروبینک آف انڈیا اور جناب محمد حسین کھٹکھٹے نے شرکاء سمینار کے سامنے پیش کی۔

اس رپورٹ میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ جب تک بینکنگ کے موجودہ قوانین میں ترمیم نہیں کی جاتی اور بینکوں کو تجارت اور صنعت میں براہ راست سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی، موجودہ قانون کے تحت غیر سودی اسلامی بینک قائم نہیں کئے جاسکتے۔

رپورٹ میں متبادل کے طور پر ''انڈین کمپنیز ایکٹ'' اور ''کوآپریٹو کریڈٹ'' کے تحت

اسلامی مالیاتی اداروں اور غیر سودی سوسائٹیز کے قائم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ بعض خاص حالات میں پارٹنرشپ کی گنجائش بھی ہوسکتی ہے۔

رپورٹ کی روشنی میں مضاربت، شرکت، مرابحہ اور اجارہ جیسے اسلامی طریقہ تجارت کو نیز بینکس کی ان خدمات کو اختیار کئے جانے کی سفارش کی گئی ہے جو سود سے پاک ہیں، جنہیں (Non Banking Services) کہا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں ایک ایسے مرکزی ادارہ (وفاق) کے قائم کرنے کی سفارش بھی کی گئی ہے جو اس طرح کے قائم اسلامی مالیاتی اداروں کو کنٹرول کرے، ان کے استحکام اور قابل اعتماد ہونے کے سرٹیفکٹ جاری کرے، نیز اگر ایسے نئے مالی ادارے قائم کئے جانے کا منصوبہ ہو تو پہلے ان کی صلاحیت کار اور قابل اعتماد ہونے کے سلسلے میں ضروری جائزہ لے اور انہیں اس سلسلے میں مفید مشورہ دے، اور ایک مالیاتی ادارہ کے منجمد سرمایہ کو دوسرے مالیاتی ادارہ کے ذریعہ مفید اور جائز کاروبار میں لگانے کا انتظام کرے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ مستند علماء پر مشتمل ایک ایسا بورڈ بھی تشکیل دیا جائے جو وقتاً فوقتاً ان اسلامی مالیاتی اداروں میں اختیار کئے گئے طریق تجارت پر غور کر کے شرعی حیثیت سے رہنمائی کرے۔

''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے چوتھے سمینار منعقدہ ۹ تا ۱۲/ اگست بہ احاطہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد، میں بینکنگ کمیٹی کی اس رپورٹ کی تحسین کی گئی، اور شریک علماء وفقہاء و ماہرین کی آراء کو سننے کے بعد طے کیا گیا کہ:

۱- یہ اجلاس اس رپورٹ کو ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کی دستاویزات کے ساتھ ریکارڈ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور بینکنگ کمیٹی کے ارکان کا اس جامع رپورٹ کے پیش کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہے۔

۲- یہ سمینار طے کرتا ہے کہ علماء کا ایک بورڈ مجمع الفقہ الاسلامی کے ذریعہ تشکیل دیا جائے جو ماہرین کی طرف سے اس طرح کے اسلامی مالیاتی اداروں میں روزمرہ پیش آنے والے سوالات

اور عملی مشکلات جنہیں بینکنگ کے ماہرین کی طرف سے انہیں پیش کیا جائے، وہ ان پر شرعی رائے اور فتوی صادر کرے، نیز مذکورہ بالا رپورٹ میں اٹھائے گئے سوالات کا فقہ اسلامی کی روشنی میں جائزہ لے کر ان کا شرعی حل پیش کرے۔

۳- سمینار یہ بھی طے کرتا ہے کہ بینکنگ اور اسلامی اقتصادیات کے ماہرین پر مشتمل ایک مستقل بورڈ تشکیل دیا جائے جو مسلسل اپنا کام جاری رکھے اور ایسے بہتر سے بہتر ممکن العمل مالیاتی اداروں کے قیام کے لئے نمونے تیار کرے جن کی بنیاد پر ایسے اداروں کا قیام عمل میں آسکے جو مختلف مالی خدمات انجام دے سکیں، جن کی ضرورت مسلمانان ہند کو ہے، اور وہ شرعاً درست اور قانوناً قابل عمل ہوں۔

۴- یہ بھی طے کیا گیا کہ علماء کے بورڈ میں ایک یا دو بینکنگ کے ماہرین، اور ماہرین کے بورڈ میں ایک یا دو علماء کو بھی رکھا جائے۔

غیر سودی امدادی سوسائٹیاں:

تیسرے فقہی سمینار میں غیر سودی امدادی اداروں اور ان سے متعلق مسائل پر غور کیا گیا، یہ سمینار غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ:

(۱) ہندوستانی مسلمانوں کے اقتصادی اور معاشی حالات کے پیش نظر ایسے امدادی مالیاتی اداروں کا قیام ضروری اور مفید ہے جو عامۃ المسلمین سے بلاسود قرض حاصل کریں اور ضرورت مند مسلمانوں کو سود کی ادنی آمیزش کے بغیر قرض فراہم کرسکیں گے۔

ایسے ہی ادارے دراصل رفاہی اور فلاحی ادارے ہوتے ہیں جن کی بنیاد صلہ، بر، احسان اور تعاون پر ہوتی ہے۔

(۲) قرض خواہوں سے قرض میں دی گئی رقم سے زائد وصول کرنا چاہے اس کا کوئی سا بھی طریقہ اختیار کرلیا جائے ہرگز جائز نہیں، اور قرض سے زائد حاصل کی گئی رقم شرعاً سود ہے، لہذا

ذاتی مفاد یا ادارے کے مفاد یا دیگر رفاہی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے بھی قرض سے زائد کوئی رقم وصول کرنا جائز نہیں، نیز ان اداروں میں جمع شدہ رقوم کو فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور ان پر سود حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

رہا یہ سوال کہ اپنے اداروں کے انتظامی مصارف کس طرح پورے کئے جائیں تو یہ ''فقہی سمینار'' اسکے لئے مندرجہ ذیل طریقوں کو درست قرار دیتا ہے:

الف۔ ایسے امدادی مالیاتی اداروں کو کچھ اصحاب خیر ایک ملی ضرورت سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے خرچوں سے چلائیں یعنی انتظامی اخراجات کا بار یہ اصحاب خیر برداشت کریں، اگر یہ ادارے مسلمانوں میں اپنا یہ اعتماد حاصل کرلیں کہ یہ خالص شرعی حدود میں عام مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے اور ان کو سودی لین دین سے بچانے کے لئے کام کررہے ہیں اور علماء کرام کی رہنمائی بھی ان کو حاصل ہے تو قوی امید ہے کہ اہل ثروت مسلمان ایسے اداروں کے انتظامی مصارف بلکہ ترقیاتی مصارف کے لئے بھی آگے بڑھیں گے۔

(ب) سمینار کی رائے میں ایسے تمام امدادی مالی اداروں کو ہر طور پر یہ کوشش کرنی چاہیے کہ سرمایہ کا کچھ حصہ پیداواری ذرائع میں لگا کر جائز آمدنی حاصل کی جائے اور کم از کم اتنی آمدنی ضرور حاصل کرلی جائے جس سے سوسائٹی کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

(ج) سمینار کے شرکاء میں سے متعدد علماء کی رائے یہ ہے کہ اجرۃ الخدمت (Service Charge) یا انتظامی اخراجات (Operational Expenses) اگرچہ وہ ضروری اور واقعی اخراجات تک محدود ہوں قرض خواہوں سے نہیں لئے جاسکتے۔ بعض علماء کی رائے میں اگرچہ یہ اصلاً جائز ہو لیکن سود کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے اس لئے اسے قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہیے۔

دیگر علماء کرام (شرکاء سمینار) کی رائے میں اسطرح کے اداروں کا قیام مفید اور ضروری ہے، اور اگر اصحاب خیر کی طرف سے تعاون، یا پیداواری ذرائع میں سرمایہ لگا کر بقدر ضرورت

جائز آمدنی حاصل کر کے بھی ادارہ چلانا ممکن نہیں ہوتو ادارہ کے ضروری اور حقیقی انتظامی اخراجات قرض خواہوں سے وصول کئے جاسکتے ہیں، کہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعہ آمدنی ہے۔

ان علماء کی رائے میں ان واقعی اور ضروری اخراجات کے تعین میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اصلاً قرض کی جو روح شریعت کے پیش نظر ہے اس کے ساتھ قرض خواہوں سے ان اخراجات کا وصول کرنا میل نہیں کھاتا، لیکن ان اخراجات کے وصول کرنے کی اجازت ناگزیر حالات کی وجہ سے دی جارہی ہے، لہذا ان اخراجات کے تعین میں حددرجہ احتیاط برتی جائے۔

ضروری اور واقعی اخراجات محتاط اندازے کے ساتھ متعین کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اگر حسابی مدت کے پورا ہونے کے بعد یہ معلوم ہو کہ انتظامی اخراجات کی مد میں وصول کی گئی تخمینی رقم حقیقی اخراجات سے زائد ہے تو یہ زائد رقم قرضخواہوں کو ان سے وصول کئے گئے خرچ کے تناسب سے واپس کردینا شرعاً واجب ہوگا۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

غیر سودی بینکاری

مفتی محمد فہیم اختر ندوی

۱، ۲- اسلامی مالیاتی ادارہ ان دونوں قسم کی کاروباری اکائی میں اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے۔

(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی نظام الدین، مفتی نور الہدی قاسمی، مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی احمد خانپوری، مولانا عبد الرحمن قاسمی، مولانا مصلح الدین اور مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

بعض حضرات نے جواز ہی سے اتفاق کرتے ہوئے کچھ شرائط ذکر کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆ اگر سود پر حاصل کی ہوئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو جائز ہے (مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)۔

☆ جائز ہے بشرطیکہ سود دینے میں ہماری شرکت نہ ہو (مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی)۔

☆ جائز ہے بشرطیکہ ادارہ کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ ہو (جمیل احمد نذیری)۔

☆ مولانا عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی، مولانا صدر الحسن ندوی کی رائے میں

عدم جواز راجح ہے۔

۳- اسلامی ادارہ کو اس کے 53.3 کے بقدر سرمایہ پر ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ جو رقم بعنوان سود ملتی ہے، درج ذیل حضرات کی رائے میں یہ سود کی رقم:

(الف) ادارہ کے رواں اخراجات اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے استعمال نہیں کی جاسکتی ہے۔

ب- اسی طرح کھاتہ داروں میں تقسیم کرنے کے لئے بھی استعمال نہیں کی جاسکتی ہے (مولانا ایوب ندوی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا افضال الحق قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی احمد خانپوری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی نور الہدی قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی)۔

مفتی جمیل احمد نذیری کی رائے یہ ہے کہ یہ سودی رقم ادارہ کے رواں اخراجات اور ضروریات میں استعمال کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ رفاہی کاموں میں خرچ کرنا ہے، البتہ کھاتہ داروں میں تقسیم نہیں کی جاسکتی ہے۔

(ج) کیا یہ رقم سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں:

☆ یہ رقم سرمایہ محفوظ قائم کرنے میں بھی استعمال نہیں کی جاسکتی ہے۔

(مولانا عتیق احمد قاسمی، جمیل احمد نذیری، مفتی نور الہدیٰ قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا افضال الحق قاسمی، مولانا مصلح الدین، عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی، اور مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی)۔

☆ یہ رقم سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

(مولانا ایوب ندوی، مولانا اختر امام عادل، مفتی احمد خانپوری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا صدرالحسن ندوی، مولانا عبدالرحمن قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری)۔

☆مفتی نظام الدین صاحب کی رائے میں یہ رقم سود کی شار نہیں ہوگی۔

(د) کیا سروس چارج کی شرح میں اضافہ کرکے اس اضافی رقم سے سرمایہ محفوظ قائم کیا جاسکتا ہے؟ شرکاء کی دو رائیں ہیں:

● یہ درست نہیں ہے۔

(مولانا شمس پیرزادہ، مفتی نورالہدیٰ قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبدالرحمن قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ایوب ندوی، عبدالرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی)۔

● درست ہے۔

(مولانا اختر امام عادل، مولانا صدرالحسن ندوی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)۔

۴-(الف) شرکاء کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

● اس طرح کا اقرارنامہ لینا ضروری ہے ورنہ یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں ہوگا۔

(مولانا رئیس ندوی، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)۔

● اگر اصول مضاربت کی عملاً پابندی ہو تو درست ہے۔(مولانا عبید اللہ اسعدی)

● اگر مضاربت یا شرکت کا معاملہ ہو تو درست ہے (مفتی احمد خانپوری، مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی)۔

● ایسا اقرارنامہ لینا درست ہے۔(مولانا عبدالرحمن قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ایوب ندوی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا صدرالحسن ندوی، مفتی نورالہدیٰ قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری)۔

● قانون ایسے قرارنامہ کی اجازت نہیں دے گا (مولانا شمس پیرزادہ)۔

● قرارنامہ لینا درست نہیں ہے۔ (مولانا افضال الحق قاسمی)۔

(ب) اس سوال کے جواب میں بھی شرکاء کی آراء مختلف ہیں:

● صرف مؤسسین کا نقصان کی پابجائی کرنا درست نہیں ہے۔

(مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی)۔

● یہ ایک تبرع کا وعدہ ہے (مفتی احمد خانپوری، مولانا مصلح الدین)۔

● مؤسسین کا ایسا کرنا درست ہے (مولانا افضال الحق قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی نور الہدیٰ قاسمی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ایوب ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی)۔

● (ج) بیشتر حضرات کی رائے میں یہ صورت درست ہے۔

(مفتی احمد خانپوری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا افضال الحق قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی نور الہدیٰ قاسمی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی)۔

● مولانا عتیق احمد قاسمی اور مولانا رئیس ندوی کی رائے میں یہ صورت بھی درست نہیں ہے۔

● الف تاج کا حکم مفتی نظام الدین صاحب کی رائے میں یہ ہے کہ اگر آپسی مصالحت کے مطابق بغیر کسی دباؤ کے ہو تو گنجائش ہے۔

● مولانا عبد الرحیم قاسمی نے اسے مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے۔

۵- جوابات مختلف ہیں:

(الف) اس حل سے اتفاق نہیں ہے(مولانا عتیق احمد قاسمی،مولانا اختر امام عادل، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا عبد القیوم، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

● کھاتہ دار کی رضا مندی پر درست ہے۔لازم کرنا درست نہیں ہے(مفتی احمد خانپوری)۔

● درست ہے(مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ایوب ندوی، مولانا مصلح الدین، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)۔

● شرکاء کی رضامندی سے درست ہے(مفتی نظام الدین)۔

(ب) تقسیم منافع کی یہ صورت درست ہے(مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبد الرحیم قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا مصلح الدین)۔

● یہ صورت درست نہیں ہے(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اختر امام عادل، مولانا صدر الحسن ندوی، مفتی نظام الدین، مولانا رئیس ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

(ج) اس متبادل کے جواز پر سبھوں کا اتفاق ہے۔صرف مفتی نظام الدین صاحب کے نزدیک اصول شرع کے خلاف ہے۔مفتی احمد خانپوری صاحب نے اس متبادل کے عملاً ممکن ہونے کا ذکر کیا ہے۔

۶-(ا) یہ صورت جائز نہیں ہے(مولانا شمس پیرزادہ)۔

● پہلے ادارہ خود اپنے لئے خریدے پھر مقررہ نفع کے ساتھ فروخت کرے تو جائز ہے(مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبد القیوم، مفتی احمد خانپوری، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

بقیہ تمام حضرات کے نزدیک یہ صورت درست ہے اور شرعاً جائز ہے۔

(۲) یہ جائز نہیں ہے (**مولانا** ایوب ندی، **مولانا** محمد برہان الدین سنبھلی، **مولانا** شمس پیرزادہ، **مولانا** عبدالقیوم، **مولانا** مصلح الدین، **مولانا** عبدالرحمٰن قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، **مولانا** عبدالجلیل قاسمی، مفتی احمد خانپوری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

● صرف حق الخدمت لے سکتا ہے (**مولانا** رئیس ندوی)۔

● درست ہے (**مولانا** عبید اللہ اسعدی، مفتی نور الہدیٰ، **مولانا** افضال الحق قاسمی، **مولانا** اختر امام عادل، **مولانا** صدر الحسن ندوی، مفتی نظام الدین)۔

● **مولانا** عتیق احمد قاسمی نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر راستہ میں مال ضائع ہو جائے تو ذمہ داری کس کے سر آتی ہے؟ اس کی وضاحت کے بعد جواب متعین ہوگا۔

● **مولانا** قاضی عبدالجلیل قاسمی اور مفتی احمد خانپوری نے بعض ترمیم کے ساتھ متبادل جائز شکل پیش کی ہے۔

(۳) اس صورت معاملہ کے متعلق صرف **مولانا** مصلح الدین اور **مولانا** صدر الحسن ندوی کی رائے جواز کی ہے۔

بقیہ تمام حضرات کے نزدیک یہ شکل جائز نہیں ہے — **مولانا** عتیق احمد قاسمی، **مولانا** اختر امام عادل اور مفتی جمیل احمد نذیری نے کچھ ترمیم کے بعد جائز متبادل شکل بھی پیش کی ہے۔

● مفتی نظام الدین صاحب کے نزدیک بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔

۷ - شرکاء کی آراء مختلف ہیں:

● ایسی کمپنی کے ایکویٹی شیئر خریدنا درست ہے (مفتی احمد خانپوری، **مولانا** عبدالجلیل قاسمی، **مولانا** عبدالرحمٰن قاسمی، **مولانا** عبید اللہ اسعدی، **مولانا** شمس پیرزادہ، **مولانا** عتیق احمد قاسمی، **مولانا** رئیس احمد ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

● درست نہیں ہے (مفتی نور الہدیٰ قاسمی، مولانا افضال الحق قاسمی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا مصلح الدین)۔

● کراہت کے ساتھ درست ہے (مولانا ایوب ندوی، مولانا اختر امام عادل)۔

● کمپنی کا غالب معمول سود پر سرمایہ فراہم کرنا نہ ہو تو درست ہے (مولانا عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)۔

● کمپنی سود پر قرض نہ دیتی ہو تو درست ہے (مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۸- اس کے جوابات میں بھی شرکاء کی رائیں مختلف ہیں:

● خریدے جاسکتے ہیں۔

(مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی احمد خانپوری، مولانا افضال الحق قاسمی، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

● خریدنا جائز نہیں ہے۔

(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مفتی نور الہدیٰ قاسمی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا مصلح الدین، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی)۔

● مجبوری کی صورت میں درست ہے (مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ایوب ندوی، مفتی نظام الدین)۔

● کمپنی کا کاروبار شرعی ہو تو اس کے ڈبینچر خرید سکتے ہیں (مولانا اختر امام عادل)۔

۹- جواب میں آراء مختلف ہیں:

● یہ کمیشن درست نہیں ہے (مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی احمد خانپوری، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا

عبدالرحمن قاسمی، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی، مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی)۔

● درست ہے (مولانا اختر امام عادل، مولانا مصلح الدین)۔

● بصورت مجبوری درست ہے (مفتی نظام الدین)۔

● اگر یہ رقم اجرت مثل ہے تو جائز ہے (مفتی نورالہدیٰ)۔

● اگر ادارہ کا سرمایہ اور محنت خرچ ہو تو یہ اجرت درست ہے۔

(مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا انضال الحق قاسمی)۔

● اگر بینک کی طرف سے کمیشن ملے تو جائز نہیں ہے (مولانا ایوب ندوی)۔

۱۰- رائیں مختلف ہیں:

● درست نہیں ہے (مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالرحمن قاسمی، مولانا صدرالحسن ندوی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی)۔

● درست ہے (مولانا شمس پیرزادہ، مفتی احمد خانپوری، مولانا انضال الحق قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اختر امام عادل، مولانا مصلح الدین، مولانا رئیس ندوی)۔

● ٹھیکہ دار کی طرف سے جائز ہے (مولانا ایوب ندوی)۔

۱۱- ● یہ شکل ایک خاص توجیہ سے جائز ہے (مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مفتی نظام الدین)۔

● یہ صورت جائز ہے (مولانا ایوب ندوی، عبدالرحیم قاسمی)۔

● کچھ ترمیم کے بعد درست ہے، موجودہ شکل کے ساتھ نہیں (مولانا مصلح الدین،

مولانا اختر امام عادل، مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عتیق احمد قاسمی)۔

● درست نہیں ہے (مفتی نور الہدیٰ قاسمی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مولانا رئیس ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

● یہ رقم مد محفوظ پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے (مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا ایوب ندوی)۔

● بقیہ حضرات جو سوال نمبر ۱۱ کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان میں سے بعض نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے، اور اکثر حضرات نے خاموشی اختیار کی ہے۔

۱۲ - ● جن کمپنیوں کے حصص میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ خریدے گا ان کمپنیوں کا کاروبار شرعاً جائز ہو، تبھی اسلامی ادارے کے لئے حصص خریدنا درست ہوگا۔

(مولانا ایوب ندوی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اختر امام عادل)۔

● جائز نہیں ہے۔

(مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی احمد خانپوری، مولانا مصلح الدین، مولانا عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی)۔

● بصورت مجبوری جائز ہوگا (مفتی نظام الدین)۔

● سوالنامہ میں مذکور تفصیل غلط ہے۔ حالیہ رپورٹ کے مطابق صرف 20 فیصد ایکویٹی شیئر میں لگا ہے، بقیہ سود بردار حصص میں لگایا گیا ہے (مولانا شمس پیرزادہ)۔

۱۳ - بیشتر حضرات نے سوال کو غیر واضح قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے بذات خود سوال کی کوئی مخصوص شکل طے کر کے جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے، جو علیحدہ علیحدہ ہیں۔

۱۴ – (۱) درست نہیں ہے (مولانا اختر امام عادل، مفتی نور الہدیٰ، مفتی احمد خانپوری، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مولانا عبد القیوم، مولانا رئیس ندوی)۔

(۲) معاہدہ میں شرط شامل کی جاسکتی ہے (مولانا شمس پیرزادہ، مولانا مصلح الدین، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)۔

● ایسا معاہدہ درست نہیں ہے (مفتی نور الہدیٰ، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا رئیس ندوی)۔

● معاہدہ درست ہے لیکن انتہائی مجبوری اس سے مستثنیٰ ہوگی (مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی احمد خانپوری، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۱۵ – ● ایسا طریقہ شرعاً جائز نہیں ہے (مولانا ایوب ندوی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد الرحمٰن قاسمی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی احمد خانپوری، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا مصلح الدین، مفتی نور الہدیٰ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبد الرحیم قاسمی، مولانا رئیس ندوی، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی)۔

● معروف کے مطابق تقسیم منافع کا معاہدہ کرسکتے ہیں لیکن نقصان کی صورت میں نفع لینے کا سوال نہیں (مولانا شمس پیرزادہ)۔

☆☆☆

مختصر تحریریں:

غیر سودی بینک-سوالوں کے جواب

حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ ☆

۱ و ۲- اس کی گنجائش ہے۔

۳-(الف، ب، ج): ریزرو بینک سے حاصل شدہ رقم خواہ سود کے نام سے ملی ہو اگر اپنی دی ہوئی رقم کے اندر اندر رہے جب تو شرعاً سود نہ ہونا ظاہر ہی ہے، اور اگر دی ہوئی رقم سے زائد ہو جب بھی چونکہ قانوناً جمع کرنا لازم تھا، پس جبرائی ہوئی رقم کے سلسلہ میں ملے گی، اس لئے وہ زاید رقم بھی شرعاً ربا شمار نہ ہوگی۔

(د): اس میں ملی ہوئی رقم لینا درست رہے گا۔

۴-(الف، ب، ج): ان کا حکم یہ ہے کہ اگر آپسی مصالحت کے ضابطہ کے مطابق بغیر کسی دباؤ کے ہو تو شرکت عنان کے قبیل سے یہ معاملہ ہو کر اس کے کر لینے کی گنجائش ہو جائیگی ورنہ نہیں۔

۵-(الف): اس کا حکم شرعی یہ ہوگا کہ شرکاء کی رضامندی سے اور مصالحتاً گنجائش رہے گی ورنہ نہیں۔

(ب، ج): ان کے مندرجات اصول شرع کے خلاف اور غیر صحیح ہوں گے۔

۶-(۱): یہ صورت جائز ہے۔

(۲): ''الف اپنا کچھ مال الخ'' یہ دراصل اس معاملہ کا بلٹی کو خرید فروخت کرنا ہے، اور بلٹی

☆ سابق صدر مفتی، دار العلوم دیوبند۔

مال نہیں ہے بلکہ محض سند مال ہے۔ اور اس کی خرید فروخت اصلاً تو درست نہ ہوگی لیکن عند الحاجۃ والضرورۃ الشدیدۃ حیلہ شرعیہ کے ساتھ گنجائش رہے گی، جیسا کہ اس عبارت میں ہے:

"تمليک الدين ممن ليس عليه الدين باطل إلا في ثلاث: حوالة ووصية وإذا سلط المملک غير المديون على قبض الدين فيصح حينئذ" (درمختار مع شرح ردالمحتار ۴؍۵۲۱ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ)۔

اسی فقہی عبارت سے چک میعادی کے جواز استعمال کا راستہ بھی نکل آیا جیسا کہ امداد الفتاوی ۴؍۳۲۱ کی عبارت سے بھی اس کے جواز پر روشنی پڑتی ہے۔

(۴) اس کے اندر بھی مذکورہ بالا تاویل وحیلہ سے گنجائش نکل سکتی ہے، باقی ان معاملات میں علی الاطلاق اجازت کی گنجائش نہ رہے گی۔

۷- اس کا حکم لمیٹڈ کمپنیوں کے حصص خریدنے کے حکم جیسا ہے اور گنجائش رکھتا ہے۔

۸، ۹- بوجہ قانونی شدید مجبوری میں مجبوری کی حد تک گنجائش ہو سکے گی ورنہ نہیں۔

۱۰- اس کا حکم بھی وہی ہے جو ۸، ۹ میں مذکور ہے، لیکن یہ صورت (ٹھیکدار سے کمیشن لینا) وضاحت طلب ہے، قبل از وضاحت کوئی واضح حکم نہیں لکھا جا سکتا ہے۔

۱۱- تاویلاً جائز رہے گا۔

۱۲- اختیار سے ایسا کرنا درست نہ رہے گا، اور درصورت مجبوری گنجائش رہے گی۔

۱۳- درصورت مجبوری ایسا کرنے کی بھی گنجائش رہے گی۔

۱۴- اس کا مفہوم واضح طور پر ذہن میں نہیں آسکا۔ پھر اس کا حکم کس طرح معروض ہو۔

۱۵- خداع تک معاملہ نہ پہنچے تو گنجائش ہو سکے گی ورنہ نہیں۔ اور محفوظ رہنے کا مذکورہ طریقہ درست نہیں۔

☆☆☆

بینکاری سے متعلق سوالنامہ کے جوابات

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی☆

سوالات کی ترتیب کے مطابق جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- اگر یہ ''اکائی'' سودی کاروبار نہ کرتی ہو بلکہ خالص شرعی بنیادوں پر تجارت کرتی ہو اور سود پر حاصل کی ہوئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو اس میں سرمایہ لگانا جائز ہے۔

۲- اوپر کے جواب سے اس سوال کا جواب بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ سود پر دی ہوئی رقم اور اس سے ہونے والے یا کئے جانے والے کاروبار کا حساب الگ رکھا جائے تو اس میں سرمایہ لگانا شرعاً جائز ہے۔

۳- (الف، ب): نہیں جائز ہے۔

(ج، د): اس کی گنجائش ہے۔

۴- (الف): ایسا کرنا ضروری ہے، ورنہ یہ معاملہ ہی شرعاً جائز نہ ہوگا۔

(ب): اگر رقم جمع کرنے والوں سے یہ طے ہوا ہے کہ کاروبار میں ہونے والے منافع میں وہ بھی شریک ہوں گے تو ان سے یہ بھی طے کرنا ضروری ہے کہ نقصان ہونے کی صورت میں وہ بحصہ رسدی نقصان میں بھی شریک ہوں گے، تنہا نفع میں شرکت کی شرط سے یہ معاملہ شرعاً درست نہ ہوگا، اور صرف مؤسسین کا نقصان کی پابجائی کرنا درست نہ ہوگا۔

☆ استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(ج): جائز ہے۔

۵ -(الف تا ج): اس کی شرعاً گنجائش ہے۔

۶ -(ا) پہلے ادارہ خود اپنے لئے وہ شی خریدے، پھر اسے "الف" کے ہاتھ مقررہ نفع کے ساتھ فروخت کرے تو یہ جائز ہے۔

(۲) جائز نہیں، کیونکہ "بیع قبل القبض" ہوگی۔

(۳) بظاہر اس شکل میں "صفقتین فی صفقۃ" کی صورت ہے ہمزید برآں یہ کہ اس میں ایک ہی شخص "مطالب" اور "مطالَب بہ" بن رہا ہے۔ان دو محظوروں کی موجودگی عدم جواز کو بتا رہی ہے۔

۷ - اگر کمپنی کا غالب کاروبار تجارتی (شرعی تجارت پر مبنی) ہو، یعنی سود پر سرمایہ فراہم کرنا کمپنی کا غالب معمول نہ ہو تو صرف تجارتی (شرعی تجارت) کاروبار میں رقم لگانے کی شرط کر کے "شیئر" خریدنا جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔

۸ - معاملہ کرتے وقت چونکہ سودی کاروبار کے حصص ہیں، اسلئے یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں۔

۹- نقد مال -مثلاً روپیہ- کی فراہمی پر ملنے والا نقد (روپیہ) کمیشن (اسی جنس کا ہونے کی وجہ سے) سود ہی کے حکم میں ہے۔علاوہ ازیں "ضمانت" شرعاً متقوم (قابل عوض) نہیں، اور جو عمل یا شی متقوم نہ ہو اس مال پر لینا جائز نہیں۔

۱۰ - جیسا کہ سوال نمبر ۹ کے جواب کے تحت گذرا کہ "ضمانت" شرعاً قابل عوض نہیں، یہاں بھی یہی جواب ہے کہ اسی بنیاد پر یہ شکل جائز نہیں۔

۱۱ - یہ شکل (ایک خاص توجیہ سے) جائز ہے۔اور یہ رقم مد محفوظ پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

۱۲- جائز نہیں، اس کے عدم جواز کی ایک وجہ خود اس سوالنامہ ہی کی اگلی سطر سے بیان کی گئی ہے۔

۱۳- اس سوال کے تحت قرض دہندگان سے سود وصول ہونے کی بات کہی گئی ہے جو نا قابل فہم ہے، غالباً سہو قلم سے یہاں ''قرض گیرندگان'' کی جگہ ''قرض دہندگان'' لکھ دیا گیا۔ اگر ''قرض گیرندگان'' مراد ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ''قرض گیرندگان'' (قرض لینے والوں) سے سود لینے کی جواز کی تو کوئی شکل نہیں، کیونکہ اس میں کوئی حقیقی ''مجبوری'' نہیں۔

(نوٹ: یہ سوال پوری طرح واضح نہیں ہے)۔

۱۴- اس سوال کی پہلی شرط کا مفہوم واضح نہیں اس لئے اس پر کوئی رائے زنی مشکل ہے، البتہ دوسری شرط (اجارہ کی مدت مکمل ہونے تک کسی کو معاہدہ ختم کرنے کا حق نہیں) شرعاً بالکل درست ہے، بلکہ عین شرعی شرط ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اسی سوال کے تحت ''سوال یہ ہے'' سے جو عبارت شروع ہوتی ہے اس کا اوپر کی عبارت سے ربط غیر واضح ہے۔ اسی کے تحت ''دوسرا سوال یہ ہے'' کا جواب یہ ہے کہ یہ شرط عائد کرنا شرعاً بالکل درست ہے، کیونکہ مقتضائے عقد کے عین مطابق ہے۔

۱۵- محل غور ہے۔

☆☆☆

اسلامی مالیاتی ادارہ اور اس کا خاکہ

حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

اسلامی مالیاتی ادارہ کے خاکہ کی تکمیل کے سلسلہ میں ماہرین بینک کی جانب سے اٹھائے گئے پندرہ سوالات پر باہمی غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد ۱۱-۱۲/ اگست ۱۹۹۳ء کو جو جوابات مرتب ہوئے اور جس کی نقل استصواب رائے اور تائید وتوثیق کے لئے بھیجی گئی اس کے دو جز کے استثناء کے بعد جمیع اجزاء جوابات سے ہمیں بکلی اتفاق ہے، میں اس کی توثیق وتصدیق کرتا ہوں۔

جوابات کے وہ دو جز جس سے ہمیں اتفاق نہیں، حسب ذیل ہیں:

۱- جواب نمبر ۶ کا ذیلی نمبر (۳) جس میں بلٹی کے خرید فروخت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ غالباً بلٹی اسی کاغذی ثبوت کو کہا جاتا ہے جس میں بائع اپنے فروخت کردہ مالوں کی تفصیل اور اس کی قیمت وغیرہ کا میزان لکھ کر مشتری کے پاس بھیجا کرتا ہے۔

اب اگر اس کاغذ کو خود بائع مال مبیعہ کے ارسال کے بعد اس میں درج قیمت مثلاً پچاس ہزار سے کم چالیس ہزار میں کسی بنک یا سودی کاروبار کرنے والے ادارہ فروخت کرتا ہے تو یہ بوجہ اخذ ربا و اعطاء ربا ناجائز ہوگا، بالکل صحیح اور مسلم۔

☆ شیخ الجامعہ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی۔

لیکن عام افراد یا کوئی ادارہ جو شاید دی ہوئی رقم پر سود نہ لے اس کے ہاتھ اس بلٹی کو بائع چالیس ہزار میں فروخت کرے تو یہ جائز ہوگا، یہ بھی صحیح اور مسلم، اس کے بعد جواب کا یہ جز کہ وہ بلٹی کا خریدار پھر اس کی قیمت خرید پر اضافہ کر کے مثلاً پچاس ہزار میں بیچے تو یہ بھی جائز ہوگا، یہی جز میری سمجھ میں نہیں آیا۔

کیونکہ ظاہر ہے کہ اس بلٹی کی خرید فروخت درحقیقت کوئی بیع وشراء نہیں ہے ورنہ اسے مطلق جائز نہیں کہا جا سکتا ہے، اس ظاہری خرید فروخت کی توجیہ غالباً یہی کی جا سکتی ہے کہ جب بائع اگر بلٹی کو جس میں پچاس ہزار روپے کے مال کی تفصیل ہوتی ہے اور وہ پچاس ہزار روپیہ اس بائع کا بذمہ خریدار واجب الادا ہوتا ہے، کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے صرف چالیس ہزار میں مثلاً، تو گویا بائع دراصل اس شخص سے چالیس ہزار روپیہ قرض لیتا ہے، اور زبان حال سے گویا یہ کہتا ہے کہ میرا پچاس ہزار فلاں مال کی قیمت کے طور پر فلاں مشتری کے ذمہ باقی ہے، آپ میرے وکیل بالاجرۃ بن کر اس پچاس ہزار کو مشتری سے وصول کریں گے، بعد وصولی اپنا یہ چالیس ہزار اس سے منہا کر کے بقیہ دس ہزار آپ کی اجرت عمل وصولی اور حق المحنت میں محسوب ہوجائے گا۔

اگر اسی توجیہ کے مطابق اس بلٹی کی خرید فروخت کو جائز کہا جاتا ہے تو اب اس کے بعد اگر اس بلٹی کے خریدار کو بھی قیمت خرید پر اضافہ کر کے پھر کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت دی جائے گی تو اولاً ہم چنیں مسلسل ہوتا رہے گا اور اس کی شناعت ظاہر ہے، پھر جب بلٹی کا پہلا خریدار بائع کا وکیل بالاجرۃ ٹھہرا تو اس کا دوسرے کے ہاتھ پھر فروخت کرنا توجیہ بالا کے مطابق گویا توکیل بالاجرۃ ہوگی، یعنی ایک وکیل بالاجرۃ پھر دوسرے کو وکیل بالاجرۃ بنا رہا ہے جب کہ وکیل کو علی الاطلاق اسی معاملہ میں دوسرے کو وکیل کو بنانا صحیح نہیں۔ خلاصہ یہ کہ میری نظر میں صرف بائع کا ہی اس بلٹی کو کم قیمت میں توجیہ بالا کے مطابق فروخت کرنا صحیح کہا جا سکتا ہے اور بس۔ بلٹی کے خریدار کو پھر دوبارہ کسی تیسرے کے ہاتھ قیمت خرید سے زائد میں بیچنے کی

اجازت نہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ یہاں اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ اگر بالفرض وہ مرسلہ فروخت شدہ مال مشتری تک نہیں پہنچا، ضائع ہوگیا تو وہ بلٹی کا خریدار اپنی رقم کا اب کس سے مطالبہ کرے گا، ظاہر ہے کہ مشتری سے نہیں بلکہ بائع ہی سے کرسکتا ہے، تو کتنے کا مطالبہ کرے گا، ادا کردہ چالیس ہزار کا یا متوقعہ پچاس ہزار کا، ظاہر ہے کہ صرف چالیس ہی کا کرسکتا ہے، ان امور کی وضاحت جواب کے اس جز میں ہونی چاہئے۔

۲- جوابات کا نمبر ۷ یہ ہے: ''شیئر کمپنی کے ایکویٹی شیئر خریدنا جائز ہے''۔ اس سلسلے میں میرا بھی خیال اب تک یہی تھا، چونکہ میں اس دور حاضر کے معروف مشترک سرمایہ کاری کے حصص و شیئرز کی خریداری کو اس سرمایہ کاری میں شریک ہونا ہی سمجھ رہا تھا اور اسے میں عقود شرعیہ کی ایک قسم شرکت عنان کے قبیل سے سمجھ رہا تھا جس میں مال ومنافع میں شرکاء کا متفاوت ہونا بھی امر ثابت ہے۔

لیکن جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام منعقدہ تیسرے فقہی اجتماع بمقام مدراس میں اس کے متعلق جتنی اور جیسی وضاحتیں سامنے آئیں، اس مشترک سرمایہ کاری کے جیسے جیسے اصول و ضوابط، قیود و پابندیاں اور طریقہائے کار کی تفصیلات علم میں آئیں اس کے بعد اس مشترک سرمایہ کاری اور اس کے شیئرز وحصص کی فروخت وخریداری کو کسی عقد شرعی مثلاً شرکت، مضاربت وغیرہ پر منطبق کرنا مشکل نظر آیا، خصوصاً ہرشد مہتا کے معروف زمانہ اسکنڈل کے تعلق سے جو معلومات حاصل ہوئیں اور اس میں دجل وفریب، ضرر وغرر کا جتنا وسیع میدان محسوس ہوا بلکہ پتہ چلا کہ ان شیئرز کمپنیوں کا بسا اوقات کوئی تعلق حقائق وواقعات سے نہیں ہوتا، صرف کاغذی گھوڑے دوڑتے ہیں اور فرضی خرید وفروخت ہوکر شیئرز وحصص کی قیمت آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی ہے، اور اس طرح ناواقف افراد دھوکہ فریب کھاکر ایک ایک شیئر کو زیادہ سے زیادہ قیمت دے کر خرید لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ، ان تفصیلات وحقائق کے معلوم ہونے کے بعد اسے نہ تو

....

شرکت عنان کہا جا سکتا ہے نہ مضاربت، کیونکہ عقد شرکت ومضاربت کی بنا عموماً وکالت وکفالت اور اختیار فسخ عقد وغیرہ پر ہے، اور ان شیئرز وحصص کی خریداری کے بعد نہ تو آپ عقد شرکت کو فسخ کر کے اپنا مال واپس لے سکتے ہیں اور نہ کبھی ارکان کمپنی کو اپنی وکالت سے معزول کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میں ان سطور بالا کے بعد یہی گذارش کر سکتا ہوں کہ جواب کے اس جز پر یقیناً نظر ثانی کی جائے۔

☆☆☆

غیر سودی بینک سے متعلق سوالات کے جوابات

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی ☆

۱، ۲- سود پر حاصل کی ہوئی رقم جس کاروباری اکائی میں لگی ہوئی ہے اس میں ہمارے لئے اپنا سرمایہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ سود دینے میں ہماری شرکت نہ ہو۔ سود پر لی ہوئی رقم فی نفسہ مال خبیث وحرام نہیں ہے بلکہ اس رقم پر سود دینا یہ فعل حرام ہے۔

۳- الف، ب، ج: ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ جو رقم ملتی ہے وہ شرعاً سود ہے۔ اس کو رواں اخراجات میں لگانا یا ادارہ کی دیگر ضروریات میں استعمال کرنا، کھاتہ داروں میں تقسیم کرنا، اس طرح ریزرو فنڈ قائم کرنے کے لئے استعمال کرنا یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔

(د)- یہ صورت بظاہر ناقابل عمل ہے کیونکہ کھاتہ دار دوگنی یا تین گنی رقم سروس چارج کے نام سے دینے کے لئے تیار نہ ہوگا، مثلاً سرکاری بینک کسی کھاتہ دار سے دس روپیہ سروس چارج لیتا ہے اور آپ بیس روپیہ لیں گے تو اس کے لئے کوئی کھاتہ دار تیار نہ ہوگا۔

۴- الف: مالیاتی ادارہ میں رقم ڈپازٹ کرنے والے نے اگر ادارہ کے ساتھ عقد مضاربت یا شرکت کا معاملہ کرلیا ہے تو بعد میں ادارہ کو نقصان ہوجانے کی صورت میں اسی نقصان کے بقدر ادارہ

☆ مفتی دار العلوم دیوبند۔

کو شرعی اصول کے مطابق حصہ کم کرنے کا بہر حال حق حاصل ہے ،خواہ علیحدہ سے اقرارنامہ لکھوائے یا نہ لکھوائے ۔لیکن اگر مضاربت یا شرکت کا معاملہ طے نہیں ہوا ہے تو نقصان کا بار ڈپازیٹر پر ڈالنا جائز نہیں۔

(ب) ادارہ کے مؤسسین یا دوسرے ہمدرد حضرات اگر نقصان کی تلافی اپنے سرمایہ سے قبول کرلیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ کھاتہ دار کی حیثیت سے شریک نہ ہوں ورنہ انکے لئے بھی لینا جائز نہ ہوگا۔

(ج) اگر ڈپازیٹر بخوشی اس کی اجازت دے دے اور آمدنی کے کسی جز کو ڈپازٹ کرنے پر راضی ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ صورت بلاشبہ جائز ہے۔

۵- الف: اگر پندرہ فیصد سے زائد منافع کی تقسیم کا کوئی نظم نہیں ہے تو تقسیم شدنی منافع کو مثل سرکاری تحدیدات کے محدود کرنا ناجائز اور کھاتہ داروں سے اس قسم کا معاہدہ لینا بھی ناجائز ہوگا۔ یہ اسلامی بینک کے بجائے سرکاری بینک بن جائے گا۔سرمایہ کاری میں نفع کبھی محدود نہیں ہوتا بلکہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

(ب) یہ صورت چور دروازہ کھولنے کے مرادف ہے۔ ادارہ اور اس کا آڈیٹر ہمیشہ اس بات کی کوشش کریں گے کہ ہر سال منافع کی شرح ۱۵ فیصد سے کم دکھائی، ۱۵ فیصد سے بڑھنے کا تو تصور کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔

(ج) کسی اسلامی مالیاتی ادارہ میں ایک شخص کا دو حیثیتوں سے داخل ہونا کہ وہ حصص خرید کر ادارہ کی ملکیت میں بھی شریک ہو اور ادارہ کا کھاتہ دار بھی ہو شرعاً درست نہیں۔ شخص واحد میں دو حیثیتیں جمع ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

۶-(ا): پہلے سے ایک خاص مدت کے لئے ادھار لینا طے ہو جائے پھر اس کے بعد قیمت خرید پر ادارہ اپنے منافع شامل کر کے زیادہ قیمت پر الف کے حوالہ کردے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، کما ہو مصرح فی الھدایۃ: ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الآجل (ہدایہ ۳/ ۷۲)۔

(۲)-دراصل بلٹی یا ڈاکومنٹ ایک کاغذ ہے جس پر بیع کے حساب کی تفصیلات درج ہوتی ہیں، عموماً مالیاتی ادارہ میں اسی کی خرید فروخت ہوتی ہے اور یہ حقیقت میں بیع نہیں ہے، بیع تو دراصل وہ مال ہے جو ٹرانسپورٹ سے یا ریل وغیرہ سے روانہ ہو چکا ہے جو مالیاتی ادارہ کے قبضہ میں بھی نہیں ہے، ان حالات میں پھر کیونکر اس کی بیع جائز ہوگی۔ علاوہ ازیں ویسے بھی یہ صورت ناممکن العمل ہے، اسکے لئے شاید ہی کوئی آمادہ ہو۔

(۳)- یہ صورت ناجائز ہے۔غرض اس طرح کسی خریدار کا مال خرید کر اپنے ہی کو فروخت کرنا اور قیمت فروخت ادارہ کو دینا جائز نہیں۔شی واحد کا بیک وقت بائع و مشتری بننا شرعاً جائز نہیں۔ یہ ہیرا پھیری بے سود ہے۔

۷- اگر کسی کمپنی کا کاروبار خلاف شرع نہیں ہے تو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے سرمایہ سے کمپنی کے ایکویٹی شیئرز خرید سکتا ہے۔

سود پر فراہم کیا ہوا سرمایہ فی نفسہ مال حرام نہیں ہے جیسا کہ (۱،۲) میں اوپر گزر چکا ہے، بظاہر ایسی کوئی کمپنی نظر نہیں آتی جو سودی کاروبار سے پاک وصاف ہو، اس لئے ادارہ کا اپنے سرمایہ سے کمپنی کے ایکویٹی شیئرز خریدنا سودی کاروبار کی اعانت اور اسے فروغ دینے کے مرادف ہوگا۔

۸- ایسے ڈبنچرز جس میں ایک معین مدت تک مقررہ شرح سے سود ملتا ہے، ایک مدت کے بعد وہ ایکویٹی شیئر میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اس کا خریدنا جائز ہے بشرطیکہ ڈبنچرز پر ملے ہوئے سود سے ادارہ کوئی استفادہ نہ کرے۔

۹،۱۰- آپ نے قرض دلوانے کی خدمت پر جس عوض کا نام کمیشن رکھا ہے یہ کمیشن نہیں یہ تو سود ہے، اور" كل قرض جر نفعاً فهو ربوا" کے تحت داخل ہے اور ناجائز ہے۔

۱۱- کرایہ کا نام رکھ کر جو رقم وصول کرے گا وہ درحقیقت کرایہ نہیں ہے، وہ سود ہے، سود حرام اور ناجائز ہی رہے گا، محض نام تبدیل کرنے سے وہ حلال اور جائز نہ ہوگا، اس رقم کو ریز رفنڈ

کے لئے بھی استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔

۱۲- میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ کے شیئر خریدنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے جائز نہیں، کیونکہ میوچول فنڈ میں پرائیویٹ طریقہ پر اپنا سرمایہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ پھر وہ سرمایہ، سرمایہ کاری کے لئے کمپنیوں کو مختلف شرائط اور خاص شرح منافع پر دیا جاتا ہے، منافع کو طے کرکے تجارت کرنا نیز شیئر ہولڈر کو رقم کی کمپنیاں سود پر دے کر ہی نفع کماتی ہیں، اس طرح نفع حاصل کرنا یہ سب امور شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ اسی طرح یونٹ ٹرسٹ میں ہوتا یہ ہے کہ منافع کبھی کم اور کبھی زیادہ ضرور ملتے ہیں، لیکن وہاں سرمایہ کاری کے پورے نفع کو تقسیم نہیں کیا جاتا، بلکہ منتظمین اور ماہرین حساب اپنے سرمایہ کاری کے نظام کے ماتحت کمی اور زیادتی کرتے ہیں۔ سودی کاروبار سے یونٹ ٹرسٹ بھی پاک وصاف نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کو نفع کی کمی زیادتی سے دھوکہ ہوتا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نفع کی کمی اور زیادتی کے ساتھ تقسیم اسلامی اصول کے پیش نظر کی جاتی ہے، مگر جہاں تک ہماری معلومات ہے اسکے مطابق ایسا نہیں ہوتا۔

۱۳- سوال کا اصل مقصد ہماری ناقص سمجھ میں نہ آسکا۔ ریزرو بینک سے ملنے والا سود، سرکاری تمسکات سے ملنے والا سود، اسی طرح قرض لینے والوں سے وصول ہونے والا سود، ان ذرائع سے ملنے والی رقم مساوی ہوجائے اور ان کا ایک سودی حساب رکھا جائے تو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا اور کیا نتیجہ نکلے گا۔ پھر غیر سودی بینک میں سود لینے اور سودی حساب وکتاب لکھنے اور رکھنے کی اجازت کیوں کر ہوسکتی ہے۔

۱۴- پہلے ہی سے متوقع منافع کا تخمینہ لگانا، پھر اس تخمینی منافع کو حقیقی منافع ماننا، اور قبل از وقت اسے تقسیم کی بنیاد بنانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ یہ تو سرمایہ پر منفعت حاصل کرنے کے مرادف ہے۔ سرکاری بینکوں میں اسی طرح سرمایہ کاری ہوتی ہے، یہ صورت بلاشبہ سود ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆

غیر سودی بینک سے متعلق سوالات کے جوابات

مفتی احمد خانپوری ☆

۱، ۲- حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے امدادالفتاوی میں ایک استفتاء کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بعینہ نقل کرتا ہوں:

سوال (۲۲۴): کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقعہ پر سودی قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار رچاتا ہے یا کوئی زمین خریدتا ہے، چندن کے بعد وہ قرضہ مع سود ادا کر دیتا ہے، اپنی باقیماندہ ملک کو پاک ملک سمجھتا ہے، اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے تو خود گنہگار ہوا، مگر اسکی حرمت باقیماندہ ملک میں سرایت نہیں کریگی، خیال کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص سود دیا ہے لیا تو نہیں، پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس شخص نے جو سمجھا ہے صحیح ہے (امدادالفتاوی ۳/۱۶۹، ۱۷۰)۔

ایک اور موقعہ پر جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اسمیں شرکاء کا سود سے انتفاع محتمل بھی نہیں (ایضاً ۳/ ۴۹۲)۔

۳- الف- نہیں۔

ب- نہیں۔

☆ مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات۔

ج- کر سکتے ہیں۔

د- اجرت الخدمت کی نوعیت واضح ہونے کے بعد ہی اسکا جواب ممکن ہے۔

۴-الف: اگر کھاتہ داروں سے معاملہ مضاربت یا شرکت کا ہے تو اس قسم کا علیحدہ اقرارنامہ لے سکتے ہیں۔

ب- یہ ایک تبرع کا وعدہ ہے۔

ج- یہ صورت جائز ہے۔

۵-الف: اگر سب برضا ورغبت اس پر عمل کرنا چاہیں تو اجازت ہے، لیکن اس کو لازمی طور سے لاگو کرنا درست نہیں ہے۔

ب- وہ طریقہ کیا ہوگا؟ اسکی تفصیل معلوم ہونے پر جواب ممکن ہے۔

ج- شرعی طور پر مالیاتی ادارہ میں کسی ایک ہی شخص میں یہ دونوں حیثیتیں کس طرح جمع ہوں گی؟

۶- (۱) اسلامی مالیاتی ادارہ صورت مسئولہ میں ''الف'' کے ساتھ فروخت کا معاملہ الگ سے کرے اور قیمت کی ادھار ادائیگی کی مدت اور قسطوں کی تعیین کردے تو درست ہے۔

(۲) یہ صورت تو درست نہیں ہے، اس لئے کہ بلٹی خود کوئی قیمت نہیں رکھتی، اصل قیمت تو مال کی ہے اور اسکی خرید وفروخت کا معاملہ تو الف اور ب کے درمیان ہی ہوا ہے، اس لئے یہ ممکن ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ الف کو بلٹی میں درج شدہ رقم (مثلاً سو روپے) سے کچھ کم رقم (مثلاً نوے روپے) بطور قرض دے اور اس کے بعد الف وہ بلٹی مالیاتی ادارہ کو حوالہ کر کے اس کو اس بلٹی میں درج شدہ رقم (یعنی سو روپے) ب سے وصول کرنے کا اپنی طرف سے وکیل بنائے اور اس وکالت کی اجرت کے طور پر مثلاً دس روپے مقرر کردے، اور اسلامی مالیاتی ادارہ کو کہہ دے کہ بلٹی کی رقم وصول کر کے نوے روپے اپنے قرض کے اور دس روپے اپنی اجرت میں رکھ لو۔

(۳)- بنک کے ایجنٹ کی حیثیت سے وہ خود کو فروخت نہیں کرسکتا، بلکہ اس مقصد کے لئے دوسرا آدمی ہونا چاہئے۔ لأن الواحد لا یتصور أن یکون مملکا و متملکا۔

۷- اس کا حکم جواب (۱) میں آچکا ہے۔

۸- اسلامی مالیاتی ادارہ اگر کمپنی سے وہ شیئر یہ کہہ کر یا اس نیت سے خریدتا ہے کہ مجھے سود نہیں چاہئے تو یہ درست ہے۔ الأمور بمقاصدها، اس کے بعد بھی اگر کمپنی سود کے نام پر کوئی رقم دے تو اس کا تصدق ضروری ہے۔

۹- سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی، اور احتیاج شدید کے بغیر سودی قرض لینا بھی حرام ہے، اسمیں تعاون بھی تعاون علی الاثم کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے اس پر کمیشن مزید قباحت رکھتا ہے۔

۱۰- اس طرح کی ضمانت تو درست ہے:" ومنه أن یکون مقدور التسلیم من الکفیل وعن هذا قلنا إن من یقبل من رجل بناء دار معلومة أو کراب أرض معلومة وأعطاه کفیلا بذلک فإن کان شرط العمل مطلقا جازت الکفالة الخ" (فتاوی عالمگیری ۳/ ۲۵۴-۲۵۵)۔ البتہ اس ضمانت پر کمیشن (اجرت) لینے کا جواز باوجود تتبع اور جستجو کے نظر سے نہیں گذرا، اصول اجارہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر عرف ہی یہ مروج ہو جائے تو گنجائش ہوگی۔ جیسا کہ اجرتِ وکالت کا حال ہے کہ اولاً فقہاء نے عرف ورواج نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں دی تھی لیکن بعد میں جب عرف جاری ہوگیا تو اجازت دیدی۔

"قال فی التاتارخانیة وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وما تواضعوا علیه أن فی کل عشرة دنانیر کذا فذاک حرام علیهم، وفی الحاوی سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال أرجوا أنه لابأس به وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجوزوه لحاجة الناس إلیه

كدخول الحمام'' (شامی ۵/۴۴)۔

۱۱ - اس کا جواب دیا جاچکا ہے۔

۱۲ - اس میں چونکہ سودی کاروبار کی تقویت ہوتی ہے اس لئے اس کا خریدنا درست نہیں ہے، خصوصاً جبکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ جن کمپنیوں کے حصص خریدے جارہے ہیں انکا کاروبار فی نفسہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

۱۳ - آپ کا یہ سوال غیر واضح ہے، دونوں سود کی رقوم جب وصول ہی ہورہی ہیں، تو دونوں ذرائع سے حاصل شدہ سود کی رقوم کے مساوی ہونے سے کیا نتیجہ نکلے گا جس کا حکم معلوم کرنا مقصود ہے؟

۱۴ - مالی تاوان لینا جائز نہیں۔ ایسے معاہدہ کے باوجود جن اعذار میں اجارہ فسخ کرنے کی شرعاً اجازت ہے، مستأجر ان اعذار میں اجارہ فسخ کرسکتا ہے، اس لئے اس قسم کا معاہدہ بے سود ہے۔

۱۵ - یہ معاہدہ درست اور جائز نہیں ہے، اور ایسا کرنے سے مضاربت فاسد ہوجائیگی، اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ منافع کی جو تخمینی مقدار لگائی گئی تھی، واقعی منافع بھی اسی مقدار سے ہو، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بالکل بھی نہ ہو۔'' **فلأن الربح فی باب المضاربة يحتمل الوجود والعدم**'' (بدائع ۶/۱۰۵)، نیز ایسا کرنے سے وہی محظور لازم آیگا جو اس صورت میں لازم آتا ہے جبکہ دونوں میں سے کسی ایک کے لئے منافع میں سے کوئی خاص عدد متعین کرلیا جائے (دیکھئے: بدائع ۶/۸۶)۔

☆☆☆

اسلامی بینکاری سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا شمس پیرزادہؒ ☆

۱- ایک اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے کسی ایسی کاروباری اکائی میں اپنا سرمایہ لگانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے، کیونکہ یہ اکائی سود لیتی نہیں بلکہ حاصل کی ہوئی رقم کا سود ادا کرتی ہے، اور بحالات موجودہ کاروباری اداروں کو سودی قرضے حاصل کرنے کی مجبوری ہوسکتی ہے، اس سے اس کی کمائی حرام نہیں قرار پاتی۔

۲- اگر کوئی کاروباری اکائی سود پر قرض حاصل کردہ سرمایہ سے شروع ہونے کی منزل میں ہو تو اس کاروباری اکائی میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے۔

۳- الف: ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ ملنے والی سود کی رقم کو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے اخراجات پورا کرنے کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، کیونکہ اس صورت میں اس کی حیثیت آکل الربوا (سود کھانے والے) کی ہوگی۔

ب- اس رقم کو وہ کھاتہ داروں میں بھی تقسیم نہیں کرسکتا۔

ج- اس رقم کو سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

د- سروس چارجز میں اس غرض سے اضافہ کہ سرمایہ محفوظ قائم کیا جاسکے درست نہیں۔

☆ ادارہ دعوۃ القرآن، ممبئی۔

۴ - الف: کھاتہ داروں سے ایک علیحدہ قرارنامہ اس بات کا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ نقصان کی صورت میں ادارہ کو حق ہوگا کہ اس اصل سرمایہ میں سے نقصان کے مجملہ اس کے حصہ متناسبہ کی حد تک کمی کردی جائے، مگر کیا قانون اس کی اجازت دے گا؟

ب- اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کھاتہ داروں کے نقصان کی تلافی کی ذمہ داری پروموٹرس یا دوسرے ہمدردان قبول کرلیں۔

ج - یہ صورت سب سے بہتر ہے کہ ڈپازیٹروں سے اس بات کی اجازت حاصل کرلی جائے کہ کل منافع تقسیم شدنی کے ایک جز کو ادارہ اپنے پاس رکھ لے، اور اس جمع ہونے والی رقم کو کسی سال نقصان ہونے کی صورت میں اس کی تلافی کے لئے وہ استعمال کرے۔

۵ - الف: ادارہ کھاتہ داروں سے جو معاہدہ کرے اس میں اس بات کی صراحت کرسکتا ہے کہ تقسیم شدنی منافع، سرکاری تحدیدات کی پابندی کرتے ہوئے ہی ادا کیا جائے گا۔

ب- منافع کی تقسیم کے لئے دو شرحیں مقرر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

ج - اگر ایک شخص ادارہ میں کھاتہ دار اور مالک حصص دونوں حیثیتوں سے شریک ہے تو سرکار کی مقرر کردہ شرح سے زیادہ نفع ہونے کی صورت میں زائد منافع اس شخص کو مالک حصص کی حیثیت سے دیا جاسکتا ہے۔

۶ - (۱)- ادھار کی صورت میں بازار کی قیمت سے زیادہ قیمت لینے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں، اصل میں رقم کے وصول ہونے میں تاخیر کی بنا پر قیمت میں اضافہ کردیا جاتا ہے جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے سود ہی ہے۔

(۲)- مالیاتی ادارہ کا بلٹی کو کم قیمت پر خریدنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اصلاً مال کی بیع نہیں بلکہ حوالہ ہے، اور حوالہ میں کمی بیشی جائز نہیں۔

"وكذلك لاتصح الحوالة إذا اختلف الحقان من حيث الجودة والرداءة أو كان أحدهما أكثر من الآخر" (فقہ السنۃ سید سابق ۳/ ۲۱۳)۔

(۳)-کسی مالیاتی ادارہ کا ایسے شخص کو جو اس سے مال خریدنا چاہتا ہے اپنا ایجنٹ مقرر کرنا تا کہ وہ مطلوبہ مال خریدے اور پھر قیمت خرید پر کچھ اضافہ کے ساتھ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنے ہی کو فروخت کردے اور اس قیمت فروخت کو وہ ادارہ کے حوالہ کردے درست نہیں، کیونکہ یہ محض حیلہ ہے، ورنہ معاملہ کی اصل نوعیت یہی ہے کہ مالیاتی ادارہ اس شخص کے لئے فائنانس کر رہا ہے جو خود اپنے لئے مال خریدنا چاہتا ہے، بالفاظ دیگر وہ اسے قرض دے رہا ہے اور اس پر سود لینا چاہتا ہے، مگر اس طرح کے حیلوں سے سود کو جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۷- اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے سرمایہ سے کسی ایسی کمپنی کے ایکویٹی شیئر (Equity Share) خرید سکتا ہے جو اپنے کاروبار کے لئے سود پر سرمایہ فراہم کرتی ہو جب کہ وہ کاروبار جو وہ کمپنی کرتی ہے فی نفسہ خلاف شرع نہ ہو۔ کمپنی کے سود پر سرمایہ فراہم کرنے سے اس کو ہونے والا منافع حرام نہیں قرار پاتا کیونکہ کمپنی سود دیتی ہے اور سود دینے کی مجبوری ہوسکتی ہے۔

۸- اسلامی مالیاتی ادارہ کا ڈبینچر خریدنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ سودی کاروبار ہے خواہ وہ مختصر عرصہ ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔

۹- اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ تاجروں کو سودی قرضے دلوائے اور اس پر کمیشن حاصل کرے۔

۱۰- بینک جو مالی ضمانت دیتا ہے اور ان پر جو کمیشن وصول کرتا ہے اس کی حیثیت سروس چارجز کی ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے بھی جائز ہوگا کہ وہ ضمانتوں پر کمیشن لے۔

۱۱- سوال میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ایک شخص ٹرک خریدنے کے لئے اسلامی بینک سے قرض لینا چاہتا ہے اور اس کی صورت یہ تجویز کی گئی ہے کہ بنک ٹرک کی رقم اس طرح قرض دے کہ ابتداء ہی میں قرض خواہ ٹرک کی ملکیت میں شریک متصور کیا جائے اور پھر وہ علاوہ

قسطوں کے ماہانہ کرایہ بھی ادا کرے۔ ہر قسط کی ادائیگی کے ساتھ اس حد تک اس ٹرک کی ملکیت اس شخص کو منتقل ہوتی چلی جائے یہاں تک کہ آخری قسط کی ادائیگی کے بعد ٹرک اس شخص کی ملکیت قرار پائے گا۔

جب معاملہ قرض کا ہے تو اس پر کرایہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ یہ سود ہوگا۔

۱۲- یہ بات صحیح نہیں کہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا اپنا اسی فی صد (80%) سرمایہ ایکویٹی شیئر (Equity Share) خریدنے میں لگاتا ہے۔ اس کی شائع شدہ رپورٹ بابت (1989-90) میں کل انوسٹمنٹ 17650.92 کروڑ روپیہ بتلایا گیا ہے۔ جس میں سے ایکویٹی شیئرز میں 3494.58 ہزار لگایا گیا جو تقریباً بیس فیصد (20%) ہے۔ بقیہ سرمایہ گورنمنٹ سیکورٹیز اور ڈبینچرس وغیرہ میں انویسٹ کیا گیا ہے۔ گویا 80 فیصد سرمایہ سودی کاروبار میں لگایا گیا۔

اور جب یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا سرمایہ کا اکثر حصہ سودی کاروبار میں لگاتا ہے تو اس کے شیئر خریدنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

۱۳- سوال واضح نہیں ہے۔ اگر منشا یہ ہے کہ ریزرو بنک سے وصول ہونے والی سود کی رقم کو سود ہی کی ادائیگی میں صرف کیا جائے جب کہ معاملہ کے دو الگ الگ فریق ہوں تو درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ سودی لین دین ہے۔

۱۴- اجارہ کی صورت میں قسط کی ادائیگی میں کمی کی صورت میں کچھ رقم بطور تاوان عائد نہیں کی جاسکتی۔ اگر ایسا کیا جائے تو یہ سود ہی ہوگا۔ البتہ قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر مالیاتی ادارہ کو اس کے خلاف جو کارروائی کرنا پڑے اس کے واقعی مصارف اس سے وصول کئے جاسکتے ہیں۔

معاہدہ میں یہ شرط شامل کی جاسکتی ہے کہ مدت ختم ہونے سے پہلے اجارہ دار اجارہ کے معاہدہ سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔

۱۵- عملی دشواریوں کے پیش نظر فریقین تخمینی منافع کی تقسیم کا معاہدہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ معروف کے مطابق ہو، لیکن نقصان کی صورت میں نفع لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

☆☆☆

غیر سودی بینکنگ

حضرت مولانا افضال الحق قاسمی

۱- مسئلہ مجمل ہے چونکہ بنیادی ڈھانچہ سود سے قائم ہے اس لئے یہ اسلامی بینک نہیں ہوسکتا۔

۲- یہ مسئلہ کاروبار کی نوعیت کا نہیں ہے بنیادی ڈھانچے کا ہے اس کو سود سے پاک ہونا لازم ہے۔

۳- الف: جی نہیں، سود کا لینا بھی حرام ہے اور یہ ضرورت نہ شرعی ہے نہ شخصی، صرف فرضی ہے۔

ب- چونکہ وہ نفع نہیں ہے بلکہ صراحتاً سود ہے اس لئے اس کا لینا دینا دونوں حرام ہی رہے گا۔

ج- سود کی اس رقم کو محفوظ سرمایہ بنا کر کوئی بینک اسلامی بینک نہیں بن سکتا۔

د- جی ہاں ایسا کر سکتے ہیں مگر مقابلے کی دنیا میں یہ بینک غیر مقبول ہو جائے گا، اتنا ایثار کون کرے گا اور کب تک؟

۴- الف: دھوکہ کا ایک نیا راستہ کھل جائے گا اور جس نقصان سے بچانے کے لئے یہ شرط لگائی گئی ہے اس کا امکان پیدا کر دیا جائے گا۔

ب- مؤسسین ایسا کریں تو بہت اچھا ہے لیکن سرمایہ دار اتنا بڑا ایثار کریں گے بھی، جبکہ وہ سود سے بھی محروم ہیں۔ آخر ان کو سرمایہ لگانے کی دلچسپی کیسے ہوگی؟ اور کیوں ہوگی، کب تک رہے گی؟

ج - یہ نسبتاً آسان اور قابل عمل ہے، مگر ان کا نفع اور کم ہو جائے گا، اس لئے اگر بینک یہ رقم بطور امانت جمع رکھے اور ملکیت ان کی تسلیم کرے تو ان کے لئے باعث تسکین ہوگا۔

۵ - الف: پھر نفع میں نہیں بلکہ اس کے ایک جز میں شرکت ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ اگر نفع ۱۵ فیصد سے زائد ہو تو وہ رقم اس کے نفع ہی سے روک کر بطور امانت محفوظ سرمایہ میں شامل کرلی جائے تاکہ اسے نقصان نہ ہو۔

ب - منافع کا مالک حقیقی وہ شخص ہے، اس لئے اس کا حق تسلیم کر کے اس کی رضامندی سے آپ اسے جمع بھی کر سکتے ہیں، اور کم بھی کر سکتے ہیں۔

ج - یہ شکل بہت محفوظ قابل عمل اور دھوکے سے خالی ہے اس لئے بہتر ہے۔

۶ - الف، ب: جائز ہے مگر یہ تو مسائل شروع ہو گئے جبکہ ابھی بنیادی ڈھانچہ مخدوش ہے۔

ج - اس میں دھوکے کا امکان پیدا ہوگا اور کوئی ذہین ایجنٹ تباہی مچا دے گا۔

۷ - یہ حصص خرید کر کمپنی کو سود کمانے میں مدد کرے گا، اس لئے احتیاطاً جائز نہیں ہونا چاہئے۔

۸ - سود کا دروازہ کھلا ہوا ہے، حصص کی رقم بہر حال سود کمانے میں خرچ ہوگی، اور اگر کوئی شخص سود نہ لے تب بھی اصول تبدیل نہیں ہوں گے، سود بہر حال سود ہے۔

۹ - یہ کمیشن سود نہیں ہے، دلالی ہے، منو، مبارکپور میں اس کا رواج ہے اور نا جائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ ایک قسم کا حق المحنت یا اجرت ضمانت ہے۔

۱۰ - جی ہاں، جائز ہوگا۔

۱۱ - بینک مالک ہے اور وہ کرایہ دار ہے، اگر قسط اور کرایہ دونوں کو خریداری مان لیا جائے تو اگر چہ بینک کا تبرع ہے مگر جائز ہوگا اور آسان شکل ہوگی، حیدرآباد میں آٹو رکشا والے ایسا بہت کرتے ہیں۔

۱۲ - اس ٹرسٹ کا ۲۰٪ کاروبار نا جائز ہے ۸۰٪ باقی جائز ہے تو نفع نقصان میں شرکت کی

شرط پر خرید سکتے ہیں۔ کیونکہ سرمایہ کی تقسیم ہو چکی ہے کاروبار کی نوعیت مختلف ہے، ادارہ گنہگار رہے مگر فرد گنہگار نہیں۔

۱۳ – ''أحل الله البيع وحرم الربوا'' کے تحت سود کا لینا بھی حرام ہے دینا بھی حرام، اور اپنی ضرورت پر یا ذات پر خرچ کرنا بھی حرام ہے اس لئے اس لین دین کی شکل بھی حرام ہی رہے گی، کیونکہ یہ حیلہ کے حدود سے بھی باہر ہے صراحتاً سود ہے۔

۱۴، ۱۵ – حدیث میں بیع کا اصل الاصول ہے'' لا غرر ولا غرور''، دوسرا اصول یہ ہے کہ بیع ہو یا اجارہ یا قرض یا رہن ہر اس شخص کی حیثیت اور اس کے حقوق شرعاً متعین ہیں جو فریق ہے، اس لئے کوئی شخص اپنے حق کی رعایت تو کر سکتا ہے مگر آپ اسے شکنجے میں لے کر اصول کو توڑ نہیں سکتے، اس کے حقوق پر تصرف نہیں کر سکتے۔

☆☆☆

اسلامی بنکاری

حضرت مولانا قاضی محمد مصلح صاحب ☆

۱- ایسی اکائی میں سرمایہ لگانا جائز ہے، کیونکہ رب المال طے شدہ نفع ہی لے گا۔ جس کو ربا سے کوئی تعلق نہیں ہے، مضارب پہلے سے کسی سے سودی قرض لے کر کاروبار کرتا ہے، دوسرا رب المال سودی کاروبار نہیں کرتا ہے، تو پہلا رب المال آکل ربا اور مضارب موکل ربا ہے۔ دوسرا رب المال (اسلامی مالیاتی ادارہ) سود نہیں لیتا ہے بلکہ اپنے سرمایہ کا طے شدہ نفع لیتا ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کا ایسی اکائی سے مضاربہ کرانا جائز ہے۔

۲- اس کاروباری اکائی کے ساتھ بھی مضاربت درست ہے، وجہ دونوں میں متحد ہے۔

۳- (الف، ب، ج): اسلامی بنکاری کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو سود سے محفوظ رکھنا ہے۔ اور ربا سارے مسلمانوں کے لئے حرام ہے، اس لئے اسلامی ادارہ کے لئے اس ربوا کا لینا حرام ہے۔ اگر مسلمانوں کو سود سے بچانے کے لئے اسلامی بنکاری ناگزیر ہے اور اس وجہ سے ۵۳ فیصد سے زیادہ رقم ریزرو بینک سے سود لیتا ہی ہے تو اس کا مصرف صرف تصدق ہے۔

اس ربا سے اسلامی مالیاتی ادارہ کے اخراجات پورے کرنا جائز نہیں، خواہ رواں اخراجات ہوں یا دفتری اخراجات، کھاتہ داروں کو بھی دینا اور محفوظ سرمایہ قائم کرنا جائز نہیں۔

☆ دار العلوم بہادر گنج، کشن گنج، بہار۔

(د)-سروس چارج (اجرۃ خدمت) میں اضافہ جائز ہے، اور اس کی بچت سے محفوظ سرمایہ قائم کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اجارہ میں متعاقدین کی صراحۃً یا دلالۃً تراضی سے اجرت متعین ہوتی ہے۔ دلالۃً جیسے اسلامی مالیاتی ادارہ کہے کہ اجرت خدمت اتنی لگے گی، دوسرے نے اس کو تسلیم نہیں کیا، پھر اس کے بعد کوئی رقم یا سامان ودیعت رکھے یا کھاتہ کھولے تو اس کی دلالۃً رضامندی ثابت ہوگی۔

۴- مضاربت میں رب المال اور عامل دونوں نفع میں شریک ہوتے ہیں۔ نقصان کی صورت میں پورا خسارہ رب المال کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ عامل کی محنت رائگاں جاتی ہے۔ یہ مضاربت ہی کی صورت ہے۔ ڈپازیٹرس کی حیثیت رب المال کی اور اسلامی مالیاتی ادارہ کی مضارب کی ہے، اس لئے خسارہ کے ذمہ دار ارباب الأموال (ڈپازیٹرس) ہی ہونگے۔

(الف) قانونی رکاوٹ کے باعث ڈپازیٹرس سے خسارہ کے تحمل کیلئے اقرارنامہ لینا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

(ب) یہ مؤسسین اور ہمدردوں کا تبرع ہے لیکن یہ لازم نہیں ہوگا، کہ "لاجبر في التبرع" تو مؤسسین کبھی دینے سے انکار کرسکتے ہیں۔

(ج) یہ بھی ڈیپازیٹرس کا تبرع ہے اور جائز ہے۔

۵- الف: شریعت اسلامی کے مطابق مضاربت میں ارباب اموال طے شدہ منفعت کے مستحق ہیں۔ اگر سرکاری تحدیدات کے مطابق منفعت کی تقسیم طے ہوتی ہے تو جائز ہے۔

(ب) اگر اس طرح طے ہو چکا ہے تو ربح معلوم ہوگیا اس لئے جائز ہے۔

(ج) یہ مضاربت کا معاملہ ہے، اس صورت میں ارباب اموال کو ان کا پورا پورا نفع مل جائیگا برخلاف اول دونوں صورتوں کے کہ ان میں سرکاری تحدیدات کی شرط کے باعث ارباب اموال کو پورا پورا نفع نہیں مل رہا تھا۔ لیکن یہ بہت دشوار ہے کہ ہر مالک حصص کھاتہ دار بھی ہو۔ عموماً کھاتہ دار زیادہ ہوتے ہیں، جو مالک حصص نہیں ہوتے، ایسی صورت میں کچھ نفع کھاتہ داروں کو

دینے کے بعد باقی ماندہ نفع حصہ داروں میں تقسیم کردینے سے کھاتہ داروں کا حق ان کی مرضی کے بغیر مالکان حصص کو مل جائے گا۔ رضامندی پر جائز ہے، اور بہتر ہے کہ ان کا باقی ماندہ نفع ان کی رضامندی سے استحکام ادارہ کے لئے مخصوص کیا جائے۔

۶- (الف): یہ مرابحہ کی صورت ہے جس میں اصل کی شرط لگائی گئی ہے۔ مرابحہ میں اصل ثمن واخراجات کے علاوہ منافع ہوتے ہی ہیں، اور ادھار بیع میں جب کہ عقد بیع میں ادھار کی شرط لگائی جائے اور اصل معلوم ہو تو زیادہ دام لینا جائز ہے۔ ''ألا یری أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل'' (ہدایہ ۳/ ۵۰، شامی ۵/ ۱۴۲) تو ثمن مع مصارف اور ربح واجل متعین اور معلوم ہونے کی صورت میں یہ معاملہ شرعاً جائز ہے۔

(ب): الف کی قیمت مال ب کے ذمہ دین ہے، الف دائن اور ب مدیون ہے، اسلامی مالیاتی ادارہ دونوں میں سے کوئی نہیں، اور دین کی بیع غیر مدیون سے جائز نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بلٹی کے کاغذ کی قیمت نہیں ہے بلکہ مال کی قیمت ہے جو ب کے نام روانہ ہوگیا ہے، بلٹی قیمت ادا کرنے کی سند ہے، چونکہ مالیاتی ادارہ مدیون نہیں ہے اس لئے اس کے لئے بلٹی خریدنا جائز نہیں، یہ معاملہ بیع جامکیہ کی طرح ہے جس کے متعلق درمختار ۴/ ۵۱۷ میں لکھا ہے: ''وأفتی المصنف ببطلان الجامکیة لما فی الأشباہ بیع الدین إنما یجوز من المدیون''۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: بعنی جامکیتک التی قدرها کذا بکذا أنقص من حقه فی الجامکیة فیقول: بعتک، فهل البیع المذکور صحیح أم لا لکونه بیع الدین بنقد، أجاب إذا باع الدین من غیر من هو علیه کما ذکر لا یصح'' (شامی ۴/ ۵۱۷)۔

(ج): یہ بھی مرابحہ کی صورت ہے، ایجنٹ کی حیثیت وکیل اور اصل دونوں ہے، اصل یہ ہے کہ وکیل اپنے لئے یا ''من لا تقبل شهادته لهم'' کے پاس فروخت نہیں کرسکتا ہے، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ موکل کی صریح اجازت پر خود بھی خرید سکتا ہے۔ اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کا

اس طرح عمل کرنا جائز ہے (دیکھئے ہندیہ ۵/ ۵۲۱، ۵۲۲)۔

مرابحہ میں ثمن اور منافع متعین اور معلوم ہونا چاہئے، ابہام سے فساد آئے گا۔

۷- ایکویٹی شیئر خرید نے کا بظاہر یہ مطلب ہے کہ کمپنی نے مثلاً سوسوروپے کے حصص مقرر کررکھے ہیں جو چاہے مضاربت کے لئے ایک یا زیادہ حصہ کی رقم دے کر نفع کے لئے شریک ہوسکتا ہے تو مضاربت کا یہ معاملہ جائز ہے۔

لیکن اگر مالک شیئر اپنا حصہ بیچ رہا ہے تو چونکہ اس صورت میں بیع مجہول ہے اور خریدار اس رقم یا اس کا سامان کمپنی سے نہیں لے سکتا ہے صرف نفع لے سکتا ہے اس لئے تسلیم مبیع نہ ہوسکے گی، اور اگر شیئر کی رقم اور قیمت میں مساوات نہیں ہے تو ربا بھی ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے ایسے حصص خریدنا جائز نہیں ہے۔

۸- اس میں ربا ہی سے ابتدا ہوتی ہے، اس لئے بدرجہ اولی ناجائز ہے، سود کی مدت گذرنے کے بعد بھی جواب نمبر ۷ کے آخر میں مذکورہ وجوہ کے باعث خریدنا ناجائز ہوگا۔

۹- بنک سے ضمانت دار کو ملنے والے کمیشن کو انعام قرار دے کر جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اس نے براہ راست قرض خواہ کے لئے کام کیا، اگرچہ ضمناً بنک کو بھی فائدہ ہوا کہ مدیون سے اس کو سود ملتا رہے گا۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کو ایسے سودی کاروبار میں ضمانت دینا جائز نہیں۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ اس میں ظن غالب ہے کہ ملنے والے سود ہی سے ضمانت دار کو کمیشن دیا جائے گا، اس لئے آ کل ربا سے مشابہت معلوم ہوتی ہے۔

۱۰- ٹھیکیدار سے اگر طے ہوگیا ہے تو اجرت عمل کے طور پر مقررہ اجرت لی جاسکتی ہے۔ اور اگر طے نہیں ہوا ہے تو اجرت مثل لینا جائز ہے۔

۱۱- اس میں ایک ہی محل میں بیک وقت دو معاملے اجارہ اور بیع کے ہورہے ہیں کہ اجارہ مع شرط بیع ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

"عن عبد الله بن مسعودؓ قال: نهي النبي ﷺ عن صفقين في صفقة" (حاشیہ ہدایہ ۳/ ۳۸)، نیز "نهي رسول الله ﷺ عن بيع و شرط" (ہدایہ ۳/ ۳۷، بحر ۸/ ۸۵)، اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ بھی ہے کہ ٹرک کی قیمت قسط وار وصول ہوگئی اور کرایہ مفت میں آ گیا، یہ شرط فاسد ہے، اور کرایہ کی رقم خالی عن العوض ہے جو ربا ہے اس لئے جائز نہیں۔

البتہ یہ جائز ہے کہ کچھ دن اجارہ میں رہے، پھر کرایہ دار کے ہاتھ ٹرک کو فروخت کردے، فروخت کرنے کی وجہ سے اجارہ ختم ہوجائے گا، اور اجارہ سے ملنے والی منفعت مالک ٹرک کے لئے جائز اور طیب ہوگی، پھر ٹرک کی قیمت بھی آ گئی۔

"وللموجر بيعها اليوم و تبطل الاجارة، به يفتى، خانية" (درمختار ۶/ ۱ کتاب الاجارۃ)۔

۱۲ – صورت مسئولہ میں ربا ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ جائز نہیں، اور اس سے حاصل رقم کو مد محفوظ میں رکھنا جائز نہیں، جبکہ ان میں ۲۰ فیصد سے سود بردار حصص خریدے جاتے ہیں تو نفع کے ساتھ سود کا عنصر بھی شامل ہوگا، سود کم ہو یا زیادہ بہر صورت مسلمانوں کے لئے حرام ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے ایسے حصص کا خریدنا جائز نہ ہوگا۔

کمپنی کا ذریعہ آمدنی حرام یا مشتبہ ہو تو عدم جواز میں مزید تقویت پیدا کرے گا۔

۱۳ – سوال نمبر ۳ کے جواب میں لکھا جاچکا ہے کہ ریزرو بینک سے حاصل سود کا مصرف تصدق یا رفاہ عام میں خرچ کرنا ہے، اس کو اسلامی مالیاتی ادارہ کے کسی مفاد میں لگانا یا محفوظ رکھنا جائز نہیں۔ اس جملہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا: '' اور جو سود قرض دہندگان سے وصول ہوا ان دونوں کا ایک سودی حساب رکھا جائے الخ ''، ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے کام کے لئے سود پر رقم حاصل کرے، اس رقم پر سود لگے گا تو پہلے حاصل شدہ سود سے یہ سود ادا کردیا جائے، تو اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے ایسا قرض لینا ہی جائز نہیں جس پر سود لگے۔

۱۴- مالی تعزیر طرفینؒ کے نزدیک جائز نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس کو نہ قاضی لے سکتا ہے اور نہ رب المال بلکہ اصلاح حال کے بعد جرمانہ کی رقم واپس کردینا ہوگی (دیکھئے: البحر الرائق ۵/۴۱)۔

مسئلہ زیر غور میں فسخ اجارہ کے باعث بلاشبہ احد المتعاقدین کے نقصان کا اندیشہ ہے، لیکن یہ عذر یا موت احد المتعاقدین کے باعث ہوا اس کے فعل کی وجہ سے نہیں، خصوصاً جب قاضی نے فسخ کی توثیق کردی تو اس کا قصور نہ رہا۔ قاضی کی تصدیق کا مطلب ہی ہے کہ موجودہ حالت میں اجارہ باقی رکھنا اس کے لئے مضر ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کے قصد اضرار کے بغیر دوسرے کو خسارہ ہورہا ہے کہ اثاثہ کچھ دن ملا کرایہ رہ گیا اور دوسرا کرایہ دار تلاش کرنا پڑا۔

دوسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ اکثر صورتوں میں باتفاق ائمہ اعذار یا موت احد المتعاقدین یا عیب کی وجہ سے فسخ اجارہ کا حق ہے، لیکن صراحۃً ایسا جزئیہ نہیں ملا کہ قرارنامہ بالشرط کرنے پر فسخ نہ ہو، لیکن اصولی طور پر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صاحب حق متعاقدین اگر پہلے سے حق فسخ بالاعذار وغیرہا ساقط کردیں تو حق ساقط ہوجائے گا، اور فسخ اجارہ کا حق نہیں رہے گا (دیکھئے: ہدایہ ۳/ ۳۸)۔

۱۵- تخمین وتخریص پر اس کا دارومدار رکھنا شرعاً جائز نہیں، بلکہ صحیح نفع جو ثابت ہو اسی کے مقررہ جزء کا اسلامی مالیاتی ادارہ مستحق ہوگا۔ شبہ ہونے پر اسلامی اصول شہادت کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

☆☆☆

غیر سودی اسلامی بینک

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن قاسمی ☆

۱، ۲- ان کی گنجائش ہے۔

۳-(الف)-ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ جو رقم بہ عنوان سود ملتی ہے اس کو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے اخراجات وضروریات کو پورا کرنے کے لئے شرعاً استعمال نہیں کرسکتا ہے۔

(ب)-اس طرح ملی ہوئی رقم کو کھاتہ داروں میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج)-اس رقم کو سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

(د)-اولاً سروس چارج (اجرت خدمت) کا جواز ہی سمجھ میں نہیں آتا، پھر اضافہ کرنے کا کیا مطلب؟

۴-(الف)-ایسا قرارنامہ لینا جائز ہے۔

(ب)-جائز نہیں ہے، کیونکہ کھاتے دار صرف نفع میں شریک ہوتے ہیں نقصان میں شریک نہیں رہتے۔

(ج)-اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵-(الف)-یہ صورت جائز نہیں ہے۔

(ب)-یہ کماحقہ سمجھ میں نہیں آیا۔

(ج)-یہ تبادل صورت جائز ہے۔

☆ مفتی دارالعلوم چھاپی، گجرات۔

٦ – (الف) – اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(ب) – مذکورہ بعینہ صورت جائز نہیں ہے۔ البتہ یہ صورت اختیار کی جائے کہ الف اسلامی مالیاتی ادارہ کو ''ب'' تک بلٹی پہنچانے اور ب سے رقم وصول کر کے الف تک پہنچانے کا وکیل بنادے، اور اس وکالت پر اجرت طے کردے۔

(ج) – یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ایک ہی شخص کا بائع و مشتری ہونا لازم آتا ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

٧ – اس کی گنجائش ہے۔

٨ – اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے ڈبینچر (سود بردار حصص) خریدنا جائز نہیں ہے۔

٩، ١٠ – نفس ضمانت مال غیر متقوم ہے، لہٰذا ضمانت پر کمیشن لینا جائز نہیں ہے، البتہ ضامن بننے کی وجہ سے اگر خرچ ہوتا ہو تو خرچہ لینا جائز ہے۔

١١ – بعینہ مذکورہ صورت میں قرض اور ربا کا عنصر شامل سمجھا جائے گا، البتہ شکل کی تبدیلی سے جائز ہوسکتا ہے۔

١٢ – میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ کے حصص خریدنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے شرعاً جائز نہیں ہوگا۔

١٣ – سوال میں اس عبارت ''اور جو سود قرض دہندگان سے وصول ہو'' کا کیا مطلب ہے جب کہ یہ بینک اسلامی غیر سودی بینک ہے۔

١٤ – (الف) – اس شخص پر کچھ رقم بطور تاوان عائد کرنے کا معاہدہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ مالی جرمانہ ہے۔

(ب) – ایسا معاہدہ کرنا جائز ہے، البتہ جن اعذار کی بناپر عقد اجارہ فسخ کرنا جائز ہے ان اعذار میں اس معاہدہ پر عمل نہ کیا جائے۔

١٥ – یہ طریقہ شرعاً جائز نہ ہوگا۔

☆☆☆

بینکنگ کے متعلق سوالات کے مختصر جوابات

مولانا صدر الحسن ندوی

۱- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۲- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۳- (الف) عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(ب) عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(ج) سرمایہ محفوظ قائم رکھنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(د) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۴- (الف) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(ب) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(ج) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۵- (الف) عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(ب) عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(ج) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۶- (۱) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۲) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۳) جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۷- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۸- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۹- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۰- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۱- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۲- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۳- عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۴- (الف) تاوان ادا کرنے کا معاہدہ نہیں کر سکتا۔

(ب) اجارہ کی مدت لازماً پوری کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

۱۵- تخمینی منافع کو حقیقی منافع کا قائم مقام سمجھ کر اسکے مطابق منافع کی تقسیم شرعاً جائز نہیں۔

☆☆☆

اسلامی بنکاری

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

علماء کرام و ماہرین بینک کی بینکاری سے متعلق ماہرین کی جانب سے اٹھائے گئے پندرہ سوالات پر غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد جو جوابات اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے مرتب ہوکر بندہ کے پاس بھیجا گیا ہے ان پر بنظر غائر غور وتدبر کے بعد بندہ کی ناقص سمجھ میں جو باتیں آئی ہیں وہ سوالات کی ترتیب کے ساتھ خدمت اقدس میں پیش کی جارہی ہیں۔

۱، ۲ – چونکہ یہ سود دینا مجبوراً ہے، اور اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ جس کی بناپر اسے چھوڑ دیا جائے تو ''الضرورات تبیح المحذورات'' پر عمل کرتے ہوئے درست ہے۔

۳ – الف: بندہ کی ناقص سمجھ بھی یہی کہتی ہے، اور اس سے اتفاق کرتی ہے۔

۴ – الف – بندہ کو اس سے بھی اتفاق ہے، اگر اس حصہ متناسبہ کی تعیین'' بایں طور کہ ایک سو روپے کے خسارہ میں مثلاً دس روپے''، ممکن ہو کردی جائے بہتر ہوگا۔

ب – میں اس باب میں حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب وغیرہم کی رائے صائب سے اتفاق کرتا ہوں کیونکہ یہ عین احسان ہے، اور ہمدردی کی بین دلیل ہے۔

ج – بندہ ناچیز کی ناقص سمجھ کے مطابق اگر اس جزا کی تعیین ممکن ہو تو کردی جائے، بہتر ہوگا۔

۵ – الف: بندہ اس سے اتفاق کرتا ہے۔

☆ استاذ حدیث، جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو۔

ب- بندہ ناچیز بھی اس سے متفق ہے۔

ج- عقد شرعی کی اعتبار سے دونوں کی حیثیت ایک ہو، اس عبارت کو مثال کے ذریعہ مزید واضح کردیا جائے، تا کہ کسی طرح کا کوئی ابہام نہ رہے۔

۶- (۱) بندہ ناچیز بھی اس سے اتفاق کرتا ہے۔

(۲) حتی المقدور یہی کوشش کی جائے۔

(۳) بندہ ناچیز بھی اس سے متفق ہے۔

۷- ایکویٹی شیئر کو تعریف کے ذریعہ سمجھادیا جائے۔

۸- ڈبنچر کو تعریف اور صورت بیان کر کے واضح کرادیا جائے۔

۹- بندہ ناچیز بھی اس سے اتفاق کرتا ہے۔

۱۰- بندہ ناچیز بھی اس سے موافقت کرتا ہے۔

۱۱- بندہ ناچیز بھی اس سے متفق ہے۔

۱۲- بندہ ناچیز بھی اس سے اتفاق کرتا ہے۔

۱۳- اس سودی رقم کو منہا کرانا تو درست ہے لیکن منہا کرانے کے بعد بینک میں وہ رقم چھوڑنے کے بجائے نکال کر فقراء ومساکین کو بلانیت ثواب دے دیا جائے، یہ بہتر ہوگا۔

۱۴- بندہ ناچیز بھی اس سے اتفاق کرتا ہے تا کہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔

۱۵- بندہ ناچیز بھی اس سے متفق ہے۔

☆☆☆

غیر سودی بینکاری

مفتی عبد الرحیم قاسمی ☆

۱- جو اکائی سود پر حاصل شدہ سرمایہ سے کاروبار کرتی ہو یا شروع ہونیکی منزل میں ہو، اگر اس کے سود کا حساب علیحدہ رکھا جاتا ہو اور اسلامی ادارہ شرکت کے طور پر اس میں سرمایہ لگائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، جبکہ وہ کاروبار جس میں شرکت کی جارہی ہے فی نفسہ مباح ہے۔

۲- ریز رو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ ملنے والی سودی رقم کو اسلامی ادارہ کے اخراجات میں خرچ کرنا یا کھاتہ داروں کے درمیان اسکو تقسیم کرنا یا اس سے سرمایہ محفوظ قائم کرنا ربو سے استفادہ کے مترادف ہے۔ البتہ سرمایہ محفوظ کے نام پر مشتمل رقم وصول کی جاسکتی ہے۔

اور بعض علماء کی رائے کے مطابق اصحاب خیر کے تعاون اور جائز پیداواری ذرائع کی آمدنی سے ادارہ چلانا ممکن نہیں ہوتو ادارے کے ضروری حقیقی انتظامی اخراجات قرض خواہوں سے وصول کئے جاسکتے ہیں کہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعہ آمدنی ہے (اہم فقہی فیصلے،ص ۳۰)۔

۴- (الف) بقدر حصہ رسدی نفع کی طرح نقصان میں شرکت ضروری ہے، اور اقرار نامہ لینا اس شرعی امر کی تکمیل ہے۔

☆ ناظم جامعہ حسینیہ خیر العلوم، نور محل روڈ، بھوپال۔

(ب) کھاتہ داروں اور ادارہ کے علاوہ دیگر حضرات مؤسسین وہمدردان کا نقصان کی پابجائی کرنا شرکت کے اصول کے خلاف ہے۔

(ج) تقسیم شدنی رقم کونقصان کی تلافی کے لئے ادارہ میں رکھنا اگر شرط کے درجہ میں نہ ہو بلکہ خود ڈپازیٹروں کی جانب سے ماہ بماہ بمد امانت اس قدر رقم جمع کی جائے تو یہ عمل درست ہے۔

۵- سرکاری تحدیدات کی پابندی کا معاہدہ مناسب نہیں، البتہ ب اور ج کے تحت ذکر کردہ دوصورتیں درست ہیں۔

۶- (۱) مدت کی تعیین اور مصارف سمیت منافع کی وضاحت اول مرحلہ میں ہی کردی جائے تو یہ معاملہ جائز ہے۔

(۲) بلٹی کا معاملہ حوالہ ہے، لہذا اسکا تبادلہ کمی بیشی سے جائز نہیں، ہاں نوے روپیہ ادارہ سے قرض لے کر بلٹی وصول کرنیکا وکیل ادارہ کوہی بنادیا جائے تو دس روپیہ ادارہ کو اجرت مل سکتی ہے۔

(۳) ادارہ کا نمائندہ خود خریدے، پھر عقد جدید کے ساتھ خواہشمند کے ہاتھ نفع پر مال فروخت کردے تو یہ جائز ہے۔

۷- کمپنی کا سودی کاروبار غالب نہ ہو تو صرف تجارت میں شرکت کی شرط کے ساتھ ایسے شیئرز خریدے جاسکتے ہیں۔

۸- جائز ذرائع آمدنی میسر ہونے کی صورت میں ادارہ کے لئے سودی شیئرز حاصل کرنا جائز نہیں۔

۹- اپنی ضمانت پر بینک سے مال دلا کر کمیشن لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ متقوم نہیں۔

۱۰- کفالت وضمانت متبرع ہے، اسکا عوض لینا جائز نہیں۔

۱۱ – ٹرک کا خواہشمند قیمت میں رقم لگا کر شریک بنے گا تو شرکت کے اصول پر ایک حد تک مالک متصور ہوگا، اور جسقدر ملکیت ادارہ کی ہوگی اسی قدر کرایہ دار رہے گا، پوری قیمت ادا کرنے کے بعد پورا مالک ہوگا۔

۱۲ – میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ کی بیس فی صد رقم کو سودی شیئرز خریدنے میں صرف کیا جاتا ہے اور اسی فیصد سے بھی شرعی کاروبار ہونے کی یقین دہانی نہیں، لہذا اسلامی مالیاتی ادارہ کیلئے میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ میں رقم لگانا جائز نہیں۔

۱۳ – سوال واضح نہیں ہے، اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ معتد بہ رقم کو ریزرو بینک میں رکھنا قانونی مجبوری ہے، نیز قرضخواہوں سے سود لینا بھی قانوناً لازم ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر رقم ریزرو بینک میں رکھنا قانوناً ضروری ہو تو بدرجہ مجبوری اتنی رقم رکھنے کی گنجائش ہوگی، اور قرضخواہوں سے سود وصول نہ کیا جائے، کاغذی خانہ پری کر کے پیش کر دیا جائے، حقیقت میں سود لینے کا وقوع نہیں ہوا لہذا گناہ بھی نہیں ہوگا۔

۱۴ – اجارہ کے معاملہ میں قسط کی ادائیگی میں غفلت برتنے والے پر تاوان لگانا درست نہیں، البتہ یہ معاہدہ لینا مقتضائے عقد کے عین مطابق ہے کہ وہ مدت اجارہ پوری کرے گا اور تمام قسطیں ادا کرے گا۔

۱۵ – تخمینی منافع کو حقیقی مان کر اس کے مطابق منافع کو تقسیم کرنا درست نہیں، تجربہ کار محاسبوں کے ذریعہ تحقیق کرانے کے بعد اصل منافع کا اندازہ لگانا اور اس کو تقسیم کرنا ضروری ہے۔

☆☆☆

اسلامی بنکاری

مولانا محمد ایوب ندوی بھٹکلی ☆

۱- اسلامی مالیاتی ادارہ کا ایسے کاروبار میں اپنا سرمایہ لگانا جس میں پہلے سے سود پر حاصل کی رقم لگی ہو بلا حاجت کے مکروہ ہے اور حاجت کے موقع پر جائز ہے۔

۲- اس صورت میں کراہت زیادہ ہوگی۔

۳- الف: نہیں۔

ب- نہیں۔

ج- اس رقم کو سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، بلکہ ۵۴ فیصد سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے سود کی رقم مالدار افراد سے وصول کر کے اس کو بھی سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے اور جتنی مقدار سود میں اضافہ ہوتا جائے اسی کے بقدر فنڈ میں اضافہ کیا جائے۔

د- اضافہ کر کے لینا مناسب نہیں ہے۔

۴- الف: جائز ہے۔

ب- جائز ہے۔

ج- جائز ہے۔

۵- الف: ٹھیک ہے۔

ب- اگر پندرہ فیصد تک منافع ہوں تو مکمل نفع دیا جائے، اگر اس سے زیادہ ہو تو ادارہ

☆ سابق استاذ جامعہ اسلامیہ، بھٹکل۔

محفوظ کر کے ماضی یا مستقبل کے نقصان کی تلافی کرے۔

ج - یہ متبادل صورت بھی بہتر ہے۔

۶-(۱) جائز ہے۔

(۲)- ایک ہی مال کو دو افراد کے ہاتھ فروخت کرنے کی طرح ہے، لہذا یہ جائز معلوم نہیں ہوتا۔

(۳)- ایک ہی آدمی یہ دونوں کام نہیں کرسکتا۔

۷- بلا حاجت درست نہیں ہے۔

۸- ایسے ڈبنچروں کا خریدنا شرعاً جائز ہے۔

۹- اگر بینک کی طرف سے کمیشن ملے تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی آمدنی سود کی ہوتی ہے۔

۱۰- ٹھیکے دار کی طرف سے جائز ہے۔

۱۱- یہ صورت جائز ہے، یہ ربا نہ ہوگا۔

۱۲- وہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں وہ اگر فی نفسہ صحیح ہو تو اس میں سرمایہ لگانا مکروہ ورنہ حرام ہوگا۔

۱۳- قرض دہندگان سے سود لینا بالکل حرام ہے، البتہ جبری سود کی رقم سے ریزور بینک کے سرمایہ یا سرکاری تمسکات کو بڑھایا جاسکتا ہے۔

۱۴- اس طریقہ کا جائز ہونا بہت مشکل ہے، البتہ ایک ہلکی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اگر ادارہ مخصوص مقدار میں منافع کا دعوی کرے اور تاجر کم منافع بتائے تو دراصل ادارہ مدعی ہے، اور اصولاً عامل کی بات قسم سے مانی جائے گی، لیکن اس میں عامل کو مدعی تسلیم کر کے ادارہ کو مدعا علیہ تسلیم کیا جائے اور اس کی بات قسم کے ذریعہ مانی جائے، ہوسکتا ہے یہ صورت درست اور جائز ہو اور مسئلہ کا حل ہوسکے۔

☆☆☆

غیر سودی بینکنگ

مولانا عبدالقیوم پالنپوری ☆

۱، ۲- ایسی کاروباری اکائی جس میں پہلے سے سود پر حاصل کردہ رقم لگی ہوئی ہو، یا ایسی کاروباری اکائی جو سود پر حاصل کردہ سرمایہ سے شروع ہونے کی منزل میں ہو (جب کہ اس کا کاروبار شرعی اصول تجارت پر مبنی ہو، سودی کاروبار نہ ہو) تو ان میں اسلامی مالیاتی ادارہ کا اپنا سرمایہ بطور شرکت لگانا جائز ہے۔

۳- (الف، ب) یہ ملنے والی رقم شرعاً سود ہی ہے، لہذا ادارہ کے اخراجات وضروریات میں یا کھاتے داروں میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج) گنجائش ہے، لیکن ایسے بینک کے بند یا دیوالیہ ہوجانے کی صورت میں اس رقم سے کھاتے داروں کے مال کی ادائیگی، یا بنک کے قرضوں میں ادائیگی جائز نہ ہوگی، بلکہ اس کو سود کے مصرف ہی میں خرچ کرنا ضروری ہوگا۔

(د) جائز نہیں۔

۴- (الف) اس طرح اقرارنامہ لینا صحیح ہے۔

(ب) صرف مؤسسین کا نقصان کو اپنے ذمہ لینے کی شرط شرعاً درست نہیں ہے۔

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی گجرات۔

(ج) یہ صورت جائز ہے۔

۵ -(الف) اس میں پیش کردہ حل درست نہیں ہے

(ب) حقیقت سمجھ میں نہیں آئی۔

(ج) یہ حل درست اور جائز ہے۔

۶ -(۱) ادارہ پہلے وہ شئی اپنے لئے خرید لے پھر الف کے ساتھ مقررہ نفع کے ساتھ جس میں قسطوں اور ادھار کی مدت کی تعیین کردی جائے تو درست ہے۔

(۲) یہ صورت جائز نہیں ہے۔

(۳) یہ صورت بھی درست نہیں ہے۔

۷ - جب یہ کمپنی سود پر قرض نہ دیتی ہو بلکہ فقط اس کا اپنا سرمایہ سود پر حاصل کردہ ہو تو اس کے یہ شیئرز خریدنا درست ہے۔

۸ - ایسے سود بردار حصص کو خریدنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ سودی کاروبار میں شرکت اور تعاون ہے جو حرام ہے۔

۹ - اس طرح کمیشن حاصل کرنا اسلامی ادارہ کے لئے جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ ضمانت عقد تبرع ہے۔

۱۰ - ضمانت کے عوض میں ٹھیکیداروں سے کمیشن لینا بھی اسلامی ادارہ کے لئے جائز نہیں ہے۔

۱۱ - اس میں جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ بنک اپنے لئے ٹرک خرید کر پھر قیمت پر مقررہ نفع بڑھا کر اس شخص سے بیع کردے، اور ثمن کی ادائیگی کے لئے قسطیں متعین کردی جاوے، اس میں اجارہ کی صورت نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسلامی بنک ٹرک، مثلاً ۳ لاکھ میں خرید کر اس شخص کو مقررہ وقت (مثلاً ۵۰ ماہ) کے لئے ماہانہ ۲ ہزار پر کرایہ پر دیدے، اور پھر بنک اس شخص سے کہے کہ اگر

تمہیں اس ٹرک میں حصہ دار بننا ہے تو ہر ماہ مقررہ قسط مثلاً ۶ ہزار کرایہ کے علاوہ ادا کر کے اسی رقم کے بہ نسبت یعنی ۱/۵ حصہ کو بنک سے خریدتے رہو، اس حصہ کی بہ نسبت کرایہ میں سے بھی کمی ہوتی رہے گی۔

اب اگر وہ کرایہ دار شخص ٹرک کے ۱/۵ حصہ کو ہر ماہ ۶ ہزار قسط (علاوہ کرایہ کے) ادا کر کے خریدتا رہا تو اس ٹرک میں اس کی ملکیت کا حصہ بڑھتا رہے گا، اور اس کے حصہ ملک کی نسبت سے اس کو کرایہ کم ادا کرنا پڑے گا، مثلاً دوسرے ماہ اس کو ۱۹۶۰ روپے کرایہ ادا کرنا ہوگا اور تیسرے ماہ ۱۹۲۰ روپے، اسی طرح ہر ماہ کم ہوتا رہے گا، حتی کہ پچاسویں مہینہ اس کو کرایہ ۴۰ روپے ادا کرنا ہوگا، اور جب آخری قسط ۶ ہزار ادا کر کے ٹرک کے آخری حصہ ۱/۵ کو بھی خرید لے گا تو وہ پورے ٹرک کا مالک ہو جائے گا۔

اس صورت میں جو رقم بنک کرایہ کے نام سے وصول کرے گا وہ ٹرک میں بنک کے حصہ ملک کا کرایہ ہوگا، جو جائز وحلال ہے، سود کے حکم میں نہیں ہے، لہذا اس رقم کو مدمحفوظ پیدا کرنے کے لئے بھی بنک استعمال کر سکتا ہے۔

لیکن اس صورت میں واضح رہے کہ ابتداءً ٹرک کا مالک بنک ہے، پھر جوں جوں قسط ادا کر کے وہ شخص اس میں معین حصہ خریدتا رہے گا اتنے حصہ کا مالک وہ شخص ہوگا۔ لہذا اگر کچھ قسط ادا کرنے کے بعد وہ شخص مزید قسط ادا کر کے ٹرک میں حصہ دار زیادہ بننے سے رک جاتا ہے تو بنک اپنے حصہ ملک کو خریدنے پر اس شخص کو مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ نیز اگر درمیانی مدت میں یا ابتداءً یعنی بنک کے ٹرک خریدنے کے بعد اگر ٹرک ہلاک ہو جاتا ہے تو بنک اور کرایہ دار کے حصہ ملک کے مطابق دونوں کا نقصان شمار ہوگا، اور اگر اس شخص نے کوئی قسط ادا نہیں کی ہے تو بنک ہی کا نقصان شمار ہوگا۔

اس صورت میں کرایہ دار کو مقررہ مدت (اگر کوئی عذر پیش نہ آوے تو) پوری کرنی لازم رہے گی، لیکن اگر کوئی ایسا عذر پیش آ گیا جس کی وجہ سے شرعاً اس کو فسخ اجارہ کا اختیار رہتا ہے تو وہ

اجارہ فسخ کرسکتا ہے مقررہ مدت سے پہلے۔

۱۲- اسلامی بنک کے لئے میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ کے حصص خریدنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سودی کاروبار میں شرکت اور تعاون ہے۔

۱۳- سوال واضح نہیں ہے۔

۱۴- اجارہ کی کونسی شکل اختیار کی گئی ہے؟ ــــــ مالی جرمانہ عائد کرنا درست نہیں ہے، اجارہ کی مدت کے لازماً پوری کرنے کی شرط لگانا اجارہ میں درست ہے، لیکن جن اعذار کی بناپر مستاجر کو فسخ اجارہ کا شرعاً اختیار ہے ان میں سے کسی کے پیش آنے کی صورت میں شرط کے باوجود اجارہ فسخ کرسکتا ہے۔

۱۵- یہ طریقہ شرعاً درست نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

تفصیلی تحریریں:

اسلامی بینکنگ اور مالیاتی اداروں کے بارے میں اٹھائے گئے سوالات کے جوابات

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

۱، ۲- جو کاروباری اکائی سود پر حاصل کردہ قرض سے شروع ہونے والی ہو یا جس کاروباری اکائی میں سود پر حاصل کی ہوئی رقم بھی شامل ہو اگر اس اکائی کا اپنا کاروبار شرعاً جائز ہو تو اس میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے۔ خواہ یہ سرمایہ شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر لگایا جائے یا کسی اور جائز شرعی طریقہ سے، کاروباری اکائی نے سودی قرض حاصل کرنے کا جو عمل کیا ہے وہ اگر چہ عام حالات میں فی نفسہ جائز نہیں ہے لیکن قرض پر حاصل کی ہوئی رقم اس کاروباری اکائی کی ملکیت ہے، اس رقم میں ہر طرح کے جائز تصرف کا اختیار ہے، لہذا کاروباری اکائی کے کاروبار جائز ہونے کی صورت میں اس میں اسلامی مالیاتی ادارہ اور ہر مسلمان کا سرمایہ لگانا درست ہے۔

۳- زیر بحث تیسرا سوال غالباً کامل بینکنگ کا نظام قائم کرنے کے منصوبہ کی بنا پر قائم کیا گیا ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ چوتھے فقہی سمینار منعقدہ حیدرآباد میں ماہرین بینکنگ کمیٹی کی طرف سے

☆ استاذ فقہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ ہندوستان کے موجودہ بینکنگ قوانین کی موجودگی میں کامل اسلامی بینک کا قیام ناممکن ہے۔ اس لیے میرے خیال میں فی الحال تیسرا سوال زائد از ضرورت ہے، پھر بھی چونکہ یہ سوال قائم کردیا گیا ہے اس لئے اس کا مختصر جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

۳- الف: اسلامی مالیاتی ادارے کو 53.5 کے بقدر سرمایہ پر ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ جو رقم بہ عنوان سود ملتی ہے اس کو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے رواں اخراجات اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، اس سودی رقم کا اسلامی مالیاتی ادارے کا اپنے اخراجات میں صرف کرنا کھلی ہوئی سودخوری ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ب- اس سودی رقم کو کھاتے داروں میں تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہے، اسلامی بینک کی جانب سے کھاتے داروں میں سودی رقم کی تقسیم اسلامی بینک اور غیر اسلامی بینک کے درمیان حد فاصل کو ختم کردے گی، ایسا کرنا اسلامی بینک کی طرف سے تعاون علی الاثم ہونے کے علاوہ سودی کاروبار میں براہ راست اسلامی بینک کی شرکت تصور کی جائے گی۔

ج- تیسری شق یہ ہے کہ کیا ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ ملنے والے سود کو سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

بہ ظاہر یہ بات معقول نظر آتی ہے کہ سرمایہ محفوظ کے نام پر قانوناً جس قدر سرمایہ محفوظ کرنے کا لزوم ہے اس میں سود کی رقم لگادی جائے، اس طرح اسلامی بینک کا کم سے کم اصل سرمایہ منجمد اور غیر نفع بخش ہو، لیکن غور وخوض کرنے کے بعد یہ شکل بھی دو اسباب کی وجہ سے مجھے شرعاً جائز نہیں معلوم ہوتی:

۱- محفوظ سرمایہ قائم کرنا اسلامی بینک کی محض قانونی مجبوری ہی نہیں ہے بلکہ اس سے خود اسلامی بینک کو خاطر خواہ فائدہ پہنچتا ہے جس کی ترجمانی سوالنامے کے ان الفاظ میں کردی گئی ہے: ''جس کا قائم کرنا قانوناً لازم ہے، جو بینک کی ساکھ اور اس کی کارکردگی کے تعلق سے لوگوں

میں اعتماد پیدا کرنے کا بھی سبب ہوتا ہے''۔ بینک کے لئے ''لوگوں کا اعتماد'' بہت بڑی قیمت واہمیت رکھتا ہے، غرضیکہ سرمایہ محفوظ قائم ہونے سے بینک کا اہم فائدہ ہوتا ہے، لہذا سود کی رقم کا سرمایہ محفوظ قائم کرنے میں استعمال کرنا اسلامی بینک کا سودی رقم سے منتفع ہونا ہے، لہذا اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

۲-سرمایہ محفوظ قائم کرنے سے بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ بینک کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں کھاتے داروں کے مطالبات سرمایہ محفوظ سے ادا کئے جائیں، خدانخواستہ اگر اسلامی بینک فیل ہوتا ہے تو اس کے سرمایہ محفوظ سے کھاتے داروں وغیرہ کے مالی مطالبات پورے کیے جائیں گے، اگر اسلامی بینک کا سرمایہ محفوظ سودی رقم سے قائم کیا گیا تو بینک کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اگر ایک طرف اس سودی رقم سے کھاتے دار منتفع ہونگے تو دوسری طرف اس سودی رقم سے اسلامی بینک منتفع ہوگا کیونکہ اس کے دیون (قرضوں) کی ادائیگی اسی سودی رقم سے کی جائے گی۔

د- سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے سروس چارجز میں اضافہ کرکے کھاتے داروں سے لینا جائز نہیں ہوگا۔

۴-الف: اس میں پیش کردہ حل سے اتفاق ہے، اگر اس حل کو اختیار کرنے میں مشکل دور ہوجاتی ہوتو یہ شرعاً جائز اور بے داغ حل ہے، اسی کو اختیار کیا جائے۔

ب- مجھے اس حل سے اتفاق نہیں ہے، کسی مالیاتی ادارے کے دستور میں اگر یہ بات شامل کرلیجائے کہ کاروبار میں نقصان ہونے کی صورت میں کھاتے داروں پر نقصان نہیں پڑے گا بلکہ اس ادارہ کے مؤسسین یا بعض ہمدردان اپنے سرمائے سے اس نقصان کی تلافی کریں گے تو وہ ادارہ مضاربت وشرکت کے بنیادی اصولوں سے ہٹ گیا، اسلام تجارت میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ کوئی شخص نفع میں شریک ہو لیکن نقصان میں بالکل شریک نہ ہو، اسلامی مالیاتی ادارہ خواہ شرکت کی بنیاد پر کاروبار کرتا ہو یا مضاربت کی بنیاد پر، اس کا قانوناً یا عملاً یہ طے

کر دینا کہ نقصان کا بار کھاتے داروں پر نہیں پڑے گا شرعاً درست نہیں ہے، اسلام نے اپنے معاشی نظام میں سودی ذہنیت کا خاتمہ کرنا چاہا ہے، سودی ذہنیت سے مراد یہ ہے کہ انسان کچھ کام کئے بغیر اور کچھ خطرہ مول لئے بغیر پیسہ سے پیسہ پیدا کرنا چاہے۔ مضاربت کی روح یہ ہے کہ ایک فریق کی طرف سے سرمایہ ہو اور دوسرے فریق کی طرف سے محنت ہو، اگر تجارت میں نفع ہو تو دونوں نفع میں شریک ہوں، اور اگر نقصان ہو تو سرمایہ والے کا سرمایہ کا نقصان ہو اور محنت والے کا محنت کا نقصان ہو۔ شرکت میں دونوں فریقوں کا سرمایہ ہوتا ہے لہذا نقصان ہونے کی وجہ سے دونوں کے سرمایہ کا نقصان ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس سوال میں پیش کردہ حل میں کھاتے دار جس کی حیثیت یا تو ''شریک'' کی ہوگی یا ''رب المال'' کی، نقصان کی ذمہ داری سے کلیۃً بری ہوگیا، اور یہ بات مضاربت وشرکت کی روح کے خلاف ہے، اس کاروبار کے نتیجے میں کھاتے داروں میں سودی ذہنیت پرورش پائے گی یعنی محنت کئے بغیر اور خطرہ مول لئے بغیر نفع کمانا۔

ج - فقہ حنفی کے اعتبار سے اس حل کا جواز نہیں معلوم ہوتا، معاملہ طے کرتے وقت ڈپازیٹروں سے اس بات کی اجازت حاصل کرنا کہ کل تقسیم شدنی منافع کا ایک جز اپنے متوقع نقصان کی تلافی کے لئے ادارہ اپنے پاس رکھ لے، یہ ایک شرط فاسد ہے جو شرعاً معتبر نہیں۔ فقہاء حنفیہ باب البیع الفاسد کے ذیل میں لکھتے ہیں: "**وکل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه وهو من أهل الاستحقاق یفسده**'' (ہدایہ: کتاب البیوع، باب البیع الفاسد)۔

اس اصول کی روشنی میں اگر مسئلہ زیر بحث کا جائزہ لیا جائے تو اس کا عدم جواز صاف معلوم ہوتا ہے۔ ڈپازیٹروں سے مذکورہ بالا شرط لگانا تقاضائے عقد نہیں ہے، اور اس میں مالیاتی ادارے کا فائدہ ہے جو بلاشبہ عقد کا ایک فریق ہے، لہذا مذکورہ بالا صورت فقہ حنفی کی روشنی میں جائز نہیں معلوم ہوتی، ہاں اگر بعض ڈپازیٹرس تقسیم شدنی منافع میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے بعد اس کا کچھ حصہ مالیاتی ادارے کو متوقع خسارے کی تلافی کے لئے دیدیں تو شرعاً اس کا جواز

ہوگا لیکن انھیں دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں فقہ مالکی کے اعتبار سے اس سوال میں پیش کردہ حل کا جواز معلوم ہوتا ہے، میرے اس دعوی کی بنیاد المدونہ میں مذکور امام مالکؒ کی ایک تصریح ہے جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"(قلت) أرأيت المقارضين يشترطان عند معاملتهما ثلث الربح للمساكين أيجوز ذلک؟ (قال) نعم (قلت) فهل يرجعان فيما جعلا من ذلک (قال) لا وليس يقضى بذلک عليهما ولا أحب لهما فيما بينهما وبين الله أن يرجعا فيما جعلا" (المدونۃ الکبری، ج ۴، ص ۴۹)۔

المدونہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اس طرح کی شرط لگانے کی گنجائش ہے لیکن اس شرط کا لزوم محض دیانۃً ہوگا قضاءً نہیں ہوگا۔

۵- اس میں ذکر شدہ دشواری کے حل کے لئے نمبر ۵ (الف) میں پیش کردہ امور سے اتفاق نہیں ہے، ہاں نمبر ۵ (ب) اور نمبر ۵ (ج) میں ذکر کردہ دونوں حلوں کو شرعاً درست سمجھتا ہوں۔

۶-(۱) درست ہے۔

(۲)- اس صورت مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ "الف" کا بھیجا ہوا مال "ب" تک نہ پہنچ سکا بلکہ راستے میں ضائع ہوگیا تو یہ نقصان کس کے سر جاتا ہے، اس نقصان کا بار "الف" پر آتا ہے یا "ب" پر یا اسلامی مالیاتی ادارے پر، صورت مسئولہ میں تینوں فریقوں کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لئے مذکورہ بالا تنقیح ضروری ہے۔

(۳)- یہ صورت جائز نہیں ہے، اولاً اس لئے کہ اس صورت معاملہ میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے سر کوئی ذمہ داری اور خطرہ مول لیے بغیر نفع کمانا چاہتا ہے، کسی مرحلہ میں مال بینک کی براہ راست تحویل اور قبضہ میں نہیں آرہا ہے، ثانیاً اس لئے کہ مارکیٹ سے مال خریدنے کے بعد جب مال کا خواہشمند بینک کا وکیل بن کر اپنے ہی ہاتھ وہ مال فروخت کررہا ہے تو بہ یک وقت وہ

ایک ہی عقد میں بائع اور مشتری (بیچنے والا خریدنے والا) دونوں بن رہا ہے، بینک کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وہ بائع ہے اور اپنی ذاتی حیثیت میں مشتری ہے، حالانکہ عقد بیع میں ایک ہی شخص کا ایجاب وقبول دونوں کرنا درست نہیں ہے۔

اس صورت معاملہ میں اگر اتنی ترمیم کر دی جائے کہ بینک کا کوئی نمائندہ مال کے خواہشمند کو ساتھ لے جا کر بینک کے لئے مال خریدے، اس کے بعد پھر بینک کا نمائندہ نئے عقد کے تحت مال کے خواہشمند کے ہاتھ کچھ نفع پر مال فروخت کر کے اس کے حوالہ کر دے تو یہ صورت معاملہ جائز ہوگی، لیکن یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ جب تک مال کے خواہشمند کے ہاتھ بینک کا نمائندہ مال فروخت کر کے اس کے حوالہ نہیں کر دیتا اس وقت تک وہ مال بینک کے ضمان میں رہے گا۔ اس دوران اگر مال ضائع ہوگیا یا اسے کچھ نقصان پہنچ گیا تو بینک کا نقصان ہوگا نہ کہ مال کے خواہشمند کا۔

۷- اسلامی مالیاتی ادارہ ایسے شیئرز خرید سکتا ہے۔

۸- اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے اگر سرمایہ کاری کے دوسرے جائز نفع بخش میدان موجود ہیں تو اس کے لئے ایسے ڈبنچرز (سود بردار حصص) کا خریدنا جائز نہیں، لیکن اگر اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے بالفرض سرمایہ کاری کے جائز نفع بخش میدان موجود نہیں ہیں تو بدرجۂ مجبوری اسلامی مالیاتی ادارہ ایسے سود بردار حصص کو خرید سکتا ہے، لیکن جب تک کہ یہ ڈبنچرز ایکویٹی شیئر میں تبدیل نہیں ہوجاتے اس وقت تک ملنے والے سود کو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے مصارف میں استعمال نہ کرے بلکہ بلانیت ثواب فقراء ومساکین کو دیدیا کرے۔

۹- یہ مسئلہ شریعت اسلامی کے باب الکفالہ کے تحت آتا ہے، صورت مسئولہ میں اسلامی مالیاتی ادارہ صرف اتنا کر رہا ہے کہ وہ قرضخواہ کو اپنی ضمانت پر کسی بینک سے قرض دلوا رہا ہے، اس معاملہ میں اسلامی مالیاتی ادارے کی حیثیت محض کفیل بالمال کی ہے، اور کفالت اسلامی شریعت کی نگاہ میں عقود معاوضات میں سے نہیں بلکہ عقود تبرعات میں سے ہے، کفالت قبول کرنے والا

مکفول عنہ پر محض تبرع اور احسان کر رہا ہے، جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ کفالت عقد تبرع ہے تو اس پر کوئی معاوضہ لینا درست نہیں ہوگا، کفالت کے عقد تبرع ہونے کی وجہ سے فقہاء صراحت کرتے ہیں کہ کفیل وہی شخص بن سکتا ہے جس میں تبرع کی اہلیت ہو۔

دور حاضر کے مادی اور تجارتی ذہن نے ہر عقد کو خالص تجارتی بنا دیا ہے، بہر حال شریعت اسلامیہ عقد کفالت وضمانت پر کوئی کمیشن اور معاوضہ لینا درست نہیں قرار دیتی۔

۱۰- اس سوال کا جواب سوال نمبر ۹ کے جواب سے واضح ہے، یہ بھی کفالت بالعوض ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے، کفالت عقد تبرع ہے، اسے عقود معاوضہ میں شامل کرنا اس کی حقیقت تبدیل کرنا ہے۔

۱۱- صورت مسئولہ میں اگر اسلامی بینک قرض خواہ کو قرض دیتا ہے اور قرض خواہ قرض کا مالک بننے کے بعد ٹرک خریدتا ہے تو ٹرک شروع ہی سے قرض خواہ کی ملکیت ہوا۔ اسلامی بینک کو صرف اپنا قرض وصول کرنے کا حق ہوگا، مقدار قرض سے زیادہ وصول کرنا سود ہوگا، اور اگر بینک نے ٹرک اپنے لئے خریدا اور اس شخص کو کرایہ پر دیدیا تو ٹرک کا مالک تنہا بینک ہوگا فریقین کے درمیان جو بھی کرایہ طے ہوجائے اسے وصول کرنے کا اسلامی بینک کو حق ہے، ابتداءً خریداری سے دونوں کے شریک ملکیت ہونے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ٹرک کی خریداری میں کچھ رقم ٹرک کا خواہشمند لگائے اور کچھ رقم بینک لگائے، خواہ ٹرک کے خواہشمند نے وہ رقم بھی اسلامی بینک سے قرض لے کر لگائی ہو، ایسی صورت میں وہ ٹرک دونوں کی مشترک ملکیت ہوگا اور ٹرک میں بینک کا جتنا حصہ ہے اس میں اس شخص کی حیثیت کرایہ دار کی ہوگی، اس کے بعد اگر طے شدہ معاہدہ کے مطابق اگر وہ شخص قسطیں ادا کرتا رہا تو بینک کی ملکیت کم ہوجائے گی اور اس شخص کی ملکیت بڑھتی جائے گی، اور تمام قسطیں ادا کرنے پر پورے ٹرک کا مالک ہوجائے گا، اس صورت میں اگر بینک کو پہنچنے والی رقم اس کی صرف کردہ رقم سے زیادہ ہوئی تو اسے سود نہیں کہا جائے گا۔ اس مسئلے میں مختلف ذیلی سوالات پیدا ہوں گے ان کا جواب طے کرنے کے بعد ہی ہم اس اسکیم کو

جائز اسکیم کہہ سکیں گے، مثلاً اگر وہ شخص طے شدہ قسطیں ادا نہیں کرسکا تو اس کے ساتھ بینک کا کیا رویہ ہوگا؟ اگر اس نے قسطیں روک کر مزید خریداری روک دی تو اس کے ساتھ بینک کا کیا برتاؤ ہوگا؟ وغیرہ۔

۱۲- اس سوال کے تحت جو تفصیل دی گئی ہے اسکی روشنی میں اسلامی مالیاتی ادارے کا میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ کے حصص خریدنا شرعاً درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ سوال میں خود اس بات کی صراحت کردی گئی ہے کہ یونٹ ٹرسٹ اور میوچول فنڈ اسکیم کے تحت اکٹھا ہونے والے سرمایہ کافی الحال بیس فی صد سود بردار حصص کی خریداری میں صرف کیا جاتا ہے اور اسی فیصد سرمایہ سے مشہور اور مستحکم کمپنیوں کے ایکویٹی شیئرز (نفع ونقصان میں شرکت والے حصص) خریدے جاتے ہیں، لیکن یہ بات معلوم نہیں کہ جن کمپنیوں کے حصص (ایکویٹی شیئرز) میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ خریدتا ہے ان کا کاروبار شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یونٹ ٹرسٹ اور میوچول فنڈ خود کوئی تجارت یا کاروبار نہیں کرتے بلکہ اپنا پورا سرمایہ حصص کی خریداری پر صرف کرتے ہیں، ان کا بیس فیصد سرمایہ سے سود بردار حصص کی خریداری پر صرف ہوتا ہے، لہذا اس کا ناجائز ہونا واضح بات ہے۔ اسی فیصد سرمایہ سے جو حصص خریدے جاتے ہیں وہ اگرچہ سود بردار نہیں ہوتے لیکن دشواری یہ ہے کہ حصص کی خریداری دراصل ان کمپنیوں کے کاروبار میں شرکت ہے جن کے حصص خریدے جارہے ہیں، اور دور حاضر کی مشہور و مستحکم کمپنیاں (جن کے حصص خریدے جاتے ہیں) شاید ہی کوئی ایسی ملے جس کے کاروبار میں سود قابل لحاظ مقدار میں شامل نہ ہو۔ ہاں اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ یونٹ ٹرسٹ کے سرمایہ سے جن کمپنیوں کے شیئرز خریدے جاتے ہیں ان کا بنیادی کاروبار سود سے پاک ہے تو یونٹ ٹرسٹ کے حصص کی خریداری کے جواز پر غور کیا جاسکتا ہے۔

۱۳- منشاء سوال کی پوری وضاحت ہونی چاہیے، موجودہ صورت میں سوال واضح نہیں ہے، سوال کی از سرنو پوری وضاحت کی جائے۔

۱۴- یہ سوال بھی غیر واضح ہے، اجارہ کی شریعت میں بہت سی صورتیں ہیں، بینک اجارہ کا معاملہ کس طرح کرتا ہے اس کی پوری وضاحت ہونی چاہئے۔

۱۵- یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں ہے، یہ تو کیا جاسکتا ہے کہ کاروبار کرنے والے شخص سے متوقع منافع کا اندازہ معلوم کرلیا جائے، لیکن اس تخمینی منافع کو حقیقی منافع قرار دیکر (کاروبار کرنے والے کے کم منافع بتانے کی صورت میں بھی) اس کے مطابق منافع کی تقسیم درست نہیں ہے۔

☆☆☆

سوالات متعلقہ اسلامی بنکاری کے جوابات

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

۱-۲: جب ان دونوں صورتوں میں شرکت کے ساتھ کیا جانے والا کاروبار درست ہے اور شریک ادارہ کو شرکت کی وجہ سے سود کی ادائیگی میں شریک نہیں ہونا پڑے گا، بلکہ یہ دوسرے شریک کا الگ معاملہ ہے تو ایسی شرکت جائز ہے۔

۳-(الف و ب): دونوں میں استعمال کا جواز نہیں، اور خود استعمال کیا یا کھاتہ داروں کو دیا تو اس نظام کے برپا کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟

(ج)-محفوظ سرمایہ میں اس کا لگا دینا جبکہ یہ ایک اجباری اور ہمارے لئے غیر مفید بلکہ مضر قانون ونظام ہے تو جائز معلوم ہوتا ہے۔ البتہ آئندہ اگر کسی وجہ سے یہ رقم الگ کی جائے تو سود کے مصارف میں ہی لگانی ہوگی۔

(د)-مجھے تو اس سروس چارج ہی میں شروع سے تامل ہے، اور رائے یہ ہے کہ قرض خواہوں سے کسی عنوان سے کچھ نہ لیا جائے۔ پھر یہ کہ یہ رقم جو اس طرح لی جاتی رہے گی مآلاً اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ یہ کس کی ملک ہوگی؟ اگر مالیاتی ادارے کی تو یہ قرض سے حاصل کردہ نفع ہے، اگر کھاتہ دار سے مراد قرض خواہ ہیں، اور اگر ادارہ میں سرمایہ رکھنے والے اور سرمایہ کاری کرنے والے

☆ استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ۔

مراد ہیں تو چونکہ یہ نظم کے قبیل کی ایک چیز ہے اس لئے اجرۃ الخدمہ میں اس کے لئے بھی کچھ شامل کر دینا درست ہوگا۔

۴-(الف): اگر معاملہ میں عملاً اصول مضاربت کی پوری پابندی کی جائے اور وہی ملحوظ ومقصود ہو اور مجبوراً اس کے لئے کوئی دوسری تعبیر وعنوان اختیار کرنا پڑے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

(ب)-اگر یہ ذمہ داری ادارہ مؤسسین جو ادارہ کے مالکان ہوں گے وہ لیں گے تو ظاہر ہے کہ یہ مضارب کی طرف سے معاملہ شار ہوکرنا جائز ہے۔ رہے دوسرے غیر متعلق لوگ اگر واقعی وہ غیر متعلق ہیں یعنی سرمایہ کار اور ادارہ اور اس کے مالکان کے علاوہ تیسرا فریق ہے جو اس جذبہ سے یہ ذمہ داری لیتا ہے کہ کسی طرح ایسا نظام قائم ہو اور لوگ اس میں دلچسپی لیں اور وہ تبرعاً نقصان کی تلافی اپنے سرمایہ سے کرتا ہے تو اس کے جواز کو سوچا جا سکتا ہے، مگر غور یہ کرنا ہوگا کہ شرعاً اس ضمان کی کیا حیثیت ہوگی اور اصول وانواع ضمان میں سے کس کے تحت اس کو شار کریں گے، پھر یہ کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق ضمان اس مطالبہ کا جائز ہے جو کہ حقاً وشرعاً واجب وثابت ہو، یہاں خسارہ تو مضارب وادارے کے ذمہ ہے نہیں۔

(ج)-درست معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کے تحت مآلاً نفع خود سرمایہ کار ومضارب کو ہی ہوگا، بجائے اس کے کہ کل نفع وہ آپس میں تقسیم کرتے آئندہ ناگہانی حالات کے لئے ایک حصہ انہوں نے محفوظ کر دیا۔

۵-(الف) چونکہ اصول مضاربت کے تحت یہ بات مصرح ومتعین ہے کہ نفع واضح اور اس کی شرح طے شدہ ہو۔ آگے یہ کہ اس کی شرح کتنی اور کیا ہو اس پر پابند نہیں کیا گیا، اس لئے مضارب کی محنت وکام کو دیکھتے ہوئے جیسے شرح نفع میں کمی وزیادتی ہوسکتی ہے اسی طرح کسی مجبوری کے تحت بھی جب کہ کھاتہ داروں پر صورتحال واضح کر دی جائے اس کا جواز ہوگا۔

(ب)-اس صورت میں اگرچہ مآلاً ایک قسم کی جہالت سامنے آتی ہے کہ یہ تو طے ہے کہ اتنا

اتنا ملے گا مگر واقعی منافع چونکہ کاروبار کرنے کے بعد سامنے آئیں گے اس لئے نفع کی واقعی شرح بھی اسی وقت سامنے آئے گی۔ لیکن ہندوستان جیسے ملک میں کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے ایسا کوئی معاملہ کرنا حد گنجائش میں ہوگا، جب کہ یہاں جہالت محضہ بھی نہیں ہے، بلکہ ایک خاص حد کے بعد کی شرح اور حاصل ہونے والے منافع میں جہالت ہے، ورنہ ایک مرحلہ طے شدہ ہے، مثلاً وہ مرحلہ جس پر یقینی طور پر ۱۴ یا ۱۵ فیصد نفع طے ہے جو کہ نفع کا پہلا مرحلہ ہے، البتہ آگے کے مراحل میں کیا ملے گا اس میں جہالت ہے۔ اجارہ وغیرہ کے بعض جزئیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے یہاں ایسی جہالت بھی مؤثر و مضر ہے مگر حضرات صاحبین اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس سے مراد کتاب الاجارہ کا یہ جزئیہ ہے:

"إن خطته اليوم فلک درهم وإن خطته غداً فلک نصف درهم"۔ اور باب مہر کا یہ جزئیہ ہے: " لو تزوجها على ألف إن أقام بها وعلى ألفين إن أخرجها" (ہدایہ ۲/ ۳۰۹)۔

ان دونوں صورتوں میں کم از کم نصف درہم یا ایک ہزار تو متعین ہی ہے، تردد و جہالت مکمل درہم یا دو ہزار کے حق میں ہے، حضرات صاحبین نے اس معاملہ کو درست قرار دیا ہے، بہر حال یہ شق غور و تامل کی ہے۔

(ج) – یہ صورت بھی درست ہے، بظاہر تو اس میں کوئی قباحت سمجھ میں نہیں آتی۔

۶ –(ا) جائز ہے جب کہ معاملہ میں سب کچھ طے ہو جائے، یعنی یہ کہ قیمت اتنی مدت کے بعد اتنی اتنی ادا کرنی ہوگی، معاملہ کسی تردد کے ساتھ نہ ہو۔ کسی سامان کو ادھار بیچنے کی صورت میں نقد کے معاملہ میں زیادہ قیمت لینے کا جواز فقہاء نے ذکر کیا ہے۔

(۲) اکابر کے بعض فتاوی میں آئی اس توجیہ کے تحت اس کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت معاملہ دراصل اجارہ کا معاملہ ہے جس میں (الف) نے جو دس روپے مثلاً کم کئے ہیں وہ ادارہ کو بطور اجرت اس پر دیتے ہیں کہ ادارہ اس کا حق واجب الاداء (ب) سے وصول کر کے اس کو

پہنچائے، اور اس میں سے طے شدہ رقم یعنی دس روپے مثلاً حق المحنت لے لے۔ البتہ یہاں یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ ادارہ (ب) سے رقم وصول کرنے کے بعد (الف) کو دیتا اس نے پہلے ہی اپنے پاس سے اس کو ادا کردیا ہے بطور قرض۔

(۳) یہ صورت درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں صرف ایک معاملہ ہے، اور ابتداء سے خریداری دوسرا آدمی اپنے ہی لئے کرتا ہے، اس لئے اس صورت میں اگر چہ ادارہ خود جا کر قیمت ادا کرے جب کہ معاملات اور بات خود دوسرا آدمی طے کرے، جیسا کہ حضرت تھانوی نے اسی انداز کے ایک فتوی میں ذکر کیا ہے، البتہ ابتداءً خریداری ادارہ کے لئے ہو پھر ادارہ اور شخص مذکور کے درمیان خریداری کا معاملہ ہو تو یہ درست ہے، اگر چہ قیمت ادارہ ہی ادا کرے، (ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ کے بعض فتاویٰ ۳/۱۴۱، و ۱۴۲، و ۱۳۵، و ۱۳۶)۔

۷- جب اس میں خود ادارہ سود لینے دینے کا معاملہ نہیں کرتا تو اس کا جواز ظاہر ہے۔

۸- گنجائش ہوسکتی ہے لیکن جب پہلی صورت موجود ہو اور اس انداز کی اور صورتیں ہوں تو اس سوال میں مذکور صورت سے بچنا چاہئے۔

۹- اگر ادارہ کا کام صرف ضمانت لینا ہے، اور باقی ساری بھاگ دوڑ اور معاملات کا طے کرنا ضرورتمند کرتے ہیں تو اس پر کسی معاوضہ کا لینا جائز معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ یہ کفالت ہے جو ابتداءً تبرع ہوتی ہے، لہذا اس پر ضرورتمند سے کوئی معاوضہ لینا درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر خود ادارہ اس مسئلہ کے معاملات کے طے کرنے میں بھاگ دوڑ کرے، اس کے کارکن وقت لگائیں اور ظاہر ہے کہ کچھ سرمایہ بھی لگے گا، اور اس سب کے مقابلے میں کوئی کمیشن طے کریں تو یہ ان کا محنتانہ ہونے کی حیثیت سے جائز ہوسکتا ہے۔

۱۰- اس کا جواب بھی (نمبر ۹) کے مثل ہے۔

۱۱- یہ صورت محل تأمل ہے، جب معاملہ قرض کا ہے تو شروع سے پورا ٹرک ضرورتمند شخص کا ہے، پھر کرایہ کیسا؟ اس لئے ادارہ کا اس صورت میں حاصل کردہ نفع ربا ہی ہوگا، اور اس کا کسی

صورت میں ادارہ کے لئے استعمال کرنا درست نہ ہوگا۔

صورت معاملہ یہ ہونی چاہئے کہ ادارہ اپنے سرمایہ سے اپنے لئے ٹرک خرید کر ضرورتمند کو دے، اور پھر چاہے یہ صورت ہو کہ قسط بھی ہو، کرایہ بھی، اور کرایہ قسط کے مطابق کم ہوتا رہے، یہ صورت وتوجیہ درست معلوم ہوتی ہے۔

۱۲- جب یہ بات اندھیرے میں ہوگی کہ ہمارے سرمایہ سے کیا کام ہورہا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ سرمایہ لینے والے ناجائز کام بھی کرتے ہیں تو یہ صورت درست نہیں۔

۱۳- ریزرو بینک وغیرہ کی رقوم پر ملنے والا سود تو ایک مجبوری ہے، لیکن قرض دہندگان سے لیا جانے والا کیا مجبوری۔ جب کہ ساری جدوجہد غیر سودی بینک کاری کے لئے ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارے کو یہ روا ہی نہیں کہ وہ قرض لینے والوں سے کچھ بطور سود لے۔

۱۴- پہلی شرط کا مطلب اگر یہ ہے کہ اجارہ کی مدت طے ہوتی ہے اس کے مطابق ایک اجرت، اور اجرت کی طے شدہ پوری رقم پر ایک حصہ مزید بعنوان سود۔ تو اگر اجارہ کی مدت طے ہوجاتی ہے اور اس پر اجرت نیز اجرت پر مزید سب طے شدہ ہوتا ہے، تو اس اجرت پر مزید رقم کو جو بعنوانِ سود طے کی جائے اجرت ہی کا جزء قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ کہ کسی رواجی یا قانونی مصلحت کی وجہ سے اس تجزیہ وتفصیل کو اختیار کیا گیا ہے۔

جہاں تک قسط کی تاخیر پر تاوان کا معاملہ ہے تو اس کا جواز سمجھ میں نہیں آتا، اور معاہدہ میں طے شدہ مدت اجارہ کی تکمیل کی شرط لگانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، عام طور سے فقہاء تو اجارہ کے معاملہ کے لزوم کے قائل ہیں اگر چہ کرایہ دار کو کوئی اہم عذر در پیش ہو، بہت مخصوص صورتیں مستثنیٰ ہیں، اور احناف اگر چہ وسعت کرتے ہیں مگر ان کے یہاں بھی شامی کی تصریح کے مطابق یہ تفصیل ہے کہ اگر عذر واضح نہ ہو بلکہ مشتبہ ہو تو تنہا کرایہ دار معاملہ کو ختم نہیں کرسکتا (شامی ۵/۴۸)، لہذا مصالح کے پیش نظر کہ اجارہ کا معاملہ کرنے کے بعد طے شدہ مدت

سے پہلے فسخ کرنے میں ادارہ کو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے تجربہ یا گمان غالب ہو تو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے، البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ تفصیل رکھی جائے اور انتہائی مخصوص حالات میں عدم لزوم اور عدم پابندی کو اختیار کیا جائے۔

۱۵- بظاہر تو یہ درست نہیں ہے، اصولاً حقیقی منافع پر ہی معاملہ ہو سکتا ہے جس کے اظہار کے لئے کوئی اور مناسب تدبیر سوچی جائے۔

☆☆☆

ہندوستان میں غیر سودی بینک کاری - رہنما خطوط

مولانا اختر امام عادل ☆

۱-سودی لین دین کرنے والے ادارہ میں سرمایہ لگانا:

اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں سودی کاروبار کو دو قسموں میں منقسم کرنا ہوگا:

۱-سودی کاروبار کی ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ ادارہ سودی لین دین دونوں کرتا ہو، سود پر قرضے بھی تقسیم کرتا ہو، اور سود پر قرض خود وصول بھی کرتا ہو، اگر کاروباری اکائی کی نوعیت یہ ہے تو اس میں سرمایہ لگانا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ایک طرف سودی نظام کا تعاون ہوگا جو آیت کریمہ ''ولا تعاونوا بالاثم والعدوان ''کے ذیل میں آتا ہے۔

دوسری طرف مال خبیث میں سرمایہ کی مشارکت سے جو منافع حاصل ہونگے وہ بھی کسی طرح پاکیزہ نہیں ہوں گے، حرمت وخبث کی آمیزش ان کے اندر ضرور ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: الاشباہ والنظائر مع حاشیہ الحموی ۳/ ۲۲۳، عالمگیری ۵/ ۳۶۴ کتاب الکراہیۃ)۔

۲-سود پر سرمایہ حاصل کرنے والے ادارے کے ساتھ تجارتی شرکت:

۲-دوسری صورت یہ ہے کہ کاروباری اکائی خود سود نہیں لیتی بلکہ سود دیکر وہ قرض حاصل کرتی ہے، اس صورت میں سود کی رقم چونکہ کاروباری سرمائے میں شامل نہیں ہے، اس لئے

☆ ناظم جامعہ ربانی، منورواشریف، سمستی پور۔

یہ پاکیزہ مال ہے، اس سے جو بھی تجارت کی جائیگی وہ جائز ہوگی، اس سے حاصل شدہ منافع طیب اور کاروباری اکائی کیساتھ تجارتی مشارکت درست ہے، بشرطیکہ وہ کاروبار فی نفسہ غیر شرعی نہ ہو، امداد الفتاوی میں ایک سوال بالکل اسی نوعیت کا ہے، سائل لکھتا ہے:

سوال (۲۲۴): کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقعہ پر سودی قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے یا کوئی زمین خریدتا ہے، چند دن کے بعد وہ قرضہ مع سود ادا کر دیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک کو پاک سمجھتا ہے، اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے خود گنہگار ہوا مگر اس کی حرمت باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی خیال کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص سود دیا ہے، لیا تو نہیں، پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟

حضرت تھانویؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اس شخص نے جو سمجھا ہے صحیح ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۷، کتاب الربا)۔

اس سوال وجواب کی روشنی میں سود پہ قرض حاصل کردہ سرمایہ سے شروع ہونے والی کاروباری اکائی میں سرمایہ لگا کر منافع حاصل کرنا درست ہے، منافع کے پاکیزہ ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں، البتہ اس میں کسی نہ کسی حد تک سودی نظام کا تعاون ضرور ہے، اس لئے میرے نزدیک اسلامی مالیاتی ادارہ اپنی ابتدائی منزل میں یہ صورت اختیار کرسکتا ہے، مگر جب وہ خود کاروبار کرنے کے لائق ہوجائے تو برابر ایسے ادارہ کے ساتھ تعاون کرنے سے باز رہے جس میں سود کا کوئی بھی نظام چل رہا ہو۔

۳-جبری سود اور چھوٹے پیانے پر سرمایہ کاری کا مسئلہ:

(الف، ب، ج) اس سلسلہ میں میری تجویز یہ ہے کہ ریزرو بینک آف انڈیا میں جو ۱۵ فیصد کے جبر سے رقم جمع کرنے کا لزوم ہے اس میں تو اسلامی بینک ضرور شریک ہو ورنہ قانونی جرم ہوگا، مگر اس کے حاصل شدہ سود سے وہ استفادہ نہ کرے، بلکہ رفاہ عام کے کاموں میں اس کو خرچ کردے، البتہ سرکاری تمسکات کے خریدنے سے بچنے کے لئے اگر وہ کوئی جائز حیلہ اختیار کرسکتا

ہوتو کرے ـــــ میرے خیال میں اسلامی ادارہ حکومت کو دکھانے والے رجسٹر میں ۵ء۸۴ کے بقدر سرمایہ کو نقد محفوظ کے طور پر درج کردے، اس لئے کہ بینکوں میں اکثر رقوم نقد کی صورت کے بجائے رجسٹر میں مندرجہ صورت میں ہی ہوتے ہیں لیکن اس میں سے صرف اتنا سرمایہ اپنے پاس محفوظ رکھے جو روزانہ رقوم کی واپسی، یا دوسری ضروریات میں استعمال ہوسکتا ہو، باقی سرمایہ وہ خفیہ طور پر اپنے نفع آور سرمایہ کاری میں لگادے، اس طرح جو سود سرکاری تمسکات کے خریدنے سے حاصل ہوسکتا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ تجارتی منافع کے طور پر حاصل ہوگا، اگر یہ صورت ممکن ہوتو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

اور سوال میں جو یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ منافع کے تناسب میں کمی کی بنا پر لوگ اسلامی بینک میں اپنا سرمایہ جمع کرنے میں تامل کریں گے، تو میرا خیال ہے کہ یہ اندیشہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اولاً دوسرے بینک کھاتہ داروں کو جو سود تقسیم کرتے ہیں خود ان کا تناسب بھی بہت معمولی ہے، چاہے ان بینکوں کو اپنی سرمایہ کاری کے نتیجے میں اور تمسکات پر ملنے والی سودی رقوم سے کتنے ہی منافع حاصل ہوجائیں، مگر شرح سود ان کے یہاں کم وبیش ۸ فیصد سے زیادہ نہیں ہے، البتہ شیئر ہولڈروں کو کچھ زیادہ منافع دیئے جاتے ہیں ـــــ اس کے بالمقابل اسلامی ادارہ ۵ء۶۴ فیصد سرمایہ سے جو سرمایہ کاری کرے گا، اس کے تمام منافع رواں اخراجات اور ضروریات کے مصارف کو منہا کرنے کے بعد کھاتہ داروں اور شیئر ہولڈروں کو تقسیم کئے جائیں گے، اور چونکہ یہاں نفع کی کوئی ایک شرح متعین نہ ہوگی اس لئے منافع ۱۰ فیصد سے ۲۰ فی صد تک پہنچ سکتے ہیں، اور سرمایہ کاری میں بہتر کامیابی کی صورت میں اس سے بھی زیادہ منافع ہوسکتے ہیں، اس طرح لوگوں کی توجہ قدرتی طور پر زیادہ سے زیادہ اسلامی بنک کی طرف ہوگی، اور جب زیادہ سے زیادہ کھاتہ دار اور شیئر ہولڈر اپنی رقمیں اسلامی بینک میں جمع کریں گے، تو اگرچہ اس کا نصف نقد محفوظ اور ریزرو بینک میں محصور ہوجائے مگر اس کے باوجود بینک کے پاس سرمایہ کاری کے لئے اتنا زیادہ سرمایہ جمع ہوجائے گا کہ وہ بہتر سے بہتر سرمایہ کاری میں اپنے سرمایہ کو لگانے کا اہل

ہو جائے گا۔

لیکن اگر کسی اسلامی بینک کو یہی اصرار ہو کہ وہ سرکاری تمسکات خرید کر اس سے سود وصول کرے ورنہ اس کے سامنے بہت سی مجبوریاں حائل ہو جائیں گی اور اس کے بغیر وہ معاشی دوڑ میں دوسرے معاصر بینکوں سے پیچھے رہ جائے گا، تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ اسلامی بینکنگ نظام خالص غیر سودی نظام ہے، جبکہ موجودہ بینکنگ نظام سودی نظام ہے، اگر موجودہ نظام کی بنا پر اسلامی بینک کے قیام میں رکاوٹیں پیش آرہی ہیں تو اس میں اسلامی نظام کا کوئی قصور نہیں ہے، یہ ساری مصیبت سودی نظام کو قبول کرنے کے نتیجے میں آرہی ہے —— اس کے موجودہ نظام کے زیر اثر سرکاری تمسکات پر ملنے والی سودی رقوم کو کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا، البتہ دار الکفر میں رہنے کی پاداش اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کی مجبوری میں اس کی اجازت وقتی طور پر دی جا سکتی ہے، کہ سرکاری تمسکات اور ریزرو بینک سے ملنے والی سودی رقوم کو سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے جس کا قائم کرنا قانوناً لازم ہے، اس لئے کہ اس میں سودی رقوم کا استعمال لازم نہیں آتا، بلکہ وہ کاروبار سے الگ محفوظ فنڈ کے طور پر رہے گا۔

ان سودی رقوم کو اسلامی بینک نہ اپنے کھاتے داروں میں تقسیم کر سکتا ہے اور نہ اپنے رواں اخراجات اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کر سکتا ہے، اس لئے کہ نہ خود سود کو استعمال کرنا جائز ہے، اور نہ اپنے مسلمان کھاتہ داروں کو اس لعنت میں گرفتار کرنا صحیح ہے۔

د- سروس چارج کا مسئلہ:

مالیاتی ادارے کھاتہ داروں سے جو سروس چارج لیتے ہیں وہ اگر نیک نیتی اور اعتدال پسندانہ رجحان کے ساتھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، تعیش اور تمول کی نیت سے قطعاً درست نہیں ہے، خصوصاً ادارے سے قرض لینے والوں سے جو سروس چارج وصول کیا جاتا ہے اس میں شدید احتیاط اور دیانت کی ضرورت ہے، ذرا سی بے احتیاطی اس کو ''کل قرض جرّ نفعا فھو ربا''

کے ضمن میں داخل کردے گا، البتہ فی نفسہ قرض دینے، اس کو رجسٹر میں لکھنے اور اس کی حفاظت وغیرہ پر جو اخراجات ہوسکتے ہیں وہ ادارہ قرض خواہوں سے وصول کرسکتا ہے، جس طرح کہ فقہی اعتبار سے قرض خواہ اگر اپنا قاصد بھیجے تو اس کا سفرخرچ، اور سامان پہنچانے کا کرایہ وغیرہ سب قرض خواہ کے ذمہ ہوتا ہے۔

"أجرة حمال حنطة القرض على من استأجره إلا إذا استأجره المقرض بإذن المستقرض" (الاشباہ) ''فإنه على المستقرض'' (حاشیۃ الحموی علی الاشباہ ۱۳۶/۴)۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا اس کی شرح میں قدرے اضافہ کرکے اس اضافی رقم سے سرمایہ محفوظ قائم کیا جاسکتا ہے ــــــ تو اس کا جواب صرف اتنا ہی دیا جاسکتا ہے کہ جو اضافہ بھی مطلوب ہو، اعتدال اور دیانت کے حدود سے متجاوز نہیں ہونا چاہئے۔

۴- بینکنگ نظام کو مضاربت میں تبدیل کرنے کی شکلیں:

موجودہ ملکی قانون کی رو سے کسی بھی بینک کا کھاتہ دار صرف نفع میں شریک ہوتا ہے۔ بینک کو نقصان کی صورت میں بھی پوری رقم ادا کرنی ہوتی ہے۔

مگر اسلامی مالیاتی ادارے کی بنیادی خصوصیت نفع ونقصان دونوں میں شرکت ہے۔

(الف) اس کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ کھاتہ داروں سے ایک علیحدہ اقرارنامہ اس بات کا لے لیا جائے کہ ادارہ کو نقصان کی صورت میں ادارہ کو حق ہوگا کہ اس کے سرمایے سے نقصان کو اس کے حصہ متناسبہ کی حد تک کم کردیا جائے۔

(ب) اسلامی مالیاتی ادارے کے مؤسسین اور ہمدردان بھی اس کی ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ نقصان ہونے کی صورت میں وہ اس کی تلافی کریں گے ــــــ یہ ایثار وقربانی کی بہترین شکل ہے، مگر یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ ادارے کی ذمہ داریوں اور اخراجات کو محدود رکھا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس وقت اسلامی بینک دوسرے معاصر بینکوں کا مقابلہ نہ کرسکے گا

اور وہ منصوبے پورے نہ ہوسکیں گے جو عام مسلمانوں کو اسلامی مالیاتی دارے سے رکھنی چاہئے، اس لئے یہ شکل شرعاً جائز ہونے کے باوجود بہت زیادہ مفید نہیں ہے۔

(ج) اس کے لئے ایک مفید صورت یہ بھی ہے کہ کھاتہ داروں سے اس بات کی اجازت حاصل کرلی جائے کہ کل تقسیم شدہ منافع کا ایک حصہ ادارہ اپنے پاس محفوظ رکھ لے تاکہ اس جمع ہونے والی رقم کو کسی سال نقصان ہونے کی صورت میں استعمال کیا جاسکے —— یہ ایک بہترین شکل ہے، اس سے نقصان کے وقت سرمایہ پر بھی کوئی اثر نہ پڑے گا، اور ملنے والے منافع میں بھی کسی کمی کا احساس نہ ہوگا، بلکہ اسی محفوظ حصے سے نقصان کی تلافی کرلی جائیگی —— اس صورت کے شرعاً جائز ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔

۵- قانون ملکی کے تحت مقررہ شرح کے ساتھ منافع کی تقسیم:

قانون ملکی کے تحت کسی بھی مالیاتی ادارے کو کھاتہ داروں میں موجودہ شرح کے مطابق ۱۵ فیصد سے زیادہ منافع تقسیم کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ اسلامی مالیاتی ادارے کے قیام، اور مضاربت وشرکت کے اصول تجارت کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے، اسلامی مالیاتی ادارہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے قیام کے اول روز سے تمام مسلمانوں کی حمایت لیکر حکومت سے اس قانون میں ترمیم کا مطالبہ کرے اور کوشش کرے کہ کم از کم مسلم بینکوں اور غیر سودی اداروں کو کسی مقررہ شرح کا پابند نہ کیا جائے —— اگر مسلمانوں کی پیہم کوشش سے قانون میں کوئی لچک پیدا ہوگئی تب تو کسی بھی متبادل صورت پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔

(الف) اس سے قبل کی درمیانی مدت میں اسلامی مالیاتی ادارہ کا اپنے کھاتہ داروں سے اس قسم کا معاہدہ جس میں صراحت کی جائے کہ منافع کی تقسیم سرکاری تحدیدات کی پابندی کرتے ہوئے کی جائے گی، کسی بھی طرح جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اِس تعبیر اور اُس تعبیر میں معنی کوئی فرق نہیں کہ منافع کی زیادہ سے زیادہ شرح پندرہ فی صد ہوگی، والعبرة فی العقود

للمعانی (الاشباہ)۔

شرح منافع کی تعیین ہی اسلامی اور غیر اسلامی تجارت میں خط امتیاز کھینچتی ہے۔

(ب) اسی طرح ایسا کوئی طریق کار اختیار کرنا درست نہیں جس سے لازمی طور پر منافع کی تقسیم میں سرکاری تحدید کی پابندی ہوجائے۔ یہ سب سود ہی کی مختلف شکلیں ہیں، بلکہ ایسا کوئی حیلہ اختیار کرنا چاہئے، جس سے حکومت کی نگاہ سے بچتے ہوئے اسلامی اصول کی رعایت اور سود سے حفاظت ہوجائے۔

(ج) البتہ ایک متبادل ممکنہ صورت جس میں بینک کے کھاتہ دار بھی وہی ہوں جو اس بینک کے حصص بھی خریدیں، حصص خریدنے والے چونکہ اپنے حصے کے بقدر بینک کی ملکیت میں شریک ہوتے ہیں اس لئے قانونا ان کے منافع کی کوئی شرح مقرر نہیں ہے، اس صورت میں اگر ادارہ کو اتنا نفع ہو کہ تقسیم شدنی نفع فی کس پندرہ فیصد کی شرح سے زیادہ ہو، تو پندرہ فیصد کے بقدر نفع کھاتہ دار کی حیثیت سے تقسیم کردیا جائے اور باقی نفع مالک حصص کی حیثیت سے تقسیم دے دیا جائے —— اس طرح قانون ملک کی خلاف ورزی بھی نہ ہوگی اور پورے منافع بھی شرعی طور پر تقسیم ہوجائیں گے، یہ شکل شرعاً بالکل درست ہے۔

مگر اس صورت میں پریشانی یہ ہے کہ ایسے کھاتہ دار بہت کم مل سکیں گے جو حصص خریدنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہوں، اس وقت اسلامی مالیاتی ادارے میں کھاتہ داروں کی تعداد بہت محدود ہوگی، اور جب عام لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ اس ادارے میں کھاتہ کھولنے کے لئے حصص کی خرید کی بھی شرط ہے تو لوگ اس کی طرف توجہ کرنے میں تامل کریں گے، اس لئے کہ عام لوگ اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے جو حصص کی خرید کرسکیں۔ اس طرح اسلامی ادارے میں کھاتہ داروں کی کثرت سے جو زیادہ سے زیادہ سرمایہ فراہم ہوسکتا تھا وہ گھٹ کر محدود رہ جائے گا، پھر وہ قلیل سرمایہ سے نفع اور سرمایہ کاری میں دوسرے معاصر بینکوں کا مقابلہ نہ کرسکے گا، اور نہ اقتصادی طور پر کوئی نمایاں مقام حاصل کرسکے گا۔

۶-۱-مرابحہ بتاجیل الثمن کی ایک صورت:

سوال میں معاملہ کی جو صورت ذکر کی گئی ہے اگر وہ وعدہ سے واقعہ میں آجاتی ہے تو یہ عقد مرابحہ بتاجیل الثمن ہے، جو شرعا درست ہے، اس جزئیہ میں نہ عقد مرابحہ کے جواز کی بحث مطلوب ہے، اور نہ یہاں یہ بحث مطلوب ہے کہ یہ بیع ہے یا وعدہ بیع، بلکہ یہاں معاملہ کی صورت واقعہ کے طور پر فرض کی گئی ہے، کہ اگر کوئی شخص نقد خرید کر منافع اور خرچ واضح کرنے کے بعد مشتری ثانی کے ہاتھ ادھار فروخت کرتا ہے، تو جائز ہے یا نہیں؟ —— اس موضوع کی فقہی مباحث کا احاطہ کرنے کے بعد عدم جواز کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ زیر غور معاملے میں دو صورتیں ممکن ہیں:

۱۔مشتری اول نقد خرید کر مشتری ثانی کے ہاتھ منافع کے ساتھ ادھار فروخت کرے۔

۲۔مشتری اول ادھار خرید کر مشتری ثانی کے ہاتھ منافع کے ساتھ ادھار فروخت کرے۔

پہلی صورت میں شرعی طور پر کوئی استحالہ نہیں ہے، اس لئے کہ نقد خریدنے کے بعد چیز مشتری اول کی ملک میں آگئی، اب اسے اختیار ہے کہ وہ اپنی شئی نفع کے ساتھ بیچے یا ادھار، البتہ دوسری صورت میں کچھ شرعی استبعاد محسوس ہو رہا تھا، مگر فقہاء نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے، کہ کوئی شخص ادھار خرید کر دوسرے کے پاس بطور مرابحہ کے ادھار ہی فروخت کرے، یہ حکم عالمگیری کے اس جزئیہ سے اشارۃً سمجھ میں آتا ہے:

"ولو اشتری ثوباً لم ینقد ثمنه ثم باعه مرابحة جاز فإن أخّر الثمن عنه شهراً بعد ذلک لم یلزمه أن یؤخّر عن المشتری کذا فی المحیط" (عالمگیری ۳/۱۶۳)۔

(اگر کسی شخص نے کوئی کپڑا خریدا جس کی قیمت اس نے نقد ادا نہیں کی، پھر اس کو کسی کے ہاتھ بطور مرابحہ کے فروخت کیا تو جائز ہے، پھر اگر اس نے قیمت کی ادائیگی میں ایک ماہ

تاخیر کی تو اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے خریدار سے بھی قیمت تاخیر سے وصول کرے)۔

اس جزئیہ میں "لم یلزمه" یہ بتا رہا ہے کہ ادھار خرید کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے والے کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے خریدار کے ہاتھ بھی ادھار ہی فروخت کرے، اور اس وقت تک وہ قیمت وصول نہ کرے جب تک کہ وہ خود اپنے بائع اول کو شئی کی قیمت ادا نہ کرے۔ اس سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ جب ادھار خرید کر ادھار بیچنا لازم نہیں، تو پھر کم از کم جائز ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں —— غرض اس جزئیہ سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مشتری اول کے لئے مشتری ثانی کے ہاتھ عقد مرابحہ ادھار کرنا درست ہے، فوری بالمنافع قیمت کی ادائیگی صحت عقد کے لئے مشروط نہیں ہے۔

ہمارے اپنے اکابر کے فتاوی میں تو صراحت کے ساتھ عقد مرابحہ بثمن جیل الثمن کی اجازت ملتی ہے، امداد الفتاوی میں حضرت تھانویؒ سے ایک سائل نے سوال کیا:

سوال (۳۹): عمرو نے زید کو مبلغ ستانوے روپے واسطے خرید لانے مال کے دساور سے دیئے اور مبلغ تین روپے اجرت خریداری کے زید کو دئے، زید نے دساور سے مال جفت پاپوش کا قیمتی ستانوے روپے کالا کر جوڑ وادیا، اور مال اپنے ہی مکان پر لا کر اتارا، عمرو کے مکان یا دوکان پر نہیں اتارا، عمرو نے قبل منگوانے مال کے یہ شرط کر لی تھی کہ جس وقت تم مال ہمارا جوڑ وادوگے ہم کو اختیار ہوگا، خواہ ہم تم کو دیں گے یا اپنی دوکان یا مکان پر لے جائیں گے اور تم کو نہیں دیں گے، عمرو نے بعد جوڑ لینے کے زید سے دریافت کیا کہ تم یہ مال کس طریقے سے لیتے ہو، زید نے کہا کہ پانچ ماہ کے لئے لیتا ہوں اور مبلغ اٹھارہ روپے منافع کے دوں گا، اور زر اصل ومنافع دونوں ملا کر جو رقم ہوگی، (.........) اس کو پانچ روپے بارہ آنہ ہفتہ کے حساب سے ادا کروں گا۔

الجواب: یہ بیع مرابحہ بثمن جیل الثمن ہے، اور بقیود مذکورہ سول درست ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۲)۔

اور اسی سے ملتا جلتا فتویٰ فتاوی دار العلوم دیوبند (ج ۸، ص ۱۷) میں بھی موجود ہے۔

۲- بلٹی کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ:

۱- سوال میں مذکور صورت معاملہ اگر چہ بظاہر بیع معلوم پڑتی ہے، مگر حقیقت میں یہ بیع نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ عقد وکالت ہے، کہ الف، ب کو اپنا مال روانہ کرنے کے بعد ب سے خود روپیہ وصول نہیں کرتا، بلکہ اسلامی مالیاتی ادارے کو اپنا وکیل بناتا ہے کہ وہ ب سے قیمت وصول کرے، اور اپنی توکیل کی سند کے طور پر وہ بلٹی اس کے حوالہ کرتا ہے، جس کو دکھلا کر ادارہ ب سے مطلوبہ رقم وصول کر سکے ـــــ مگر اسلامی ادارہ الف کو پیشگی رقم حوالہ کر دیتا ہے، اور ب سے قیمت کی وصولی کے انتظار میں اس کو پریشان نہیں کرتا، تا کہ الف، ب سے اپنی متعلقہ ضروریات پوری کر سکے، اس پیشگی ادائیگی کے صلے میں الف اپنے وکیل ادارہ کو کمیشن دیتا ہے یا ب سے وصول کرنے کے مصارف کے طور پر دیتا ہے، جو سو روپے کی بلٹی میں دس روپے کاٹ کر وصول کرتا ہے، اس تشریح کی روشنی میں صورت معاملہ میں کوئی جز شرعی اعتبار سے غلط نہیں ہے۔

(۱) نفع رسانی کے صلے میں کمیشن لینا بھی درست ہے۔

(۲) اور عقد وکالت کے ذیل میں ہونے والے مصارف کا بار اٹھانا بھی موکل کے ذمہ ہے۔

(۳) اور زیادہ قیمت کی بلٹی کم قیمت پر خریدنے میں موکل کے منشا کی خلاف ورزی بھی نہیں ہورہی ہے، اس لئے کہ وہ خود اپنی مرضی سے کم قیمت میں بلٹی ادارہ کے حوالے کر رہا ہے۔

امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانویؒ نے اسی طرح کی ظاہری خرید وفروخت کی ایک صورت کو بیع کے بجائے عقد وکالت قرار دیا ہے، مگر اس میں چونکہ موکل کے منشا کے خلاف وکیل زائد رقم وصول کرتا ہے اس لئے اس کو ناجائز لکھا ہے (دیکھئے: امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۱۳)۔

۲- اور اگر اس صورت معاملہ کو بیع ہی قرار دیں جیسا کہ بظاہر نظر آرہا ہے، تو بھی بلٹی کی کم وبیش قیمت کے ساتھ خرید وفروخت میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بلٹی اور نوٹ دونوں کی

جنس جداگانہ ہے، بلٹی کو زیادہ سے زیادہ رسید کہہ سکتے ہیں جب کہ نوٹ ثمن عرفی ہے، اور ثمن و بیع میں اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے، اس میں ربا کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوتا (دیکھئے: تحفۃ الفقہاء ۳؍ ۴۷، ہدایہ ۳؍ ۱۰۵ کتاب الصرف، عالمگیری ۳؍ ۲۳۰)۔

۳- بیع وشراء کی توکیل کی ایک شکل:

یہ صورت شرعاً صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ایک ہی شخص وکیل بالشراء بھی ہے، اور پھر بائع ومشتری بھی، جب اسلامی مالیاتی ادارے نے اس کو دکاندار کے پاس مال کی خریداری کے لئے روانہ کیا، تو وہ وکیل بالشراء ہے، اور پھر جب اس نے خرید کر مقررہ منافع کے ساتھ اپنے ہی ہاتھ فروخت کر دیا، تو وہ بیک وقت بائع بھی ہو گیا اور مشتری بھی، اگرچہ بائع بحیثیت ادارہ کے وکیل کے ہے، اور مشتری اصالۃً ہے، مگر بیع کے بارے میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اس میں وکیل اصل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے ایک ہی شخص بائع اور مشتری بیک وقت نہیں ہو سکتا، خواہ اصالۃً ہو یا وکالۃً (دیکھئے: فتح القدیر ۳؍ ۱۹۷)۔

ایک رائے:

بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ خریداری سے قبل اس کا ادارہ کے ساتھ جو معاملہ ہوا ہے، وہ محض وکیل بالشراء کی حیثیت سے ہے، پھر خریدنے کے بعد جو سامان اس کے قبضے میں آیا ہے، وہ نیابتی اور وکالتی قبضہ ہے، پھر جب اس نے ادارہ کی جانب سے اپنے کو فروخت کر دیا تو اس کا سابق وکالتی اور نیابتی قبضہ، اصالتی قبضہ میں تبدیل ہو گیا اور بیع صحیح ہو گئی —— ان حضرات نے اس صورت مسئلہ کو غصب اور سرقہ کے مسئلے پر قیاس فرمایا ہے کہ مال مغصوب اور مسروق پر غاصب اور چور کا قبضہ بحیثیت اصیل نہیں بلکہ بحیثیت نائب اور وکیل کے ہے، پھر مالک نے اپنے مغصوب اور مسروق مال کو خود غاصب اور چور کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس کا وکالتی قبضہ، اصالتی قبضے میں تبدیل ہو گیا، اور بیع صحیح ہو گئی۔

۱۔مگر میرے نزدیک زیر بحث مسئلہ کو غصب اور چوری کے مسئلے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ دونوں کے درمیان کافی فرق موجود ہے، زیر بحث مسئلے میں وہ شخص ادارہ کا وکیل بالشراء ہے، اور وکیل بالشراء کا قبضہ، قبضہ امانت ہوتا ہے، اور اپنے کو فروخت کرنے کے بعد جو قبضہ حاصل ہوگا وہ قبضہ ضمان ہے، ظاہر ہے کہ قبضہ امانت، قبضہ ضمان میں تبدیل نہیں ہوسکتا۔

"ولو بعث رسولا إلى بزاز أن ابعث إليّ بثوب كذا وكذا بثمن كذا وكذا فبعث إليه البزاز مع رسوله أو مع غيره فضاع الثوب قبل أن يصل إلى الآمر وتصادقوا على ذلک وأقروا به فلاضمان على الرسول في شيء" (عالمگیری ۶۲۶/۳)۔

اور اس بناپر فقہاء نے ایک شخص کے لئے بیک وقت خرید فروخت دونوں کا وکیل اور اصیل بننے کی اجازت نہیں دی ہے، اس کے برخلاف مال مغصوب ومسروق پر غاصب اور چور کا قبضہ، قبضہ ضمان ہے، اس لئے چاہے مال رہے یا ہلاک ہو اس پر ضمان فی نفسہ واجب ہے، اور اس کے ہاتھ مالک کے فروخت کرنے کے بعد بھی وہ قبضہ ضمان ہی رہتا ہے، تو خرید سے قبل بھی قبضہ اور خرید کے بعد بھی قبضۂ ضمان ہے اس لئے یہاں شرعاً کوئی استحالہ نہیں ہے۔

۲- دوسرا فرق یہ ہے کہ چوری اور غصب کے مسئلے میں مال کا مالک خود فروخت کرتا ہے اور غاصب وسارق خریدتا ہے، تو عاقدین دونوں جدا جدا ہیں، جب کہ زیر بحث مسئلے میں ایک ہی شخص بحیثیت وکیل کے بائع بھی ہے، اور وہی بحیثیت اصیل کے خریدار بھی——غرض دونوں مسئلوں میں بون بعید ہے، اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

مفید شکل:

اس لئے زیر بحث مسئلے میں بہتر شکل یہ ہے کہ ادارہ مال کی خریداری کے خواہش مند کے ہمراہ اپنا کوئی قابل اعتماد آدمی ساتھ لگادے، اور وہ آدمی دکان سے مال خرید کر خواہش مند کے حوالے کردے، اس صورت میں کوئی قباحت لازم نہیں آئے گی، اس لئے کہ قاصد کا قبضہ خود

ادارہ کے قبضے کے حکم میں ہے، اور جب اس قاصد نے خواہشمند کے ہاتھ وہ مال فروخت کیا تو گویا خود ادارہ نے یہ عقد کیا جو بالکل درست ہے، فقہ کا ایک جزئیہ اس بارے میں کتنا واضح ہے:

"وإن أرسل إليه به رسولا فقبضه الرسول صار من حال المرسل لأن قبض الرسول قبض مرسله" (فتاوی بزازیہ علی الفتاوی الہندیہ ۴؍۳۵۹)۔

ایک دوسری رائے:

اس مسئلے میں ایک رائے یہ سامنے آئی ہے کہ اگر ادارہ اس خریداری کے خواہشمند کو نقد روپیہ دینے کے بجائے اگر ڈرافٹ حوالہ کردے، اور وہ ڈرافٹ دکاندار کے پاس جمع کردے، اور سامان خرید کر اپنے کو فروخت کرے، تو یہ جائز ہونا چاہئے، ان کے خیال میں ڈرافٹ درحقیقت ایک رسید اور وثیقہ ہے، اور اس رسید کے ذریعہ دراصل ادارہ خود دکاندار سے معاملہ کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ وہ میرا مال حامل وثیقہ کے حوالہ کردے، اس طرح ایک ہی شخص بائع ومشتری نہیں بنتا۔

مگر میرے خیال میں یہ رائے بھی درست نہیں، اس لئے کہ اس سے زیادہ واضح صورت تو خط کے ذریعہ پیدا ہوسکتی تھی، ڈرافٹ کو رسید اور وثیقہ بھی خط ہی کے ذریعے مانا گیا ہے، فرق یہ ہے کہ ڈرافٹ کی زبان اشاراتی ہوتی ہے، اور خط کی زبان وضاحتی، اگر ڈرافٹ کی یہ صورت جائز ہوگی تو خط کے ذریعہ معاملہ کرنے کی صورت بدرجہ اولی جائز ہوگی، مگر فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھدیا ہے کہ خط کے ذریعہ جو معاملہ ہوتا ہے اس میں خریدا ہوا مال اس وقت تک صاحب خط کے قبضہ ضمان میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ مال اس کے پاس پہنچ نہ جائے، حامل رقعہ کا قبضہ، اصل خریدار کے قبضہ کی طرف سے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ حامل رقعہ صرف خط پہنچانے کا ذمہ دار ہے، وہ بیع کے معاملے میں صاحب خط کا نائب نہیں ہے، اس لئے اس پیغامبر کا قبضہ مشتری کے قبضہ کے حکم میں نہیں ہے۔

"ولو أن رجلا بعث إلى رجل بكتاب مع رسول الله أن ابعث إليّ بثوب كذا بثمن كذا ففعل وبعث به مع الذى أتاه بالكتاب لم يكن من مال الآمر حتى يصل إليه" (عالمگیری ۳/ ۲۲۱)۔

ظاہر ہے کہ جب تک ادارہ کا قبضہ ہی مکمل نہ ہو اس کو براہ راست معاملہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟

ایک تدبیر:

البتہ میرے خیال میں فون کے ذریعہ اگر ادارہ دکاندار سے خرید فروخت کا معاملہ طے کر لے اور ایجاب وقبول مکمل ہو جائے تو ادارہ کا آدمی جائے بغیر بھی معاملہ درست ہو سکتا ہے، اس لئے کہ بیع میں مشتری کا قبضہ شرط نہیں، محض تخلیہ کافی ہے، اور جب فون پر دکاندار سے براہ راست بات چیت ہوگی تو اس میں ادارہ دکاندار سے کہہ دے گا کہ فلاں شخص آپ کی دکان پر پہنچ رہا ہے، اس لئے میرا خرید کردہ سامان جو آپ کے پاس موجود ہے وہ اس کے حوالے کر دیں، اس لئے کہ میں نے وہ سامان اس شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے —— اس طرح کے عقد میں شرعی اعتبار سے کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہئے۔

پھر یہ شخص دکان پر پہنچ کر اپنا مطلوبہ سامان وصول کر لے گا —— معاملے کی یہ صورت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

۷-کمپنیوں سے ایکویٹی شیئر خریدنا:

اسلامی مالیاتی ادارہ کا کسی ایسی کمپنی کے ایکوٹی شیئر خریدنا جو اپنے کاروبار کے لئے سود پر سرمایہ فراہم کرتی ہو، معمولی کراہت کے ساتھ درست ہے، اور اگر ادارہ کے مفاد کے لئے ہندوستان جیسے دار الکفر میں ایسی کمپنیوں کے ایکویٹی شیئر خریدنا ضروری ہو جائے، تو یہ بلا کراہت درست ہے، اس لئے کہ اس سوال کے صرف دو پہلو ہیں اور دونوں فی نفسہ درست ہیں:

۱- ایکویٹی شیئر جس میں منافع کی کوئی شرح مقرر نہیں ہوتی، بلکہ نفع ونقصان دونوں میں شرکت لازمی ہوتی ہے، یہ عقد مضاربت ہے، جو شرعا درست ہے۔

۲- دوسرے سود پر فراہم کردہ سرمایہ سے چلنے والے کاروبار میں اپنا سرمایہ لگانا ——— اس پہلو میں سوال نمبر ۲ کے تحت بحث کر چکا ہوں کہ چونکہ اس میں سود لیا نہیں جاتا، بلکہ سود دے کر سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے، اس لئے تجارتی سرمایہ میں کوئی خبث پیدا نہیں ہوتا، لہذا اس میں شرکت کرنا اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کو استعمال کرنا فی نفسہ ناجائز نہیں ہے، البتہ سودی نظام کا فی الجملہ تعاون پایا جاتا ہے، اس لئے یہ مکروہ ہے، مگر کسی ضرورت شدیدہ کے پیش نظر یہ کراہت مرتفع بھی ہوسکتی ہے۔

۸- ایسے سود بردار حصص خریدنا جو بعد میں ایکویٹی شیئر سے تبدیل ہو جائیں:

اسلامی مالیاتی ادارہ کا بعض کمپنیوں سے ایسے سود بردار حصص خریدنا جن پر ایک مختصر مدت تک مقررہ شرح سے سود کی ادائیگی کے بعد ان کو ایکویٹی شیئر میں تبدیل کر دیا جائے یہ عمل فی نفسہ جائز ہوسکتا ہے، بشرطیکہ دو امور کا لحاظ رکھا جائے:

۱- ایکویٹی شیئر میں تبدیل ہونے تک کی درمیانی مدت کے سود سے کوئی استفادہ نہ کیا جائے بلکہ اس کو رفاہ عام کے کام میں صرف کر دیا جائے۔

۲- جن کمپنیوں سے ایسے ڈبینچر خریدے جائیں ان کے بارے میں یہ تحقیق ضرور کر لی جائے کہ ان کا کاروبار شرعاً درست ہے یا نہیں، کاروبار کے غیر شرعی یا مجہول ہونے کی صورت میں ان اداروں کے حصص خریدنا درست نہیں، کاروبار شرعی طور پر درست ہو تو ان کے ایسے حصص خریدے جاسکتے ہیں، مگر اس میں بھی سودی نظام کا تعاون موجود ہے، اور ایکویٹی شیئر سے بڑھ کر ہے، اس لئے ادارہ کا عمل کراہیت شدیدہ سے خالی نہ ہوگا، لیکن اس کراہت کا مال اور منافع کے طیب وپاکیزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۹، ۱۰- مالی اور غیر مالی ضمانتوں کے عوض کمیشن لینا:

۱-صنعت کاروں یا تاجروں کو بینکوں سے قرض یا ٹھیکیداروں یا دوسرے کام کرنے والوں کو حکومت سے ٹھیکہ یا کوئی کام دلوانے کے لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کا ضمانت دینا، اور اس کے علاوہ مناسب مقدار میں کمیشن وصول کرنا شرعاً درست ہے، اس لئے کہ کمیشن دراصل اس ضمانتی عمل کا معاوضہ ہے، اور اس کا فائدہ اس صنعت کار تاجر اور ٹھیکیدار کو پہنچتا ہے جس کے لئے ادارہ ضمانت دیتا ہے، اور اس میں بعض اوقات ادارہ کو نقصان بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ اگر وہ صنعت کار یا تاجر قرض کی واپسی میں ٹال مٹول، یا انکار کردے یا فرار ہو جائے، یا وہ ٹھیکیدار اپنی ذمہ داری دیانت کے ساتھ ادا نہ کرسکے، اور حکومت کی جانب سے جو رقم اس کو ملی تھی اس میں خیانت کا ثبوت مل جائے، تو اس صورت میں اس نقصان کی تلافی اس ادارہ کو کرنی ہوگی، جس کی ضمانت پر یہ قرض یا ذمہ داری دی گئی تھی —— ظاہر ہے کہ جب ادارہ نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار ہے تو ''الغرم بالغنم'' کے اصول کے مطابق منافع بھی اس کو ملنے چاہئیں۔

۲-فکر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ادارہ کو یہ ضمانت بینکوں یا حکومت کو تحریری طور پر دینا ہوگا جس میں ادارے کو لیٹر پیڈ، ٹائپ مہر، ڈاک وغیرہ بہت سارے مصارف برداشت کرنے ہوں گے، اگر ادارہ کسی کو یہ ضمانت یا وثیقہ نہ دیتا تو اس کو یہ خرچ برداشت نہ کرنا پڑتا، یہ سارے مصارف اس تاجر یا صنعت کار، یا ٹھیکہ دار کی بنا پر برداشت کرنے پڑے، اس لئے ادارہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان مصارف کو ان سے وصول کرے، اور مصارف کی اسی وصولی کو آپ کمیشن کا نام بھی دے سکتے ہیں، فقہاء نے یہ جزئیہ صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ قاضی اگر کسی کو وثیقہ، یا ضمانت نامہ لکھ کر دیتا ہے تو اسے اس کی اجرت وصول کرنے کا پورا حق حاصل ہے، اس لئے کہ اس میں سارا نفع اس شخص کو حاصل ہو رہا ہے جس کے لئے وثیقہ صادر کیا جارہا ہے (دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار ۵/ ۵۳، کتاب الاجارہ، وکذا فی الفتاوی الہندیہ ۳/ ۵۲۸، کتاب الاجارہ)۔

۳-ضمانت کے عوض کمیشن کے جواز پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عمل ضمانت

دراصل عقد کفالت ہے، جس طرح کفیل مکفول عنہ کی جانب سے مکفول لہ کو اعتماد دلاتا ہے کہ یہ آدمی ضرور تم کو مال واپس کردے گا، اور پھر مکفول لہ اس ٹھیکیدار کے بارے میں ضمانت دیتا ہے، تو درحقیقت وہ بینکوں اور حکومت کو اعتماد دلاتا ہے کہ یہ شخص فراڈ نہیں ہے، اور نہ نا اہل ہے، بلکہ یہ اپنی ذمہ داری کا پورا احساس رکھتا ہے، اور اپنے فریضے کو یہ ضرور کما حقہ پورا کرے گا، یہی عقد کفالت ہے اور عقد کفالت کے عوض فقہاء کی صراحت کے مطابق اجرت لینا جائز ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"ولأن الكفالة والرهن شرعاً للتوثق والتوفيق ملائم للأجر" (بدائع الصنائع ۴/۲۰۲، کتاب الاجارہ)۔

۱۱- سرمایہ کاری کی ایک فاسد نوع:

۱- معاملہ کی یہ شکل قرض وربا کے عنصر سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مقروض جس نے ادارہ سے ٹرک کی رقم قرض کے طور پر لی ہے اس سے قرض کی مطلوبہ رقم کے علاوہ کرایہ کے نام پر جو مزید رقم ہر ماہ یا تین ماہ پر لیجاتی رہی، اسے اگر چہ حسن تعبیر کے ساتھ سرمایہ کاری کا صلہ کہا جائے مگر یہ "کل قرض جر نفعاً فھو ربا" کا مصداق ضرور ہے، قرض کی رقم سے بڑھ کر اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو کچھ بھی مقروض سے وصول کیا جائے گا وہ ربوا ہی کہلائے گا۔ اس شخص نے قرض کے طور پر جو رقم لی ہے اس کی ادائیگی ہی کیا کم مشکل ہے، پھر اس پر مزید کرایہ کے نام پر صلہ وصول کرنا شدید ظلم نہیں تو اور کیا ہے، اور اگر وہ قرض اس شرط کے ساتھ نہ لیتا کہ وہ کرایہ بھی ادارہ کو ادا کرے گا، تو ٹرک سے اسے جو کچھ بھی نفع ملتا اس سب کا مالک وہ تنہا ہوتا، لیکن ادارے کی اس شرط کی بنا پر اسے اس کا ایک معتد بہ حصہ ٹرک کی قیمت کے طور پر اور اس کا ایک حصہ بطور کرایہ کے ادا کرنا ہوگا، اس قرض سے جو نفع اور صلہ وصول کیا جارہا ہے اسی کا نام ربوا ہے۔

۲- اس میں دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ یہ جملہ کہ "بینک یہ رقم اس طرح دے کہ ابتداہی سے قرض خواہ کوٹرک کی ملکیت میں شریک متصور کرے" اس کا کوئی معنی نہیں ہے، ملکیت میں شریک ہونے کا کیا معنی؟ قرض پرٹرک حاصل کرنے کے بعد وہ ٹرک مکمل طور پر اس شخص کی ملکیت میں چلا جائے گا، جبتک کہ یہ متعین نہ کر دیا جائے کہ ٹرک کی قیمت (مثلاً ۴ لاکھ روپے) میں سے اس قدر (مثلاً ۲ لاکھ) روپے قرض خواہ کو بطور قرض دئے جارہے ہیں، اور آدھی قیمت کے بقدرٹرک کی ملکیت میں خود ادارہ شریک ہے، تبھی یہ کہنے کا جواز پیدا ہوگا کہ وہ قرض خواہ ٹرک کا مکمل مالک نہیں ہے، بلکہ اس کی ملکیت میں شریک ہے۔

۳- تیسری بات یہ غور طلب ہے کہ اگر قرض خواہ کو بھی شرکت کے طور پرٹرک کا مالک قرار دیا جائے تو اس میں استحالہ یہ لازم آئے گا کہ ایک ہی شخص ایک شئی کا مالک بھی ہوگا اور اسی کا اجیر اور کرایہ دار بھی، اور شرعاً یہ درست نہیں، کرایہ دار کا مطلب ہے کہ وہ شئی اس کی ملکیت میں نہیں ہے، حالانکہ اس کو مالک فرض کیا گیا ہے۔

۴- معاملے کی ایک شکل یہ بن سکتی تھی کہ جتنے حصے کا وہ مالک ہے، اس کے لئے اسے اجیر نہیں بلکہ اصیل قرار دیا جائے، البتہ ٹرک کے جتنے حصے کا ادارہ مالک ہے اس قدر کا وہ کرایہ دار ہے۔

مگر معاملے کی یہ مفروضہ شکل بھی فقہی اعتبار سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ پھر یہ عین مشترک کے کرایہ اور اجرت پر دینے کا مسئلہ بن جائے گا کیونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ ٹرک کے ایک حصے کا مالک قرض خواہ ہے اور ایک حصے کا ادارہ، تو ٹرک عین مشترک ہوگیا، اور کسی ایک شریک کو عین مشترک کے کرایہ پر دینے کے لئے فقہاء نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ اگر استحقاق اجرت کے لئے خود مال مشترک میں کوئی عمل کرنا پڑتا ہے تو اجارہ درست نہیں ہے، اور اگر مال مشترک میں کوئی عمل نہیں کرنا پڑتا ہے تو پھر درست ہے (دیکھئے: عالمگیری ۴۴۴/۵ کتاب الاجارہ)۔

ظاہر ہے کہ ٹرک جب کسی شریک کو کرایہ پر دے دیا جائے گا تو اس میں استحقاق اجرت

اس کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ انسان ٹرک کے ساتھ محنت نہ کرے، اور اس کو لے کر ادھر ادھر سفر نہ کرے، اس لئے صورت مفروضہ کا اجارہ بھی درست نہ ہوگا۔

غرض ان متعدد وجوہات کے پیش نظر، زیر بحث شکل کے جواز کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔

۱- ایک مجوزہ شکل:

میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسی کوئی شکل نہ فرض کی جائے جس کی ہر کروٹ پر کوئی نئی خرابی پیدا ہورہی ہو، آسان صورت یہ ہے کہ ادارہ ٹرک کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کے بجائے قرض خواہ کو خود ٹرک ہی حوالہ کردے، اور اپنے دیئے ہوئے ٹرک کی قسط وار قیمت، اور ماہانہ کرایہ سے جو کچھ منافع حاصل کرنا چاہتا ہو، وہ ٹرک کی قیمت ہی میں شامل کردے، اس طرح بڑی آسانی اور پاکیزگی کے ساتھ مال کے منافع ادارہ کو مل جائیں گے، نہ کوئی پیچیدہ شکل فرض کرنے کی زحمت گوارہ کرنی ہوگی، اور نہ شرعی استحالوں کا سامنا کرنا ہوگا۔

۲- مضاربت کی ایک جائز صورت پر مشتمل سرمایہ کاری:

اسی طرح ایک بہتر شکل یہ تجویز کی جاسکتی ہے کہ ادارہ ٹرک دینے کے بجائے اس کی قیمت کے بقدر نقد رقم فراہم کرے، اور اس میں اس کی وضاحت کردے کہ اس پوری رقم میں سے آدھی رقم بطور قرض کے دے رہا ہوں، اور آدھی مضاربت کے طور پر، اسی طرح مضاربت کے لئے یہ بھی واضح کردے کہ تم کو ٹرک خرید لینا چاہئے، البتہ وہ آدھی رقم جو بطور مضاربت کے دے رہا ہوں اس کے نفع میں میں بھی برابر کا شریک رہوں گا۔

اب جب وہ شخص ادارہ کے دیئے ہوئے سرمایہ سے ٹرک خرید کر سرمایہ کاری کرے گا اور منافع حاصل کرے گا، تو ٹرک سے حاصل شدہ کل منافع کو وہ چار حصوں میں تقسیم کرے گا، جن میں سے دو حصے اس کو بحیثیت اصیل کے ملیں گے اس لئے کہ آدھی رقم اس کی اپنی (جو بطور قرض اس نے لی تھی) اس گاڑی میں لگی ہوئی ہے، اور دو حصوں میں سے ایک حصہ اس کو پھر بطور

مضاربت کے ملے گا، اور ایک حصہ نفع ادارہ کو بحیثیت رب المال کے ملے گا۔

فرض کیجئے کہ اس ٹرک کی آدھی قیمت مضاربت کے طور پر دی تھی —— اس طرح جتنی مدت تک دونوں چاہیں گے سرمایہ کاری کرتے رہیں گے، پھر جب قرض اور مضاربت کی مقررہ مدت پوری ہونے کے بعد وہ شخص ادارہ کو اپنا قرض اور سرمایہ چکائے گا، تو ٹرک کی آدھی قیمت بطور قرض کے اور آدھی بطور راس المال کے مل جائیگی، اس طرح ادارہ کا دیا ہوا پورا سرمایہ بھی واپس مل جائے گا اور اس دوران مضاربت کے نفع کے طور پر جو ہر ہفتہ ایک ایک ہزار رقم ملتی رہے گی وہ اس کی سرمایہ کاری کا صلہ بھی ہو جائے گی۔ غور یہ کرنا ہے کہ کیا نفع اور کل سرمایہ کی واپسی کے لحاظ سے وہ صورت بہتر تھی جو سوالنامہ میں فرض کی گئی ہے، یا وہ مجوزہ صورت جو ابھی بیان کی گئی، وہ بھی اس وقت جب کہ پہلی صورت ناجائز ہے اور دوسری صورت فقہاء کی تصریح کے مطابق جائز ہے، (دیکھئے: فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ ۳/ ۱۶۳)۔

۱۲- میوچول فنڈ وغیرہ کے حصص خریدنا:

اسلامی مالیاتی ادارے کا میوچول فنڈ، اور یونٹ ٹرسٹ وغیرہ حکومت کے ان اداروں کے حصص خریدنا جن کا ۸۰ فیصد سرمایہ مشہور و مستحکم کمپنیوں کے ایکویٹی شیئر اور بیس فیصد سود بردار حصص خریدنے میں صرف ہوتا ہو وہ کراہت کے ساتھ درست ہے، بشرطیکہ یہ تحقیق کرلی جائے کہ میوچول فنڈ جن کمپنیوں سے ایکویٹی شیئر وغیرہ کی خرید فروخت کرتا ہے، وہ کمپنیاں کوئی سودی یا ناجائز کاروبار تو نہیں کررہی ہیں، اس مسئلے میں تین پہلو توجہ طلب ہیں:

۱- میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ جیسے سرکاری اداروں کے حصص خریدنا۔

۲- ان اداروں کے اکثر سرمایے کا جائز سرمایہ کاری میں مشغول ہونا۔

۳- یہ ادارے جن کمپنیوں سے رابطہ رکھتے ہیں ان کے کاروبار کا شرعی اور درست ہونا۔

ظاہر ہے کہ فی نفسہ سرکاری اداروں کے حصص خریدنا ناجائز نہیں ہے، اس میں قباحت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ وہ ادارے غیر شرعی یا سودی کاروبار کررہے ہوں، یا کم ازکم ان کا غالب سرمایہ سودی یا کسی غیر شرعی کاروبار میں مشغول ہو، اس وقت ان اداروں کے حصص خریدنا ناجائز ہوگا۔ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں ایسی ہی کمپنیوں کے حصص خریدنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

تجارتی کمپنی جس میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں، اور سودی معاملات بھی ہوتے ہیں اور جس کے حصے فروخت ہوتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہے، اور عملہ کاروبار ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتی کہ مسلمانوں سے بھی سود لیا جاتا ہے، تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار ادا کریں، اس لئے ایسی کمپنیوں میں شرکت ناجائز ہے (امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۳۰)۔

حضرت تھانویؒ کا یہ فتوی یہ فرض کر کے صادر ہوا ہے کہ کمپنیوں کی تجارت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ان کی تجارت کا رخ شرعی ہے یا غیر شرعی، سودی ہے یا غیر سودی، یا معلوم ہے کہ ان کی تجارت خالصتاً یا غالباً سودی اور غیر شرعی ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ ادارہ کا غالب سرمایہ ایکویٹی شیئر جیسے جائز طریق سرمایہ کاری میں مشغول ہے تو ایسے حصص خریدنے اور ایسے اداروں کے ساتھ تجارتی شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر کمپنیوں کے کاروبار کے بارے میں کوئی علم نہ ہو تو پھر میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ اداروں سے ایکویٹی شیئر خریدنا بھی درست نہ ہوگا۔

میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ ادارے چونکہ اپنا غالب سرمایہ ایکویٹی شیئر میں صرف کرتے ہیں، اس لئے ''للأکثر حکم الکل'' کے قاعدے کے مطابق ان کے حصص خریدنا جائز ہے، مگر چونکہ ۲۰ فیصد سرمایہ سودی کاروبار میں بھی مشغول ہے، اس لئے کراہیت سے خالی نہیں۔

۱۳- مختلف ذرائع سے ملنے والے سود کا مستقل سودی حساب:

ریزرو بینک، سرکاری تمسکات، اور قرض دہندگان کے ذریعے وصول ہونے والی سودی رقوم کا الگ سودی حساب رکھنے کا کیا مطلب ہے، (۱) مطلب یہ ہے کہ ان تمام مواقع سے ملنے والی سودی رقوم کا الگ فنڈ رکھا جائے، اور ان سے کوئی استفادہ کرنے کے بجائے رفاہ عام کے کام میں ان کو صرف کردیا جائے، (۲) یا اگر مطلب یہ ہے کہ ایک طرف بینک کو ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کی خرید کے ذریعہ سود ملتا ہے، دوسری طرف بینک کو اپنے قرض دہندگان یعنی قرض کھاتہ کھلوانے والوں کو قانون ملکی کے تحت مقررہ شرح سے سود دینا پڑتا ہے، تو ریزرو بینک اور سرکاری تمسکات کے سود کو بینک خود استعمال کرنے کے بجائے ان کھاتہ دار قرض دہندگان کو تقسیم کردیا جائے جنہوں نے بینک کو قرض مقررہ شرح سود سے دیا ہے، اس طرح سودی رقوم سودی مصارف ہی میں خرچ ہوجائیں گے، اور بینک کی سرمایہ کاری میں کوئی سودی عنصر بھی شامل نہ ہوگا، خصوصاً اس وقت جب کہ سود کے ملنے اور تقسیم کرنے کی شرحیں مساوی ہوجائیں۔

میرے نزدیک یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، لیکن ساتھ ہی مشورۃً عرض یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ یہ طریق کار اسی وقت تک اختیار کرے جب تک کہ وہ اپنی ابتدائی منزل میں ہے، سرمایہ کاری کے بہت سے ذرائع پیدا ہوجانے کے بعد ادارہ سودی نظام کا ادنیٰ تعاون کرنے سے بھی گریز کرے، مجبوراً اگر کہیں سے سودی رقوم اس کو لینے بھی پڑیں تو اس کو دوسروں میں بطور سود تقسیم کرنے کے بجائے رفاہ عام یا غریبوں کے فلاح وبہبود کے کاموں میں صرف کردے۔

۱۴- اجارہ کے نئے پہلو:

اجارہ ایک شرعی عمل ہے، مگر موجودہ طریقہ کار کے مطابق جو غیر شرعی شرائط اس میں لگا دی گئی ہیں اسلامی مالیاتی ادارہ کا ان سے حتی الامکان گریز کرنا ضروری ہے۔

مالی جرمانے کا مسئلہ:

اسلامی مالیاتی ادارے کا جس نے اجارہ کے معاملے میں سرمایہ کاری کی ہو اجارہ کا معاملہ کرنے والے شخص کی جانب سے قسط کی ادائیگی میں قصور کی صورت میں کچھ رقم بطور تاوان عائد کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام میں مالی جرمانہ عائد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ابتدائے اسلام میں اس کی گنجائش تھی مگر بعد میں یہ منسوخ کردیا گیا۔

”قال العلامة العینی وفیه جواز العقوبة بالمال بحسب الظاهر واستدل به قوم من القائلین بذلک من المالکیة وعزی ذلک أیضا إلی مالک وأجاب الجمهور بأنه کان ذلک فی أول الإسلام ثم نسخ“ (عمدۃ القاری ۵/ ۱۶۴)۔

”وفی شرح الآثار التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ والحاصل المذهب عدم التعزیر بأخذ المال“ (رد المحتار ۳/ ۲۴۶)۔

مالی جرمانہ جب غیر شرعی عمل ہے تو اس کے بارے میں اگر چہ فریقین باہمی رضامندی سے کوئی معاہدہ کرلیں مگر یہ معاہدہ بھی درست نہ ہوگا۔

اسلامی مالیاتی ادارہ چونکہ عوام خصوصاً مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لئے کام کرے گا، اس لئے اس کو ان چیزوں میں جن کا تعلق مزدوروں، غریبوں، کسانوں، اور کرایہ داروں سے ہو توسع سے کام لینا چاہئے، اسلامی مالیاتی ادارہ کا یہی امتیاز اسے تمام بینکوں پر نمایاں برتری بخش دے گا، انشاء اللہ، ورنہ وہ بھی ان تمام بینکوں کی طرح ہوجائے گا جن کا مقصد غریبوں کی فلاح سے بڑھ کر اپنی غلط سرمایہ داری کا تحفظ اور دولت کو سمیٹنے کی ناجائز اور جائز کی تمیز کے بغیر آخری درجے کی کوشش ہے، البتہ اپنی سرمایہ کاری اور تشخص کی بقا اور تحفظ کے لئے وہ کچھ ایسے دفاعی اصول وضع کرسکتا ہے جو شریعت کے حدود کے اندر رہوں، مالی جرمانہ وغیرہ چیزیں دفاعی سے گزر کر اقدامی اصولوں کے تحت آتی ہیں، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کو ان سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہئے۔

اجارہ میں تکمیل مدت کا معاہدہ:

اسلامی شرع کی روشنی میں مالیاتی ادارہ کی طرف سے اجارہ کے معاہدہ میں شرط لگائے جانے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ اجارہ فی نفسہ عقد لازم ہے، مقررہ مدت سے قبل بغیر عذر اس کو فسخ کرنے کی اجازت نہیں ہے، فقہاء لکھتے ہیں:

"الإجارة عقد لازم لاينفسخ بغير عذر" (الاشباہ والنظائر ص/۱۱۷)۔

عذر کی تشریح:

"استأجره لعمل سنة فمضىٰ نصفاً بلاعمل فله الفسخ" (الاشباہ) "ينبغي حمله على أن عدم العمل من الأجير إذ لو كان العمل بسبب من المستأجر مع أنه سلم نفسه لم يكن له الفسخ بلا عذر" (حاشیۃ الحموی علی الاشباہ ۱۳۹/۳)۔

ان عبارات سے ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجارہ عقد لازم ہے، اجارہ کی مقررہ مدت اجیر کو لازماً پوری کرنی ہوگی، تو دوسری طرف یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر اجیر کی جانب سے کوئی کوتاہی سرزد ہورہی ہے تو اس کی پاداش میں اجارہ کا معاہدہ منسوخ کیا جاسکتا ہے، مگر اجیر پر کوئی مالی جرمانہ عائد نہیں کیا جاسکتا۔

غرض اجارہ جب عقد لازم ہے، تو اس کے بارے میں باہمی رضامندی سے مقررہ مدت کی تکمیل کا معاہدہ اس کو مزید پختگی بخش دے گا — مگر اس کے باوجود یہ ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اگر خدانخواستہ ادارہ یا اجیر کو کوئی ایسی سخت مجبوری پیش آجائے جس کا ثبوت مل جائے اور جو اجارہ کا معاملہ توڑنے کا داعی ہو، تو اس صورت میں ہر دو فریق کو اپنا معاہدہ منسوخ کردینا ہوگا، اور ایک دوسرے کی مجبوریوں کا لازمی طور پر لحاظ رکھنا ہوگا۔

۱۵- تخمینی منافع کی حیثیت:

جب کسی شخص کے چھوٹے کاروبار میں اسلامی مالیاتی ادارہ نفع ونقصان میں شرکت کی

بنیاد پر سرمایہ لگاتا ہے، تو اس شخص سے اندیشہ ہوسکتا ہے کہ فراہم کردہ سرمایہ سے حاصل ہونے والے منافع کی صحیح مقدار شاید یہ نہ بتائے، بلکہ اصل منافع سے کم ظاہر کرے ــــــ مگر اس اندیشہ کی بنا پر اس کے لئے یہ متبادل اور محفوظ طریقہ تجویز کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ سرمایہ فراہم کرتے وقت ہی کاروبار کرنے والے شخص سے مجوزہ کاروبار کی تفصیلات معلوم کر کے باہمی گفتگو سے اس کاروبار میں کتنا منافع متوقع ہے، اس کا تخمینہ لگایا جائے، اب اگر بالآخر حاصل ہونے والے منافع ہی کو وہ شخص اس سے کم بتائے جتنے کا تخمینہ اس شخص سے مشورہ کے بعد لگایا گیا تھا تو اس تخمینی منافع ہی کو حقیقی منافع مان کر اس کے مطابق منافع کی باہمی تقسیم بموجب معاہدہ عمل میں لائی جائے۔

۱- اس لئے کہ یہ عقد مضاربت ہے، اور مضاربت اور شرکت میں مضارب و شریک کی دیانت وصداقت پر اعتماد کرنا ضروری ہوتا ہے، ایسے شخص کا انتخاب ہی کیوں کیا جائے جس کی دیانت پر ادارہ کو اعتماد نہ ہو۔ بلکہ ادارہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تحقیقی ذرائع کا استعمال کر کے مضاربت کے لئے قابل اعتماد آدمیوں کا انتخاب کرے، اور اس کو مضاربت پر سرمایہ فراہم کرے، اگر اس کے باوجود ادارہ کو مضارب کے بتائے ہوئے منافع کے بارے میں شک ہو تو اسلامی قانون میں اس شک کو دور کرنے کا کوئی علاج نہیں، بلکہ اسلام کے عدالتی قانون کی رو سے اگر منافع کی مقدار میں مضارب اور رب المال کے درمیان اختلاف ہوجائے تو اس صورت میں مضارب کی بات معتبر مانی جاتی ہے، اور اسلامی عدالت اس کے حق میں فیصلہ سناتی ہے رب المال کی بات قانون کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی، ایک تو اس لئے کہ اس نے دیانت دار اور اپنے معیار کے قابل اعتماد شخص کا انتخاب کیوں نہ کیا؟۔

۲- دوسرے اس لئے کہ منافع کی مقدار میں زیادتی اور عدم زیادتی میں اصل عدم ہے، اور مضارب اصل کا دعویدار ہے، جب کہ رب المال خلاف اصل کا، اس لئے مضارب کی بات معتبر ہوگی نہ کہ رب المال کی۔

تیسرے اس لئے کہ سرمایہ کاری مضارب نے کی ہے، سرمایہ اور اس سے حاصل شدہ منافع مضارب کے قبضے میں ہے، اور مال کے بارے میں اس شخص کا قول معتبر ہوتا ہے جس کے قبضے میں وہ مال موجود ہو، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ جب مال اس کے قبضے میں ہے تو وہ صحیح خبر ہی دے رہا ہوگا، اور رب المال جو منافع کی زیادتی کا دعوی کر رہا ہے وہ خلاف ظاہر ہے۔

ان تین وجوہ کے پیش نظر فقہاء نے منافع کے بارے میں مضارب کے قول کو معتبر قرار دیا ہے (دیکھئے الاشباہ ار ۲۱۳، ۲۱۴)۔

البتہ تخمین کے نظائر پر گہری نظر ڈالنے کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مضاربت اور شرکت وغیرہ دو فریقی معاملات میں اس دور کذب فریب، اور عہد بے اعتمادی وبد دیانتی میں اس حد تک گنجائش دی جاسکتی ہے کہ تخمینی منافع کو حقیقی منافع کا درجہ تو نہ دیا جائے لیکن مرجح معیار کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، یعنی مجوزہ کاروبار کی تمام متعلقہ تفصیلات معلوم کر کے ماہانہ، یا سہ ماہی کے حساب سے کوئی تخمینی منافع دونوں کے باہمی مشورے سے مقرر کرلیا جائے، اور آئندہ ہونے والے منافع کو اس معیار پر جانچا جائے، اب مضارب آئندہ جو منافع پیش کرے گا وہ اگر معیار مطلوب پر بالکل صحیح اتر رہا ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں، لیکن معیار سے کمتر یا برتر ہے، تو اگر معیار مطلوب سے معمولی اندازکی کمی بیشی ہے تو مضارب کی بات تسلیم کرلی جائے گی، اس لئے کہ تخمین میں تھوڑا بہت تفاوت ہوا قدرتی ہے، اسی طرح تجارتی ماحول اور طلب ورسد کے مسائل بھی منافع پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس لئے تخمینی منافع کا جو معیار باہمی مشورے سے طے کیا گیا ہے اس سے اگر تھوڑا بہت تفاوت ہے تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں، اور ادارہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مضارب کی تصدیق کرے۔

لیکن اگر تفاوت بہت زیادہ ہے جتنا عام طور پر نہیں ہوسکتا تو اس وقت ادارہ اس مارکیٹ کے بارے میں تحقیقات کریگا کہ کوئی ایسے ہنگامی حالات تو پیش نہیں آگئے تھے جن کی بنا پر منافع کی شرح اس حد تک کم ہوگئی، یا خود مضارب کسی حادثہ سے دوچار ہوگیا تھا، اگر ایسی کسی

صورت حال کا قطعی ثبوت مل جائے تو بھی ادارہ کو اعتراض کا حق نہ ہوگا، لیکن اگر ایسی کسی صورت حال کا علم نہ ہو سکے تو ادارہ کو حق ملنا چاہئے کہ وہ مضارب سے منافع کی اس شرح کا مطالبہ کرے جو باہمی مشورے سے مقرر کیا گیا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شرعی اعتبار سے تخمینی منافع کو حقیقی منافع کا درجہ تو نہیں دیا جا سکتا مگر اس دور بے اعتمادی میں مالیاتی ادارہ کے مفاد کے پیش نظر تخمین کو ایک ایسا معیار قرار دیا جا سکتا ہے، جو اس تفصیل کے ساتھ مفید ہوگا جو تفصیل ابھی اوپر ذکر کی گئی۔

☆☆☆

بینکنگ سے متعلق سوالات کے جوابات

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

۱-حرام مال سے حاصل ہونے والا نفع بھی حرام ہے:

مال حرام یا ذریعہ حرام سے حاصل شدہ منافع بھی حرام ہوں گے،جن کا تصدق بلانیت ثواب واجب ہے، لہذا مذکورہ صورت میں جب کہ کاروباری اکائی میں پہلے ہی سے سودی رقم یا دیگر حرام رقم لگی ہوئی ہے تو اس میں کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ سرمایہ نہیں لگا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ حاصل شدہ کل منافع حرام ہوں گے، جن کا لینا اور استعمال میں لانا جائز نہیں ہوگا۔نیز چونکہ سرمایہ لگانے کی صورت میں سودی کاروبار میں تعاون بھی ہے، اس لئے آیت کریمہ: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' کے خلاف ہوگا جو شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔

۲-سودی قرض پر رقم حاصل کرنے والے ادارہ میں سرمایہ لگانا:

سود پر قرض لینا گرچہ عام حالات میں ناجائز ہے، کیونکہ سود لینا بھی حرام اور دینا بھی حرام ہے،لیکن قرض کی رقم فی نفسہ جائز اور حلال ہے، اس رقم کے ساتھ حرمت کی آمیزش نہیں ہے۔قرض کی رقم سے جو منافع حاصل ہوں گے وہ بھی جائز اور حلال ہوں گے، منافع کی رقم لینا اور اپنے استعمال میں لانا شرعاً جائز ہوگا۔

☆ صدر مفتی دارالافتاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جس کاروباری اکائی میں پہلے سے سودی قرض پر حاصل کی ہوئی رقم لگی ہو، اس میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے، اور حاصل شدہ منافع ہر جائز مصرف میں استعمال کر سکتا ہے، بشرطیکہ کاروباری اکائی جو معاملہ کرے وہ فی نفسہ جائز ہو۔

۳-ریزروبینک میں جمع شدہ رقم یا تمسکات خریدنے کی صورت میں ملنے والی سودی رقم کے مصارف:

(الف، ب، ج) صورت مسئولہ میں اضافی رقم شرعاً سود ہے، خواہ ریزروبینک سے ملے یا تمسکات خریدنے کی صورت میں، اس لئے کہ سود ہر وہ زیادتی ہے جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے مشروط طریقہ پر حاصل ہو، اور ظاہر ہے کہ مذکورہ رقم بلا کسی مالی معاوضہ کے حاصل ہو رہی ہے۔

"لأن الربا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه" (ہدایہ باب الربا ۳؍۷۷)۔

چونکہ سودی رقم مال خبیث ہے، اور مال خبیث کو اپنے کسی ذاتی مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے، اس لئے مذکورہ رقم کو اپنے کسی بھی ذاتی مصرف میں صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر ادارہ تجارتی ہے، نفع مالکان کے درمیان تقسیم ہو جاتا ہے، تو یہ رقم نہ مالکان کے درمیان تقسیم کر سکتے ہیں اور نہ ہی ادارہ کے مصارف جاریہ میں صرف کر سکتے ہیں، بلکہ اس کو نکال کر بلانیت ثواب صدقہ کرنا ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار، کتاب الزکوۃ ۲؍۲۵)۔

اگر ادارہ رفاہی ہے، نفع والی آمدنی مالکان کے درمیان تقسیم کرنے کے بجائے رفاہ عام کے کاموں میں صرف کی جاتی ہے تو چونکہ مال حرام (جس کا تصدق واجب ہے) کو رفاہ عام کے کاموں میں بھی صرف کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، اس لئے مذکورہ رقم رفاہ عام کے کاموں میں صرف کی جاسکتی ہے، اور رفاہی ادارہ کے مصارف جاریہ میں لگائی جاسکتی ہے، بشرطیکہ کسی محنت

کے عوض مثلاً تنخواہ میں نہ دی جائے۔ مذکورہ رقم محفوظ کھاتہ میں رکھ کر جمع نہیں کر سکتے ہیں بلکہ جتنی جلدی ممکن ہو مصارف پر صرف کر کے بری الذمہ ہوجانا ضروری ہے (دیکھئے: الفتاوی الہندیہ ۱/ ۱۹۱)۔

(د) یہ مسئلہ کتب فقہ میں صراحۃً موجود ہے کہ مودَع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے) اگر مودِع (امانت رکھنے والے) سے امانت کی حفاظت پر اجرت کی شرط لگادے تو یہ شرعاً جائز ہوگا، اور امانت رکھنے والے پر اجرت کی ادائیگی لازم ہوگی۔

"المودع إذا شرط الأجرة للمودع على حفظ الوديعة صح ولزم عليه كذا في جواهر الاخلاطي" (الفتاوی الہندیہ ۴/ ۳۴۲)۔

مذکورہ صورت جس میں کھاتہ دار مالیاتی ادارہ کے پاس رقم رکھتے ہیں وہ امانت کی ہے۔لہذا مالیاتی اداروں کے لئے کھاتہ داروں سے امانت کی حفاظت پر "سروس چارج" کے نام پر رقم لینا شرعاً جائز و درست ہے۔ اگر سروس چارج میں مقرر کردہ شرح کے اندر اعتدال اور دیانت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قدرے اضافہ کردیا جائے، جس پر دونوں فریق راضی ہوں تو یہ اضافہ شرعاً جائز و درست ہوگا، اس کو ہر جائز مصرف میں استعمال کر سکتے ہیں، حتی کہ اس رقم سے سرمایہ محفوظ قائم کیا جاسکتا ہے۔شرعاً اس کی اجازت ہے۔

۴-مضاربت کی تعریف اور اس کے شرائط:

مذکورہ صورت درحقیقت مضاربت کی ہے، اس لئے کہ مضاربت ایک ایسا عقد شرکت ہے جس میں ایک طرف سے مال ہوتا ہے اور دوسری طرف سے محنت، اور نفع ونقصان میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔

"المضاربة شرعاً فهي عبارة عن عقد على الشركة في الربح بمال من أحد الجانبين والعمل من جانب الآخر" (الفتاوی الہندیہ ۴/ ۲۸۵)۔

خسارہ میں دونوں کی شرکت:

مضاربت کی بحث کے ذیل میں ایک بحث یہ آتی ہے کہ نفع میں تو دونوں فریق شریک ہوں گے، لیکن کیا نقصان میں بھی دونوں فریق شریک ہوں گے، یا کل نقصان کی ذمہ داری کسی ایک فریق پر ہوگی؟

امام ابوحنیفہؒ فرماتے کہ نفع کی طرح نقصان میں بھی ''رب المال'' اور ''مضارب'' دونوں برابر کے شریک ہوں گے، اور صاحبین کے نزدیک مضارب نقصان میں شریک نہیں ہوگا بلکہ کل نقصان رب المال کو برداشت کرنا پڑے گا، اگر بوقت عقد یہ شرط لگادی گئی کہ کل خسارہ مضارب برداشت کرے یا کم ازکم خسارہ میں شریک ہو تو صاحبین کے نزدیک یہ معاملہ فاسد ہوگا (الفتاوی الہندیہ ۴؍۲۹۱)۔

موجودہ دور میں مضاربت یا شرکت پر معاملہ کرنے کے لئے کسی باوثوق اور قابل اعتماد شخص کی تلاش مشکل ہوجاتی ہے، اگر کل خسارہ کا ذمہ دار صرف رب المال (مالک) کو ٹھہرایا جائے تو پھر مضاربت کے اصول پر تجارت مشکل ہوجائے گی، نیز جب امام صاحب اور صاحبین کے قول میں اختلاف ہوجائے تو اصول ترجیح کی روشنی میں امام صاحب کا قول راجح اور مفتی بہ ہوتا ہے، لہٰذا امام صاحب کا قول راجح اور اس پر عمل اقرب الی الفقہ ہوگا۔

(الف) کھاتہ دار سے ایسا اقرارنامہ لینا جس سے وہ خسارہ میں شریک ہو:

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں مذکورہ صورت میں اگر کھاتہ داروں سے ایسا اقرارنامہ لے لیا جائے جس کے پیش نظر مضارب بھی خسارہ میں شریک ہو تو یہ شرعاً جائز اور درست ہوگا، بشرطیکہ مضاربت کی دیگر شرطیں بھی پائی جائیں۔

(ب) صرف مضارب پر خسارہ کی شرط:

چونکہ مضاربت میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق نفع کی طرح نقصان میں بھی

مالک اور مضاربت کرنے والے دونوں شریک ہوتے ہیں اور صاحبین کے قول کے مطابق نقصان صرف مالک برداشت کرتا ہے، کسی بھی قول کے مطابق یہ شرط صحیح نہیں ہے کہ کل خسارہ کو صرف مضارب برداشت کرے۔ اس لئے بوقت عقد یہ شرط لگانا کہ نقصان کی تلافی صرف ادارہ کے مؤسسین اور ہمدردان کریں اور کل خسارہ کو وہی برداشت کریں، صحیح نہیں ہے۔ اس شرط سے معاملہ فاسد ہوجائے گا۔

(ج) نفع کے ایک جز کو نقصان کی تلافی کے لئے محفوظ کرنا:

اگر دونوں فریق باہمی رضامندی سے یہ معاہدہ کرلیں کہ دونوں کے درمیان تقسیم ہونے والے منافع کے ایک جز کو ادارہ محفوظ کرے تاکہ آئندہ اگر نقصان ہوتو اس محفوظ رقم سے اس کی تلافی کرسکیں تو یہ صورت شرعاً درست ہوگی۔ بلکہ آئندہ کے خطرات سے بچنے کے لئے بہترین صورت ہوگی۔

۵-قانون ملک کے تحت منافع کی تقسیم:

(الف) یہ سوال وضاحت طلب ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی مالیاتی ادارہ اپنے کھاتہ داروں کے درمیان ایک مقررہ شرح کی حد تک فی صد کے اعتبار سے منافع کی جو تقسیم کرے گا اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- کھاتہ داروں نے جو رقم جمع کی ہے اس کے فیصد کے اعتبار سے منافع کی تقسیم ہو، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے کسی مالیاتی ادارہ میں جمع کیا۔ ادارہ نے اس سے یہ معاملہ طے کرلیا کہ ایک ہزار روپے کا دس فیصد یعنی ایک سو روپے نفع ملے گا۔ خواہ نفع اس سے زائد کیوں نہ ہو۔ گویا یہ بات طے پائی کہ منافع ہزار روپے کیوں نہ ہوں لیکن اصل رقم کا دس فیصد یعنی ایک سو روپے ہی ادا کیا جائے گا۔

۲- منافع کی تقسیم منافع کی فیصد کے اعتبار سے ہو، مثلاً جس قدر بھی نفع ہو اس کا دس فیصد

کھاتہ داروں کو ملے گا۔ اگر ایک سو روپے نفع ہوا تو دس روپے، ایک ہزار نفع ہوا تو ایک سو روپے، اور دس ہزار روپے نفع ہوا تو ایک ہزار روپے ملیں گے۔

سوال سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی ہی صورت مراد ہے، اور اسی کے مطابق عمل ہوتا ہے۔

منافع کی تقسیم اصل سرمایہ شرح سے:

اگر پہلی صورت مراد ہے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں معاملہ فاسد ہوگا۔ اس لئے کہ سوال نمبر ۴ کے جواب کے تحت گذر چکا ہے کہ یہ معاملہ مضاربت کا ہے۔ اور مضاربت کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نفع مالک اور مضارب کے درمیان مشترک ہو۔ مثلاً نصف یا ثلث یا ربع کا معاملہ ہو، جو بھی نفع ہو اس کا نصف یا ثلث یا ربع مالک کا ہوگا، اور بقیہ مضارب کا، یا اس کے برعکس —— ایسی صورت میں نفع کے کل حصہ میں شرکت باقی نہیں رہی لہٰذا یہ معاملہ فاسد ہوگا۔ علامہ ابن نجیم اپنی کتاب "البحر الرائق" میں تحریر فرماتے ہیں:

"والرابع أن يكون الربح بينهما شائعا كالنصف والثلث لا سهماً معيناً يقطع الشركة كمائة درهم أو مع النصف عشرة" (البحر الرائق ۷/ ۲۸۷ کتاب المضاربہ)۔

منافع کی تقسیم منافع کی شرح سے:

اور اگر دوسری صورت مراد ہے یعنی منافع کی تقسیم خود منافع کی فیصد کے اعتبار سے ہو اور پیسے جمع کرتے وقت ہی فیصد مقرر کر دیا جائے کہ دس فیصد یا پندرہ فیصد نفع دیا جائے گا تو یہ شرعاً جائز ہے —— گرچہ ملکی قانون کے تحت پندرہ فی صد سے زائد نفع مقرر نہ کر سکتے ہوں، اس لئے کہ جب فیصد مقرر کر دیا گیا ہے تو نفع بھی معلوم و متعین ہوگیا۔ اور نفع ان دونوں کے درمیان مشترک بھی رہا۔ البتہ سرکار کی جانب سے یہ حد بندی ایک طرح کا ظلم ہے، جو بھی مناسب

صورت ہو اس کو اختیار کر کے اس حد بندی کو ختم کیا جائے ــــ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تحریری معاہدہ تو ملکی قانون کے تحت پندرہ فیصد کے اندر رہو۔لیکن زبانی معاہدہ اس سے زائد کا کرلیا جائے ، اور زبانی معاہدہ کے مطابق ہی منافع کی تقسیم ہو۔

واضح رہے کہ دوسری صورت میں بھی منافع کی تقسیم کے سلسلہ میں بوقت عقد فی صد کی تعیین ضروری ہے، فیصد متعین نہ کرنا بلکہ اس طرح معاملہ کرنا کہ منافع تناسب سے ایک فیصد سے پندرہ فیصد تک نفع دیا جاسکتا ہے صحیح نہیں ہے۔

(ب) اس کا جواب بھی سوال نمبر ۵ کے " الف " کی تفصیل کے مطابق ہے۔

(ج) مذکورہ صورت جائز و درست ہے بشرطیکہ منافع کی تقسیم منافع کی شرح سے ہو، نہ کہ سرمایہ کی شرح سے ،یعنی منافع کی فیصد مقرر ہو نہ کہ سرمایہ کی فیصد طے کی جائے۔

۶-نفع کے ساتھ ادھار فروخت کرنا:

۱-یہ صورت بیع مرابحہ بتاجیل الثمن کی ہے،یعنی نفع کے ساتھ ادھار بیع ۔اس صورت کے جواز کی صراحت فقہ وفتاویٰ کی تقریباً تمام کتابوں میں موجود ہے۔ہدایہ میں ہے:

"لأن للأجل شبها بالبيع ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الآجل والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة فصار كأنه اشترى شيئين و باع أحدهما مرابحة بثمنهما" (ہدایہ ۳/ ۵۸)۔

لہٰذا مالیاتی ادارہ کا الف سے اس طرح معاملہ کرنا کہ وہ الف کی پسندیدہ چیز اپنے سرمایہ سے خرید کر الف کے ہاتھ نفع کے ساتھ ادھار فروخت کرے گا،شرعاً جائز و درست ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین کرلی جائے تاکہ آئندہ اختلاف نہ ہو۔

بلٹی کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ:

۲- مذکورہ صورت بیع کی نہیں ہے بلکہ توکیل بقبض الثمن کی ہے۔ اس لئے کہ

''الف'' نے خرید وفروخت کا اصل معاملہ ''ب'' سے کیا ہے نہ کہ اسلامی مالیاتی ادارہ سے۔ ''الف'' نے اسلامی مالیاتی ادارہ کو اپنا وکیل بنایا ہے کہ وہ بلٹی ''ب'' کے حوالہ کرکے اس سے ثمن حاصل کرلے۔ اسلامی مالیاتی ادارہ اپنی اس محنت پر دس فیصد کمیشن یا اپنی اجرت متعین کرکے ''الف'' سے لیتا ہے، جس کو ''الف'' بخوشی منظور کرلیتا ہے—— اور کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے کہ عقد وکالت میں وکیل کے لئے کمیشن یا اجرت لینا شرعاً جائز ہے (دیکھئے فتح القدیر ۸/۳ کتاب الوکالۃ)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی اس طرح بلٹی کی خرید وفروخت کے معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، میں اس موقعہ سے سوال وجواب درج کردینا مناسب سمجھتا ہوں:

سوال:—— زید نے دوسو روپے کا مال باہر روانہ کیا۔ اس کی بلٹی بینک کو سو روپے لیکر دے دی۔ باقی سو روپے بلٹی کے چھوٹنے پر لے گا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ سو روپے میں بارہ آنہ کمیشن کے نام پر بینک والا کاٹ لیتا ہے۔ بارہ آنہ کم سو روپے دیتا ہے، اور رسید سو روپے کی لیتا ہے۔ ایسا کرنا زید کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ سود میں داخل تو نہیں؟

جواب:—— ہاں یہ بارہ آنہ اگر بینک بلٹی مکتوب الیہ کے پاس بھیجنے اور روپے منگانے کی اجرت کے طور پر لیتا ہو تو یہ سود نہیں ہے، ورنہ سود ہے (کفایت المفتی ۸/۱۰۳)۔

اور اگر اس صورت کو بیع تسلیم کرلیں تو بھی اس کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ موجودہ دور میں بلٹی نے وثیقہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے، اور یہ ایک طرح سے مال کے درجہ میں ہے، جو بھی اس بلٹی کو خرید لے وہ اس میں درج شدہ مال کا مستحق ہو جائے گا۔ بلٹی خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں درج شدہ مال خرید ا گیا۔ لہٰذا اس کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ کیوں کہ جنس مختلف ہے اور جب ثمن اور مبیع دونوں کی جنس مختلف ہو تو کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت شرعاً جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ صورت شرعاً جائز ودرست ہے۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کے

لئے اس طرح معاملہ کرنا از روئے شرع صحیح و درست ہے۔

وکیل بالبیع کی ایک ناجائز شکل:

۳- مذکورہ صورت میں مال کی خریداری کا خواہشمند شخص بیک وقت بائع (فروخت کرنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) دونوں بن رہا ہے۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کے وکیل ہونے کی حیثیت سے بائع ہے اور اپنی حیثیت سے مشتری۔ اور بیع میں ایک ہی شخص بائع اور مشتری دونوں نہیں ہوسکتا ہے—اس طرح کا معاملہ بیع کے اندر جائز نہیں ہے۔

"الوكيل بالبيع لا يملك شراءه لنفسه لأن الواحد لا يكون مشتريا و بائعاً كذا في الوجيز للكردري، ولو أمره أن يبيع من نفسه أو يشتري لم يجز أيضاً" (الفتاوی الہندیۃ الباب الثالث فی الوکالۃ بالبیع ۳/ ۵۸۹)۔

یعنی وکیل بالبیع اپنے لئے خریدنے کا مالک نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ ایک ہی شخص مشتری اور بائع دونوں نہیں ہوتا ہے، لہذا مذکورہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے—مال کی خریداری کا خواہش مند شخص اپنا مطلوبہ سامان اسلامی مالیاتی ادارہ کے سرمایہ سے اپنے لئے نہیں خرید سکتا ہے۔ البتہ وہ سامان اسلامی مالیاتی ادارہ کے حوالہ کر کے پھر خرید و فروخت کا معاملہ کرے تو یہ شرعاً جائز و درست ہوگا۔

۷- کمپنی کے ایکویٹی شیئر کی خرید و فروخت:

اگر کمپنی میں لگا ہوا سرمایہ ہی سودی سرمایہ ہے تو اس کے ایکویٹی شیئر (ایسے حصص جن کے نفع و نقصان دونوں میں فریق شریک ہوتے ہیں) کا خریدنا شرعاً حرام ہے۔ اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر کمپنی میں لگا ہوا سرمایہ سودی نہیں ہے بلکہ سودی قرض پر لیا گیا سرمایہ ہے تو چونکہ خود اس سرمایہ میں کسی طرح کا خبث یا وجہ حرمت نہیں ہے اس لئے ایسی صورت میں کمپنی کے ایکویٹی شیئر کا خریدنا شرعاً جائز ہوگا۔

۸-ڈبینچر (سود بردار حصص) کی خرید وفروخت:

ڈبینچر میں ابتداءً سودی معاملہ ہوتا ہے، اور ایک مختصر مدت گذرنے کے بعد وہ ایکویٹی شیئر (جس کے جواز کا حکم اوپر مذکور ہو چکا) میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ چونکہ اس کا ابتدائی معاملہ سود پر مبنی ہے اس لئے عام حالات میں جب کہ اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے دوسرے جائز ذریعہ آمدنی اختیار کرنے کا موقع فراہم ہو تو ڈبینچر (سود بردار حصص) کا خریدنا اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے شرعاً جائز نہیں ہوگا، البتہ اگر اسلامی مالیاتی ادارہ کو سرمایہ کاری کے دوسرے جائز ذرائع حاصل نہیں تو بدرجہ مجبوری ڈبینچر کو خرید سکتا ہے، لیکن ''ایکویٹی شیئر'' میں تبدیل ہونے سے پہلے جو اضافی رقم ملے گی اس کو ادارہ اپنے مصارف میں صرف نہیں کرسکتا ہے، بلکہ بلانیت ثواب صدقہ کرنا ہوگا۔

۹، ۱۰-قرض یا ٹھیکیداری کی ضمانت پر اجرت لینا:

دونوں صورتوں میں اسلامی مالیاتی ادارے قرض یا ٹھیکیداری کی ضمانت پر صنعت کاروں، تاجروں یا ٹھیکیداروں سے جو کمیشن لیتے ہیں وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ دونوں صورتیں عقد کفالت کی ہیں۔ اور عقد کفالت تبرع و احسان پر مبنی ہے، اس میں اجرت لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ وباب الکفالة أوسع لکونها من التبرعات (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۴/۱۵۰) چونکہ عقد کفالت تبرعات میں سے ہے اس لئے کفیل وہی شخص بن سکتا ہے جو تبرع کی اہلیت رکھتا ہو، مجنون، نابالغ، بچہ اور غلام تبرع کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے کفیل نہیں بن سکتے ہیں، صاحب بدائع علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"فلا تنعقد کفالة الصبي والمجنون لأنها عقد تبرع فلا تنعقد ممن ليس من أهل التبرع" (بدائع الصنائع ۷/۳۴۱۱)۔

البتہ اگر اسلامی مالیاتی ادارے قرض یا ٹھیکیداری کی ضمانت لیتے وقت کچھ سعی بھی

کرتے ہوں۔ مثلاً قرض دلانے اور ضمانت لینے کے لئے بینک تک جانا اور بینک سے اپنی ضمانت پر قرض دلوانا وغیرہ تو ایسی صورت میں اپنی اس محنت کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے۔لیکن یہ اجرت، اجرت مثل سے زائد نہیں ہوئی چاہئے—— مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنی کتاب کفایت المفتی میں اس طرح محض ضمانت لینے پر اجرت کو نا جائز اور محنت وعمل کے پائے جانے پر اس عمل کی اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے (دیکھئے: کفایت المفتی ۱۵۸/۸)۔

۱۱-بیع اور اجارہ کی مرکب صورت:

مذکورہ صورت نہ تو قرض کی ہے، نہ خالص ادھار بیع کی اور نہ ہی خالص اجارہ کی۔

۱- قرض اس لئے نہیں ہے کہ

(الف) قرض نام ہے لفظ قرض وغیرہ کے ذریعہ کسی دوسرے کو مثلی چیز دینے کا تا کہ وہ شخص اسی کے مثل واپس کر سکے۔

(ب) مفتی بہ قول کے مطابق قرض لینے والا محض قبضہ ہی سے اس شئی کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس پر عین شئی کی واپسی ضروری نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے مثل کی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے (دیکھئے: الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۱۷۱/۴، فصل فی القرض)۔

اور ظاہر ہے کہ مذکورہ صورت میں نہ تو لفظ قرض وغیرہ کے ذریعہ قرض کی نیت سے شئی دی جاتی ہے اور نہ ہی شئی کا استعمال کرنے والا شخص قبضہ سے اس شئی کا مالک ہوتا ہے—— نیز اگر قرض تسلیم کر لیا جائے تو پھر کرایہ دینے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ تو "کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا" کے تحت حرام ہوگا۔

۲- یہ خالص ادھار بیع کی بھی صورت نہیں بن سکتی ہے، اس لئے کہ:

ادھار بیع میں مبیع اول وقت ہی سے خریدار کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ اور مذکورہ صورت میں ظاہر ہے کہ مبیع اول وقت میں خریدار کی ملکیت میں نہیں جاتی ہے بلکہ قسط ادا کرنے کے بعد اس کے بقدر خریدار کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

۳- یہ صورت خالص اجارہ کی بھی نہیں ہے، اس لئے کہ:

اجارہ میں مستأجر کو نفع کا مالک بنایا جاتا ہے نہ کہ عین کا۔ اسی وجہ سے اجارہ میں ملکیت ہمیشہ مالک ہی کی رہتی ہے۔ مستأجر صرف منافع کا حقدار ہوتا ہے جس کے عوض وہ کرایہ کی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے —— مذکورہ صورت میں ظاہر ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ سے ٹرک لینے والا شخص منافع کے ساتھ ساتھ عین کا بھی مالک ہوتا جاتا ہے۔ جوں جوں قسط ادا کرتا جاتا ہے اس کے بقدر ٹرک میں اس کی ملکیت بھی ثابت ہوتی چلی جاتی ہے۔

۴- مذکورہ صورت جب کہ نہ تو قرض کی ہے نہ خالص ادھار بیع کی اور نہ ہی خالص اجارہ کی —— تو ایک چوتھی صورت اجارہ اور ادھار بیع کے مرکب کی نکلتی ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت اجارہ اور ادھار بیع کے مرکب کی ہے۔ گویا کہ ایک ہی معاملہ میں دو معاملے ہو رہے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے:

"نهى النبي ﷺ عن صفقتين في صفقة" (مسند احمد ۱/ ۳۹۸)۔

اس پر فقہاء نے بہت سی جزئیات متفرع کی ہیں اور ان کو مذکورہ حدیث کی روشنی میں ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع (فروخت کرنے والا) ایک ماہ تک اس سے خدمت لے گا۔ یا کوئی مکان فروخت کیا اس شرط پر کہ بائع اس میں ایک ماہ رہے گا۔ یا اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کو درہم قرض دے گا یا کوئی چیز اس کو ہدیہ میں دے گا، تو یہ بیع فاسد ہے۔ اس طرح خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے ان جزئیات کو نقل کرنے کے بعد عدم جواز کی علت ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ اگر خدمت اور سکنی کے عوض میں ثمن ہو تو یہ اجارہ ہے ورنہ اعارہ ہے۔ اور ایک ہی عقد میں اجارہ اور بیع یا اعارہ اور بیع صحیح نہیں ہے (ملاحظہ ہو: ہدایہ ۳/ ۴۳ باب البیوع الفاسد)۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ معاملہ نہ تو قرض کا ہے، نہ خالص ادھار بیع کا اور نہ ہی خالص اجارہ

کا، بلکہ یہ بیع اور اجارہ کا مرکب ہے جس کی کوئی نظیر فقہ اسلامی میں نہیں ملتی ہے۔ اس طرح کا معاملہ شرعاً ناجائز اور از روئے حدیث ممنوع ہے۔ اس سے حاصل ہونے والے منافع بھی حرام ہوں گے اور ان کا حکم بھی مال حرام کا ہوگا، اور ان کے مصارف بھی مال حرام کے ہوں گے۔یعنی بلانیت ثواب فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا ہوگا، رفاہ عام کے کاموں پر بھی صرف کرنے کی شرعاً گنجائش ہے —— تمسکات کے خریدنے کے لئے اس رقم سے سرمایہ محفوظ نہیں کر سکتے ہیں۔

مسئلہ کی مزید دو صورتیں:

البتہ مسئلہ کی مزید دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورتمند بینک سے بطور قرض کسی سامان کا مطالبہ کرے تو بینک اسے سامان نہ دے کر پیسے دیدے کہ تم اپنا مطلوبہ سامان خود ہی خرید لو —— ایسی صورت میں چونکہ یہ واقعۃً قرض ہے اس لئے اضافی رقم شرعاً حرام ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بینک از خود مطلوبہ سامان خرید کر ضرورت مند کو دے۔ ایسی صورت میں اگر بینک سامان ضرورت مند کو دیتے وقت معاملہ اس طرح کرے کہ اصل قیمت خرید کے ساتھ منافع بھی جوڑ کر اس کے ہاتھ فروخت کر دے۔ اور ایک مقررہ مدت تک قسط وار قیمت کی ادائیگی کا پابند بنادے تو یہ جائز ہوگا۔کیونکہ یہ معاملہ ''بیع مرابحہ'' کا ہوگا جو شرعاً جائز ہے۔ کتب فقہ میں بیع مرابحہ کا ایک مستقل باب ہے جس میں نفع کے ساتھ ادھار بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

۱۲- میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ کے حصص کی خرید فروخت:

اس سوال کے جواب سے قبل دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے:

(الف) اگر مال حلال و حرام دونوں مخلوط ہوں اور ان دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہو تو اس مخلوط مال یا اس سے ہونے والے منافع کی خرید فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(ب) کیا خریدار پر سامان خریدنے سے پہلے یہ تحقیق ضروری ہے کہ سامان حلال ہے

یا حرام۔ اگر حلال وحرام کی تحقیق نہ ہوسکے تو پھر کیا سامان کی خریداری جائز نہیں ہے؟

مخلوط مال حلال وحرام کی خرید وفروخت:

مخلوط مال حلال وحرام کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فتاویٰ ہندیہ میں بہت ہی اچھی بحث موجود ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ یقین کے ساتھ معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ مال حرام ہے۔ ظلماً کسی سے لے کر بازار میں فروخت کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں اس مال کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے، گرچہ لوگوں کے درمیان اس کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہو۔

۲۔ یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ مال حرام موجود ہے۔ لیکن مال حرام اور مال حلال دونوں اس طرح مخلوط ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے ضابطہ اور اصل کے مطابق حلال وحرام کے باہم مخلوط ہوجانے کی وجہ سے وہ مال اس شخص کی ملکیت میں داخل ہوجائے گا۔ البتہ دوسروں کے لئے اس مال کا خریدنا بہتر اور مناسب نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس مال کو خرید لے تو کراہت کے ساتھ خریدنا جائز ہے اور وہ مال خریدار کی ملکیت میں داخل ہوجائے گا۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ یقین کے ساتھ معلوم ہوجائے کہ مال مغصوب یا دیگر مال حرام بعینہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کو فروخت کر دیا گیا ہے تو ایسی صورت میں خرید وفروخت شرعاً جائز و درست ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ان تینوں صورتوں کو بیان کرنے کے بعد آگے لکھا ہے کہ:

”هذا كله من حيث الفتوىٰ أما إذا كان أمكنه أن لا يشتري منهم شيئاً كان أولى أن لا يشتري“ (الفتاویٰ الہندیہ ۳ر ۳۶۴ کتاب الکراہیۃ فی البیع)۔

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مال حرام بعینہ قائم ہو اور وہ مال حلال کے ساتھ مخلوط

نہ ہوتو اس کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر مال حرام مال حلال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو کہ ان دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہوتو امام ابوحنیفہؒ کے اصل وضابطہ کے مطابق کراہت کے ساتھ اس کی خریداری جائز ہے ——— چونکہ ہمارے اس زمانہ میں خصوصاً بلاد عجم میں مال حلال کی تلاش مشکل ہے۔ کوئی ایسا مال نہیں ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ کم ایسے مال ہیں جو حرام سے پاک ہوں۔ اسی وجہ سے فتاوی ہندیہ میں بعض مشائخ کا قول منقول ہے کہ اگر خالص حرام مال ہوتو اس کی خرید وفروخت سے اجتناب کیا جائے (دیکھئے: الفتاوی الہندیہ ۵/ ۳۶۴)۔

فتاوی ہندیہ میں قنیہ کے حوالہ سے یہ منقول ہے کہ اگر غالب گمان یہ ہو کہ زیادہ تر مال حرام ہے تو اس کے خریدنے سے پرہیز کیا جائے، لیکن اگر خرید لیا گیا تو اس کا استعمال خریدار کے لئے جائز ہوگا بشرطیکہ آخری خریدار کا عقد صحیح ہو (دیکھئے: الفتاوی الہندیہ ۵/ ۳۶۴)، ——— اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اگر حلال کا غلبہ ہوتو پھر اس کے خریدنے کی گنجائش ہے۔ اور عند الاحناف مفہوم مخالف کا جو اعتبار نہیں ہے وہ خطابات شارع کے اندر ہے، فقہاء کے کلام میں مفہوم مخالف کا اعتبار ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مال حلال وحرام اگر دونوں باہم اس طرح مخلوط ہوں کہ ان کے درمیان تمیز مشکل ہوتو کراہت کے ساتھ اس کا خریدنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا شرعاً جائز ہے، خصوصاً جب کہ مال حلال مال حرام پر غالب ہو۔

خریداری سے قبل سامان کی تحقیق:

دوسری بحث یہ ہے کہ کیا خریدار پر یہ لازم ہے کہ سامان خریدنے سے قبل اس کے حلال وحرام ہونے کی تحقیق کرے۔ تحقیق سے قبل اس کی خریداری جائز نہیں ہے؟ ——— اس سلسلہ میں میرے خیال سے خریدار پر سامان کے حلال وحرام ہونے کی تحقیق لازم نہیں ہے۔ اگر اس تحقیق کو لازم قرار دیا جائے تو یہ انسانوں کو بہت بڑی مشکل میں ڈالنا اور ان چیزوں کا مکلف

بنانا ہوگا جس کا اللہ نے اپنے بندوں کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**لا یکلف الله نفساً إلا وسعها**''۔ ان حالات میں لوگوں کو اپنی ضروریات کا پوری کرنا اور کوئی بھی سامان بازار سے حاصل کرنا دشوار اور ناممکن ہوجائے گا — البتہ اگر شبہ ہوتو اس کی تحقیق کرلینا بہتر ہے۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ جب کہ اپنا بیشتر سرمایہ جائز شیئر کی خریداری پر صرف کرتے ہیں۔ اور تھوڑا سرمایہ سودی حصص کی خریداری پر، اور وہ کل مال مخلوط ہوتے ہیں تو اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ کا حصص خریدنا شرعاً جائز ودرست ہوگا — اور اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے یہ تحقیق ضروری نہیں کہ میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ جن کمپنیوں سے حصص خریدتے ہیں ان کا کاروبار سودی اور غیر شرعی نظام پر قائم ہے یا شرعی نظام پر؟ اور خود ان کا سرمایہ حلال ہے یا حرام؟ — البتہ چونکہ بیشتر کمپنیوں کا کاروبار سودی نظام پر قائم ہوتا ہے اور ان کا سرمایہ بھی زیادہ تر حرام ہوتا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ ان کمپنیوں سے مذکورہ دونوں باتوں کی تحقیق کرلے، اور یہ تحقیق کوئی مشکل بھی نہیں ہے، اور اگر پوری کوشش کے باوجود تحقیق نہ ہوسکے جیسا کہ بظاہر سوال سے واضح ہے، تو پھر حصص کی خرید وفروخت کی شرعاً گنجائش ہے۔

۱۳ – اس کا جواب سوال نمبر ۳ کے جواب میں دیا جاچکا ہے۔

۱۴ – اجارہ کا مذکورہ طریقہ کار خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اجارہ پر لینے والے کو مذکورہ دونوں شرطوں کا پابند بنانا غلط اور بے بنیاد ہے۔

مالی جرمانہ:

مفتی بہ قول کے مطابق مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ مصلحۃً جواز کے قائل ہیں۔ لیکن وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ جرمانہ کی رقم محفوظ رکھی جائے تا وقتیکہ مجرم سے توبہ کی

امید نہ ہوجائے۔ جب اس سے توبہ کی امید ہوجائے تو پھر وہ رقم اس کو واپس کردی جائے یا اس کے حکم کے مطابق کسی دوسری جگہ صرف کردی جائے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے شرعاً یہ جائز نہیں ہے کہ قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اجارہ پر لینے والے سے بطور تاوان کچھ رقم لے (دیکھئے: شامی ۱۷۹/۳ مطلب فی التعزیر بأخذ المال)۔

مدت مقررہ سے قبل اجارہ فسخ نہ کرنے کی شرط:

اجارہ ان عقود شرعیہ میں سے ہے جو لازم ہوتے ہیں۔ اور بغیر کسی شرعی عذر کے فسخ نہیں کئے جاسکتے ہیں۔ عقد اجارہ کے وقت جو مدت مقرر ہوچکی ہو اس کی پابندی مستاجر پر ضروری ہے۔ وقت مقرر سے قبل مستاجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"وأما صفة الإجارة فالاجارة عقد لازم إذا وقعت صحيحة عرية عن خيار الشرط والعيب والرؤية عند عامة العلماء فلا تفسخ من غير عذر" (بدائع الصنائع ۲۶۲۳/۶)۔

البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو مثلاً ڈاڑھ میں درد ہو، کسی شخص کو اس کے اکھاڑنے کے لئے اجارہ پر رکھا، اس کے بعد درد ختم ہوگیا، یا ہاتھ میں کوئی مہلک اور خطرناک بیماری ہوگئی۔ کسی شخص کو ہاتھ کاٹنے کے لئے اجارہ پر رکھا پھر بیماری ختم ہوگئی —— تو یہ اور اس طرح کے دیگر اعذار کی بنیاد پر عند الاحناف مستاجر اجارہ کو فسخ کرسکتا ہے (دیکھئے: درمختار مع الشامی کتاب الاجارہ ۵۰/۵)۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی نے تو عذر کی بنیاد پر فسخ اجارہ کی اجازت نہ دینے کو شرع اور عقل کے خلاف قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲۶۱۶/۶ کتاب الاجارہ)۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے اجارہ کا معاہدہ کرتے وقت یہ شرط لگانا صحیح نہیں ہے کہ مستاجر کو اجارہ کی مدت لازماً پوری کرنی ہوگی۔ وہ مدت پوری کرنے سے قبل اجارہ کو فسخ نہیں کرسکتا ہے۔ اجارہ میں اس طرح کی شرط لگانا خلاف شرع بھی ہے اور خلاف عقل

بھی ـــــ جن اعذار کی بنیاد پر فسخ اجارہ کا اختیار مستأجر کو ہے ان اعذار کی بنیاد پر اسلامی مالیاتی ادارہ سے اجارہ کا معاہدہ کرنے والے کو بھی فسخ اجارہ کا اختیار ہوگا۔

۱۵-مضاربت میں تخمینی منافع کو حقیقی منافع کا درجہ دینا:

مذکورہ صورت میں تخمینی منافع کو حقیقی منافع کا درجہ دے کر اس کے مطابق منافع کی تقسیم شرعاً صحیح نہیں ہے۔ اس طرح کا معاملہ ازروئے شرع فاسد ہے۔ اس لئے کہ سرمایہ فراہم کرتے وقت ہی اندازہ سے منافع کی جو مقدار مقرر کی جائے کیا ضروری ہے کہ کاروبار کرنے کے بعد متعینہ منافع کے بقدر منافع حاصل بھی ہوں۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ یا اس سے کم یا بالکل ہی منافع حاصل نہ ہوں۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ خسارہ ہی خسارہ ہو، نیز مذکورہ صورت مضاربت کی ہے، اس لئے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کا سرمایہ ہے جس کی حیثیت رب المال کی ہے، اور دوسرے شخص کی محنت ہے جس کی حیثیت مضارب کی ہے ـــــ اور مضاربت میں منافع رب المال اور مضارب کے درمیان مشترک ہونا چاہئے۔ معاملہ کرتے وقت ہی منافع کی کوئی مقدار متعین کر دینا جس سے کہ نفع کے کل یا جز میں شرکت باقی نہ رہے شرعاً صحیح نہیں ہے۔ اس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے۔ مثلاً معاملہ کرتے وقت یہ طے پا جائے کہ منافع جو بھی ہوں ایک سو روپئے سرمایہ لگانے والے کو ملیں گے اور بقیہ مضارب یعنی محنت کرنے والے کو، یا اس کے برعکس معاملہ طے ہو جائے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

"ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعاً لايستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذلک يقطع الشركة بينهما ولا بد منها كما في عقد الشركة" (ہدایہ ۳/۲۴۴ کتاب المضاربۃ)۔

☆☆☆

اسلامی بنکاری کے لئے رہنما خطوط

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ ☆

اسلامی نظام معیشت ہی درحقیقت پوری انسانیت کو فلاح وبہبود سے ہمکنار کرسکتا ہے۔اس وقت پوی دنیا سودی نظام معیشت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے ۔اشتراکی نظام معیشت اپنی چمک دمک کھوچکا ہے اور پوری دنیاپر اسکی حقیقت عیاں ہوچکی ہے ۔دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام معیشت بھی انسانیت کوفلاح وبہبود سے ہمکنار کرنے کے بجائے سرمایہ داروں کے لئے باران رحمت ثابت ہورہا ہے اورغریبوں کے لئے جونک ۔اسوقت پوری دنیا کو اسلام کے نظام معیشت کی ضرورت ہے ،خدا کاشکر ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی ادھر کئی سالوں سے علماء اوراسلامی بینکنگ کے ماہرین کی مدد سے اس سمت میں پیش رفت کررہی ہے۔

۱، ۲ –سودی کاروبار میں سرمایہ لگانا:

اسلامی مالیاتی ادارہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے معاملات کرتے وقت استثمار اور سرمایہ کاری کے وقت اپنا اثاثہ اورسرمایہ صرف انہیں عقود میں لگائے جنکی شریعت اسلامی نے اجازت دی ہے ۔ہر وہ کاروبار جس میں سودی لین دین یا سودی بنیادوں پرسرمایہ کاری ہوتی ہو اس میں اسلامی مالیاتی ادارہ کیلئے اپنا سرمایہ لگانا جائزنہیں ہوگا۔کیونکہ اس صورت میں سودی نظام

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ، پٹنہ۔

کی معاونت لازم آئے گی جونص قرآنی سے حرام ہے۔فرمایا گیا: "**ولا تعاونو علی الإثم والعدوان**" (القرآن)۔

اس اصولی گفتگو کے بعد عرض ہے کہ وہ کاروباری اکائی جس میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا سرمایہ لگانا چاہتا ہے اسکی دوصورتیں ہوسکتی ہیں، ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ ہوگا:

۱۔وہ کاروباری اکائی جس میں سودی لین دین ہوتا ہو یعنی وہ خود بھی سود کی مقررہ شرح پر تاجر اور دیگر ضرورتمندوں کو قرض فراہم کرتی ہو۔اور ضرورت پڑنے پر خود بھی بینک یا دوسرے سودی مالیاتی ادارے سے سودی قرض لیتی ہو، اس طرح کی کاروباری اکائی میں چونکہ سودی لین ہوتا ہے، اور اگر سودی لین دین کے علاوہ دوسرے قسم کے جائز امور کی تجارت ہوتی ہوتو بھی اصل سرمایہ میں مال خبیث کی آمیزش اور ملاوٹ یقینی ہے، اس لئے مالیاتی ادارہ کیلئے ایسے کاروباری اکائی میں سرمایہ لگانے کی شرعاً اجازت نہیں ہوگی۔

۲۔دوسری صورت یہ ہے کہ کاروباری اکائی سودی قرض لے کر اپنے کام کا آغاز کرتی ہے اور سود پر لئے ہوئے سرمایہ کو جائز تجارت میں لگا کر سرمایہ کاری کرتی ہے، نہ تو وہ نا جائز تجارت کرتی ہو اور نہ ہی سودی لین دین، تو اس اکائی کا سرمایہ پاک اور جائز ہے اور اس کی ملکیت ہے، جہاں تک سود پر قرض لینے کا تعلق ہے تو اگر چہ عام حالات میں فی نفسہ اسکی اجازت نہیں ہے مگر ضرورت وحاجت کی بنیاد پر اس کی گنجائش نکلتی ہے:"**ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**" (الاشباہ والنظائر) اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ اس میں مضاربت،شرکت اور دوسرے جائز معاملات کے ذریعہ اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے۔

۳-(الف)سودی رقم کوادارہ کی ضروریات میں صرف کرنا:

اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے قانون ملکی کی رو سے جمع شدہ کھاتوں کی رقم کا ۱۵رفیصد "ریزروبینک آف انڈیا" میں جمع کرنا لازم اور ضروری ہے۔اس قانونی لزوم کی وجہ سے اسلامی مالیاتی ادارہ ۱۵رفیصد جمع کرنے پر مجبور ہے۔اس لئے اسے اسکی اجازت دی جاسکتی ہے مگر اس

کے باوجود اسلامی مالیاتی اداروں کو اس کے ۳ء۵۴ کے بقدر سرمایہ پر ریزروبینک اور سرکاری تمسکات کے ذریعہ جو رقم بعنوان سود ملے گی وہ بہرحال سود ہی ہوگی اور اسلامی ادارہ کے لئے اس سودی رقم کو اپنے ذاتی مصارف، رواں اخراجات اور دیگر ضروریات میں صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ مصارف سود پر اسے صرف کرنا ضروری ہوگا۔ بلا نیت ثواب فقراء و مساکین کو وہ رقم دیدی جائے، یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کردی جائے۔

ب-سودی رقم کو کھاتہ داروں کے درمیان تقسیم کرنا:

اسلامی مالیاتی ادارہ کیلئے یہ شرعاً جائز نہیں ہوگا کہ مذکورہ بالا ذرائع سے حاصل شدہ سودی رقم کو اپنے کھاتہ داروں کے درمیان تقسیم کرے۔ اگر وہ بھی اپنے کھاتہ داروں کو سود دینے لگے تو پھر اس میں اور سودی مالیاتی ادارہ میں کیا فرق رہ جائے گا۔ ایسا کرنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے تعاون علی الاثم ہونے کے علاوہ براہ راست سودی کاروبار میں اسکی شرکت سمجھی جائے گی جس کی کسی صورت میں شریعت اجازت نہیں دے سکتی ہے۔

ج-سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے سودی رقم کا استعمال:

قانون ملکی کی رو سے اسلامی بینک اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے کھاتے میں جمع شدہ رقم کا ۱۵ ر فیصد ''ریزروبینک آف انڈیا'' کے پاس جمع کردے۔ یہ رقم بطور ضمانت وصول کی جاتی ہے تاکہ ریزروبینک کی طرف سے اسلامی بینک کو اعتماد اور قابل بھروسہ سرٹیفکٹ حاصل ہوسکے۔ قانون کی رو سے اسلامی بینک کی یہ ایک ضرورت ہے، اس کے بغیر اسے سرمایہ کاری کی اجازت نہیں ہوگی۔ لہذا اس مد میں سودی رقم کو ضرورت ہی میں صرف کرنا سمجھا جائے گا جس کی ممانعت اوپر تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک اسلامی بینک کے لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اس سودی رقم کو سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے استعمال کرے۔

د-اجرت خدمت:

اسلامی بینک کے سامنے ایک دشواری یہ بھی پیش آتی ہے کہ وہ اپنے کھاتے میں جمع شدہ رقوم کا ۱۵ ؍ فیصد ''ریزرو بینک آف انڈیا'' میں جمع کرنے کا قانونی لزوم کی وجہ سے پابند ہے۔ اس صورت میں اس کے سامنے یہ دشواری پیش آتی ہے کہ اگر وہ اس ۱۵ ؍ فیصد رقم کو اپنے اصل سرمایہ (کھاتے) میں جمع شدہ رقوم سے جمع کرتا ہے تو اس کے پاس سرمایہ کم رہ جاتا ہے۔ اس کا حل یہ تجویز کیا گیا کہ کھاتہ داروں سے سروس چارج (اجرت خدمت) کے نام پر جو رقم وصول کی جاتی ہے اس کی شرح میں قدرے اضافہ کر کے وصول کیا جائے اور پھر اس اضافی رقم سے سرمایہ محفوظ قائم کیا جائے۔ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اسلامی بینک کے پیش نظر یہ بات ہونی چاہیے کہ سروس چارج وصول کرنے میں یہ بات پوری دیانتداری اور امانتداری کا ثبوت دے اور صرف واجبی اخراجات کے بقدر ہی وصول کئے جائیں۔ اسی طرح اضافہ کی صورت میں بھی وہ اس بات کا خیال رکھے اور صرف اتنی ہی مقدار اضافہ کر کے وصول کرے جس سے اس کی ضرورت پوری ہوجائے۔ تیسرے فقہی سمینار منعقدہ بنگلور مورخہ ۸ تا ۱۱ ؍ جون ۱۹۹۰ء میں سروس چارج کے سلسلے میں جو فیصلہ ہوا ہے اسے بھی اسلامی بینک کو سامنے رکھنا چاہیے۔ واضح رہے کہ ایسا کرتے وقت اسلامی مالیاتی ادارے کو چاہیے کہ وہ اپنے کھاتہ داروں سے باضابطہ رضامندی حاصل کر لے، ان کی رضامندی کے بغیر جبراً ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔

۴-(الف) نقصان میں کھاتہ داروں کی شرکت کا اقرارنامہ لینا:

سودی نظام معیشت کی روح اور اساس یہ ہے کہ زر سے زر حاصل کیا جائے، یعنی آدمی نقصان اور خسارہ کا رسک لئے بغیر ہمیشہ اپنے سرمایہ سے نفع حاصل کرتا رہے، مثلاً ایک آدمی سودی بینک میں اپنا سرمایہ جمع کرتا ہے تو اسے مقررہ شرح سود کے حساب سے برابر سود ملتا رہتا ہے، اسے کبھی خسارہ برداشت کرنا نہیں پڑتا ہے۔ اگر بنک کا دیوالیہ بھی ہوتا ہے تو اس کا اثر

کھاتہ داروں پر نہیں پڑتا ہے۔اس کے برخلاف اسلامی نظام معیشت کی اساس اور اس کی روح یہ ہے کہ حصول نفع کی خاطر نقصان اور خسارہ کا بھی رسک لینا پڑتا ہے۔مضاربت کی اساس یہ ہے کہ ایک طرف سے سرمایہ ہو اور دوسری طرف سے محنت اور عمل، اور دونوں کے اشتراک سے جو منافع حاصل ہو وہ صاحب سرمایہ اور محنت کرنے والے کے درمیان طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم ہو، اگر کاروبار میں خسارہ ہوتا ہے تو صاحب سرمایہ کا سرمایہ ضائع ہوگا اور محنت کرنے والے کی محنت، دونوں ہی فریق خسارہ سے ہمکنار ہوں گے۔

اسلامی مالیاتی ادارے کی حیثیت مضارب اور عامل کی ہے اور اس کے کھاتہ داروں کی حیثیت رب المال کی ہے، یعنی کھاتہ داروں کا سرمایہ ہوتا ہے اور اسلامی بنک کی محنت وعمل، اور پھر حاصل ہونے والے منافع میں پہلے سے طے شدہ مقدار مثلاً ایک رچوتھائی رتہائی کے تناسب سے اسلامی بنک اور کھاتہ دار شریک ہوتے ہیں۔قانون اسلامی کی رو سے عقد مضاربت میں اگر خسارہ ہوتا ہے تو پہلے یہ کوشش کی جائے گی کہ یہ خسارہ حاصل شدہ منافع سے پورا کیا جائے، اگر منافع سے خسارہ پورا نہ ہوتا ہو تو مضارب ضامن قرار نہیں پائے گا۔کیونکہ اس کی حیثیت امین کی بھی ہے۔ بلکہ وہ خسارہ اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا، اس صورت میں مضارب کی محنت اور عمل ضائع ہوگا اور رب المال کا سرمایہ (دیکھئے: البحر الرائق ۷/ ۲۶۸، مجمع الانہر ۲/ ۳۲۳)۔

لہذا قانون شریعت کے لحاظ سے اگر اسلامی بنک کو خسارہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ابتداءً وہ حاصل ہونے والے منافع سے اسے پورا کرنے کی کوشش کرے، اور اگر منافع سے خسارہ پورا نہیں ہوتا تو یہ خسارہ بذمۂ بنک نہیں ہوگا بلکہ کھاتہ دار جنکی حیثیت رب المال کی ہے انہیں یہ خسارہ برداشت کرنا ہوگا۔ اس لئے اگر مالیاتی ادارہ اپنے خسارہ اور نقصان کو پورا کرنے کے لئے کھاتہ داروں سے اس طرح کا معاہدہ کرتا ہے کہ نقصان کی صورت میں ادارہ کو حق ہوگا کہ اس کے اصل سرمایہ سے نقصان کو مجملہ اس کے حصہ متناسبہ کی حد تک کم کردیا گیا تو بالکل قانون شریعت کے مطابق ہے۔البتہ اس میں اوپر تحریر کردہ باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔نیز عقد مضاربت کی

شرائط کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہوگا۔

(ب) اسلامی مالیاتی ادارے کو مؤسسین اور رہمدردان کے ذمہ ڈالنا:

صورت مسئولہ میں مؤسسین کی حیثیت مضارب کی قرار پائے گی اور ہمدردان کی حیثیت علیحدہ فریق کی ہوگی، شریعت کے قانون کی رو سے مضارب کے ذمہ خسارہ عائد کرنا یا کسی تیسرے فریق کو اس کا ذمہ دار قرار دینا درست نہیں ہے، جو نفع میں شریک ہوگا اسے ہی خسارہ کا رسک بھی لینا ہوگا، لہذا مالیاتی ادارہ کا یہ طریق غیر اسلامی قرار پائے گا۔

(ج) نقصان کی تلافی کے لئے منافع کا ایک حصہ محفوظ کرنا:

اسلامی مالیاتی ادارہ میں ہونے والے نقصانات کی ذمہ داری اس کے کھاتہ داروں پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ ان کی حیثیت رب المال کی ہے۔ پس اسلامی مالیاتی ادارے کیلئے نقصانات کی تلافی کے لئے یہ ایک نہایت ہی مناسب اور شرعاً قابل عمل تدبیر ہے کہ ڈپازیٹروں کی رضامندی سے منافع کا ایک حصہ مالیاتی ادارہ اپنے پاس محفوظ کرلے، اور اس جمع ہونے والی رقم کو کسی سال نقصان ہونے کی صورت میں اسکی تلافی کیلئے اسے استعمال کرے۔ البتہ اس بات کا ضرور لحاظ رکھا جائے کہ منافع کی تقسیم سے پہلے ادارہ خود اپنے طور پر کام نہ کرے بلکہ پہلے سے طے شدہ تناسب کے لحاظ سے ڈپازیٹروں اور ادارہ کے درمیان منافع کی تقسیم عمل میں آجائے۔ پھر ہر ڈپازیٹر اور خود ادارہ بھی طے کی گئی مقدار اپنی طرف سے رد کرے۔ یہ صورت بالکل بے غبار ہوگی۔ واضح رہے کہ یہ آپس کی رضامندی سے طے پائے گا، کھاتہ داروں سے جبراً وصول کرنا درست نہیں ہوگا۔

۵- ملکی قانون کے تحت مقررہ شرح فیصد کے حساب سے منافع کی تقسیم:

اسلامی بینک کے قیام کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ یہ پیدا ہوتی ہے کہ قانون ملکی

کے تحت کسی بھی مالیاتی ادارے اور بنک کے لئے اپنے کھاتہ داروں کے درمیان ۱۵ر فیصد سے زیادہ منافع کی تقسیم کی اجازت نہیں ہے ۔حالانکہ اسلامی اصول تجارت کی رو سے منافع کی تحدید کرنا درست نہیں ہے ۔اس مشکل سے ہر اسلامی مالیاتی ادارہ کو دو چار ہونا پڑتا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ماہرین اقتصادیات اور با اثر افراد اس بات پر حکومت ہند سے سخت احتجاج کرتے ہوئے اس قانون کی تبدیلی کا مطالبہ کریں، یا کم سے کم اس بات کی کوشش ضرور کی جائے کہ حکومت اسلامی مالیاتی ادارے اور غیر سودی بنکوں کو اس قانون سے مستثنیٰ رکھے ۔

الف ۔اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کھاتہ داروں سے معاملہ کرتے وقت ہی یہ معاہدہ کر لے کہ تقسیم شدہ منافع سرکاری تحدیدات کی پابندی کرتے ہوئے ہی ادا کیا جائے گا ۔اس لئے کہ اس معاہدہ کا حاصل یہ ہے کہ منافع کی زیادہ سے زیادہ شرح ۱۵ر فیصد ہوگی ۔حالانکہ اسلامی تجارت میں منافع کی تحدید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے ۔

ب ۔ادارہ کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ منافع تقسیم شدنی سرکار کی مقرر کردہ شرح سے بڑھنے نہ پائے ، اس میں کوئی قباحت شرعاً نظر نہیں آتی ۔اس کا حاصل یہ ہے کہ قانون ملکی کی زد سے بچنے کے لئے ایسا طریقہ حساب اختیار کر لیا گیا جس میں سرکاری تحدیدات کی بھی پابندی ہوگی اور کھاتہ داروں کو بھی عدل کے ساتھ منافع میں حصہ مل گئے ۔

ج ۔اگر ادارہ کو اتنا نفع ہو کہ تقسیم شدنی منافع فی کس ۱۵ر فیصد کی سرکاری مقرر کردہ شرح سے زیادہ ہو تو اولاً تمام کھاتے داروں کو نفع ۱۵ر فیصد کی شرح سے ادا کر دیا جائے اور جو مزید منافع باقی رہ جائیں وہ پھر انہیں کھاتہ داروں کو مالک حصص کی حیثیت سے دیدیے جائیں شرعاً یہ طریقہ بالکل درست ہے، اور اسکو اختیار کرنے سے ایک طرف بینک قانونی لزوم سے محفوظ رہے گا تو دوسری طرف کھاتہ داروں کو بھی شرعی طریقہ کے مطابق پورے منافع مل جائیں گے ۔

۶-(۱) مرابحہ کی ایک شکل:

مرابحہ اسلامی تجارت کا ایک اہم جز اور اسلامی بنک کیلئے ایک اہم بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ مرابحہ یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز جتنے دام میں پڑی ہو اس پر کچھ نفع لے کر فروخت کردی جائے۔ عالمگیری میں ہے:

"والمرابحة بمثل الثمن الاول وزيادة ربح" (عالمگیری ۳/ ۱۶۰)۔

سوال نمبر ۶ میں درج شدہ صورت مرابحہ بتاجیل الثمن کی ہے۔ ادارہ جب اس سامان کو اپنے ذاتی سرمایہ سے خریدے گا تو اس کا مالک ہوجائے گا اور اب اس کے لئے جائز ہے کہ اپنی مملوکہ شئ کو ضروری مصارف اور منافع کو اصل قیمت خرید میں شامل کر کے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، یہ خرید فروخت نقد بھی ہوسکتی ہے اور ادھار بھی۔

اسلامی مالیاتی ادارے کے فروخت کرنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف۔ اسلامی مالیاتی ادارے نے اس سامان کو اپنے سرمایہ سے ادھار خریدا ہو اور اب ادھار فروخت کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں فقہاء کی صراحت کے مطابق اسلامی بینک کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے خریدار پر اس بات کو ضرور واضح کردے کہ میں نے یہ سامان اتنے دنوں کے ادھار پر اتنے روپے میں خریدا ہے۔ کیونکہ ادھار خریدی ہوئی چیز کی قیمت عام طور پر نقد خریدی ہوئی چیز کے مقابلہ میں زیادہ ہوا کرتی ہے، اس وضاحت کے بعد اگر خریدار مجوزہ قیمت کی ادائیگی پر رضامند ہوتا ہے تو بنک اس سے اپنا معاملہ کرسکتا ہے (دیکھئے: الموسوطہ ۱۳/ ۷۸، عالمگیری ۳/ ۱۶۳)۔

ب۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسلامی بنک اس سامان کو نقد قیمت کے ذریعہ خریدتا ہے اور پھر اسے مرابحۃً فروخت کرتا ہے۔ اس میں سوال صرف یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی بینک کے لئے ادھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں، خرید فروخت جس طرح نقد جائز ہے ادھار بھی جائز ہے، مرابحہ بھی چونکہ بیع ہی کی ایک شکل ہے اس لئے مرابحہ بتاجیل الثمن کے جواز میں بھی کوئی

شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ ادھار کی صورت میں مدت ادائیگی کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے۔صاحب الہدایہ نے لکھا ہے:

"ویجوز البیع بثمن حال ومؤجل إذا کان الأجل معلوماً لاطلاق قوله تعالیٰ وأحل الله البیع" (الہدایہ علی ہامش فتح القدیر ۵/۴۶۵)۔

۲-وکالت پر اجرت کا مسئلہ:

سول کے الفاظ سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الف فروخت شدہ سامان کی بلٹی اسلامی بنک کے پاس بغرض فروخت پیش کرتا ہے، مگر اس میں استحالہ یہ لازم آئے گا کہ بلٹی کی فروختگی درحقیقت اس سامان کی فروختگی ہے جو بلٹی میں درج شدہ ہے، اور جس کا وثیقہ اور رسید بلٹی ہے، اور ظاہر ہے کہ الف اپنا سامان ب کے ہاتھ فروخت کر چکا ہے، تو گویا وہ ایک ہی سامان کو دو شخصوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے جو کسی طرح معقول اور جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۳-کیا ایک شخص دو حیثیتیں اختیار کر سکتا ہے:

اس صورت میں ضرورت مند شخص اسلامی بینک کے سرمایہ سے مطلوبہ سامان کے خریدنے میں اس بینک کا وکیل اور ایجنٹ قرار پائے گا اور اس سامان پر بحیثیت وکیل اس کا قبضہ برقرار رہے گا۔پھر اگر وہ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنے ہی ہاتھ اس سامان کو فروخت کرتا ہے تو اس کی حیثیت ایک طرف بائع کی ہوگی اور دوسری طرف اس کی حیثیت مشتری کی ہوگی۔خرید وفروخت کی صورت میں چونکہ معاملہ کی تمام تر ذمہ داری عاقد ہی کی طرف لوٹتی ہے اس لئے ایک ہی شخص ایجاب وقبول دونوں کا اہل قرار دیا جائے درست نہیں ہے۔لہٰذا اسلامی بینک کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔

مفید اور مناسب حل:

اس کا مناسب اور شرعاً لائق عمل حل یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا ایک آدمی اس

ضرورت مند کے ساتھ بھیجے اور اسے مکمل اختیار دیدے، ضرورت مند وہ مطلوبہ سامان خرید کر ادارہ کے آدمی کے حوالہ کردے، اور پھر ضرورتمند آدمی سے معاملہ کرکے سامان اپنے پاس رکھ لے اور طے شدہ قیمت ادارہ کو ادا کرے، یہ صورت بالکل بے غبار اور ہر طرح کے شبہ سے پاک ہوگی۔

۷- اسلامی مالیاتی ادارے کا ''ایکویٹی شیئر'' خریدنا:

ایکویٹی شیئر خریدنے والا شخص کمپنی کے نفع نقصان دونوں میں شریک رہتا ہے جو کہ اسلامی تجارت کی اصل روح ہے۔ گویا کمپنی کی حیثیت مضارب اور عامل کی ہے اور ایکویٹی شیئر کے خریدار کی حیثیت رب المال کی ہے، اور اصول مضاربت کی رعایت کرتے ہوئے نفع ونقصان کی بنیاد پر دونوں فریق کمپنی کے منافع میں شریک ہوتے ہیں، لہذا اصولاً ایکویٹی شیئر کی خرید فروخت جائز ہوگی، البتہ اس میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ جس کمپنی کے ایکویٹی شیئر خریدے جارہے ہیں اس کمپنی کا اصل کاروبار جائز ہے یا ناجائز۔ پھر اس میں کس قسم کا سرمایہ لگایا گیا ہے، اگر ایکویٹی شیئر ایسی کمپنی کے ہیں جس کا کاروبار جائز اور غالب سرمایہ پاک اور حلال ہے تو بلاشبہ اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے اس کمپنی کے ایکویٹی شیئر کا خریدنا جائز ہوگا۔ اور اگر وہ کمپنی ناجائز کاروبار کرتی ہو یا اس کا غالب سرمایہ مال حرام اور مال خبیث پر مشتمل ہو تو اس کے ایکویٹی شیئر کے خریدنے سے کمپنی کو احتراز کرنا ضروری ہے۔

۸- اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے ڈبینچر خریدنا:

اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے کمپنی کے ایسے ڈبینچرز (سودبردار حصص) خریدنا جن پر ایک مختصر مدت تک مقررہ شرح سے سود دیا جاتا ہے اور پھر اس مقررہ مدت کے ختم ہونے پر ان ڈبینچروں کو ایکویٹی شیئر میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ عام حالات میں اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ایسے ڈبینچرز کا خریدنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی سودی کاروبار کو فروغ دینے کی ایک اسکیم ہے، اگر اسلامی مالیاتی ادارہ بھی سود والی اسکیموں میں شرکت کرنے لگے تو پھر اسکا امتیاز اور خصوصیت

کیا باقی رہ جائے گی۔ اسے اپنا سرمایہ جائز اور نفع بخش غیر سودی اسکیموں میں لگانا چاہیے۔

البتہ اگر کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہو اور اسے ابتدائی مرحلہ میں ہونے کی وجہ سے جائز اور نفع بخش تجارت کے مواقع حاصل نہ ہوں اور سرمایہ کاری کی راہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو بدرجۂ مجبوری اسلامی مالیاتی ادارہ ایسے سود بردار حصص خرید سکتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جب تک کمپنی کے ڈبینچرز (سود بردار حصص) ایکویٹی شیئر میں تبدیل نہیں ہوجاتے اس وقت تک ملنے والے سود کو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے مصارف اور ضروریات میں صرف نہ کرے بلکہ بلا نیت ثواب فقراء ومساکین کو دیدے یا پھر رفاہ عام کے کاموں میں صرف کردے۔

۹- ضمانت پر اجرت لینا:

اسلامی مالیاتی ادارے کی سرمایہ کاری کی ایک صورت میں یہ تحریر کی گئی ہے کہ وہ صنعت کار اور تاجروں کو محض اپنی ضمانت پر کسی دوسرے بنک سے قرض دلواتا ہے اور اس خدمت کے عوض ادارہ اپنا کمیشن وصول کرتا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت فقہ اسلامی کے باب الکفالہ بالمال کے تحت آتی ہے، یعنی اسلامی مالیاتی ادارہ یہ ضمانت لیتا ہے کہ اگر خدانخواستہ آئندہ بینک کی طرف سے دئے گئے قرض کی رقم کو کسی طرح کا خطرہ لاحق ہوا تو اسلامی مالیاتی ادارہ اسکا ذمہ دار ہوگا، یعنی مالی کفالت کے عوض وہ قرض لینے والے سے معاوضہ اور کمیشن وصول کرتا ہے۔ اسلامی رو سے عقد کفالت وضمانت تبرعات کے قبیل سے ہے اور اسکی روح واساس تبرع اور احسان ہے، لہذا اس پر کسی طرح کا معاوضہ لینا کفالت کی روح کو ختم کرنا ہے۔

اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے اس طرح کمیشن وصول کرنا درست نہ ہوگا۔

۱۰- ٹھیکیداروں کی طرف سے دی گئی ضمانت پر کمیشن وصول کرنا:

اسلامی مالیاتی ادارہ کا ٹھیکہ دار کی طرف سے حکومت کو یہ ضمانت دینا کہ اگر ٹھیکہ دار کی شرائط کے مطابق اور مدت مقررہ کے اندر تعمیراتی کام انجام نہیں دیتا ہے تو اس کی ذمہ داری

اسلامی مالیاتی ادارہ پر ہوگی، اس کی اصل بھی کفالت اور عقد ضمانت ہی کی ہے، اس طرح کی ضمانت پر کمیشن لینا عقد کفالت میں اجارہ کا معاملہ کرنا ہے جو شرعاً درست نہیں ہے۔کفالت کی اساس تبرع اور احسان ہے، گویا کفیل کفالت کے ذریعہ مکفول عنہ پر تبرع اور احسان کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ معاوضہ وصول کرنے کی صورت میں کفالت بھی عقود معاوضہ میں شامل ہوجائے گا۔اس لئے میرے نزدیک اسطرح کی ضمانتوں پر اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے کمیشن اور معاوضہ وصول کرنا درست نہیں ہے۔

۱۱ - سرمایہ کاری کا غلط طریقہ:

معاملہ کی یہ شکل قرض کی ہے جس میں سود اور ربوا کا عنصر واضح طور پر شامل ہے، ضرورت مند سے قرض کی رقم کے علاوہ کرایہ کے نام پر مقررہ ماہانہ قسط کی شکل میں وصول کرنا ”کل قرض جر منفعة فهو ربوا“ میں داخل ہونے کی وجہ سے سود ہے جس کا حاصل کرنا اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے ہرگز جائز نہیں ہوگا۔اصل رقم کے علاوہ چاہے جس نام سے بھی قرضدار سے اضافی رقم وصول کی جائے اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے اور قرض پر سود حاصل کرنا ہے۔اسلامی مالیاتی ادارہ اپنی دی ہوئی قرض کی رقم پر ٹرک کے منافع میں سے ایک حصہ کرایہ کے نام پر وصول کرتا ہے تو وہ قرض سے فائدہ اٹھانا ہے جسے شریعت نے ربوا قرار دیا ہے، اس لئے اس طرح کے معاملہ کی قطعاً گنجائش نہیں دی جاسکتی ہے۔

سوال میں ذکر کردہ جملہ: ”بینک یہ رقم اس طرح دے کہ ابتدا ہی سے قرض خواہ کو ٹرک کی ملکیت میں شریک متصور کرے“ کا مفہوم اور معنی واضح نہیں ہے۔

الف...... اگر اسلامی مالیاتی ادارہ ٹرک کے ضرورت مند شخص کو قرض کی فراہمی کرتا ہے اور پھر قرض خواہ اس رقم کا مالک بننے کے بعد بذات خود ٹرک کی خریداری کرتا ہے تو اس صورت میں وہ تنہا بینک کی شرکت کے بغیر اس ٹرک کا مالک ہے، اس میں ادارے کی ملکیت کا سوال ہی نہیں ہوگا، البتہ قرضہ پر لی ہوئی رقم کو واپس کی جائے گی، اضافی رقم وصول کرنا بینک کے لئے جائز

نہیں ہوگا۔

ب……دوسری صورت یہ ہے کہ بینک اپنے طور پر ٹرک کی خریداری اپنے ذاتی سرمایہ سے کرتا ہے اور پھر بینک نے ٹرک اس شخص کو کرایہ پر دیدیا، اس صورت میں ٹرک کا تنہا مالک بینک قرار پائے گا۔ کرایہ دار کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ بینک اور اس شخص کے درمیان ماہانہ جو بھی کرایہ طے ہو جائے اسکی وصولی کا حق بینک کو حاصل ہوگا۔

ج……اگر اس ٹرک میں ابتداءہی سے دونوں فریق کی ملکیت تصور کی جائے تو اس میں استحالہ لازم آئیگا کہ ایک شخص ایک ہی چیز میں اصیل و مالک بھی قرار پائے اور اسی میں اجیر بھی قرار پائے۔

د……فریقین کے ملکیت میں ابتداءہی سے شریک ہونے کی ایک صورت یہ ممکن ہے کہ ٹرک خریداری میں دونوں فریق شریک ہوں، مثلاً ٹرک کی قیمت ۲/لاکھ طے ہوئی، اسلامی بینک نے ایک لاکھ روپے اپنی طرف سے ادا کئے اور ایک لاکھ روپے دوسرے فریق نے بینک سے قرض لے کر لگائی۔ تو ٹرک کے نصف حصہ کی حد تک قرض خواہ مالک قرار پائے گا اور نصف حصہ کا مالک بنک ہوگا۔ اس نصف حصہ کا کرایہ آپسی معاہدہ کے تحت وصول کرنا اسلامی بینک کے لئے جائز ہوگا۔

جواز کی شکلیں:

سرمایہ کاری کی مذکورہ بالا صورت کے جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہیں:

ا……اسلامی بینک نقد رقم فراہم کرنے کے بجائے اپنے طور پر ٹرک کی خریداری کا معاملہ کرے، پھر اصل قیمت اور واجبی اخراجات کے ساتھ اپنا کچھ منافع شامل کر کے بطور مرابحہ اس ٹرک کو ضرورت مند کے ہاتھ فروخت کردے، اور قیمت کی ادائیگی کے لئے آپس میں یہ معاہدہ کرلیا جائے کہ مثلاً ہر ماہ ایک ہزار ادا کیا جائے گا، اس صورت میں اصل سے زائد رقم بینک کے لئے جائز اور پاک ہوگی۔

۲......دوسری صورت یہ ہے کہ اسلامی بینک ٹرک کی خریداری کیلئے رقم بطور مضاربت فراہم کرے اور ٹرک سے حاصل ہونے والے منافع میں نصف رتہائی کے اعتبار سے شریک ہو۔ اس صورت میں ٹرک کا مالک رب المال ہونے کی حیثیت سے تنہا اسلامی بینک ہوگا۔ منافع میں طے شدہ معاہدہ کے تحت دونوں فریق شار ہوں گے، اس صورت میں ملنے والا نفع بینک کے لئے خالص حلال اور جائز ہوگا۔

۱۲- میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ کے حصص خریدنا:

میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ کی جو تفصیل سوال میں ذکر کی گئی ہے اس کے مطابق چونکہ میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ کے سرمایہ کا ۲۰ رفیصد حصہ سود بردار حصص کی خریداری پر صرف ہوتا ہے جس کا ناجائز ہونا ظاہر ہے۔ باقی اس کے سرمایہ کے ۸۰ رفیصد سے چونکہ ایکویٹی شیئر خریدے جاتے ہیں جن میں نفع ونقصان کی بنیاد پر شرکت ہوتی ہے اسے جائز ہونا چاہیے، مگر دشواری یہ ہے کہ اس ۸۰ رفیصد سرمایہ سے جن کمپنیوں کے حصص خریدے جاتے ہیں ان کمپنیوں کے کاروبار کے سلسلہ میں صحیح معلومات حاصل نہیں ہو پاتی ہیں کہ ان کا کاروبار جائز ہے یا نہیں، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جن کمپنیوں کے حصص کی خریداری میں ۸۰ رفیصدی سرمایہ لگایا گیا ہے ان کا کاروبار جائز ہے، تو اس صورت میں حاصل ہونے والے منافع جائز قرار پائیں گے، اور میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ کی آمدنی کے غالب حصہ کے جائز ہونے کی بنیاد پر بہ کراہت اس میں شرکت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

البتہ اگر ۸۰ رفیصدی حصہ بھی ناجائز تجارت کرنے والی کمپنیوں کے حصص خریداری میں صرف کئے جائیں تو چونکہ سارا ہی سرمایہ ناجائز امور پر مشتمل ہوگا اس لئے اسلامی بنک کے لئے اس طرح کے میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ کی اسکیموں میں شرکت ناجائز ہوگی۔

سوال نمبر ۱۳ کے تحت ذکر کردہ صورت واضح نہیں ہے۔ یہ نہیں ذکر کیا گیا ہے کہ سود کی رقم کو الگ رکھنے سے اسلامی بنک کا مقصد کیا ہے۔

۱۴- مالی تاوان کا حکم شرعی:

بلا شبہ اجارہ (Leasing) ایک شرعی عقد ہے جو معاشی فلاح وبہبود اور اسلامی تجارت کے فروغ میں اہم رول ادا کرتا ہے مگر موجودہ دور میں اجارہ میں جو غیر شرعی شرائط اور قیود لگا دی گئی ہیں اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان سے اپنا دامن بچائے رکھے۔ قسط کی ادائیگی میں قصور کی صورت میں اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے تاوان کے طور پر رقم وصول کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہ مالی جرمانہ کی صورت ہے جسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف سے اگرچہ بعض مخصوص صورتوں میں مخصوص شرائط کے ساتھ مالی تاوان کا جواز ثابت ہے، مگر یہاں پر اسلامی مالیاتی ادارہ جو غریب اور پسماندہ افراد کی معاشی خوشحالی کے لئے سرمایہ کاری کرتا ہے اس کے لئے مالی تاوان وصول کرنا درست نہیں ہوگا (دیکھئے: رد المحتار ۴؍۶۱-۶۲)۔

مدت اجارہ کی تکمیل کا معاہدہ:

فقہاء کرام کی صراحت کے مطابق عقد اجارہ ایک لازمی عقد ہے جسے بہر حال پورا کیا جانا ضروری ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے بغیر عذر کے عقد اجارہ کو ختم کرنا درست نہیں ہے، علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

"الإجارة عقد لازم لا تنسفخ بغیر عذر" (الاشباہ والنظائر مع حاشیۃ الحموی ۳؍۱۳۹)۔

لہذا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے اجارہ کا معاہدہ کرتے وقت معاہدہ میں یہ شرط شامل کرنا کہ "مدت اجارہ کی تکمیل سے پہلے اجارہ کے معاہدہ سے دست بردار نہیں ہوسکتا" شرعاً جائز ہے، بلکہ اس طرح کی شرط معاہدہ میں شامل کرنے سے اجارہ کے عقد لازم ہونے کو مزید تقویت اور استحکام بخشے گی، مگر اس کے باوجود اسلامی مالیاتی ادارہ کو یہ ملحوظ رکھنا ہوگا کہ عقد اجارہ عقد لازم ہونے کے باوجود مخصوص اعذار کی وجہ سے قابل فسخ بھی ہے۔ لہذا اگر کسی وقت عقد اجارہ کو باقی رکھنے میں ادارہ یا اجیر کو کوئی سخت مشکل پیش آجائے جس کی وجہ سے معاہدہ اجارہ کو باقی رکھنا دشوار

ہوجائے تو اس صورت میں دونوں فریق کے لئے اجارہ کے معاہدہ کو ختم کردینا جائز ہوگا۔ہر فریق کو دوسرے کی مجبوری کا لحاظ رکھنا چاہیے۔تحفۃ الفقہاء میں ہے:

"ثم الإجارة تفسخ بالأعذار المخصوصة عندنا وإن وقعت الإجارة صحيحة لازمة" (تحفۃ الفقہاء ۲/۳۶۰)۔

۱۵-مضاربت کی صورت میں تخمینی منافع کو حقیقی منافع کا درجہ دینا:

اسلامی مالیاتی ادارہ کا دوسرے اشخاص کو کاروبار کے لئے سرمایہ فراہم کرنا شرعاً مضاربت ہے۔جس میں رب المال کی طرف سے سرمایہ ہوتا ہے اور مضارب کی طرف سے محنت، اور حاصل ہونے والے منافع میں دونوں فریق حسب معاہدہ نصف/تہائی/چوتھائی کے لحاظ سے شریک ہوتے ہیں۔مضاربت اور شرکت کا مدار مضارب اور شریک کی دیانتداری اور صداقت پر ہے۔لہذا ایسے اشخاص سے معاملہ کرنا چاہیے جس کی صداقت اور امانتداری پر اسلامی مالیاتی ادارہ کو پورا اعتماد ہو۔اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ محض اس شک کی بنیاد پر کہ کہیں مضارب اصل منافع سے کم منافع نہ بتائے بوقت عقد ہی تخمینی منافع لگا کر اس میں اپنا حصہ مقرر کردے، کیونکہ تخمینی منافع کو حقیقی منافع کے قائم مقام قرار دینے کی صورت میں اس کا بھی امکان ہے کہ صرف اتنے ہی منافع حاصل ہوں جن کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔اس صورت میں منافع میں مضارب کی شرکت نہیں ہو پائے گی، حالانکہ منافع میں دونوں فریق کی شرکت لازمی ہے۔ملتقی الابحر میں ہے:

"كل شرط يوجب جهالة الربح ويوهب قطع الشركة فيه يفسدها"

(ملتقی الابحر ۲/۳۳۳)۔جہاں تک اس کا احتمال ہے کہ مضارب اصل منافع سے کم بتائے تو اس صورت میں حکم شرعی کیا ہوگا۔اس کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں (دیکھئے: راقم الحروف کا مقالہ: عقد مضاربت مطبوعہ بحث ونظر، شمارہ نمبر: ۱۷)۔

☆☆☆

اسلامی مالیاتی ادارہ

مولانا محمد رئیس ندوی ☆

۱، ۲- ہمارے نزدیک یہ شرعاً روا ہے کہ کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ کسی ایسی کاروباری اکائی میں شرکت یا مضاربت کے طور پر اپنا سرمایہ ایسے کاروبار کے سلسلے میں لگائے جو شریعت کی نظر میں مباح وجائز ہو خواہ اس کاروباری اکائی میں پہلے سے سود پر حاصل کردہ رقم لگی ہو یا وہ سود پر حاصل کردہ قرض سے شروع ہونے کی منزل میں ہو بشرطیکہ اسلامی مالیاتی ادارہ کو اس کاروباری اکائی کے کسی ایسے کاروبار سے کوئی سروکار نہ ہو جو شرعاً ناجائز وممنوع ہو۔ نیز اس کاروباری اکائی میں لگے ہوئے سرمایہ سے حاصل شدہ سود سے کسی قسم کا کوئی سروکار اور نفع نہ ہو بلکہ وہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کے صحیح یا غلط ہونے کا ذمہ دار ہے، دنیا وآخرت میں اسی کو ان باتوں سے سروکار رہوگا، اسلامی مالیاتی ادارہ کو اس سے سروکار نہیں۔ اس طرح کی کاروباری اکائی کے ساتھ شرکت یا مضاربت کے طور پر سرمایہ کاری کسی مسلمان کے لئے نہ انفرادی طور پر ممنوع ہونے پر کوئی شرعی دلیل ہے نہ اجتماعی طور پر۔ اور اصل اشیاء میں اباحت کے اصول سے اس طرح کی سرمایہ کاری اہل اسلام کے لئے مباح قرار پاتی ہے، کیونکہ اس کے ناجائز ہونے پر کوئی نص اور شرعی دلیل نہیں۔

☆ استاذ جامعہ سلفیہ، وارانسی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کی متابعت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیبر میں بطور غنیمت حاصل شدہ اپنی مملوکہ زمینوں اور باغات کو بٹائی پر یہود کو دیدیا تھا کہ وہ اس میں کھیتی وباغبانی کریں اور پیداوار کا آدھا حصہ آپ ﷺ کو اور صحابہؓ کو دیں، ظاہر ہے کہ یہود سودی کاروبار کے ساتھ دوسرے ناجائز کاروبار بھی کرتے تھے اور بٹائی پر دیئے ہوئے کھیت وباغات میں اپنے سرمایہ کا خاصہ حصہ صرف کرتے تھے، نیز اپنے اسی قسم کے سرمایہ سے حاصل کردہ آلات کاشت وباغبانی کا استعمال کرتے تھے پھر بھی ان سے آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کی متابعت میں تمام صحابہ نے یہ کام کیا۔ بٹائی پر اس طرح کے کھیتی وباغبانی والے کاروبار ہی کے مثل ہمارے نزدیک زیر نظر سوالات کا معاملہ بھی ہے۔ ہمارے نزدیک خیبر والی بٹائی کا منصوص کام متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے، اور زیر نظر معاملہ کے لئے نص کا مقام رکھتی ہے، اور قائلین قیاس کے لئے بالکل مناسب ومعقول ہے کہ اسی پر زیر نظر معاملہ کو قیاس کر کے جواز کا پہلو اختیار کریں۔

۳- اس سوال میں مذکورشدہ چاروں صورتیں (الف، ب، ج، د) ہمارے نزدیک شرعاً ناجائز وممنوع ہیں، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ سود (ربوا) سے منتفع ومتمتع ہورہا ہے۔ لہذا جس بینک میں جمع شدہ ڈپازٹ کھاتوں کی رقوم میں سود لازمی طور پر ملتا ہو اس بینک میں اسلامی مالیاتی ادارے کیلئے محفوظ سرمایہ قائم کرنا جائز نہیں۔ اگر ناگزیر حالات میں رقوم کو اضطراری طور پر جمع کرنا پڑے تو کرنٹ کے طور پر جمع کرے جس پر کوئی سود نہیں ملتا، کیونکہ کسی بھی سرمایہ سے حاصل شدہ سود سے کسی طرح کا انتفاع شرعاً جائز نہیں، ورنہ اسلامی مالیاتی ادارہ قائم کرنے کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

۴- قانون ملک کی جو دفعہ بھی شریعت اسلامی کے معارض ومنافی ہو اسے تمام مسلمان خصوصاً قائدین حضرات دستور ملک کی اس دفعہ کے تحت ختم وکینسل کرانے کی کوشش کریں جس میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

الف: اس طرح کے قانون ملک کو ختم کرانے میں مسلمانوں کو کامیابی نہ مل سکے تو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے کھاتہ داروں سے اس طرح کا اقرارنامہ تحریری طور پر ضرور لے کہ جس طرح کھاتہ دار نفع کی صورت میں نفع کا حصہ دار ہوگا اسی طرح نقصان کی صورت میں نقصان کا بھی اپنے حصہ متناسبہ کے مطابق ذمہ دار ہوگا۔ اس طرح کا اقرارنامہ فریقین کی طرف سے تحریری طور پر ہونا ضروری ہے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے، اور اس تحریر کے مطابق فریقین کا عمل بھی ہونا چاہئے، اگر کوئی کھاتہ دار اپنے اس اقرارنامہ سے منحرف ہوکر قانون ملک کا سہارا لیکر عدالتی چارہ جوئی کرے تو عدالت کے سامنے بھی اس اقرارنامہ کو پیش کرکے کہا جائے کہ یہ قانون ملک اسلامی شریعت کے خلاف ومنافی ہے اس لئے عدالت اس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔

ب: ہمارے نزدیک ایسا مالیاتی ادارہ اہل اسلام کے لئے قائم کرنا مناسب نہیں ہے جس میں سرمایہ لگانے والے تمام لوگ تو نفع میں اپنے حصہ کے مطابق شریک ہوں، لیکن نقصان میں کچھ لوگوں کو تو شریک ہونے سے کوئی سروکار نہ ہو اور کچھ لوگ پورا نقصان کی پابجائی (بروتی) کی ذمہ داری قبول کرلیں، یہ ہمارے نزدیک "تلک إذاً قسمة ضيزى" کے مترادف ہے جونامناسب ونامعقول ہے۔

ج: مالیاتی ادارے میں سرمایہ لگانے والے لوگ معنوی طور پر شریک دار کی حیثیت رکھتے ہیں جو اسلامی شریعت کی رو سے حاصل شدہ نفع ونقصان میں اپنے حصۂ متناسبہ کے مطابق ساجھی دار ہوتے ہیں، لیکن اس سوال کے تحت (ج) والی شق میں جس بات کا ذکر ہے اس کی اجازت کسی شرعی دلیل سے ہماری نظر میں نہیں ہے، اس لئے ڈپازیٹروں سے اس طرح کی اجازت لینی مناسب نہیں۔

۵- ہم اپنے تمہیدی کلمات اور سوال نمبر ۴ کے جواب میں عرض کرچکے ہیں کہ قانون ملک کی جو دفعہ وشق بھی اسلامی اصول سے متصادم ومعارض ہو اسے تمام مسلمانوں کو مل کر کینسل کرانا

چاہئے۔

الف: یہ مناسب نہیں کہ اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے کھاتہ داروں سے ایسا معاہدہ کرلے کہ ایسی سرکاری تحدیدات کی پابندی بھی تم پر لازم ہوگی جو منافی شریعت ہوں۔

ب: ہمارے نزدیک یہ صورت بھی شرعاً نا مناسب و نا معقول ہے، اس لئے کہ یہ صورت تجارتی مضاربت ومشارکت کے اسلامی اصول کے خلاف ہے۔

ج: ہمارے نزدیک یہ طریق کار اختیار کرنے میں کوئی شرعی مانع نہیں ہے، اس لئے یہ جائز ہے۔

۶- ۱- ہمارے نزدیک یہ صورت معاملہ شرعاً درست ہے۔ بیع وشراء کی یہ صورت لوگوں میں عام طور پر رائج ہے اور اس کے جواز میں کوئی شرعی مانع نظر نہیں آتا۔

۲- ہمارے نزدیک یہ صورت معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ الف (بائع) اپنا جو سامان ب (مشتری) کے ہاتھ بیچنے کا معاہدہ کرچکا ہے اسی سامان کی بلٹی جو معنوی طور پر سامان ہے اسلامی مالیاتی ادارہ کے ہاتھ بھی بیچ دیتا ہے، اور یہ صورت شریعت میں بہر حال جائز نہیں کہ ایک آدمی اپنا سامان ایک آدمی کے ہاتھ بیچنے کا معاملہ طے کرنے کے بعد دوسرے آدمی کے ہاتھ بھی وہی سامان بیچ دے، کیونکہ ایک آدمی کے ہاتھ اس سامان کے بیچنے کا معاملہ طے کرلینے کے بعد وہ سامان اس آدمی کی ایسی ملکیت نہیں رہ گیا جسے وہ یہ تیسرے آدمی کے ہاتھ بھی بیچ سکے، اس لئے ہمارے نزدیک یہ صورت معاملہ جائز نہیں۔

البتہ اگر اسلامی مالیاتی ادارہ الف و ب کے درمیان اجرت پر یہ کام کرے کہ الف کے بھیجے ہوئے سامان کو ب تک پہنچادے گا اور اس کی اجرت مقررہ دونوں میں سے کسی سے وصول کرے گا تو جائز ہے۔

۳- اس صورت معاملہ سے لازم آتا ہے کہ بیک وقت ایک ہی آدمی ایک چیز کا بائع ومشتری اور ایجاب وقبول کنندہ ہو، اور یہ صورت معاملہ شرعاً درست نہیں، اس لئے ہمارے

نزدیک یہ صورت معاملہ جائز نہیں۔

۷- اس سوال میں جس طرح کی صورت معاملہ مذکور ہے اور اس کی تفاصیل میں کوئی ایسی چیز داخل نہیں ہے جو شرعی اعتبار سے اس کام میں اسلامی مالیاتی ادارہ کے شریک ہونے کے لئے شرعی مانع کی حیثیت رکھتا ہو تو اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے اس طرح کے ایکویٹی شیئرز خریدنے میں ہم کو کوئی شرعی مانع نظر نہیں آتا۔

۸- اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ تھوڑی مدت کے لئے یا زیادہ مدت کے لئے اپنا سرمایہ اس مقصد سے کسی کاروباری کمپنی یا ادارے میں لگائے جو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ پر اسلامی مالیاتی ادارہ کو سود بھی دے، اس صورت میں اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے کہ یہی سرمایہ ایک مدت کے بعد اپنی سود والی رقم کے ساتھ مل کر اسلامی مالیاتی ادارے کے اصل سرمایہ کی حیثیت سے اس کاروباری ادارہ یا کمپنی میں شامل ہو جائے۔

۹- اگر اسلامی مالیاتی ادارہ کسی قرض خواہ کو اپنی ضمانت پر ایسے کسی دوسرے بینک سے دلوائے جو یہ قرض سود پر دے تو اس طرح سے اسلامی مالیاتی دارہ کو قرض دلوانا قطعاً ناجائز ہے، کیونکہ یہ سراسر تعاون علی الاثم والعدوان ہے، اور اپنی ضمانت پر کسی کو قرض دلوانے کی خدمت کے عوض اسلامی مالیاتی ادارہ کو کمیشن لینا بھی ہماری نظر میں شرعاً جائز نہیں ہے خواہ وہ قرض سودی ہو یا غیر سودی۔

۱۰- اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے اس طرح کا کاروبار کرنا ہماری نظر میں ممنوع نہیں ہے۔

۱۱- ہمارے نزدیک یہ صورت معاملہ شرعاً صحیح نہیں کہ قرض خواہ تو ایک مکمل ٹرک خریدنے کے لئے اسلامی بینک سے قرض چاہتا ہے اور اسلامی بینک اس کو پورا ٹرک خریدنے کے لئے درکار رقم دینے کے بجائے اسے اپنے سرمایہ سے ٹرک خرید کر اس ٹرک کے ایک جز کی ملکیت میں اسے اپنی طرف سے شریک دار بناتا ہے، اور پھر اسے مشترک قرار دیتے ہوئے اس ٹرک کو اس

قرض خواہ کو کرایہ پر دے دیتا ہے، اور پھر اس سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق قرض خواہ ایک دن پورے ٹرک کا مالک بھی بن جاتا ہے، ہمارے نزدیک یہ ایک گورکھ دھندا ہے جو اسلامی مالیاتی ادارہ کے شایان شان نہیں اور نہ یہ اسلام میں شرعاً جائز ہی ہے، اور جب یہ کاروبار ہی ہماری نظر میں صحیح نہیں تو اس میں لگے ہوئے سرمایہ کے صلہ یا منافع کو ربا قرار دینا یا نہ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

☆ ہمارے نزدیک اس رقم کو مد محفوظ پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں۔

۱۲- حکومت چونکہ اپنے قائم کردہ نئے مالیاتی ادارے مثلاً میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ وغیرہ کی طرف سے فروخت کردہ حصص کے ذریعہ حاصل شدہ سرمایہ کے بیس فیصد حصہ کو سود پر لگا دیتی ہے، باقی اسی فیصد کو ایکویٹی شیئرز کے خرید فروخت میں لگاتی ہے جس سے لازم آتا ہے کہ میوچول فنڈ یا یونٹ ٹرسٹ اداروں کے حصص کے خریدار کے سرمایہ کا ایک خاص جز سودی کاروبار میں لگتا ہے، اس لئے ہمارے نزدیک اس طرح کے حصص کا خریدنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے شرعاً جائز نہیں ہے۔

خصوصاً اس صورت میں کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ اس کا سرمایہ جس کاروبار میں لگا ہوا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ نیز یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ کل سرمایہ سودی قرض پر حاصل کیا گیا ہے یا نہیں۔

۱۳- ہم تیسرے سوال کے جواب میں عرض کر چکے ہیں کہ حکومت کا یہ جبری قانون اسلامی اصول کے معارض ہے، اس لئے مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں دستور ملک میں دیئے گئے حق کی بنیاد پر سارے مسلمان متحد ہو کر اس قانون و دفعہ کو اسی طرح ختم کرانے کی کامیاب کوشش کریں جس طرح شاہ بانو کیس میں کیا تھا۔ اس مقصد میں کامیابی نہ ہونے کی صورت میں بحالت مجبوری اہل اسلام اپنی صوابدید کے مطابق تمام امور میں وہ موقف اختیار کریں جس میں زیادہ سے زیادہ غیر شرعی باتوں سے بچاؤ ہو سکے۔

۱۴- نفس اجارہ (LEASING) کے معاملہ کی اجازت اسلامی شریعت میں یقیناً موجود ہے۔ لیکن اس سوال میں اجارہ کے جس موجودہ طریق کار کا ذکر ہے اس کی اجازت اسلامی شریعت میں نہیں ہے بلکہ وہ قطعی طور پر حرام وناجائز ہے کیونکہ اس میں طریق کار قطعاً ناجائز ہے۔

جب اجارہ کا یہ طریق کار ہی غلط ہے تو اس کے لئے اسلامی مالیاتی ادارے کا سرمایہ کاری کرنا یا اس کاروبار میں تعاون کے لئے کسی شخص یا ادارے سے معاہدہ کرنا بھی غلط ہے، اور جب اسلامی مالیاتی ادارہ اس طرح کے کاروبار میں معاہدہ کا شرعاً مجاز نہیں تو اس معاہدہ میں شرط مذکور کے ساتھ شامل ہونا کیونکر جائز ہے۔

۱۵- اس طرح کے کاروبار میں تخمینی منافع کو حقیقی منافع مان کر منافع کی باہمی تقسیم کے لئے معاہدہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

☆☆☆

اسلامی ادارہ میں سرمایہ کاری کا طریقہ کار

قاضی عبد الجلیل قاسمی ☆

۱، ۲- سود لینا اور سود دینا دونوں حرام ہیں، جو رقم بطور سود حاصل ہوگی وہ حرام ہوگی، لیکن اگر کوئی شخص سود دیکر قرض لیتا ہے، تو اگر چہ انتہائی مجبوری کے بغیر سود دینا گناہ ہے لیکن جو رقم بطور قرض لی جائے گی اس میں کوئی حرمت نہیں ہوگی، اس لئے ایسا کاروبار جو غیر شرعی نہیں ہے، البتہ سود دیکر حاصل کردہ رقم اس میں لگی ہوئی ہے یا لگائی جارہی ہے اس میں شرکت کرنا اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے جائز ہوگا۔

۳- پندرہ فیصد رقم جس کو ریزرو بینک میں جمع کرنے کا لزوم ہے جمع کرادیا جائے، اس پر جو سود کی رقم حاصل ہو اس کو کھاتہ داروں میں تقسیم کرنے یا بینک کی ضروریات پوری کرنے میں خرچ کرنے کے بجائے سرمایہ محفوظ قائم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔

38.5 فیصد کی رقم سے سرکاری تمسکات خرید کر سود حاصل کرنے کے بجائے بینک اس کے بقدر سرمایہ مستقلاً نقد محفوظ رکھے۔ اور سرمایہ کا 46.5 فی صد حصہ کاروبار میں لگایا جائے، یہ سوچنا کہ دوسرے بینک لوگوں کو زیادہ نفع دیں گے اور اسلامی بینک کم نفع دے گا اس لئے لوگ اسلامی ادارہ میں سرمایہ جمع کرنے میں تامل کریں گے، بے بنیاد بات ہے، اس لئے کہ جب لوگ

☆ نائب قاضی امارت شرعیہ، پٹنہ۔

بغیر کسی نفع کے قومی مفاد کے لئے کروڑوں روپے جمع کرتے ہیں۔ اگر ان کو کم نفع جائز طریقہ پر دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حرام کی زیادہ آمدنی کی خاطر لوگ اس کم حلال آمدنی کو نظر انداز کریں گے، یہ اس وقت ہے جب یہ فرض کرلیا جائے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ بہر حال کم نفع تقسیم کرے گا، حالانکہ کاروبار میں ضروری نہیں ہے کہ نفع یکساں ہو۔ دوسرے بینک بھی 46.5 فی صد رقم میں ہی کاروبار کر سکتے ہیں، اس سے زائد میں نہیں۔ 38.5 فیصد رقم پر تو ان کو ریزرو بینک کی طرف سے معمولی سود ملے گا، ایسی صورت میں ممکن ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کو دوسرے بینکوں سے زیادہ نفع ہو، اور ان کی سودی رقم اور نفع کے مجموعہ سے اسلامی ادارہ کا صرف نفع ہی زیادہ ہوجائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سوال نمبر ۵ کے مطابق دوسرے بینک تو نفع کا صرف پندرہ فیصد ہی کھاتہ داروں کو دیں گے۔ جب کہ اسلامی ادارہ سوال نمبر ۵ کی شق ''ج'' کے تحت پورا نفع دے گا، تو ایسی صورت میں اسلامی ادارہ سے ملنے والا نفع دوسرے کسی بھی بینک سے ملنے والے منافع سے زیادہ ہی ہوسکتا ہے، کم کا امکان نہیں ہوگا۔ اس لئے لوگوں کے لئے دلچسپی ہوسکتی ہے، ریزرو بینک سے ملنے والے سود کو جمع رکھا جائے، اگر وہی اسلامی ادارہ کے سرمایہ کا پندرہ فیصد ہوجائے تو وہی ریزرو بینک میں محفوظ رکھا جائے گا۔

۴- چونکہ اسلامی مالیاتی ادارہ کا کاروبار شرکت کی بنیاد پر ہوگا اس لئے نفع ونقصان دونوں میں شرکت ہونی چاہئے، اگر سرکاری قانون کی مجبوری کی وجہ سے الگ سے کوئی معاہدہ کرنا ہو جس کے ذریعہ نفع ونقصان میں شرکت ہوسکے تو یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مناسب اور ضروری بھی ہوگا۔

۵- ادارہ کھاتہ داروں سے معاہدہ کرتے وقت سرکاری قانون کی روشنی میں یہ واضح کردے کہ ان کا شیئر کیا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ کھاتہ داروں کو علم نہ ہوسکے، کیونکہ شرکت میں شیئر کی تعیین ضروری ہے۔ اس سوال کے شق ''ج'' کے مطابق معاہدہ اور عمل ہو تو بہتر ہے۔ ''ب'' سمجھ

میں نہیں آیا۔

۶-۱- اس سوال کا شق الف جائز ہے۔ یہ بیع ادھار ہے جو جائز ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ ادائیگی کا وقت متعین ہو، قیمت کی ادائیگی قسط در قسط بھی جائز ہے اور یکمشت بھی۔ فقہ وفتاویٰ کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں اس کی وضاحت موجود ہے، اور تیسرے فقہی سمینار منعقدہ بنگلور میں اس سلسلہ میں متفقہ تجویز بھی آچکی ہے (ملاحظہ ہو: مجلہ فقہ اسلامی ۳/ ۱۸۶)۔

۲-بلٹی کا لین دین بیع نہیں ہے بلکہ حوالہ ہے، اور محال بہ میں کمی بیشی سود ہے اور وہ جائز نہیں ہے، جس طرح چیک میں درج واجب الادا رقم کو کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا سود ہے اور ناجائز ہے، اسی طرح بلٹی کا تبادلہ بھی اس میں درج قیمت سے کم وزیادہ پر جائز نہیں ہونا چاہئے۔

البتہ اگر وہ شخص اسلامی مالیاتی ادارہ سے نوے روپے (مثلاً) قرض لے اور ادارہ کو بلٹی میں درج ثمن (مثلاً سو روپے) کے وصول کرنے کا وکیل بنا دے، اور وصول کرنے کی اجرت دس روپے (مثلاً) طے کردے اور اجازت دیدے کہ ادارہ اس وصول شدہ ثمن سے اپنا قرض بھی وصول کرلے تو یہ صورت جائز ہوسکتی ہے۔ اگر بلٹی کی قیمت وصول نہ ہوگی تو ادارہ اس شخص سے اپنا قرض وصول کرے گا، میری یہ رائے ہے کہ امداد الفتاویٰ (جلد ۳ص ۳۲۲) میں مذکور ایک سوال (۲۷۲) اور حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے جواب سے مستفاد ہے۔

۳۔ جائز نہیں ہے، وکیل بالبیع خود مشتری نہیں ہوسکتا۔

" وليس للوكيل بالبيع أن يبيع من نفسه لأن الحقوق تتعلق بالعاقد فيؤدى إلى أن يكون الشخص الواحد فى زمان واحد مسلما ومستلما مطالبا ومطالَبا وهذا محال وكذا لايبيع من نفسه وإن أمره الموكل بذلك لما قلنا" (بدائع الصنائع ۶/ ۲۸)۔

"إلاأن يبيع من نفسه أو من ولده ..... فإنه لايجوز ذلك قطعا وإن

صرح الموکل له بذلک" (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۱۷۵)۔

فقہ کی کتابوں میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ ایک ہی آدمی بائع اور مشتری دونوں نہیں ہوسکتا، نہ اصالۃً اور نہ وکالۃً۔

ازیں قبل لکھا گیا ہے کہ سود پر روپے حاصل کرنا انتہائی مجبوری کے بغیر جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر سود پر روپے قرض لے لئے گئے تو ان روپیوں میں کوئی حرمت نہیں ہے۔ اس لئے ان روپیوں کے ذریعہ جو کاروبار کیا جائے اور وہ غیر شرعی نہ ہو تو اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے اس میں شرکت کرنا جائز ہوگا۔

۸- اس طرح کے کاروبار میں شرکت کی اجازت دی جانی چاہئے، البتہ سود سے استفادہ نہیں کیا جائے۔

۹، ۱۰- یہ کفالۃ ہے۔ اور کفالہ شرعاً متقوم نہیں ہے کہ اس کا معاوضہ لینا جائز ہو۔ یہ عقد تبرع ہے۔

"ولا تصح الکفالة إلا ممن یملک التبرع" (مجمع الانہر ۲/ ۱۲۴)" لأنها عقد تبرع فلا تنعقد ممن لیس من أهل التبرع" (بدائع الصنائع ۶/ ۵) "لأن الکفالة عقد تبرع فتصح ممن یملک التبرع ولاتصح ممن لایملکه" (لسان الحکام/ ص ۲۵۵)۔

اس صورت میں عقد بیع اور عقد اجارہ کا اجتماع ایک ہی عقد میں لازم آتا ہے اور وہ ممنوع ہے، صاحب ہدایہ نے ایک جگہ بیع میں شرط لگانے کو ممنوع قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"لأنه لو کان الخدمة والسکنی یقابلهما شیء من الثمن یکون إجارة فی بیع ولو کان لایقابلهما یکون إعارة فی بیع وقد نهی النبی ﷺ عن صفقتین فی صفقة"۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ ایسی بیع جس میں اجارہ بھی ہو جائز نہیں۔ لیکن اس

طریقہ سے اسلامی مالیاتی ادارہ کو جو نفع ہوسکتا ہے اس کی جائز شکل دوسری موجود ہے۔

مثلاً ادارہ نے ایک ٹرک دولاکھ روپے میں خرید کیا۔ اور چالیس قسطوں اور چالیس ماہ میں ادائیگی کی پابندی کے ساتھ گاہک کو دیدیا۔ اور اس کا کرایہ ایک ہزار روپے ماہانہ مقرر کردیا۔ اس طرح ایک قسط پانچ ہزار کے مقابلہ میں کرایہ پچیس روپے ہوں گے۔ جب ایک ماہ کے بعد گاہک پہلی قسط پانچ ہزار روپے ادا کرے گا تو کرایہ بھی ایک ہزار روپے دے گا۔ اور ٹرک میں چالیسویں حصہ کا مالک ہوجائے گا۔ اور اس کے مقابلہ میں کرایہ کا بھی مستحق ہوگا۔ یعنی دوسرے ماہ میں ایک ہزار کرایہ میں سے ادارہ =/975 روپے کا مالک ہوگا۔ =/25 روپئے کا مالک وہ گاہک ہوگا، یعنی دوسرے ماہ میں دوسری قسط پانچ ہزار روپئے کے ساتھ کرایہ =/975 روپے ہی ادا کرے گا۔ اس طرح ہر قسط کی ادائیگی کے ساتھ کرایہ کی رقم میں =/25 روپے کی کمی ہوتی جائیگی، اور آخری چالیسویں قسط پانچ ہزار روپے کے ساتھ کرایہ کی رقم =/25 روپے ادا کرے گا۔ اس طرح ادارہ کو بطور کرایہ بیس ہزار پانچ سو روپے ملیں گے۔

لیکن چونکہ یہ بیع اجارہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ اس لئے اگر سوال نمبر ۶ کی شق نمبر ا کی صورت اختیار کی جائے اور دولاکھ میں ٹرک خرید کر گاہک کو دولاکھ بیس ہزار پانچ سو روپے میں دیا جائے، اور چالیس قسطوں میں فی قسط پانچ ہزار پانچ سو بارہ روپے پچاس پیسے ماہانہ قیمت وصول کی جائے تو بھی ادارہ کو مذکورہ رقم جائز طریقہ سے حاصل ہوجائے گی۔

۱۲- اسلامی مالیاتی ادارہ کو خود ہی ایسی کمپنیوں میں سرمایہ لگانا چاہئے جن کے بارے میں علم ہے کہ وہ غیر شرعی کاروبار نہیں کرتی ہیں۔ اس میں حکومت کو ذریعہ بنانے اور نامعلوم کمپنیوں میں سرمایہ لگانے کو کسی طرح مناسب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور جب تک اس کاروبار کا جائز یا ناجائز ہونا معلوم نہ ہو اس میں سرمایہ کاری کے جواز یا عدم جواز کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۳- سوال کا مقصد واضح طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔ ریزرو بینک سے ملنے والے سود کا حساب اور جن لوگوں کو قرض دیا جائے ان سے وصول ہونے والے سود کا حساب رکھا جائے اور عام

حالات میں دونوں ذرائع سے سود کے تحت ملنے والی رقوم مساوی ہوجائیں گی تو رائے کس چیز کے بارے میں پوچھی جارہی ہے۔

اگر مقصد یہ ہے کہ ریزروبینک میں رقم رکھی گئی ہے اس پر سود ملے گا، اور دوسری طرف اسلامی مالیاتی ادارہ اسی بینک سے قرض لے گا اور اس پر سود ادا کرے گا۔ اور دونوں کا ایک سودی حساب رکھا جائے، اور عام حالات میں دونوں مساوی ہوں گے، تو یہ صورت حال جائز ہے۔ اس لئے کہ صرف حساب میں سود ہوگا، حقیقت میں سود نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو اضافی رقم دی گئی ہے وہی واپس آگئی یا جو اضافی رقم آئی ہے وہی واپس کی گئی۔ اور کوئی اگر دوسرا مقصد ہے تو وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۴- اسلامی مالیاتی ادارہ جب شرعی قوانین کی بنیاد پر قائم ہوگا تو اس میں ان قوانین کی رعایت میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے جو فقہ اسلامی میں مصرح ہیں۔ اس سوال میں اجارہ کے ساتھ سود کا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر اجارہ کے ساتھ بیع والا معاملہ ہے تو اس کا عدم جواز اور اس کی متبادل جائز صورت سوال نمبر ۱۱ میں مذکور ہوئی۔ اگر اثاثہ سے مراد نقد ہے تو نقد کا اجارہ صحیح نہیں ہے۔ وہ دراصل اجارہ نہیں قرض ہے۔ اور اس پر جو زائد رقم لی جائے گی وہ کرایہ نہیں بلکہ سود ہے، اور حرام ہے۔ اگر اثاثہ سے مراد سامان ہے تو کرایہ کے ساتھ سود کا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر مراد یہ ہے کہ دولاکھ کا ٹرک کرایہ پر دیا گیا، اور دولاکھ کی رقم پر سود الگ سے متعین کیا گیا، تو میرے خیال میں دونوں رقم کرایہ ہوں گی، اس پر سود کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا۔

جہاں تک اجارہ کے فسخ کا سوال ہے تو امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ کے یہاں کسی بھی عذر کی وجہ سے یہ عقد فسخ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعذار کی بنیاد پر فسخ کیا جاسکتا ہے۔ اور ان اعذار کی صراحت فقہ وفتاوی کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر کوئی مصلحت مقتضی ہو تو امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق عقد کے فسخ کرنے کا اختیار سلب کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس پر بھی غور کرلینا مناسب ہوگا کہ بعض حالات میں اس عقد کو فسخ نہ کرنا بالکل عقل ونقل کے

خلاف محسوس ہوگا۔ جب کہ علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے:

"ثم إنكار الفسخ عند تحقق العذر خروج عن العقل والشرع لأنه يقتضي أن من اشتكى ضرسه فاستأجر رجلا ليقلعها فسكن الوجع يجبر على القلع ومن وقعت في يده اكلة فاستأجر رجلا ليقطعها فسكن الوجع ثم برأت يده يجبر على القطع وهذا قبيح عقلاً وشرعاً" (بدائع الصنائع ۴ر ۱۹۷)۔

اسی طرح مجمع الانہر اور رد المحتار میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض اعذار میں اگر اجارہ کو باقی رکھا جائے تو انتہائی نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ان اعذار کی بنیاد پر جن کی صراحت فقہ وفتاوی کی کتابوں میں ہے فسخ اجارہ کی اجازت دی جائے تو اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

۱۵- فقہ وفتاوی کی تقریباً تمام ہی کتب میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ رب المال اور مضارب دونوں کو نفع میں شریک ہونا چاہئے (قدوری ۱۱۸، ہدایہ ۳ر ۲۵۸، مجمع الانہر ۲ر ۳۲۳، بدائع الصنائع ۶ر ۸۵، شامی ۵ر ۶۴۸، کتاب المضاربہ)، اور اس کی صورت یہ ہے کہ نفع مشاع ہو۔ اگر رب المال نفع متعین کرلیتا ہے تو شرکت نہیں رہے گی، کیونکہ ممکن ہے کہ نفع اس سے زائد نہ ہو۔ حالانکہ اس میں اس بات کا بھی امکان ہے کہ نفع غیر معمولی زائد ہوکر مضارب کے لئے کافی نفع بخش ہو۔ لیکن پھر بھی فقہاء نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں تو الفاظ مضاربت کے ضرور ہوں گے اور در اصل متعین سود ادا کرنا ہوگا، اور اس کا نام بجائے سود کے نفع رکھا جائے گا۔ جیسا کہ آجکل کے بینکوں میں سود کو نفع لکھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ مضاربت کے معاملہ میں کاروبار میں نفع ہی ہو، اگر نقصان ہوا تو پورا نقصان رب المال کو برداشت کرنا ہے، تو اس کو نفع کہاں ملے گا۔

سوال میں درج صورت حال تو اس لئے بھی عجیب تر ہے۔ نفع اگر بہت زیادہ ہو تو ادارہ اس میں شریک رہے گا۔ اور اگر نفع کم ہوجائے یا نفع نہ ہو یا نقصان ہوجائے تو ان تمام صورتوں

میں ادارہ ایک متعینہ رقم نفع کے نام سے لے گا۔

بہر حال مضاربت میں رب المال کو متعینہ اضافہ لینا نفع نہیں ہے بلکہ سود ہے، اور وہ جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

☆☆☆

اسلامی بینک سے متعلق سوالوں کے جوابات

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

۱، ۲ – خواہ اس کاروباری اکائی میں پہلے سے ہی سود پر حاصل کی ہوئی رقم لگی ہوئی ہو یا وہ کاروباری اکائی سود پر قرض حاصل کردہ سرمایہ سے شروع ہونے کی منزل میں ہو۔ ان دونوں صورتوں میں اس کاروباری اکائی میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے بشرطیکہ اسے صرف اپنے سرمایہ کا نفع ملے اور اس سرمایہ لگانے کی نوعیت کاروبار میں شرکت کی ہو نہ کہ سود پر دیئے ہوئے قرض کی۔

مزید برآں جس کاروبار میں سرمایہ لگایا جارہا ہے وہ فی نفسہ شرعاً مباح ہونا چاہئے، اور وہ کاروباری اکائی سود پر قرض نہ تقسیم کرتی ہو ورنہ اگر نفع کے ساتھ سود بھی شرکاء کے مابین حصۂ متناسبہ سے تقسیم ہوتا ہو تو اسلامی مالیاتی ادارہ بھی سود وصول کرنے میں شریک ہوجائے گا جو شرعاً جائز نہ ہوگا۔

اور اگر بالفرض وہ کاروباری اکائی سود پر قرض تقسیم کرتی ہو لیکن اسلامی مالیاتی ادارہ کو اس سودی لین دین سے کوئی سروکار نہ ہو بلکہ وہ صرف اپنے سرمایہ کا مقررہ نفع لے تو یہ شرکت شرعاً جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ رہنا چاہئے۔ حکیم الامت

☆ ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حقیقت شرعیہ اس معاملہ کی شرکت ہے، یعنی روپیہ داخل کرنے والے اس تجارت کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان کے وکیل ہیں، اور چونکہ یہ تجارت یعنی بجلی تیار کر کے اہل حاجت کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے اس کا نفع وغیرہ بھی حلال ہے۔ رہا وہ امر خلاف شرع جو اخیر میں لکھا ہے اس عبارت میں کہ بعض اوقات قرضہ (الی قولہ) وصول کرتی ہے، سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو تو اس نے تو کارکنانِ کمپنی کو ان دو امور (یعنی قرض لینا اور اس پر سود ادا کرنا) کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس کی ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی، یہ کلام تو منسوب ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ لیکن یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ کمپنی جو سود وصول کرے گی حصہ داروں پر وہ بھی تقسیم ہوگا، تو سود سے یہ حصہ دار منتفع ہوئے۔ سو اس میں کئی حالتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کمپنی کا کسی کے ذمہ قرضہ ہی نہ ہو، اس لئے سود لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے، اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفتیش سے ہر شخص کو اس جز کا وقوع یا عدمِ وقوع معلوم ہوسکتا ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا ہے، تو اس میں ربوٰ من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے، اس لئے مبتلا کو اس میں تنگی نہ ہوگی۔'' اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکاء کا سود سے انتفاع محتمل ہی نہیں'' (امداد الفتاویٰ ۳/۴۹۱-۴۹۲)۔

۳- الف: اس سودی رقم کو اسلامی مالیاتی ادارہ اپنے رواں اخراجات اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرسکتا ہے، کیونکہ یہ رفاہی کاموں اور مصالح مسلمین میں خرچ کرنا ہے جو کہ اس طرح کی رقموں کا مصرف ہے۔

ب- سودی رقم کو کھاتہ داروں میں نہ تقسیم کیا جائے کیونکہ یہ رقم کھاتہ داروں کے استعمال کے لائق نہیں ہے، لامحالہ اسے (بلانیت ثواب) صدقہ کرنا ہوگا، یا رفاہی کاموں میں خرچ کرنا ہوگا۔ کھاتہ دار کو یہ رقم دیدینے کی صورت میں ہر کھاتہ دار کے ذمہ یہ کام لگ جائے گا، پتہ نہیں کون عمل کرے گا، کون نہیں۔

لہذا سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ اس قسم کی رقموں کو صحیح شرعی مصرف میں خرچ کرنے کا پہلے سے ہی کھاتہ داروں سے وکالت نامہ حاصل کرلے۔

ج- اس رقم کو محفوظ سرمایہ کی جگہ نہ رکھا جائے، کیونکہ محفوظ سرمایہ کے ایک حصہ (تین فیصد سے زائد) پر سود ملے گا، اس طرح سودی رقم مزید سود حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گی، جب کہ سودی رقم اپنے مصارف شرعیہ میں خرچ ہوکر ہوجانی چاہئے۔

د- اس بناپر سروس چارج میں اضافہ درست نہیں ہے، کیونکہ ''سرمایہ محفوظ'' مالیاتی ادارہ کی اپنی ضرورت ہے جو اس کے لئے قانونی مجبوری کا درجہ رکھتی ہے، مگر کھاتہ داروں کے لئے اس طرح کی مجبوری نہیں ہے لہذا اپنی مجبوری کی وجہ سے وہ کھاتہ داروں کو مجبور نہیں کرسکتا۔

پھر یہ کہ اس ''سرمایہ محفوظ'' کے ذریعہ خود اسلامی مالیاتی ادارہ کی ساکھ تو مبنی ہے مگر کھاتہ داروں کی اس سے کوئی مزید خدمت نہیں ہوتی جس کا چارج لیا جائے۔

یہاں اسلامی ڈیولپمنٹ بینک نے اسلامی کانفرس تنظیم کی قائم کردہ اسلامی فقہ اکیڈمی کو جو استفسار بھیجا تھا اور اسلامی فقہ اکیڈمی نے اپنے تیسرے اجلاس منعقدہ ۸ تا ۱۳ رصفر ۱۴۰۷ھ (مطابق ۱۱ تا ۱۶ر اکتوبر ر ۱۹۸۶ء) میں اس پر جو فیصلہ کیا وہ بھی پیش نظر رہے تو بہتر ہے، فیصلہ میں کہا گیا ہے:

''کسی اسلامی بینک کے لئے قرضوں پر آنے والے انتظامی اخراجات پورے کرنے کے لئے حق خدمت لینا جائز ہے لیکن اس صراحت کے ساتھ کہ حق خدمت ان اخراجات پر مبنی ہو جو واقعی کئے گئے ہیں، اگر حق خدمت واقعی اخراجات سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے تو یہ ربا کی

تعریف میں آئے گا، اور اصلاً حرام ہوگا'' (مقالہ اسلامی بینکوں میں مالی وسائل کا استعمال: پروفیسر اوصاف احمد، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ،ص ۱۱۷، ۱۱۸)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے تیسرے فقہی سمینار (منعقدہ بنگلور ۸ تا ۱۱ / جون ۱۹۹۰ء) میں قرارداد نمبر ۳ کے تحت جن علماء کرام نے حق خدمت کو جائز قرار دیا ہے ان کی رائے بھی مذکورہ بالا فیصلہ کی تائید کرتی ہے قرارداد میں کہا گیا ہے:

''ضروری اور واقعی اخراجات محتاط انداز کے ساتھ متعین کئے جا سکتے ہیں، لیکن اگر حسابی مدت کے پورا ہونے کے بعد یہ معلوم ہو کہ انتظامی اخراجات کی مد میں وصول کی گئی تخمینی رقم حقیقی اخراجات سے زائد ہے تو یہ زائد رقم قرض خواہوں کو وصول کئے گئے خرچ کے تناسب سے واپس کر دینا واجب ہوگا'' (اہم فقہی فیصلے،ص ۳۱)۔

اس کے برخلاف حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند نے نظام الفتاویٰ (جلد اول، ص ۲۶۴ تا ۲۶۶، ۲۷۷) میں محکمہ اقتصادیات اپنے قرضوں پر جو زائد رقم بنام ''سود'' وصول کرتا ہے اس کی جو توجیہ وتاویل پیش کی ہے اس کی روشنی میں اس تدقیقی حساب وکتاب کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی اور اخراجات کا تخمینی اندازہ کافی معلوم ہوتا ہے۔ میرا رجحان یہ ہے کہ اگر قرض خواہ مالیاتی ادارہ کو واپسی کے جوکھم اور حسابی تدقیقات سے آزاد کر دے اور صریح اجازت دیدے کہ ''حق خدمت'' کے نام پر جو تخمینی رقم مقرر کی گئی ہے اس میں اگر کچھ زائد ہو جائے تو رفاہی امور میں خرچ کر دی جائے، دوسری طرف مالیاتی ادارہ انتہائی نیک نیتی اور احتیاط کے ساتھ ''حق خدمت'' مقرر کرے، اور علماء کا ایک بورڈ اس کی جانچ کرتا رہے تو زائد رقم پر ربا کا حکم عائد نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴- **الف:** اگر رقم اس طرح جمع کرائی جائے کہ مالیاتی ادارہ اس سے کاروبار کرے گا اور نفع میں شریک کرے گا تو بلا تعدی نقصان کی صورت میں ہر ایک شریک اپنی شرکت کے بقدر نقصان کا ذمہ دار ہوگا، لہذا مذکورہ قرارنامہ لے لیا جائے۔ ہدایہ میں ہے:

" بخلاف مابعد الخلط حيث يهلک على الشركة لأنه لايتميز فيجعل الهلاک من المالين" (کتاب الشرکۃ ۲/۶۱۱)۔

ب- یہ صورت بھی جائز ہے۔

ج- یہ بھی جائز ہے۔

۵-الف : سرکاری تحدیدات کی پابندی کا معاہدہ درست نہ ہوگا، پتہ نہیں کیا کیا سرکاری تحدیدات عائد ہوتی رہیں جو شرعاً جائز نہ ہوں۔ البتہ سوال میں درج صورت میں کھاتہ دار کی حیثیت رب المال کی ہے اور مالیاتی ادارہ کی حیثیت مضارب کی، لہذا مالیاتی ادارہ کی طرف سے تقسیم نفع کی یہ شرط درست ہوگی کہ کھاتہ دار کو کل نفع کا ۱۵ فیصد ادا کیا جائے گا۔

تقسیم نفع کی یہ شرح شرعاً جائز ہے، لیکن اگر روپیوں کی تعیین کردی جائے تو جائز نہ ہوگا۔ ہدایہ میں ہے:

" ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعاً لايستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذلک يقطع الشركة بينهما ولابد منها كما في عقد الشركة" (کتاب المضاربۃ ۳/۲۵۸)۔

ب- تقسیم منافع کی یہ صورت بھی جائز ہے۔

ج- یہ تبادل صورت بھی جائز ہے، اس صورت میں بھی کھاتہ دار کی حیثیت رب المال کی ہی ہوگی، البتہ وہ دو اعتبار سے رب المال ہو جائے گا: ایک کھاتہ داری کی حیثیت سے، دوسرے حصص خریدنے والے کی حیثیت سے۔ رب المال کی ان دونوں حیثیتوں میں چونکہ کوئی منافات نہیں ہے اس لئے اس متبادل صورت پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔ اور تقسیم نفع کی یہ صورت بھی اصول مضاربت کے خلاف نہ ہوگی۔

۶- (۱) معاملہ کی یہ صورت جائز ہے، مگر جو قیمت بھی بتائی ہو مصارف اور نفع شامل کر کے

ایک دام بتا دیا جائے، مدت ادائیگی کے اعتبار سے مختلف دام نہ بتائے جائیں۔

(۲) یہ صورت بھی جائز ہے، مگر یوں کرنا چاہئے کہ الف، ب کو اطلاع کردے کہ وہ مطلوبہ مال کی بلٹی، بلٹی پر درج شدہ رقم ادا کر کے اسلامی مالیاتی ادارہ سے خرید لے، اور خود الف بلٹی کو مالیاتی ادارہ کے ہاتھ بلٹی پر درج رقم سے کم پر فروخت کرے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی لکھتے ہیں:

”خریدار کا کچھ سرمایہ تو بینک میں جمع نہیں ہے لیکن بینک ازخود ادائیگی ثمن کی مقررہ مدت سے قبل ہی مالک مال کو قیمت ادا کردے تو بھی خریدار کا قرض لینا نہ کہیں گے، اور پھر بینک خریدار سے جو رقم اصل قیمت سے زائد لے گا اس کو سود کہنا ضروری نہ ہوگا، اور یہ ظاہر ہے۔

ادائیگی ثمن کی مقررہ تاریخ ختم ہونے کے بعد اگر بنک ازخود قیمت جمع کردے لیکن خریدار سے کوئی معاملہ نہ کرے جب بھی قرض لینا صادق نہ آئے گا، اور اس پر بنک جو رقم اصل ثمن سے زائد لے گا اس کو سود کہنا ضروری نہ ہوگا“ (نظام الفتاویٰ ۱/ ۴۳، ۴۴)۔

(۳) یہ صورت اس طور پر جائز ہے کہ خریداری کا خواہشمند اپنی پسند کا مال خریدنے کے بعد مالیاتی ادارہ کو اطلاع دیدے کہ اس نے مال خرید کر رکھ لیا ہے اور مالیاتی ادارہ یا تو صراحۃً کہہ دے کہ ٹھیک ہے، یا خاموشی اختیار کرے اور مال کا مطالبہ نہ کرے۔

اس صورت میں پہلا قبضہ وکیل بالشراء کی حیثیت سے قبضہ امانت ہوگا، اور اطلاع دینے کے بعد والا قبضہ قبضہ ضمان ہوگا جو من حیث المشتری ہوگا۔

مالیاتی ادارہ کے صراحۃً اجازت دے دینے یا خاموشی اختیار کرنے اور مال کا مطالبہ نہ کرنے کی صورت میں قبضہ کی اصل ”تخلیہ“ پوری ہوجائے گی۔

اس صورت میں مالیاتی ادارہ کو کوئی محنت اور دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑی، بلکہ خریداری کے خواہشمند نے ہی ساری دوڑ دھوپ کی، مگر اس کے باوجود بطور مرابحہ قیمت خرید پر اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

"المرابحة نقل ماملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح" (ہدایہ ۳/ ۵۴)۔

کیونکہ مرابحہ کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ دوڑ دھوپ اور اس پر آنے والے اخراجات کی وجہ سے ہی نفع لے، بلکہ اس کے بغیر بھی اصل قیمت بتا کر نفع لے سکتا ہے، صاف کہہ دے کہ اتنے کا خریدا، یا مجھ تک آنے میں اتنے کا پڑا، اور اس پر اتنا نفع رکھ کر اتنے دام پر تم کو فروخت کرتا ہوں۔

"ويقول: قام على بكذا، ولا يقول: اشتريته بكذا" (ہدایہ ۳/ ۵۷)۔

۷- ایکویٹی شیئرز خریدے جاسکتے ہیں، اور کمپنی کے سودی کاروبار کے متعلق سوال نمبر ۱ و ۲ کے جواب کے تحت تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے۔

۸- سوال میں مذکور نیت کے ساتھ ڈبینچر (سود بردار حصص) کی خریداری کے بارے میں میرا رجحان جواز کی طرف ہے، لیکن اس پر سختی سے عمل ہونا چاہئے کہ ادارہ حاصل شدہ سود سے کسی طرح کا کوئی استفادہ نہ کرے اور اسے غرباء پر صدقہ کردے۔

ایسا نہ ہو کہ خود کو ایک رفاہی ادارہ سمجھ کر اپنے اخراجات میں خرچ کرنے لگے کیونکہ سوال نمبر ۳ (الف) سے اس کی نوعیت بدلی ہوئی ہے، وہاں ادارہ کے لئے قانونی مجبوری تھی یہاں کوئی مجبوری نہیں ہے، اگر ادارہ ڈبینچر نہ خریدے اور اس طرح وقتی طور پر ہی سہی سود نہ حاصل کرے تو وہ مجبور نہیں۔ اور سوال نمبر ۳ میں ریزرو بینک میں رقم جمع کرنے پر مجبور تھا۔

۹- دوڑ دھوپ کرنے کی وجہ سے اجرۃ الخدمۃ کے طور پر جب کہ قرض کی مقدار کی فیصد پر مبنی نہ ہو بلکہ اس سے علیحدہ کر کے بتایا جائے، خواہ رقم وہی ہوجاتی ہو، جائز ہوگا، مگر غیر ضرورتمند کو (مراد ضرورت شرعی ہے) سودی قرض دلوانا جائز نہ ہوگا۔

۱۰- اجرۃ الخدمۃ کے طور پر یہاں پر بھی گنجائش ہے، ٹھیکدار نے بنک سے ضمانت کی صورت میں فائدہ اٹھایا، لہذا مالیاتی ادارہ اس کی اجرت لے سکتا ہے، الاجارة عقد يرد على

المنافع بعوض (ہدایہ ۳/ ۲۹۳)۔

۱۱ - یہ صورت جائز نہیں ہے، اس میں صفقۃ فی صفقۃ کی قباحت پائی جارہی ہے، وھو إجارة فی بیع، اور یہ فساد بیع کا موجب ہے (المستفاد من الہدایہ ۳/ ۴۶)، ایک ہی معاملہ میں اجارہ میں بیع یا بیع میں اجارہ داخل ہوجانا مفسد بیع ہے۔

اس کے بجائے یہ کیا جائے کہ ٹرک یا جو سامان بھی ہو، اسے اپنی رقم سے خرید اجائے اور اصل قیمت پر جو خرچہ اور نفع رکھنا ہو سب کو شامل کر کے ضرورت مند کو مجموعی رقم کے عوض ادھار فروخت کیا جائے، اور قسطیں باندھ کر رقم وصول کی جائے۔

چونکہ صورتِ مذکورہ بالا جائز نہیں ہے اس لئے کرایہ والی رقم کو مد محفوظ کی جگہ نہیں رکھا جاسکتا۔

۱۲ - تفصیلات مذکورہ کے مطابق میوچول فنڈ اور یونٹ ٹرسٹ کے حصص اسلامی مالیاتی ادارہ خرید سکتا ہے، لیکن یہ معلومات حاصل کرنی ضروری ہے کہ کاروبار فی نفسہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، لیکن یہ تحقیق ضروری نہیں ہے کہ وہ کمپنیاں اپنے کاروبار کے لئے سرمایہ سودی قرض پر حاصل کرتی ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں سوال نمبر ۱ و ۲ کے تحت امداد الفتاوی (ج ۳، ص ۴۹۱) کا حوالہ تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔

۱۳ - یہ بات خوب سمجھ میں نہیں آئی کہ اس قسم کے مالیاتی اداروں پر ازروئے قانون لازم ہو کہ جب وہ کسی کو قرض دیں تو اس پر سود وصول کریں۔

میرے علم میں کئی ایسے رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں ہیں جو بلا سود قرض تقسیم کرتی ہیں۔

لیکن اگر بالفرض ایسا قانوناً لازم ہے جو سوال میں کہا گیا ہے تو دونوں کا سودی حساب اس طرح رکھا جاسکتا ہے کہ حقیقۃً تو قرضخواہوں سے کوئی سود وصول نہ کیا گیا ہو لیکن قانونی دشواری سے بچنے کے لئے ان کے حساب میں وصولی سود بھی لکھ دی گئی ہو، اور یہ سودی رقم ریزرو بینک اور

سرکاری تمسکات پر حاصل شدہ سود سے لے لی گئی ہو۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے: ''العبرة لما هو الواقع لا بما كتب بالخط من الوقائع'' (۶۷/۲)۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں فتاویٰ مہدویہ تکملہ رد المحتار (۴۵۹/۲) کے حوالہ سے لکھا ہے: '' العبرة لما في الواقع لا بما كتب خلاف ذلك '' (۵-۲۷۵/۶)۔

عباراتِ مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ شریعت میں حقیقت واقعہ کا اعتبار ہے، نہ کہ اس بات کا جو خلافِ واقعہ تحریر میں آ گئی ہو۔

۱۴- اجارہ کا موجودہ طریقہ کار جس کی تفصیل سوال نمبر ۱۱ کے تحت موجود ہے، ناجائز ہے، اورعدم جواز کی وجہ بیع میں اجارہ یا اجارہ میں بیع کا پایا جانا ہے جسے اصطلاح فقہ میں صفقة فی صفقة کہا جاتا ہے، اور یہ مفسد بیع ہے۔

اس کے جواز کی صورت وہی ہے جو سوال نمبر ۱۱ کے جواب کے تحت لکھی گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ حقیقت میں یہ بیع ہی ہے، اجارہ تو اس لئے شامل کیا گیا ہے تا کہ ادارہ کا نفع بڑھ جائے، لہذا شروع میں ہی سارا نفع وخرچہ جو بھی رکھنا ہو، قیمت کے ساتھ مجموعی طور پر بتا دیا جائے، اور صرف بیع کی جائے نہ کہ اجارہ۔ اس صورت میں کوئی فریق معاہدہ سے شرعاً دستبردار نہ ہو سکے گا۔

ہدایہ میں ہے: ''وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع ولا خيار لواحد منهما إلا من عيب أو عدم رؤية الخ'' (۴/۳)۔

اور اگر صرف اجارہ کرنا ہوتو اجارہ ہی کرے اس میں بیع شامل نہ کرے، لیکن اجارہ کی صورت میں بعض اعذار کی بنا پر صاحب عذر اجارہ ختم کرسکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''وإذا تحقق العذر ومست الحاجة إلى النقض هل يتفرد صاحب العذر بالنقض أو يحتاج إلى القضاء أو الرضى اختلفت الروايات فيه والصحيح إن العذر إذا كان ظاهراً يتفرد وإن كان مشتبها لايتفرد

كذا في فتاوىٰ قاضيخان" (۳/۵۳۱)۔

ہدایہ میں ہے:

"إن كان العذر ظاهراً لايحتاج إلى القضاء وإن كان غير ظاهر كالدين يحتاج إلى القضاء لظهور العذر" (۳/۳۰۰ کتاب الاجارۃ)۔

کس صورت میں اجارہ صاحب عذر ختم کرسکتا ہے، کس صورت میں نہیں؟ ضرورت پڑنے پر اصحاب افتاء سے رجوع کیا جائے۔

تاوان نہ اجارہ میں عائد کیا جاسکتا ہے نہ بیع میں، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے جو کہ ناجائز ہے، تفصیل رد المحتار (۴/۱۷۹، ۱۸۰) میں ہے۔

لہذا تاوان اس صورت میں بھی عائد نہیں کیا جاسکتا جب یہ بیع ہو، حالانکہ بیع مکمل ہوجانے کے بعد بائع اور مشتری میں سے کوئی بھی بیع کو ختم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اس صورت میں بھی تاوان نہیں عائد کیا جاسکتا جب یہ اجارہ ہو، کیونکہ اجارہ میں تو صاحب عذر اجارہ ختم کرنے کا شرعاً حق بھی رکھتا ہے۔

البتہ جیسا کہ ابتداء میں لکھا گیا بیع کی صورت اختیار کی جائے اور قسطیں باندھ کر رقم وصول کی جائے، اور ملکیت کی منتقلی کے کاغذات کی حوالگی آخری قسط کی ادائیگی پر معلق رکھی جائے، اطمینان کے لئے کوئی چیز بھی رہن رکھ لی جائے۔

اگر قسطوں کی ادائیگی میں کوتاہی ہورہی ہوتو کچھ ضوابط مقرر کرکے جمع کردہ رقم کو کچھ عرصہ کے لئے منجمد کیا جاسکتا ہے (جواہر الفقہ حصہ دوم، ص ۱۹۰) لیکن بالکل ضبط نہیں کیا جاسکتا (حوالہ مذکورہ)۔

دوبارہ اجراء کے لئے کاغذات وفارم کی قیمت اور فارم کی خانہ پری کی اجرت لی جاسکتی ہے۔

۱۵- تخمینی منافع کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ یہ مضاربت ہے، البتہ کئی لوگوں کے حساب

وکتاب کی تنقیح (آڈٹ) کے لئے کوئی مشترک انتظام کرلیا جائے، اور کاروبار پر لگی رقم کے اعتبار سے تنقیح کے اخراجات کو ہر ایک کے نفع پر تقسیم کردیا جائے، کیونکہ یہ بھی مضاربت کے اخراجات میں شامل ہے، لہذا اخراجات کے بعد جو نفع بچے وہ حسب معاہدہ مضاربت فریقین میں تقسیم ہو: "کما ھو مصرح فی عامة الکتب الفقهیة" ۔

☆☆☆

اسلامی مالیاتی ادارے

مولانا قاری امداد اللہ انجم رشادیؒ ☆

۱، ۲- بینک وغیرہ کسی ذریعے سے سود پر قرض حاصل کرنا چوں کہ حرام اور غلط تھا اس لئے اسلامی بینکنگ کی فکر کی گئی، پھر اس سود پر حاصل شدہ رقم کی بنیاد پر کوئی کاروبار شروع ہورہا ہو یا چل رہا ہو تو اس سلسلے میں اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلم کیسے سرمایہ لگائے؟ لہذا سود پر رقم حاصل کرنے والی کمپنی غیر شرعی ہوگی۔ پھر کاروبار کی نوعیت سے بحث ہی کیا ہے جبکہ موضوع سود ہے۔ اس لئے کہ اگر کاروبار خود غیر شرعی ہو تو سود سے قطع نظر بھی وہ غیر شرعی ہے، اور جو کاروبار شرعی ہوں وہ اس وقت ناجائز ہوجائیں گے جب اس میں سود آگیا۔

اور مزید یہ بھی کہ وہ کمپنی اپنے قرضے کے لئے جو سود نکالے گی وہ سارے ہی حصہ داروں کے نفع سے نکالے گی، اس طرح سارے حصہ دار قرضہ اور سود میں برابر ہوجائیں گے، اور اگر بالفرض کمپنی یہ کہے کہ ہم ٹرسٹی یا متعینہ بڑے حصہ دار ہی کو نفع سود ادا کریں گے، اس لئے کہ کمپنی ہماری ہے اور بڑے منافع ہم کو ملتے ہیں اور عام حصہ داروں کو صرف کاروبار سے وابستگی رہے گی، تب بھی اولاً مذکورہ صورت حال پر بنیادی طور سے کمپنی سود کی رقم سے قائم کی گئی ہے، لہذا اسلامی مالیاتی ادارہ یا کسی بھی شخص کو ایسے کاروبار میں شرکت کرنا ناجائز ہے۔

☆ سابق استاذ حدیث دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور۔

۳- چونکہ ہمارا ملک خالص اسلامی نہیں، اس لئے کچھ مجبوریاں تو درپیش ہوں گی۔ خواہ حکومت کی خواہ دیگر، اس لئے ریزرو بینک وغیرہ میں جمع شدہ جبری تمسکات کے سود کو ادارہ اپنے رواں اخراجات وضروریات میں استعمال کرنے لگے یا کھاتہ داروں میں تقسیم کرے تو وہی بات ہوجائے گی اور سب ہی سود میں ملوث ہوجائیں گے۔

البتہ بغیر کسی تعلق کے سود کی لازمی آمیزش سے گریز کرتے ہوئے "محفوظ سرمایہ" کے نام اس رقم کو رکھا جائے جیسا کہ (ج) میں فرمایا گیا ہے تو اہل نظر جرح وتعدیل کے بعد فیصلہ کرسکتے ہیں، اور اس سے ادارے کی ظاہری ساکھ بھی قائم رہے گی۔ اور یہ اس لئے بھی شاید مناسب ہے کہ (د) میں پیش کردہ صورت (کہ سروس چارج میں کچھ اضافے سے سرمایہ محفوظ قائم ہو) سے بچا جاسکے، اس لئے کہ سروس چارجز میں آخری درجے تک تخفیف ہی غیر سودی اداروں کا عنوان ہے۔

۴- الف: ادارے کو پیش آنے والے نقصان کے لئے کھاتہ داروں سے ان کے منافع یا اصل سرمایہ میں سے حسب نقصان ان کے حصہ متناسبہ کے مقدار تخفیف کے حق کا معاہدہ تو ابتداہی سے لازم اور ضروری ہے، اس لئے کہ یہی تو سودی اور غیر سودی اداروں کا خط امتیاز ہے، البتہ ادارہ آخری مرحلے تک پوری کوشش کرے گا کہ سرمایہ اصلی میں کمی سے بچا جاسکے۔

اور مرسلہ رپورٹ کے صفحہ ۱۳ میں جناب رحمان خان صاحب کے خیال کے مصداق کہ "پارٹنر شپ کی ہیئت مناسب نہیں، کیوں کہ یہ سرمایہ کاری اتھارٹی کے انکشافات اور تنقیحی ضوابط کی پابند نہیں، اس لئے بے ایمان عناصر اس کو عوام کی دھوکہ دہی کے لئے استعمال کرسکتے ہیں" پوری توجہ وسعی اور نگہداری ہو کہ نقصان کے نام پر آہستہ آہستہ اصل سرمایے کو ختم کرنے کی سازش تو نہیں ہورہی ہے۔ لیکن قطعی عدم نقصان کی اتھارٹی سے بھی ادارہ گریز کرے گا، اس لئے کہ یہ اصول کے خلاف اور غیر شرعی ہے۔

ب- ادارے سے خارج افراد کی یعنی غیر متعلقہ افراد کی ذمہ داری لینا کس اصول کے تحت آئے گا؟ کیا ادارہ ایسی صورت کو اپنے قانون میں شامل نہیں کرے گا، تو یہ عام انسانی ہمدردی اور تعاون باہمی کے عمومی ضابطے میں آئے گی جس سے بحث نہیں۔ لیکن اگر یہ ترتیب ادارے کے دفتر میں داخل ہو کر قانون بن جاتی ہے تو یہ ادارے ہی کی ذمہ داری سمجھی جائے گی، یعنی دوسرے لفظوں میں ادارے کی گارنٹی گردانی جائے گی جو کہ بالکل سودی بینکوں کے اصول کی طرح ہے، لہٰذا ناجائز ہے۔

ج- کل تقسیم شدنی نفع کے ایک حصہ کو ڈپازیٹروں کی اجازت سے کسی بھی سال ہونے والے نقصان کی تلافی کے لئے ادارہ اپنے پاس جمع رکھتا ہے تو یہ حسب مذکورہ خالص رضا کارانہ ہونا چاہیے۔ یعنی اس میں ڈیپازیٹروں کو سمجھا بجھا کر آمادہ کرلیا جانا چاہیے۔ جس میں کسی طرح کی زبردستی نہ ہوگی تو یہ جائز اور صحیح ہے، مگر بہتر یہ ہوگا کہ جمع شدہ رقم ادارے کے نام دائمی نہ بنے بلکہ ہر برس کے لئے وقتی طور پر جمع رہے اور عدم نقصان کی صورت دوسرے سال کے شروع میں ڈپازیٹروں کے اصل سرمایہ میں بڑھالیا جائے، یا انھیں واپس کردیا جائے اور پھر نئے حساب سے دوبارہ ایک سال کے لئے جمع کرلیا جائے، یا زیادہ سے زیادہ دو یا تین سالوں کے لئے بھی حساب کیا جاسکتا ہے اگر ضروری اور مجبوری ہو۔

۵- الف: غیر سودی اسلامی مالیاتی اداروں میں کھاتہ داروں کی حیثیت کیا ہے؟ اگر بعینہ سودی بینکوں کی حیثیت ہے جس کی وجہ منافع کی شرح پندرہ فیصد متعین کردی گئی تو یہ کہاں شرعی اور جائز ہے؟ لہٰذا بغیر شیئر کے منافع کی شرح کے ساتھ کھاتہ داروں کی اسلامی مالیاتی اداروں میں کوئی گنجائش نہیں۔

ہاں دیگر سودی بینکوں کی طرح پانچ، سات، یا دس فیصد منافع کے حساب کے بغیر صرف امانت وحفاظت کی خاطر لوگ سیونگ وغیرہ کھاتے رکھیں تو یہ درست ہوگا جس میں بینک قطعی حفاظت اور مکمل واپسی کی گارنٹی دے گی مگر فیصد منافع کا کسی بھی طور پر سوال وحساب نہیں

آئے گا۔

اس طرح کچھ لوگ قطعی کھاتہ دار ہو جائیں گے اور کچھ لوگ قطعی حصہ دار، دونوں کی ملی جلی صورت کی کوئی شکل نہیں۔

یا (ج) میں مذکورہ صورت متبادل کے مطابق کھاتہ داروں کو بھی منافع کی خاطر قطعی شیئر ہولڈر بنادیا جائے اور حسب تناسب بشرح فیصدی منافع بغیر تحدید کے تقسیم ہوں، البتہ حساب میں کچھ لازمی مجبوری یعنی حکومت کی پابندی ہو تو دفتر میں دو حیثیتیں دی جائیں۔ چنانچہ اس میں منافع محدود ہو کر نہایت کم بھی ہو سکتے ہیں، بلکہ منافع مکمل ختم ہو کر نقصان کا دروازہ بھی کھل سکتا ہے، مگر اس میں مزید معاہدے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ یہ معاہدہ بھی وہی معاہدہ ہوگا جو مقصدی اور بنیادی ہے، اگر کوئی نیا معاہدہ مزید ہے تو اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۶-(ا) مسئلہ درست اور صحیح ہے کہ مصرف و نفع شامل کر کے قیمت بتادی جائے اور مدت ادائیگی کے اعتبار سے مختلف دام نہ بتائیں جائیں، یعنی خریدار کا عندیہ معلوم کر کے خواہ نقد ہو خواہ ادھار ایک دام بتانا ہوگا۔ اور ادھار کی قیمت میں اضافہ کی شریعت میں گنجائش ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے: **وعند قيام المبيع يزاد الثمن بالأجل** (ہدایہ ۳/۵۹)۔

البتہ ایک ساتھ نقد وادھار کی قیمت جدا جدا بتانا جائز نہیں، اور حسب بحوث سابقہ ادھار بیع یا معاہدہ بیع میں اجل معلوم کی شرط واضح ہونی چاہیے۔

(۲) ''الف'' کا ادارے کو بغرض فروخت بلٹی پیش کرنا اور ادارہ درج شدہ قیمت سے کم میں خرید کر یعنی اپنا کمیشن حاصل کر کے کل درج شدہ قیمت پر بلٹی فروخت کرنے پر حضرت والا کے مراسلے میں مذکور حکم ''بلٹی بینک کو فروخت کرنا حقیقت میں فروخت کرنا نہیں ہے، کیونکہ بینک بائع مشتری دونوں سے سود لیتا ہے، لہذا بینک سے یہ معاہدہ درست نہیں ہے، البتہ عام افراد یا کوئی عام ادارہ خرید کر قیمت خرید پر اضافہ کر کے فروخت کرے تو جائز ہے'' کے مطابق صورت اول کا عدم جواز اور صورت ثانیہ کا جواز سمجھ میں آتا ہے، تاہم اس میں مجھے یہ اشکال ہے کہ بلٹی کی

حیثیت پہلے واضح ہو، خواہ عام افراد یا ادارہ خرید فروخت کرے، یعنی بلٹی مال ہے؟ یا کرنسی؟ یا رسید؟ یا حقوق؟ اگر مال ہو بھی تو بدائع الصنائع میں مذکورہ حکم" وبيع المنقول لا يجوز قبل القبض بلا خلاف بين أصحابنا " کے مصداق جو چیز کسی کے قبضے میں نہ ہو گو وہ اس کا مالک بھی بن گیا ہو مگر قبضے میں آنے سے پہلے عند الاحناف اشیاء منقولہ کی بیع جائز نہیں (اعلاء السنن)، اسی طرح شوافع وحنابلہ بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، صرف مالکیہ کے پاس جائز ہے۔

(۳)- اسلامی مالیاتی ادارہ کسی خواہشمند خریدار کو اپنا وکیل قرار دیکر اس شرط پر سرمایہ فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے لئے مال مطلوبہ خرید کر قیمت پر کچھ اضافہ کر کے بحیثیت وکیل ادارہ خود کو ہی فروخت کر لیتا ہے اور پھر قیمت فروخت ادارے کے حوالے کرتا ہے تو اس میں یہ اشکال ہے کہ کیا ایک ہی شخص کا بائع اور مشتری ہونا جائز ہے؟ اگرچہ ادارہ اس میں بائع کی حیثیت رکھتا ہے مگر وکیل بنا دینے کی وجہ سے یہ شخص بھی بائع ہو گیا اور مشتری بھی، تو ایک شخص کا بائع ومشتری ہونا کیا درست ہے؟

۷- شیئر کمپنی کے ایکویٹی شیئرز خریدنا جائز ہے، اس لئے کہ وہ سودی حساب قطعی نہیں کرتے بلکہ فیصد کے حساب سے نفع دیتے ہیں، ہاں اگر کوئی کمپنی نام تو ایکویٹی شیئرز کا رکھتی ہے اور حسابات سود سے وابستہ ہوں تو یہ خارج از بحث ناجائز ہے۔

۸- یہ بالکل صحیح ہے کہ ایکویٹی شیئرز میں تبدیل ہو جانے والے ڈبینچرس پر عارضی طور پر ملنے والے سود سے عدم استفادہ کی نیت کے باوجود ڈبینچرس کی خرید جائز نہیں، اس لئے کہ مسائل ظاہرہ کی حلت وحرمت کے بیچ نیتوں سے بحث نہیں کی جاتی۔

۹- جواب قطعی درست ہے کہ کسی بھی شخص کو سودی قرض دلانے کی ضمانت درست نہیں اور اس پر کمیشن لینا بھی ناجائز ہے، یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کسی چور کی رہبری اور تعاون کیا جائے اور مال مسروقہ پر کمیشن حاصل کر کے تسلی کر لیں کہ ہم نے تو چوری نہیں کی ہے۔

۱۰- اسلامی مالیاتی ادارے کی مالی ساکھ اور اعتماد برقرار رہنے کے فائدے کی خاطر بینکوں کو

ٹھیکیداروں کی ضمانت دینے پر یہ سوال آتا ہے کہ غیر مالی ضمانت کی وجہ سے جو آمدنی ہوگی وہ تو خوب ہے، مگر ضمانت کسے دی جارہی ہے اور کس بات کی؟ یعنی ضمانت دی جارہی ہے اس بینک کو جو محض سودی پر قرضہ دیتا ہے، خواہ یہ ٹھیکیدار ہو خواہ کوئی، اور اب ادارے کی ضمانت اس بات پر ہوگی کہ یہ ٹھیکیدار بر وقت اپنے قرضے کی قسط سود سمیت ادا نہ کرے گا یعنی وہ قرضہ یا سود ادا کر سکے تو ہم ادا کردیں گے۔ اس طرح اس خالص سودی لین دین میں ادارے کی مداخلت اور ضمانت کیسے درست ہوسکتی ہے۔ لہذا جہاں تک مجھے سمجھ میں آتا ہے اسلامی مالیاتی اداروں کی ضمانت بینکوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

۱۱ – اسلامی مالیاتی ادارہ کسی کو شریک ملکیت قرار دیکر اپنے سرمایے سے ٹرک خرید کر بطور قرض دیتا ہے، اور متعینہ اقساط کی رقم کے علاوہ ماہانہ کرایہ بھی وصول کرتا ہے، حتی کہ اقساط کی تکمیل کے بعد وہ شخص ٹرک کا مالک بن جاتا ہے۔ اور کرایہ کی رقم بینک کے منافع میں شامل ہوجاتی ہے، اس مسئلہ کے جواز کی نسبت یہ عرض ہے کہ ادارہ اس باب میں اگر اس شخص کو قطعیت کے ساتھ شریک ملکیت متصور کرلے تو درست اور جائز ہے۔ یعنی اس کی صورت یہی ہوگی کہ شرکت ملکیت اور اتھارٹی کے کاغذات ابتداءً ہی اس شخص کو دے دینا ہوگا۔ اور اگر اقساط مقروضہ مکمل ہونے تک ملکیت یا شرکت ملکیت کے کاغذات اس شخص کو نہیں ملتے تو شریک ملک ٹھہرانا غلط اور بے معنی ہوگا، جیسے سودی بینک عام طور پر مال لینے والوں کو اتھارٹی اور ملکیت کے کاغذات اس وقت تک بالکل نہیں دیتی جب تک کہ وہ اپنے متعینہ اقساط کی رقم ادا نہ کردیں یعنی گویا پوری رقم پہنچانے سے پہلے وہ مالک ہوتا ہی نہیں، حتی کہ اقساط کو درمیان میں روک دے تو بینک مال پر دوبارہ قبضہ کرلیتی ہے۔ لہذا کاغذات یعنی مالک ہونے کی سند اور اتھارٹی ابتداءً ہی مل جانی چاہیے۔ اور اگر اس میں الجھنیں ہوں تو بات پھر مشتبہ ہوکر عدم جواز کی شکل آجاتی ہے۔

۱۲ – چوں کہ یونٹ ٹرسٹ جیسے اداروں کے اصولوں کے مطابق کل جمع شدہ سرمائے کے چالیس فیصد کو سودی کاروبار میں لگا کر منافع حاصل کرنے کا حق بینک کو حاصل رہتا ہے۔ اور ۶۰

فیصد سے شیئرز کی خریداری میں کسی حلال کاروبار کرنے والی کمپنی کے ضروری ہونے کی شرط نہیں ہوتی اس لئے ناجائز ذرائع آمدنی سے منافع حاصل کرنے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے یونٹ ٹرسٹ کے حصص اسکیم کے تحت خریدنا غلط اور ناجائز ہونے کا فیصلہ قطعی درست ہے۔

۱۳ – یہ درست اور صحیح ہے کہ جبری رقومات کا سود جبری قرضہ جات کے سود میں مستعمل ہو یا حسب مسئلہ (۲-۳) محفوظ سرمایہ میں رکھا جائے۔ لیکن اس سود کو ادارہ کا اپنے رواں اخراجات میں شامل کرلینا درست نہیں۔

۱۴ – اسلامی اصولوں کے تحت چلنے والے مالیاتی اداروں کے قوانین کا لحاظ کرنے والے ثالث کے فیصلے کو قبول کرنا درست اور جائز ہے، لیکن کوئی ادارہ شریعت کا پابند نہ ہو تو نہ ثالث لحاظ کرے اور نہ لوگ قبول کریں۔

۱۵ – یہ صحیح اور درست ہے کہ تخمینی منافع کا اندازہ کرنا اور اسی کے مطابق منافع کی باہمی تقسیم کو بموجب معاہدہ عمل میں لانا غلط اور ناجائز ہے۔

☆☆☆

غیر سرکاری بینکاری

مفتی محمد نور الہدیٰ قاسمی

۱، ۲- اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ وہ کاروبار جس میں اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا سرمایہ لگانا چاہتا ہے۔ اگر وہ فی نفسہ غیر شرعی نہیں ہے تو پھر ایسے کاروباری اکائی میں سرمایہ لگانے سے کوئی محظور شرعی لازم نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ نہ یہاں سود حاصل کرنا ہے اور نہ سود کی اعانت کرنا، بلکہ ادارہ کو اپنا سرمایہ بڑھانا اور کاروبار کرنا ہے اور یہ چیزیں یہاں موجود ہیں۔

۳- (الف، ب، ج) جہاں تک بینک میں جمع شدہ ڈپازٹ (کھاتوں) کا تعلق ہے، خواہ وہ جس مصلحت سے ہو، اس سے ملنے والی زیادہ رقم بہر صورت حرام ہی ہوگی۔ خواہ اسے ادارہ اپنے اخراجات میں صرف کرلے، یا کھاتہ داروں کے درمیان تقسیم کرے، یا اسے سرمایہ محفوظ کرنے کی خاطر استعمال میں لائے، کیونکہ یہ ایک سود ہے جو نص قطعی حرام ہے، جیسے: ''أحل الله البيع و حرم الربا'' (القرآن)۔

(د) اب رہی بات اسلامی مالیاتی ادارے کا سروس چارج (اجرۃ الخدمۃ) کھاتہ داروں سے وصول کرنا تو اولاً یہی مخدوش ہے۔ ادارہ اجرت الخدمت آیا کس بنیاد پر لے رہا ہے۔ اگر مال کی حفاظت پر ہے تو صحیح نہیں، کیونکہ مال کی حفاظت ہر حال میں اس پر ضروری ہے، شامی میں ہے:

"ولو شرط الراهن للمرتهن أجرة على حفظ الرهن لا يستحق شيئاً لأن الحفظ واجب عليه" (شامی ۵/ ۳۱۴)۔

اور جب بنیاد ہی مخدوش ہو تو پھر اس پر اضافہ کی بات کرنا کسی حد تک صحیح نہیں۔ اگر ادارہ کو قانونی لزوم کے تحت سرمایہ محفوظ ہی کرنا ہے تو وہ اس سلسلے مس کوئی اور لائحہ عمل تجویز کرے۔

۴ - (الف، ب، ج) رقم ڈپازٹ کرنے والوں سے اگر شروع میں یہ قرارنامہ فارم پُر کرتے ہی وقت لے لیا جائے کہ نفع اور نقصان ہر دو میں وہ ادارے کا مماثل ومشارک رہے گا تو یہ جائز ہے، بلکہ ایسا کر لینا ہی بہتر ہے تاکہ معاملہ بالکل صاف رہے۔ اور اگر ادارہ کے پروموٹرس (مؤسسین) یا دوسرے ہمدردان اس کے نقصان کی ذمہ داری لے لیں تو یہ بھی درست ہے، یا کھاتہ داروں سے شروع ہی میں یہ اجازت حاصل کر لی جائے کہ کل تقسیم شدنی کے ایک جز کو ادارہ اپنے پاس محفوظ رکھ لے گا۔ کسی سال نقصان ہونے کی صورت میں اس کی تلافی کے لئے اس محفوظ رقم کو استعمال میں لائے گا، تو یہ بھی جائز ہے۔ مذکورہ تینوں صورتوں میں سے خواہ جس صورت کو اپنالی جائے بہر حال بہتر ہے۔

۵ - (الف، ب، ج) اسلامی مالیاتی ادارہ کو اس امر کا التزام کرنا چاہئے کہ کھاتہ داروں کو اس کے حصۂ متناسبہ سے نفع تقسیم کرے، یا کوئی ایسی صورت اختیار کرے جس میں کسی قسم کا کسی شخص پر ظلم نہ ہو۔ یہ جو قانون ملک کے تحت دیگر مالیاتی ادارہ اپنے کھاتہ داروں کو ۱۵ فیصد شرح سے زیادہ نفع نہیں دیتا ہے، خواہ اس ادارہ کو اس سے زیادہ ہی نفع کیوں نہ حاصل ہوا ہو۔ بظاہر یہ کھاتہ داروں کے ساتھ فراڈ ہے، اس لئے اس سے بہر حال بچنا ضروری ہے۔ پھر اگر اس پندرہ فیصد شرح سے کم نفع ہوا ہو تو اس صورت میں ادارہ کا خسارہ ہے۔ اس لئے فارم بھرتے وقت ہی یہ عہد لے لیا جائے کہ فی الحال قانون ملک کی تحدیدات کی پابندی کرتے ہوئے صرف ۱۵ فیصد شرح سے منافع دیئے جائیں گے۔ بعد ترک معاملہ بقیہ کل منافع دیدئے جائیں گے تو یہ میرے خیال میں

صحیح ہونا چاہئے۔

۲-(۱) اب رہی وہ صورت کہ اگر کوئی حاجتمند ادارہ سے یہ خواہش کرے کہ وہ مال مطلوبہ بازار سے اپنے سرمایہ سے خرید کردے اور وہ مال مطلوبہ کی قیمت فوراً نہیں بلکہ مثلاً تین ماہ بعد ادا کرے گا اور ادارہ بھی اس بات پر رضامند ہو کہ وہ مال مطلوبہ اپنے سرمایہ سے خرید کردے گا، لیکن اس پر کچھ ضروری مصارف اور اپنا کچھ منافع قیمت خرید میں شامل کرے گا۔ تو ادارہ کا اس طرح سے کچھ منافع حاصل کرنا جائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں مدت متعین اور عاقدین باہم رضامند ہیں، اور یہی چیز مرابحہ کے لئے کافی ہے، پھر یہ کہ یہاں عقد بھی الگ الگ ہو رہا ہے۔

(۲) اسی طرح یہ بھی صورت بیع کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ چونکہ یہاں الف اور ب کے مابین ایک الگ معاہد بیع ہوا، پھر الف اور ادارہ کے مابین ایک الگ اور دوسرے انداز میں بیع ہوئی، اور الف ایک سو روپے سے کم (نوے روپے) میں فروخت کرنے پر راضی بھی ہے، پھر ب کے ساتھ اس معاملہ میں کسی قسم کا کوئی غبن بھی نہیں ہے۔ پہلے بھی اسے اسی قدر روپے دینے تھے اور اب اسے اسی قدر روپے دینے ہیں۔

(۳) البتہ وہ صورت عدم جواز کی اختیار کرلے گی کہ ادارہ کسی مال کے خریداری کے خواہشمند ہی کو اپنے ایجنٹ (وکیل) کے طور پر استعمال کرے کہ وہ خود اپنے ہی لئے اپنی ہی پسند سے مال خریدنے کے لئے سرمایہ اس شرط پر فراہم کرے کہ مال ادارہ کے سرمایہ سے وہ شخص خریدے اور پھر قیمت خرید میں کچھ اضافہ کے ساتھ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنے ہی کو فروخت کرے اور وہ قیمت خرید ادارہ کے حوالہ کرے۔

وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک ہی شخص ادارہ کا وکیل بھی ہو رہا ہے اور خود اپنے لئے خریدار بھی، یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ یہ حقوق عاقد سے متعلق ہوتے ہیں اور یہاں یہ عاقد نہیں بلکہ وکیل ہے۔ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

"وليس للوكيل بالبيع أن يبيع من نفسه لأن الحقوق تتعلق بالعاقد

فیؤدی إلیٰ أن یکون الشخص الواحد فی زمان واحد مسلّما ومستلماً،مطالباً ومطالباً وھذا محال وکذا لایبیع من نفسه وإن أمره المؤکل بذلک لما قلنا" (جلد۶ صفحہ ۲۸)۔

اگر یہ کہا جائے کہ مال مطلوبہ خریدنے کے بعد ادارہ مالک ہوگیا، پھر ادارہ کی طرف وہ وکیل بالبیع ہوکر خود اپنے لئے خرید لیا، تو یہ صحیح نہیں۔ اولاً تو ادارہ نے اسے وکیل بالبیع بنایا نہیں ہے، اگر وہ بنا بھی دے پھر بھی درست نہیں، کیونکہ بدائع الصنائع کی عبارت "وکذا لایبیع من نفسه وإن أمره المؤکل "اس پر صاف دال ہے، وجہ اس کی وہی ہے جو اس سے پہلے والی صورت کی ہے۔

البتہ یہ صورت اپنائی جاسکتی ہے کہ وہ شخص جسے وکیل بالشراء بنایا گیا ہے، اولاً وہ مال مطلوبہ خرید کر ادارہ کے حوالہ کردے اور پھر ادارہ اس شخص سے علیحدہ معاملہ خرید فروخت کرے۔ یہاں معاملہ خرید فروخت دو ہونے کی وجہ سے یہ صورت جواز میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

۷- اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ جس کمپنی سے یہ ایکویٹی شیئر اسلامی مالیاتی ادارہ خریدے گا تو اسے اس کے جملہ قیود وشرائط کی پابندی بھی کرنا ہوگی، اور ان جملہ قیود وشرائط میں سے ایک حصول منافع سے پہلے شرح منافع کا طے کرلینا بھی ہے۔منافع مجہول ہونے کی وجہ سے شرح منافع طے کرلینا عقد کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ کا اس طرح سے معاملہ کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہوسکتا، اگرچہ وہ کمپنی جو اس طرح سے سرمایہ فراہم کرکے کاروبار کرتی ہے خلاف شرع نہیں ہے۔

۸- پھر اسلامی ادارہ کی اس پہلو پر بھی نظر ہونی چاہئے کہ ہر وہ حصص جن میں ربا یا شبہ ربا ہو اسے ہرگز نہ خریدے۔خواہ وہ ڈبینچر (سود بردار حصص) کی شکل میں ہو یا ایکویٹی شیئر کی، سود بہرحال سود ہے۔خواہ اس کے ذریعہ ملنے والے سود سے استفادہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

۱۰،۹- پھر یہ پہلو بھی پیش نظر ہے کہ اگر وہ (ادارہ) کسی شخص کی ضمانت لے رہا ہے اور اس ضمانت پر اسے کچھ رقم بطور کمیشن مل رہی ہے، اگر یہ رقم اجرت مثل ہے تو ادارہ کا اس طرح سے لینا جائز ہے، کیونکہ یہ اس کے ایک سعی وعمل کا ثمرہ ہے، اور اگر یہ صرف ضمانت پر ہو تو پھر ادارہ کا اس طرح سے لینا یا کسی کا بذات خود کمیشن دینا صحیح نہیں، خواہ اس کی نوعیت جونسی ہو (دیکھئے: کفایت المفتی ۱۵۸/۸)۔

۱۱- اسلامی مالیاتی ادارہ اس پہلو پر بھی غور کرلے کہ شریعت مطہرہ نے ہر اس نفع کو ربا میں شمار کیا ہے جو کسی قرض کے تحت حاصل ہوا ہو، خواہ اس کا کچھ اور نام رکھ دیا گیا ہو۔

یہاں جو صلہ یا منافع بینک کو حاصل ہو رہا ہے وہ اسی قرض کے ضمن میں ہے جو کچھ عرصہ قبل بینک نے اس ضرورت مند شخص کو ٹرک خریدنے کے واسطے دیا تھا۔ اس سلسلے میں فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کا باعث ہو اور اس کے ضمن میں جو نفع حاصل ہو رہا ہو وہ ربا (سود) ہے، شامی میں ہے:

"کل قرض جر نفعاً فھو حرام" (شامی ۱۶۶/۵)۔

"وفی الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو" (درمختار مع الرد ۵/ ۱۶۶)۔

اور علامہ ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں:

"کل قرض شرط فیه أن یزیده فھو حرام بغیر خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا علی أن المستسلف إذا شرط علی المستلف زیادة أو ھدیة فأسلف علی ذلک إن أخذ الزیادة علی ذلک ربا" (المغنی لابن قدامہ ۳۶۰/۳ بحوالہ مجلہ فقہ اسلامی ۵۹۱/۳) ہر وہ قرض جس میں زیادتی مشروط ہو حرام ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر قرض دینے والے نے قرض چاہنے والے پر زیادتی یا ہدیہ کی شرط لگائی پھر اس کے ساتھ قرض کا معاملہ کیا تو اس پر زیادہ لینا ربا (سود)

قرار پائیگا۔

اس لئے اگر بینک کسی سے اس طرح کا معاملہ کرے تو نہ اس رقم سے خود استفادہ کرے اور نہ مد محفوظ پیدا کرنے کی غرض سے استعمال میں لائے۔ اسی طرح سے بینک ان حصص کے بھی خریدنے سے احتراز کرے جن میں سود پایا جاتا ہو۔

۱۳- اور اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ مختلف رقموں کے سود کا حساب ایک رکھے بلکہ ہر ہر رقم کا الگ الگ حساب رکھے۔ خواہ وہ سود از روئے قانون (جبر) رقموں کے رکھنے پر ملا ہو یا وہ قرض دہندگان سے وصول ہوا ہو۔

۱۴- لیزنگ (اجارہ) کے معاملہ کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر ادارہ کو یہ حق نہیں کہ قسط کی ادائیگی کے قصور کی صورت میں اس پر کسی بھی طرح سے کچھ رقم بطور تاوان عائد تیار کرے، کیونکہ یہ اس شخص کے ساتھ ظلم ہے، پھر یہ کہ مالی تاوان کی شریعت میں اجازت بھی نہیں ہے۔

پھر اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ لازماً مدت اجارہ کی تکمیل کے لئے کوئی معاہدہ کرے، خواہ شروع ہی میں کیوں نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے وہ اس کا ایفاء نہ کر سکے، لازماً مدت اجارہ کی تکمیل کا معاہدہ کرنا ظلم و تعدی کا راستہ ہموار کرنا ہے، اس لئے بہر حال اس جیسے معاہدہ سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

۱۵- پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ادارہ اور کاروباری کے مابین کوئی بھی شکوہ شکایت کا پہلو نہ ہو، اگر کاروباری کے مال غبن کرنے کا خدشہ ہو تو پھر ایسے شخص سے ادارہ کوئی کاروبار کا معاملہ نہ کرے بلکہ باوثوق کاروباری سے معاملہ کرے۔ صرف متوقع نفع کا تخمینہ لگالینا کسی حد تک جائز نہیں ہوسکتا، کیونکہ نفع زیادہ بھی ہوسکتا ہے اور کم بھی، اور کوئی وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ نفع بالکل نہ ہو۔ شریعت میں اسی صورت کا نام مخابرہ ہے اور مخابرہ حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من لم يترک المخابرة فليؤذن بحرب من الله ورسوله" (ابوداؤد شریف)

جو شخص مخابرہ نہیں چھوڑے گا تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلان جنگ سن لینا چاہئے۔

مخابرہ کی بالکل وہی صورت ہے جس کی سوالنامہ میں صراحت کی گئی ہے۔ فرض کیجئے آپ کی ایک زمین ہے اور آپ وہ زید کو اس معاہدے پر کاشت کے لئے دیں کہ وہ غلہ کی ایک معین مقدار مثلاً پانچ من ہر فصل پر آپ کو دیتا رہے گا۔ خواہ اس کی پیداوار کم ہو یا زیادہ یا بالکل نہ ہو، یا مثلاً یہ معاہدہ طے ہو کہ جتنی پیداوار پانی کی نالیوں کے قریبی حصوں پر ہوگی وہ آپ کو دیدے اور باقی کاشتکار کا رہے، یہ معاملہ مخابرہ کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے کو ربوا کی ایک شکل کہہ کر حرام فرمایا ہے (جواہر الفقہ ۳/ ۱۲۶، ۱۲۷)۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

۸

چوتھا باب

اختتامیہ

مناقشہ (۱):

[اکیڈمی کا تیسرا فقہی سمینار دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں منعقد ہوا جس میں حقوق کی خرید وفروخت، ہندوستان میں سود کا حکم، غیر سودی قرض سوسائٹیوں کے طریقہ کار، مرابحہ کا مروجہ طریقہ، اور اسلامک بینکنگ کے موضوعات زیر بحث آئے تھے، سمینار کے مناقشہ کا ایک حصہ جدید فقہی تحقیقات جلد سوم میں شریک اشاعت ہے، اس کا ایک حصہ جو غیر سودی اسلامی بینکنگ نیز غیر سودی امدادی سوسائٹیوں اور مالیاتی اداروں سے متعلق ہے، اس جلد میں شریک اشاعت ہے]۔

بعد نماز عصر ۹/جون ۱۹۹۰ء

زیر صدارت

حضرت مولانا ابوالسعود صاحبؒ (سابق امیر شریعت کرناٹک)

قاضی صاحب:

اس اجلاس میں بینکنگ کے موضوع پر بحث کا آغاز ہوگا۔ بینک تجارت نہیں کرسکتا۔ اور جب تجارت نہیں کرسکتا تو روپیہ سے روپیہ کمائے گا۔ روپیہ فطری طور پر ذریعہ تبادلہ ہے۔ زر سے اشیاء کے بجائے زر حاصل کرنے کا رجحان افراط بھی پیدا کرتا ہے اور دوسرے مسائل بھی۔ بینک کے لفظ سے اعتماد، وثوق اور بھروسہ پیدا ہوتا ہے، لیکن بینکنگ کو سود سے الگ نہیں کیا

جا سکتا۔ جب اسلامی بینک کا لفظ ہم بولتے ہیں تو چونکہ بینک کے لفظ کے ساتھ سود کا نام جڑا ہوا ہے اس لئے برا لگتا ہے، لیکن مجبوری یہ ہے کہ بینک کی خصوصیات ایسی ہیں کہ بینک کے لفظ کے بغیر چارہ نہیں، اب ہم نیا کام شروع کر رہے ہیں، یہ کہنا مشکل ہے کہ ایک دو مجلس میں قطعی فیصلہ تک پہنچ جائیں گے۔ بلکہ ہم ایک راہ کا آغاز کردیں گے اور کوئی متبادل چیز پیش کرسکیں گے۔

جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب فریدی:

ہمارے سامنے دو مسئلے ہیں۔ ایک یہ کہ موجودہ زمانہ میں شریعت کی ہدایات کے مطابق کس طرح مالی نظام وضع کیا جاسکے، جو بینک کا بھی کام کرسکے اور شریعت کے مطابق بھی ہوسکے، ہمیں یہاں ہندوستان کے حالات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا، دقت یہ ہے کہ کچھ شکلیں شریعت کے مطابق نہیں، اور کچھ شکلیں شریعت کے مطابق تو ہیں لیکن قانوناً ممنوع ہیں، ہندوستان اور بعض ممالک کے قانون کے اعتبار سے کوئی بھی بینک تجارت، زراعت یا صنعت میں براہِ راست سرمایہ نہیں لگا سکتا، کیونکہ ہندوستان کے سارے بینک ریزرو بینک کے ذریعہ کنٹرول ہوتے ہیں، ریزرو بینک کا بڑا ذریعہ سود ہے، ظاہر ہے کہ غیر سودی بینک ہندوستان کے قانون کے خلاف ہے۔

میرے نزدیک ایک طریقہ یہ ہے کہ سب لوگ حکومت ہند پر زور ڈالیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کے تشخص کو برقرار رکھنے اور شریعت پر عمل کرنے کے لئے اپنے قوانین میں ترمیم کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تین صورتیں ہماری گفتگو میں گڈمڈ ہوجاتی ہیں:

۱- لوگوں کو قرض حسن فراہم کیا جائے۔

میرا خیال ہے کہ اس ادارہ کو تجارت وغیرہ میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ یہ بالکل الگ ادارہ ہونا چاہیے۔

۲- تجارت وصنعت کے لئے الگ ادارہ قائم کرنا چاہیے، یہ ادارہ لوگوں سے روپیہ جمع

کر کے استثمار کے کام میں لگائے، کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ہنر اور محنت رکھتے ہیں۔ لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے کام نہیں کر سکتے۔ یہ ادارہ روپے جمع کر کے ان کے ہنر اور محنت کو کام میں لگائے گا۔ مشارکت اور مضاربت کو ملا کر بعض ممالک میں نئی شکل بنائی گئی ہے۔ اس نئی شکل سے فائدہ اٹھانا اس صورت میں آسان ہو جائے گا۔

۳- یہ صورت بھی اسلام کی رو سے بالکل ناجائز ہے۔ اس لئے کسی بینک کو اسلامی بنیاد پر چلانے کی کوشش لاحاصل ہے۔ تجارتی بینک وہ ہے جو سرمایہ جمع کرتی ہے اور بڑا سرمایہ بناتی ہے۔ حکومت کے قانون کے مطابق ہندوستان، برطانیہ، امریکہ کے مطابق کوئی بھی بینک براہ راست انوسٹمنٹ نہیں کر سکتا، کہ روپیہ ذریعہ بھی ہے اور مطلوب شئے بھی بن گیا ہے۔

صرف ایک شکل رہ جاتی ہے، وہ ڈیولپمنٹ بینک کی ہے۔ وہ فراکس میں ہے۔ دنیا میں جو اسلامی بینک قائم ہیں وہ معروف تجارتی بینک نہیں، جس طرح کے دوسرے تجارتی بینک ہیں۔

بعض شکلیں ایسی رائج ہوگئی ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ مثلاً حکومت نے دس ہزار روپے قرض دیئے اس شرط کے ساتھ کہ اس پر دس فیصد سود ہوگا، لیکن اگر پانچ ہزار روپے ادا کر دئے گئے تو اتنی رقم معاف ہو جائے گی، اس صورت میں سود کا فیصلہ کرنا مشکل ہوگا۔

ان سارے مسائل کے تعلق سے دنیا میں سوچا بھی گیا ہے اور سوچا بھی جا رہا ہے۔ ہمیں ہندوستان میں فیصلہ کرتے وقت ان فیصلوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔

ہندوستان کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم تینوں میدانوں میں ماڈل بنائیں، جب ماڈل بن جائے تو علماء کے سامنے رکھکر فیصلہ لیا جائے، اگر ماڈل نہ ہو تو اس طرح کے سمینار سے محض علمی فائدہ ہو سکتا ہے، عملی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

قاضی صاحب:

مختلف ممالک میں جو مختلف اسلامی منصوبے کام کر رہے ہیں۔ تجارت کے وہ طریقے

جو شرعاً درست ہیں ان کی تھوڑی تفصیل فرمائیں۔

مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی:

آپ نے کہا کہ اسلامی بینک استثمار نہیں کرسکتا۔

ڈاکٹر فریدی صاحب:

میں نے یہ نہیں کہا کہ اسلامی بینک استثمار نہیں کرسکتا، بلکہ یہ کہا کہ موجودہ بینک براہ راست نہیں کرسکتے، کوئی بینک طویل المدت قرض نہیں دیتا، بلکہ قصیر المدت قرض دیتا ہے، سوڈان اور مصر میں تو ایسا ہوا کہ جب اسلامی بینک قائم ہوا تو لوگوں نے عام بینکوں سے اپنے روپے نکال کر ان بینکوں میں رکھنے لگے، یہاں تک کہ حکومت نے عام بینکوں کے بند ہوجانے کے خطرہ کے پیش نظر پابندی لگائی۔

ماہرین کی رائے بینکنگ کے بارے میں بہت بدل چکی ہے۔ماہرین میں سے بہت سے لوگ اسلامی بینک کو زیادہ مفید سمجھنے لگے ہیں۔

امریکہ، برطانیہ، اور دوسرے ممالک میں جو بینک ہیں وہ براہ راست تجارت نہیں کرسکتے، اور اسلامی بینک بغیر تجارت کے قائم نہیں ہوسکتے، بیع اور ربوا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ایسے اداروں کا قیام جن کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہو، اور جائز طریقے اختیار کریں، ناجائز کاموں سے اجتناب کریں، اس سلسلہ میں ایک خاکہ تیار ہونا چاہیے۔

ایک شخص کے پاس سرمایہ اور افرادی قوت ہے، اس کے پاس ہنر بھی ہے، ان تین چیزوں سے ایک شخص کامیاب تاجر اور صناع بنتا ہے، ایک شخص کے پاس ان میں سے ایک یا دو چیزیں ہیں، باقی نہیں، اور اصول یہ ہے کہ سرمایہ کا ارتکاز نہیں ہونا چاہئے۔اس کی استثماری صلاحیت کو آگے بڑھانا چاہیے۔اگر سرمایہ منجمد رہتا ہے تو دن بدن اپنی قوت خرید کم کرتا جاتا ہے، جو چیزیں ہم نے شریعت میں پڑھی ہیں ان میں مشارکت بھی ہے، آج کے دور میں کاروبار میں افراد کے حصہ کو محدود کردیا گیا ہے، اسلامی فقہ میں اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، ہمارے موضوع

سے زیادہ قریب شرکت عنان ہوسکتی ہے، بڑی فیکٹری اور صنعت کے قیام میں کوئی بھی شریک ہو سکتا ہے، شریعت اسلامی میں نفع کی امید کے ساتھ نقصان کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔

آپ سرمایہ ضائع نہ ہونے دیں اور معاشرہ کی افرادی قوت کو بھی بربادی سے بچائیں، آپ رب المال اور مضارب بن کر کام کریں، ان دونوں چیزوں کو جوڑ کر بذریعہ مضاربت کام کیا جاسکتا ہے۔ اس میں بھی رب المال اور مضارب کو نقصان ہوسکتا ہے۔ اجارہ کو بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی چیز شرع کی رو سے درست نہ ہو، لیکن لیزنگ درست ہے، بہت سی چیزیں بڑی حد تک بیع سلم سے قریب ہیں۔ علماء غور کریں کہ ہبہ اور بیع کی رائج شکلوں میں سے کون سی درست ہے اور کون سی نہیں؟

اس سلسلہ میں ایک بحث مرابحہ کی آگئی ہے۔ میں ایک شے بیچتا ہوں، اس سے بحث نہیں کہ اس نے کتنے میں حاصل کی ہے۔ میں جتنے میں چاہوں گا بیچوں گا۔ اگر حاصل کی ہوئی قیمت پر بیچی جائے تو اسے تولیہ کہتے ہیں۔ عرب میں جو تاجر تھے وہ ایسا کرتے تھے، مرابحہ کی بنیاد امانت پر ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ یہ چیز اتنے میں پڑی ہے۔ مرابحہ کا معاملہ نقد بھی ہوسکتا ہے۔ ہول سیلرس کو کچھ کمیشن ملتا ہے۔ ڈیلرس کو کچھ کمیشن ملتا ہے۔ ایک شخص نقد لے رہا ہے تو اس کو سامان دس روپے کم میں مل جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مرابحہ میں ادھار بیچنے میں جو قیمت زیادہ ہوتی ہے وہ درست ہے یا نہیں؟ اس پر غور کرنا چاہیے۔

مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی:

بینکنگ میں مضاربت تو صحیح ہے۔ شرکت عنان کی شکل میں دقت آسکتی ہے۔

قاضی صاحب:

شرکت مفاوضہ میں مساوات ضروری ہے، کیا شرکت عنان میں بھی ضروری ہے؟

اسرار صاحب:

کیا اسلام نے منافع کی تحدید کی ہے؟

قاضی صاحب:

یہ سوال ابھی ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری:

شرکت مفاوضہ میں مساوات ضروری ہے۔شرکت عنان میں بھی ضروری ہے۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی:

مرابحہ کے سلسلہ میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں اس پر میں نے لکھا ہے۔دیکھ لیا جائے۔

قاضی صاحب:

ضرور۔

ڈاکٹر محروس المدرس:

اردن، دوبئی، بحرین اور سعودی عرب میں اسلامی بینک کام کررہے ہیں، یہ بینک عوام کی خدمات متعدد طریقوں سے کررہے ہیں، اسلامی بینک کا قیام وقت کا شدید تقاضا ہے، ہر حکومت کا اپنا قانون ہوتا ہے۔ہندوستان میں اسلامی بینک قائم کرنے سے پہلے یہاں کی حکومت کے قوانین کا جائزہ لینا ضروری ہے۔پھر اسلامی قوانین میں گنجائش تلاش کرنا ہے۔نیز سود اور کسب غیر مباح کے ہر شائبہ سے پاک رکھنا ضروری ہوگا۔

میری تجویز ہے کہ ڈاکٹر فریدی جیسے ماہرین حضرات سرکاری قوانین کا جائزہ لے کر ایک رپورٹ تیار کریں۔اور یہ رپورٹ سمینار کے شرکاء کو تقسیم کی جائے،تا کہ غور وفکر میں سہولت ہوسکے۔

ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ کیا ہندوستان میں کوئی ایسا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے جس میں مسلمانوں کی زکوۃ بھی جمع ہو اور امانتیں بھی، فقراء کی امداد بھی ہو، اور عام مسلمانوں کو قرض بھی دیا جائے، اس ادارہ کے کارکنوں کی تنخواہ زکوۃ کی رقم سے پوری کی جائے۔

زکوۃ کا مال سارے مال سے الگ کر دینے کے بعد جب ہلاک ہو جائے یا تلف ہو جائے تو دوبارہ زکوۃ کی رقم نکالنا ضروری ہے۔ لیکن اگر اجتماعی ادارہ کے ذمہ داروں کو سپرد کر دینے کے بعد ہلاک ہو جائے تو صاحب مال پر دوبارہ زکوۃ کی رقم عائد نہ ہوگی، بلکہ ادارہ ضامن ہوگا۔

زکوۃ کی ادائیگی، وجوب کے بعد فی الفور لازم نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ادائیگی علی سبیل التراخی ہو سکتی ہے۔ البتہ فی الفور ادا کر دینا افضل ہے۔ اس ادارہ میں زکوۃ وغیر زکوۃ کی جو رقم جمع ہوگی اس کو کاروبار میں لگایا جائیگا۔ ادارہ کے ذمہ دار معطین اور فقراء دونوں کے وکیل ہوں گے۔ یہ میری ایک تجویز اور ایک خیال ہے۔ اس سے رفاہی ادارہ کے قیام میں روشنی ملے گی، تجارتی بینک کے تخیل کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا عبداللہ صاحب:

تملیک ضروری ہے یا نہیں؟

شیخ محروس المدرس:

فقہاء کرام نے یہ بحث کی ہے کہ کیا کوئی عالم، یا وہ شخص جو اپنے علاقہ میں مشہور و مرجع ہے۔ اپنے ہاتھ سے دوسرے لوگوں کے مال کی زکوۃ فقراء کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایک رائے یہ ہے کہ ایسا شخص نہ تو دوسروں کے مال کی زکوۃ لے اور نہ اپنے ہاتھ سے فقراء کو دے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ایسا عالم یا شخص لے سکتا ہے، اور فقراء کو تقسیم کر سکتا ہے، کیونکہ وہ عوام کا مرجع ہے۔ اس کے ہاتھ سے لینے میں کسی کو عار نہ ہوگا، جبکہ صاحب مال کے ہاتھ سے لینے میں کبھی کبھی لوگ عار محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے یہ شخص جب دینے کی نیت سے لے گا تو صاحب مال کا وکیل

ہوگا۔ اور اگر تقسیم سے قبل زکوۃ کی رقم ہلاک ہو جائے تو بعض آراء کے مطابق زکوۃ ساقط ہوجائے گی، پس جو مال زکوۃ ہلاک ہوجائے گا اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اور جو مال ہلاک نہ ہوگا وہ مستحقین تک پہنچے گا، یا کاروبار میں لگ کر نفع آور ہوتا رہے گا۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی:

لیکن اس صورت میں سوال یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کس وقت معتبر ہوگی؟

شیخ محروس المدرس:

مزکی کا ذمہ محض ادارہ میں جمع کر دینے سے ساقط ہوجائے گا۔ ہاں! ذمہ دار ادارے اس وقت بری ہوں گے جب مستحقین تک پہنچا دیں گے۔

مفتی عزیز الرحمن فتحپوری:

مستحقین کو دینے سے قبل اگر ہلاک ہو جائے تو کیا ہوگا؟

شیخ محروس المدرس:

جیسا کہ میں نے اس سے قبل عرض کیا کہ مزکی کا ذمہ کل مال سے زکوۃ کی رقم الگ کرتے ہی بری ہوگا۔

مولانا عتیق احمد صاحب بستوی:

زکوۃ کے مصارف میں "فی سبیل اللہ" سے کیا مراد ہے؟

شیخ محروس المدرس:

اس سلسلہ میں فقہاء احناف کی دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد "ہر عمل خیر" ہے۔ متاخرین نے دوسری رائے

کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ اور اسی بنیاد پر انہوں نے مساجد، دینی مدارس، طلبہ علم اور بے سر و سامان مسافروں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز بتایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حالات کا تقاضا ہے کہ اسی دوسری رائے کو اختیار کیا جائے۔

جن حضرات نے "سبیل اللہ" کو جہاد کے مفہوم میں منحصر کہا ہے۔ ان کا یہ حصر کسی شرعی بنیاد پر نہیں تھا۔ بلکہ ان کے زمانہ میں سبیل اللہ کی جہاد کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں تھی۔ اس زمانہ کے لوگوں کی حاجتیں ہماری طرح نہ تھیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں اسلامی حکومت تھی۔ جس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوجاتی تھیں۔ اور دینی مدارس کے اخراجات کی کفالت حکومت کرتی تھی، اب حالات میں تغیر آگیا ہے۔ اس لئے زمانہ کے اقتضاء کے مطابق اب "سبیل اللہ" سے ہر امر خیر مراد ہے، وکالت کی بات بھی محض میرا تخیل نہیں ہے، بلکہ فقہائے احناف اُسے لکھ چکے ہیں۔

قاضی صاحب:

چیزیں دو ہیں: ایک ہے ایسا ادارہ یا ادارہ میں ایسا شعبہ ہونا جو زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے مستحقین کو تقسیم کرے۔ دوسری چیز ہے اس ادارہ یا اس شعبہ کا لوگوں کی امانتیں جمع کرنا اور طالبین کو قرض دینا، کارکنوں کی اجرت زکوٰۃ سے دینا کیا درست ہوگا؟ خواہ بقدر کفایت دی جائے۔ ظاہر ہے کہ ادارہ میں زکوٰۃ اور ودائع دونوں رقمیں جمع ہوں گی، اور اجرت صرف زکوٰۃ کی مد سے دی جائے گی، تو کیا یہ درست ہوگا؟ ان حالات میں کیا ہم اخراجات کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ کی رقوم کو تجارت یا صنعت میں لگا سکتے ہیں؟ یا کسی دوسرے کاروبار میں لگا سکتے ہیں؟

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ امیر شریعت، یا بیت المال شرعی کو شرعاً دینا چاہیے۔ کیونکہ قرآن شریف میں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ "خذ من أموالهم صدقة تطهرهم" اس لئے زکوٰۃ جمع کرانا اور تقسیم کرانا اصولاً امیر شرعی کا کام ہے۔ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ وہ اپنے طور پر بھی تقسیم کر سکتے ہیں، اس زمانہ میں فقراء اور مستحقین بہت ہی کم تھے۔ لیکن آج حالات میں سخت انقلاب آگیا ہے۔ آج فقراء کی

تعداد زیادہ ہے۔ اور تقسیم زکوۃ کا نظم کسی شرعی ادارہ کے حوالہ نہیں رہا، بلکہ معطیین حضرات خود ہی اپنے ہاتھوں سے روپیہ دو روپیہ کر کے مستحقین کو دیتے ہیں، یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہندوستان کے مسلمان عام طور سے اصل فقراء و مستحقین سے واقف نہیں ہوتے۔

اس صورت حال میں سوال یہ ہے کہ زکوۃ کی رقم تجارت یا صنعت وغیرہ میں مشغول کرنا درست ہوگا؟ جب کہ زکوۃ وصول کرنے والی تنظیمیں زکوۃ وصول کر کے وقت ضرورت کیلئے ذخیرہ کریں اور فقراء و مستحقین روٹی کے ٹکڑے کو ترستے رہیں۔

ہندوستان میں ہمارے لئے یہ مسئلہ سخت مشکل ہے۔ قرآن میں مصارف زکوۃ متعین ہیں، قرآن کا نظام عادلانہ ہے۔ لیکن مذکورہ صورت حال میں کیا حق کی ادائیگی ہوگی؟

عرب ممالک اور ہندوستان کے حالات میں فرق ہے۔ عرب ممالک میں دولت زیادہ ہے اور فقراء نہیں کے درجہ میں ہیں۔ اس کے برعکس ہندوستان میں مال کم اور فقراء زیادہ ہیں۔ اس لئے ہندوستان کو عرب ممالک پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

اگر سبیل اللہ کے مفہوم میں ہر امر خیر کو داخل کر دیا جائے اور اضافہ کی نیت سے ہی، اگر مال زکوۃ میں تجارت کی اجازت دیدی جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ مال زکوۃ کو نجی املاک بنا لیں گے، ظاہر ہے کہ یہ نظام ہر جگہ کے لئے عام ہوگا، اور ہر جگہ امانت دار شخص کا ملنا مشکل ہے۔

شیخ محروس کی پہلی تجویز سے مجھے اتفاق ہے کہ مال زکوۃ جمع کیا جائے۔ اور مد مذکورہ سے عاملین کی تنخواہ دی جائے۔ البتہ دوسری تجویز سے مجھے اتفاق نہیں کہ مال زکوۃ میں تجارت کی اجازت دی جائے۔

شیخ محروس المدرس:

میں نے محض تجارت تک محدود رکھنے کے لئے نہیں کہا، بلکہ کوئی شخص محتاج اور فقیر ہو، اس کو تجارت کا سامان خرید کر دیدیا جائے گا اور تجارت کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ جب اس کی تجارت کامیاب ہوجائے تو اس کو تجارت کے سارے سرمایہ کا مالک بنا دیا جائے گا۔

رہ گئی بات دیانت دار اور ایماندار شخص کے فقدان اور اہل شخص نہ ملنے کی تو عرض ہے

کہ اس امر پر میرے خیال میں بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اصلاً یہ بات درست ہو کہ امانت دار شخص کو ذمہ دار بنایا جائے تو جہاں ایماندار شخص ہوگا وہاں اس کو ذمہ دار بنایا جائے گا، ناجائز پہلو کو جائز پہلو کے ساتھ اور جائز پہلو کو ناجائز پہلو کے ساتھ مخلوط کر کے اصل مسئلہ کو ممنوع کہنا صحیح نہ ہوگا۔

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ دیانت و امانت کی ترغیب و تحریض کی جائے۔ حسن معاملات اور حسن اخلاق کی تاکید کی جائے، اور معاشرہ میں صلاح و نیکی کے جذبات کو ابھارا جائے تو خیانت کا رجحان و میلان کم ہو جائے گا۔ اور اس طرح امانت دار افراد دستیاب ہونے لگیں گے۔

قاضی صاحب:

شیخ محروس کی اس وضاحت کے بعد اب مجھے کوئی اختلاف نہیں۔

مولانا احمد بیمات:

یہ کس طرح درست ہوگا کہ مصارف زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مصرف میں زکوٰۃ صرف کی جائے؟

کسی طرح زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے خرچ نہ کی جائے، بلکہ وقت ضرورت کے لئے محفوظ رکھی جائے اور زکوٰۃ کی جو رقم محفوظ ہوگی وہ فقراء کی ملکیت ہوگی۔ جب معاملہ ایسا ہے تو میرا خیال ہے کہ اب بحث کی ضرورت نہیں۔

شیخ محروس المدرس:

میں اسے حرام نہیں کہتا ہوں۔ میری تجویز بابت جمع و تقسیم زکوٰۃ اچھی ہے۔

مناقشہ (۲):

۱۶/ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۰/جون ۱۹۹۰ء

زیر صدارت
ڈاکٹر شیخ محروس المدرس (بغداد)

فیروز صاحب پونا:

ہندستان میں تقریباً ۲۰ لاکھ فیکٹریاں ہیں۔ اور لگ بھگ ۲ لاکھ انڈسٹریاں ہیں، ۱۸/ سال قبل ہم نے پونا میں تگاری بنانے کے لئے ایک انڈسٹری شروع کی۔ ابتداء میں ہمارے پاس صرف ۵/افراد تھے، اس وقت ۵۰/افراد ہیں، اس کے بعد نئی فیکٹریاں وجود میں آئیں، شروع میں ہم نے بینک سے روپے لیے، کبھی گھاٹا کبھی نفع ہوتا تھا۔ دوسری دقتیں بھی آئیں۔ بینک کو سود دینا پڑتا تھا اس لئے بینک سے روپے لینا ہم نے چھوڑ دیا۔ اور لوگوں سے پیشگی رقم لے کر کام چالو رکھا۔ اس طرح سود سے نجات ہوگئی، جن لوگوں سے ہم نے ایڈوانس لئے تھے ان کو ۲۰ فیصد ریٹرنس دیئے، حکومت نے ہماری فیکٹری کو سیک مانا تھا۔ ہم نے اپنے اخراجات امکانی حد تک کم کر دیئے۔ اس طرح چھوٹے پیانہ پر ہمارا کاروبار چالو ہوگیا۔

پروفیسر منظور صاحب مظفر پوری:

اس سے عام مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا؟

فیروز صاحب:

ہم نے چھوٹے پیانہ پر قرض حسن دینے کی اسکیم چالو کی۔ اب ہر سال ہم ساڑھے چار، پانچ لاکھ روپے قرض حسن دیتے ہیں۔

ایک آواز:

زکوٰۃ کے جمع وتقسیم کے لئے مستقل ادارہ یا ضمنی شعبہ قائم کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ حکومت قبضہ کرلے گی، جیسا کہ کرناٹک میں ہوا۔

شیخ محروس المدرس:

ایک مرکزی ادارہ ہونا چاہیے۔ اور اس کے ماتحت ذیلی شاخیں اور ملک کے ذی اثر اور با اعتماد علماء کی نگرانی میں ہونا چاہیے۔کل میں نے مرابحہ کے سلسلہ میں شوافع کی رائے عرض کی ہے۔اس رائے پر تمام اسلامی بینک عمل پیرا ہیں۔

آج کل بینک قرض دینا چاہتے ہیں یا بیچ کرکے نفع اٹھانا چاہتے ہیں یا حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا چاہتے ہیں، تو اس طرح بیک وقت تین امور پر غور کریں۔

فقہاء نے اپنے زمانہ کے حالات کے اعتبار سے فتوے دیئے ہیں اور ہم آج اپنے زمانہ کے اعتبار سے احکام شرعیہ کا اظہار کرتے ہیں۔ہم نصوص سے باہر نہیں جاتے۔

ایک ہے شے معین کا نام رکھنا مثلاً قلم کو قلم اور عصا کو عصا کہنا، یہ اجتہاد کی سب سے قلیل ترین قسم ہے، اس قسم کے اجتہاد کا وجود کبھی ختم نہیں ہوا۔

دوسری چیز تخریج ہے۔ یہی نوازل اور واقعات کے مسائل ہیں۔ اور عند الاحناف مسائل کا طبقہ ثالثہ ہے۔نوازل کے مسائل مکرر نہیں ہوتے۔ ورنہ مفتی کا کوئی کام باقی نہیں رہے گا۔ہمارے زمانہ میں جو نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں کبھی وہ من کل الوجوہ جدید ہوتے ہیں۔

نقود کے نقص کے مقابلہ میں سامان زیادہ ہو تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں: ''**إن ما يلدفع وقت التجليد يجب أن يساوى قيمة ما اقترض فقيمة الانخفاض تعوض**''۔

ترکی میں امام ابو یوسف کے اسی قول پر عمل ہے،عراق میں بھی اسی پر عمل ہے۔لیکن

نقود کا انخفاض احتمالی شے ہے۔ اور احتمال پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ہم انخفاض کی تحدید کریں، لیکن تحدید مشکل ہے۔

اس لئے میری رائے ہے کہ اس مسئلہ کو عقد توریدپر قیاس کیا جائے، کیونکہ عقد تورید کو عرف نے جائز کردیا ہے۔

میری یہ بھی رائے ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تجارت کے جو طریقے رائج ہو گئے ہیں ان کو بھی درست کہنا چاہیے، کیونکہ اگر اسے ناجائز کہا جائے تو اس میں حرج عظیم ہوگا۔

پروفیسر منظور عالم مظفر پوری:

گڈول ایک طرف اعتماد قائم کرنے کا نام ہے تو دوسری طرف سازش سے بچنے اور جھوٹے پروپیگنڈہ کا نام ہے، اس لئے گذارش ہے کہ گڈول پر روشنی ڈالی جائے۔

قاضی صاحب:

مولانا عتیق احمد صاحب بستوی کے مقالہ نے چند سوالات پیدا کئے ہیں، ان کے اس مقالہ میں صرف عبارتیں نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ اس مقالہ سے ایک نیا فکری رخ سامنے آیا ہے۔ جہاں تک تعلق ہے حقوق کی بحث کا تو شرع اور قانون کی اصطلاحات اس سلسلہ میں مختلف ہیں، اور اس پر اچھی بحث المدخل فی الفقہ الاسلامی میں ہے۔ قانون جدید میں اور فقہ اسلامی میں جو کچھ مال، حق اور ملک کے بارے میں لکھا گیا ہے اس پر ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے بھی اپنی کتاب الفقہ الاسلامی میں اچھا لکھا ہے۔ حضرات علماء کو پڑھنا چاہیے۔ فقہ میں عام طور پر جو چیزیں ہیں ان پر ہمارے علماء کی نگاہ تو ہے لیکن جدید قانون میں ملک کیا ہے؟ اور حقوق کیا ہیں؟ جن سے موجودہ عہد کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، ان پر بھی ہمارے علماء کی نظر ہونی چاہیے۔ انگریزی زبان میں جو لٹریچر ہیں ان سے استفادہ تو مشکل ہے۔ لیکن عرب علماء نے جدید قانون اور قدیم فقہ کو سامنے رکھ کر جو بحثیں کی ہیں ان سے ہم لوگوں کو عربی زبان کے ذریعہ براہ راست مدد مل سکتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شرع کے بہت سے احکام میں عرف کو اچھا خاصا دخل ہے، لیکن عرف کے اعتبار کو اگر ہم عام کردیں تو خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ ثبوت عرف کے سلسلہ میں ایک بات یہ بھی ہے کہ عرف متوارث چلا آرہا ہے یا نہیں؟ عہد نبوی سے کوئی چیز متواتر معروف چلی آرہی ہے تو ایک طرح کا سند جواز اسے خود آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور تابعین سے حاصل ہوجاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرف حادث ہے۔ یہاں یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ بعض احکام، تعریفات، اور لغت کی بعض تعبیرات وہ ہیں جن کی بنیاد ہی عرف پر ہے یا عادت اور احوال پر ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کی بنیاد شریعت کے ثابت، مستقل اور پائدار اصولوں پر ہے، اس لئے کوئی بھی ایسا عرف جو ان منصوص، پختہ، پائیدار اصولوں کے خلاف ہوجائے گا وہ عرف باطل تسلیم کیا جائے گا، اور اس کی وجہ سے حکم شرع میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ لیکن وہ احکام وتعبیرات اور اصطلاحات جن کے لئے شرع میں کوئی نص وارد نہیں ہے، بلکہ وہ عادات اور احوال ناس پر مبنی ہیں۔ ان کے مفہوم کا تعین اور مصداق کا تعین، حالات اور عرف کی تبدیلی کے بعد جن پر وہ مبنی تھے لازمی طور پر نہیں رہے گا، بلکہ نئے عرف کے مطابق ان کا تعین کیا جائے گا۔ امام قرافی نے لکھا ہے:

"الأحكام التي تترتب على العوائد المجددة والأحوال المتغيرة، هل إذا تغيرت تلك العوائد وتغيرت تلك الأحوال يجوز للمفتي أن يفتي بما أفتوه أو لا"۔

امام قرافی کا سوال ہے کہ جن احکام کا مدار عرف وعادت اور احوال پر ہے تو کیا زمانہ، عرف، عادت اور احوال کی تبدیلی کے بعد بھی مفتی کے لئے جائز ہے کہ سابق میں جو فتویٰ ایک خاص حال، عرف اور عادت کو پیش نظر رکھ کر دیا گیا تھا، اسی کو دہراتا رہے۔ امام قرافی فرماتے ہیں کہ هذا جهالة في الدين، جب احوال متغیر ہوگئے تو شرع کے احکام میں بھی تغیر ہوگا۔

یہ شرع میں ترمیم نہیں ہے۔ ایک مثال سے سمجھئے۔ بخار کا ایک نسخہ ہوتا ہے، تو کیا بخار اترنے کے بعد بھی وہی بخار والا نسخہ استعمال کیا جائے گا۔ اور کیا یہ صحیح ہوگا؟

امام قرافی نے تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصطلاحی اجتہاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ حالات کی تبدیلی کے بعد ان احکام کے بارے میں جن میں عرف اور عادت کا دخل ہو نئے احکام کی تفریع کر سکتے ہیں۔

ہمیں بنیادی طور سے یہ دیکھنا ہے کہ ثروت اور تمول کن چیزوں سے حاصل ہوتا ہے، اور کن چیزوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ ایک شخص کی ذہنی اور جسمانی محنت اور سرمایہ خرچ کرنے کے بعد اس کی کوئی چیز وجود میں آتی ہے۔ اور دوسرے لوگ محض تجارتی نفع حاصل کرنے کے لئے اس شخص کی محنت وسرمایہ کو نظر انداز کر کے اپنے طور پر اس کی اشاعت کرنے لگتے ہیں تو کیا درست ہوگا؟ ظاہر ہے کہ یہ تاجروں کا استحصال ہے۔ کسی دینی مقصد کے لئے نہیں ہے۔ آپ ایک لاکھ قرآن کے نسخے شائع کریں کون روکتا ہے، ہمیں اس پر بھی غور کرنا ہے اور کوئی فیصلہ کرنا ہے۔

پچھلے سمینار میں کرنسی کے بارے میں کچھ فیصلے کئے گئے تھے۔ اس میں دوملکوں کی کرنسیوں کو دو جنس مانا گیا تھا، اور کمی وزیادتی کے ساتھ اس کی بیع کو جائز قرار دیا گیا تھا۔

ایک ملک کی کرنسیوں کے تبادلہ کے بارے میں جو تجویز تھی اس میں یہ شرط ہے کہ نقد ہونا چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا دوملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ میں بھی نقد کی شرط ہونی چاہئے یا نہیں؟ گذشتہ سمینار کی تجویز اس سلسلہ میں ساکت ہے۔ میں ممنون ہوں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب کا کہ انہوں نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس طرح سونے چاندی کا تبادلہ یداً بید ہوتا ہے اسی طرح دوملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ بھی یداً بید ہونا چاہئے، ادھار نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے برعکس مولانا تقی عثمانی کی یہ تحریر ہے کہ اس سلسلہ میں نقد اور یداً بید ضروری نہیں ہے، ثمن خلقی میں ہی یہ قید ہے، ثمن اعتباری میں یہ قید نہیں ہے۔ (اس سلسلہ میں علماء کرام اور مفتیان عظام سے تحریری آراء طلب کی گئی ہیں جو علیحدہ سے شائع ہوں گی)۔

مولانا نظام الدین صاحب مبارکپور: (شیخ محروس المدرس کا مقالہ سننے کے بعد)

اس تعریف کو صاحب جامع الرموز نے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ خلاف تحقیق ہے۔

شیخ محروس المدرس:

تحقیق کس کو کہتے ہیں؟ تحقیق تو واقعہ کو دلیل سے ثابت کرنے کا نام ہے۔

مولانا نظام الدین مبارکپور:

عام فقہاء احناف نے جس تعریف کو قبول کیا ہے وہ ظاہر الروایۃ ہے، جیسا کہ رد المحتار سے سمجھ میں آتا ہے۔

شیخ محروس المدرس:

یہ محض سمجھ میں آتا ہے، میں اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔

مولانا نظام الدین مبارکپور:

جس تعریف کو تمام فقہاء احناف نے قبول کیا ہے ہم اس کو ضعیف یا غیر مختار کیسے کہہ سکتے ہیں؟

قاضی صاحب:

فقہ میں ان کا مقام کیا ہے معلوم ہے؟

مولانا نظام الدین صاحب:

معلوم ہے۔ لیکن عرض یہ ہے کہ تمام فقہاء کی مقبول تعریف کو ہم ضعیف یا غیر مختار کیسے کہہ سکتے ہیں۔

قاضی صاحب:

جب امام محمد سے ثابت ہے، اور قہستانی اس کو خلاف تحقیق کہتے ہیں تو قہستانی کی رائے محل نظر ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

صاحب ہدایہ نے مہر کے بیان میں لکھا ہے کہ خدمت امام محمدؒ کے نزدیک مال ہے۔

شیخ محروس المدرس:

جامع الرموز کتب معتبرہ میں سے نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

صحیح ہے۔

مولانا نظام الدین صاحب:

صاحب جامع الرموز نے لکھا ہے کہ اصول کے مطابق منافع مال نہیں۔

قاضی صاحب:

شیخ محروس یہ فرما رہے ہیں کہ منافع کی مالیت کے بارے میں احناف کے متعدد اقوال ہیں، نیز ائمہ شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے بھی اقوال ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ائمہ حنفیہ کے قول سے بلاضرورت عدول کر کے امام شافعی کے مسلک کو اختیار کرے تو شیخ فرماتے ہیں کہ یہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ جب فقہاء احناف کے یہاں دوسرا مقبول قول موجود ہے تو دوسری فقہ کی طرف عدول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

مولانا نظام الدین:

یہ میں نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے۔

قاضی صاحب:

یہ شیخ کی رائے ہے، ممکن ہے کہ آپ کی دوسری رائے ہو، اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ محروس المدرس:

فقہاء اگر چہ منافع کو مال نہیں کہتے لیکن شے کی مالیت اور تقوم میں فرق کرتے ہیں۔ فقہاء کہتے ہیں کہ مالیت کا ثبوت شریعت کی طرف سے نہیں ہے بلکہ لوگوں کے تمول کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور تقوم کا ثبوت لوگوں کے تقوم کی وجہ سے تو ہوتا ہی ہے اور اس امر سے ہوتا ہے کہ شریعت نے اسے مباح الانتفاع بنایا ہے۔

اس طرح مالیت کے ثبوت کے لئے ایک شرط ہے اور تقوم کے لئے دو شرطیں ہیں۔ پس شریعت کی طرف سے منافع کے تقوم کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور ہم اس کو مال سمجھتے ہیں، تو اس سے جواز کا پہلو کھل کر سامنے آ گیا۔

لغت میں حق کے معنی بہت زیادہ ہیں۔ مناطقہ اور متکلمین کے نزدیک حق کی تعریف یہ ہے: **''هو الحكم الثابت المطابق للواقع''**۔

حق کا اطلاق قول، عقائد اور ادیان پر بھی ہوتا ہے۔

اصولی حضرات حق کی دو قسمیں کرتے ہیں: حق اللہ، اور حق العباد۔

صاحب تلویح سے حق اللہ کی یہ تعریف منقول ہے:

''المراد بحق الله في قولهم ما يتعلق به النفع العام۔''

اس قول کی روشنی میں حق اللہ کی تعریف میں بنیادی جوہر **''ما يقوم به النفع العام''** ہے۔

حق العبد سے مراد وہ شے ہے،جس میں کوئی خاص مصلحت ہو،مصلحت کیا ہے؟منفعت کا دوسرا نام ہے۔

حق کبھی مالی ہوتا ہے اور کبھی غیر مالی،قرآن مجید کی آیت:"یا أیھا الذین آمنوا إذا تداینتم" میں مال کو حق کہا گیا ہے۔اس حق کا عوض لیا جاتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالی نے اس کی کتابت کا حکم دیا ہے۔حق غیر مالی کی ایک قسم وہ ہے جس کا عوض نہیں لیا جاتا جیسے جینے کا حق، گفتگو کرنے کا حق، مسجد میں بیٹھنے کا حق، کھانے کا حق، راستہ سے گذرنے کا حق، اور ہبہ، وقف تبرع میں مالک کا حق وغیرہ۔

ان میں سے بعض حقوق کبھی مالی بھی ہوجاتے ہیں۔چنانچہ مالکیہ کے یہاں مسجد میں بیٹھنے کے حق کا عوض لیا جانا درست ہے۔اور احناف کے یہاں نزول عن الوظائف کا عوض جائز ہے۔وظائف پر اجرت لینا اصلاً درست نہیں ہے، لیکن اجرت علی الطاعۃ کو اس سے مستثنی کیا گیا ہے۔

جو حقوق مالی نہیں ہیں ان میں سے بعض حق کا عوض لینا متاخرین فقہاء حنفیہ نے درست قرار دیا ہے۔جیسے وظیفہ سرکاری سے دستبرداری کا عوض جائز قرار دیا گیا ہے، حالانکہ وظائف سے دستبرداری کا عوض فی نفسہ درست نہیں۔

☆☆☆